زکوٰۃ سے متعلق 400 فتاویٰ کا مجموعہ

فتاویٰ اہلسنّت

احکامِ زکوٰۃ

پیشکش:

مجلسِ افتاء (دعوتِ اسلامی)

MC 1286

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب : فتاوی اہلسنت

پیشکش : مجلسِ اِفتاء (دعوتِ اسلامی)

جمع وترتیب : اُستاذُ الفقہ ابو محمد مُفتی علی اصغر العطاری المدنی مدظلہ العالی

معاون فی التحقیق : مولانا محمد منیر رضا العطاری المدنی، مولانا سید مسعود علی العطاری المدنی

طباعتِ اوّل : ذیقعدۃ الحرام ۱۴۳۳ھ، بمطابق ستمبر 2012ء

تعداد : ----

ناشر : مکتبۃ المدینہ فیضان مدینہ محلّہ سوداگران پرانی سبزی منڈی باب المدینہ، کراچی

مکتبة المدینه کی شاخیں

- کراچی : شہید مسجد، کھارادر، باب المدینہ کراچی — 021-32203311
- لاہور : داتا دربار مارکیٹ، گنج بخش روڈ — 042-37311679
- سردار آباد : (فیصل آباد) امین پور بازار — 041-2632625
- کشمیر : چوک شہیداں، میر پور — 058274-37212
- حیدر آباد : فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن — 022-2620122
- ملتان : نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ — 061-4511192
- اوکاڑہ : کالج روڈ بالمقابل غوثیہ مسجد، نزد تحصیل کونسل ہال — 044-2550767
- راولپنڈی : فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک، اقبال روڈ — 051-5553765
- خان پور : دُرانی چوک، نہر کنارہ — 068-5571686
- نواب شاہ : چکرا بازار، نزد MCB — 0244-4362145
- سکھر : فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ — 071-5619195
- گوجرانوالہ : فیضانِ مدینہ، شیخوپورہ موڑ، گوجرانوالہ — 055-4225653
- پشاور : فیضانِ مدینہ، گلبرگ نمبر 1، النور سٹریٹ، صدر

مدنی التجاء: کسی اور کو یہ کتاب چھاپنے کی اجازت نہیں

کتابِ ہٰذا سے متعلق اپنی آراء وتجاویز اس ایڈریس پر میل کر سکتے ہیں

daruliftaa@dawateislami.net

اجمالی فہرست

بابِ ثانی زکوٰۃ نکالتے وقت پیش آنے والے مسائل

بابِ ثالث اَموالِ زکوٰۃ

باب رابع **مصارفِ زکوٰۃ**

باب خامس **زکوٰۃ کی وصولی اور استعمال**

باب سادس **جانوروں پر زکوٰۃ**

باب سابع **عُشر**

باب ثامن

تحقیقی مقالات

(آئندہ ایڈیشن میں ان شاء اللہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ ط اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ ط بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

کچھ دار الافتاء اہلسنّت اور کتابِ ھٰذا کے بارے میں

(از: شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت حضرت علامہ مولانا ابو بلال محمد الیاس عطار قادری رضوی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ **)**

سیِّدُ الْمُرسَلین، خاتَمُ النَّبِیِّین، جنابِ رحمۃٌ لِّلعٰلمین صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمانِ دلنشین ہے: **وَاللّٰہِ لَاَنْ یَّھْدِیَ اللّٰہُ بِھُدَاکَ رَجُلًا وَّاحِدًا خَیْرٌ لَّکَ مِنْ حُمُرِ النَّعَمِ۔ یعنی اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی قسم! اگر **اللہ** تَعَالٰی تمہارے ذَرِیعے کسی ایک کو بھی ہدایت دیدے تو یہ تمہارے لئے سُرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔(سنن ابو داؤد، ج ۳، ص ۴۵۰، الحدیث ۳۶۶۱) حضرتِ سیِّدُنا **کَعْبُ الْاَحْبار** رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ فرماتے ہیں: **جَنَّۃُ الْفِرْدَوْسِ خَاصَّۃً بِمَنْ یَّاْمُرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْھٰی عَنِ الْمُنْکَرِ۔ یعنی** جنّتُ الفردوس خاص اُس شخص کے لئے ہے جو نیکی کا حکم دے اور بُرائی سے منع کرے۔(تنبیہ المغترّین ص ۲۹۰)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ! سن ۱۴۰۱ھ بمطابق 1981ء میں بابُ المدینہ کراچی میں بننے والی تبلیغِ قراٰن و سنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک **دعوتِ اسلامی** زندگی کے ہر شعبے میں نیکی کی دعوت کو عام کرنے کے لئے کوشاں ہے۔ **اللہ** عَزَّوَجَلَّ کی رحمتوں، **میٹھے میٹھے مصطفٰی** صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی عنایتوں، **صحابۂ کرام** رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُم کی بَرَکتوں، **اولیائے عِظام** رَحِمَہُمُ اللہُ السَّلَام کی نسبتوں، **علما و مشائخِ اہلسنّت** دَامَتْ فُیُوضُہُم کی شفقتوں اور **مبلّغینِ دعوتِ اسلامی** کی کوششوں کے نتیجے میں **دعوتِ اسلامی** کا مَدَنی پیغام بابُ الاسلام (سندھ)، پنجاب، خیبر پختون خواہ، کشمیر، بلوچستان اور پھر ملک سے باہر ہند، بنگلہ دیش، نیپال، عرب امارات، سی لنکا، برطانیہ، اَمریکا، آسٹریلیا، کوریا، جنوبی افریقہ اور کئی یورپین ممالک سمیت (تادمِ تحریر) دُنیا کے تقریباً **187 مُلکوں** میں **پہنچ** چکا ہے اور مزید آگے کوچ جاری ہے۔ **ہزاروں** مقامات پر ہفتہ وار **سنّتوں بھرے اجتماعات** ہو رہے ہیں نیز بے شمار سنّتوں کی تربیّت کے **مَدَنی قافلے**

مُلک بہ مُلک، شہر بہ شہر اور گاؤں بہ گاؤں اِس مَدَنی مقصد کے حُصول کیلئے سرگرمِ عمل ہیں کہ **''مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے۔''** **اِنْ شَآءَ اللّٰہ** عَزَّوَجَلَّ

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ ! اس وقت (یعنی 25 رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ میں) **دعوتِ اسلامی** کم و بیش **81** شعبوں میں سنّتوں کی خدمتوں میں مشغول ہے۔ انہی میں سے ایک اہم ترین شُعبہ **دارُ الاِفتاء اَھلِ سُنّت** بھی ہے جو مسلمانوں کی شَرعی رہنمائی کرنے میں مصروف ہے۔ **دار الافتاء اَہلِ سنّت** کی پہلی شاخ ۱۵ شعبانُ المُعَظَّم ۱۴۲۱ھ جامع مسجد کنزالایمان، بابری چوک، بابُ المدینہ (کراچی) میں کھولی گئی۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہ** عَزَّوَجَلَّ تادمِ تحریر پاکستان کے مختلف شہروں میں **دار الاِفتاء اھل سنّت** کی **10** شاخیں ہیں جہاں **دعوتِ اسلامی** سے وابستہ **علمائے کرام** سے بالمشافہ شَرعی مسائل دریافْت کیے جاسکتے ہیں اور تحریری فتویٰ بھی لیا جاسکتا ہے جبکہ انٹرنیٹ پر دعوت اسلامی کی ویب سائٹ **www.dawateislami.net** کے ذریعے بھی دنیا بھر سے سُوالات کیے جاسکتے ہیں۔ **دار الافتاء اھل سنّت** سے مجموعی طور پر ماہانہ سینکڑوں تحریری فتاوٰی اور فون، بالمشافہ اور ویب سائٹ پر بذریعۂ آواز دیئے جانے والے جوابات سمیت ہزاروں زبانی فتوے جاری ہوتے ہیں، مسلمانوں کو پیش آمدہ جدید مسائل کے حل کے لئے **مجلسِ تحقیقاتِ شرعِیّہ** بھی قائم ہے جو کہ دعوتِ اسلامی سے وابستہ عُلَما و مفتیانِ کرام پر مُشتمِل ہے۔ دعوت اسلامی کے تحت قائم سینکڑوں مساجد، نیز نئی تعمیر ہونے والی مساجد، جامعات، مدارس المدینہ اور اِجارہ کے معاملات دیکھنے کے لئے عالمی مَدَنی مرکز فیضانِ مدینہ میں مکتب اِفتاء قائم کیا گیا ہے۔ تمام ذمہ داران کو تاکید، تاکید، تاکید ہے کہ وقف کے قیام، نئی تعمیرات، قائم شدہ عمارات میں کسی بھی قسم کی تبدیلی و اضافے نیز اِجارے سے متعلق معلومات وشرعی رہنمائی اوران معاملات میں کسی بھی قسم کی دینی اُلجھن کے حل کے لئے اس مکتب سے رابطہ کریں۔ اس کا میل ایڈریس ifta@dawateislami.net ہے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہ عَزَّوَجَلَّ ! قبل ازیں دعوتِ اسلامی کا اشاعتی ادارہ مکتبۃ المدینہ **دار الافتاء اھل سنّت** سے

جاری ہونے والے **فتاویٰ اہلسنّت** کی 8 اقساط شائع کر چکا ہے، یہ آٹھ اقساط تو رسائل کی طرز پر فتاویٰ کا مختصر مجموعہ تھا مگر اس بار دارُ الافتاء اہل سنت کے شعبۂ فتاویٰ اہل سنّت نے صِرف زکوٰۃ کے موضوع پر تقریباً 400 فتاویٰ کی تدوین فرما کر پوری ایک جلد تیّار کی ہے جو ''**احکامِ زکوٰۃ**'' کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ **اَلْحَمْدُ لِلّٰہ** عَزَّوَجَلَّ اس میں زکوٰۃ کے نہایت اہم مسائل پر مختلِفُ الْاَنواع اور بہت ہی معلوماتی فتاویٰ موجود ہیں، یہ کتاب مسائلِ زکوٰۃ کے فرض عُلوم کی تحصیل میں بہت مُعاوِن ثابت ہوگی۔ اسے خود بھی پڑھئے اور دیگر اسلامی بھائیوں کو بھی پڑھنے کی ترغیب دے کر عظیم الشّان ثواب کمائیے، نیز اس کتاب کو اپنی مساجد کے امام صاحِبان، خُطَبا حضرات، اور دیگر عُلمائے کرام کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی کو تحفۃً پیش کر کے ثوابِ دارین کے حقدار بنئے۔ **اِنْ شَآءَ اللّٰہ** عَزَّوَجَلَّ یہ کتابِ مستطاب عُلمائے کرام کیلئے عظیم سرمایہ ثابت ہوگی۔ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ ہمیں ذوق وشوق کے ساتھ علمِ دین حاصل کرنے، احکامِ شریعت پر چلنے، دعوتِ اسلامی کے سنّتوں کی تربیّت کے مدنی قافلوں میں سنّتوں بھرا سفر کرنے اور ''مَدَنی اِنعامات'' کا عامل بننے کی توفیقِ رفیق عطا فرمائے۔ **اٰمین بِجاہِ النَّبِیِّ الْاَمین** صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

صَلُّوا عَلَی الْحَبِیب!   صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلٰی مُحَمَّد

طالبِ غمِ مدینہ و بقیع و مغفرت و بے حساب جنّت الفردوس میں آقا کا پڑوس

۲۵ رمضان المبارک ۱۴۳۳ھ

14-8-2012

تفصیلی فہرست

فصل: 2 مالِ زکوٰۃ سے قرض اور حاجتِ اَصلیہ کا مُنہا ہونا

فصل: 3 نصابِ زکوٰۃ اور اس سے متعلق مسائل

فصل: 4 اَموالِ غیر نامی اور مسائلِ زکوٰۃ

فصل: 5　اَموالِ زکوٰۃ پر سال گزرنے کی شرط اور ضروری مسائل

بابِ ثانی — زکوۃ نکالتے وقت پیش آنے والے مسائل

فصل: 6 — زکوۃ نکالنے کا طریقہ اور عمومی مسائل

فصل: 7 — نصاب ملانے کی صورتیں

فصل: 8 — گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ

فصل: 9 دوسروں کے پاس جمع شدہ مال پر زکوٰۃ

فصل: 10 ادائیگیٔ زکوٰۃ کون کرے؟

فصل: 13 کرنسی پرائز بانڈ سے متعلق مسائلِ زکوٰۃ

فصل: 14 مالِ تجارت سے متعلق مسائلِ زکوٰۃ

فصل: 18 شرعی فقیراوراحکامِ زکوٰۃ

بابِ خامس — زکوٰۃ کی وصولی اور استعمال

فصل: 19 وکیلِ زکوٰۃ کے مسائل

فصل: 20 زکوٰۃ اکٹھی کرنے والی تنظیموں کے مسائل

فصل: 21　مدارِس اور مسائلِ زکوٰۃ

فصل: 22　حیلۂ زکوٰۃ کے مسائل

بابِ سادس — جانوروں پر زکوٰۃ

فصل: 23 — جانوروں پر زکوٰۃ

بابِ سابع — عُشر

فصل: 24 — عشر کے مسائل

بابِ ثامن

تحقیقی مقالات

(آئندہ ایڈیشن میں ان شاء اللہ)

1. عام فرد، ریٹیلر، ہول سیلر مالِ زکوٰۃ کی قیمت کا تعین کیسے کریں؟ مسائلِ زکوٰۃ سے متعلق تحقیقی مقالہ

   از: مفتی فضیل رضا العطاری زِیْدَ مَجْدُہ

2. عیال کی جانب سے شرعی فقیر کو برادری یا سماجی سطح پر قائم خیراتی فنڈ سے زکوٰۃ کے سوال کرنے کی تنقیح

   از: مفتی علی اصغر العطاری المدنی زِیْدَ مَجْدُہ

3. طویل المیعاد قرضوں کا مِنْہا ہونا اور اس کے دلائل

   از: مفتی ہاشم خان العطاری المدنی زِیْدَ مَجْدُہ

4. گھر کے سربراہ کی بغیر اجازت فطرہ، قربانی اور زکوٰۃ کی ادائیگی پر تنقیح

   از: مولانا سجاد العطاری المدنی زِیْدَ مَجْدُہ

5 صدقاتِ واجبہ کو باہم اور نافلہ کے ساتھ خلط کرنے کے مسائل اور رخصت اور ممانعت کا پہلو

از: مولانا حسان رضا العطاری المدنی زِیْدَ مَجْدُہ

6 شیئرز پر زکوٰۃ کی تحقیق

از: مولانا نوید رضا العطاری المدنی زِیْدَ مَجْدُہ

دارالافتاء اہلسنت

کی مختلف شاخیں

شہر	دارالافتاء	پتا
باب المدینہ کراچی	دارُالْاِفْتَاء اَہلِسُنَّت کنزالایمان موبائل: 0302-2204497	جامع مسجد کنزالایمان جہانگیر روڈ کراچی
باب المدینہ کراچی	دارُالْاِفْتَاء اَہلِسُنَّت نورالعرفان فون: 021-32203646	بخاری مسجد، نزد پولیس چوکی کھارادر کراچی
باب المدینہ کراچی	دارُالْاِفْتَاء اَہلِسُنَّت تمہیدالایمان فون: 021-36691002	جامع مسجد مصطفیٰ سیکٹر 1 میٹروول سائٹ کراچی
باب المدینہ کراچی	دارُالْاِفْتَاء اَہلِسُنَّت فیضانِ اجمیر فون: 021-34232786	رضا مسجد بالمقابل موبائل مارکیٹ کورنگی نمبر 4 کراچی
حیدرآباد	دارُالْاِفْتَاء اَہلِسُنَّت باب الاسلام فون: 022-2621563	آفندی ٹاؤن بالمقابل فیضانِ مدینہ حیدرآباد
سردار آباد (فیصل آباد)	دارُالْاِفْتَاء اَہلِسُنَّت فون: 041-8555591	جامع مسجد زینب محمدیہ کالونی سوساں روڈ مدینہ ٹاؤن سردار آباد (فیصل آباد)
مرکزالاولیاء لاہور	دارُالْاِفْتَاء اَہلِسُنَّت فون: 042-37114231	دربار مارکیٹ نزد مکتبۃ المدینہ گنج بخش روڈ مرکز الاولیاء لاہور
مرکزالاولیاء لاہور	دارُالْاِفْتَاء اَہلِسُنَّت فون: 042-37572626	فرسٹ فلور لطیف پلازہ مرکز الاولیاء لاہور
راولپنڈی	دارُالْاِفْتَاء اَہلِسُنَّت فون: 051-5511445/4303459	بالمقابل حاجی احمد جان بینک روڈ صدر
گلزار طیبہ (سرگودھا)	دارُالْاِفْتَاء اَہلِسُنَّت	ڈیری فارم روڈ بلاک نمبر 16 گلزار طیبہ (سرگودھا)

عرضِ حال

از: اُستادُالفقہ رکنِ مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ
ابو محمد مفتی علی اصغر العطاری المدنی مُدَّظِلُّہُ العَالِی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ وَ الصَّلٰوۃُ وَ السَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ ط اَمَّا بَعۡدُ ط بِحَمۡدِہٖ تَعَالٰی

فتاویٰ اہلسنّت کی ''کِتَابُ الزَّکٰوۃ'' پر مشتمل جلد اس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ یہ ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو زیادہ تر 1426ھ تا 1432ھ بمطابق 2005ء تا 2011ء کے درمیان دارُالاِفتاء اہلسنّت کی مختلف شاخوں سے جاری ہوئے۔ البتہ چند فتاویٰ 2012ء کے بھی شامل کئے گئے ہیں اور دو چار فتاویٰ 2005ء سے پہلے کے بھی اس مجموعے میں موجود ہیں۔

یہ فتاویٰ چار مفتیانِ کرام کے اپنے قلم سے لکھے ہوئے یا ان کی زیرِ نگرانی لکھوائے گئے فتاویٰ کا مجموعہ ہے جن کے اسماء یہ ہیں:

﴿1﴾ حضرت ابو الصالح مفتی محمد قاسم قادری صاحب مُدَّظِلُّہٗ

﴿2﴾ حضرت مفتی فضیل رضا عطاری صاحب مُدَّظِلُّہٗ

﴿3﴾ مفتیٔ دعوتِ اسلامی حضرت مفتی محمد فاروق عطاری مدنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الغَنِی

﴿4﴾ اور کچھ فتاویٰ راقمُ الحُرُوف کے ہیں۔

ان چار کے علاوہ جتنے بھی مجیب حضرات کے نام آپ ملاحظہ فرمائیں گے انہوں نے بحیثیت مُتَخَصِّص، یا نائب مفتی کے چار میں سے کسی نہ کسی کے تحت رہتے ہوئے فتاویٰ لکھے ہیں۔ اس سے قبل کہ فتاویٰ اہلسنّت کی اس جلد پر کام اور خصوصیات کے حوالے سے کچھ عرض کیا جائے پہلے دعوتِ اسلامی اور دارُالاِفتاء اہلسنّت کے بارے میں کچھ

عرض کرتا ہوں۔

کچھ دعوتِ اسلامی اور دارُالاِفتاء اہلسنّت کے بارے میں

دارُالاِفتاء اہلسنّت تبلیغ قرآن وسنت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک دعوتِ اسلامی کے شعبہ جات میں سے ایک اہم شعبہ ہے جو قبلہ شیخِ طریقت امیرِ اہلسنّت حضرت مولانا محمد الیاس عطار قادری رضوی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ کی امتِ محمدیہ علٰی صَاحِبِہَا الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام کی خیر خواہی واصلاحِ مسلمین کی کڑھن کے نتیجے میں 15 شعبان المعظم 1421ھ بمطابق 2000ء کو معرضِ وجود میں آیا۔

دارُالاِفتاء اہلسنّت کا مرکزی اور سب سے پہلا دارُالاِفتاء ''جامع مسجد کنزُ الایمان جہانگیر روڈ بابری چوک کراچی'' پر واقع ہے۔اس کے علاوہ بابُ المدینہ کراچی اور کراچی سے باہر تادمِ تحریر کُل دس دارالافتاء قائم ہیں، چار دارُالاِفتاء باب المدینہ کراچی میں، ایک حیدرآباد میں، دو مرکز الاولیاء لاہور میں، ایک سردار آباد (فیصل آباد) میں، ایک راولپنڈی اور ایک گلزارِ طیبہ (سرگودھا) میں قائم ہے۔اس کے علاوہ مکتبِ افتاء کے نام سے دارالافتاء اہلسنّت کی ایک شاخ عالمی مرکز فیضانِ مدینہ میں قائم ہے جہاں عوامی آمد ورفت تو نہیں ہوتی صِرف مساجد ومدارِس کے وقف کے مسائل اور دعوتِ اسلامی کے تحت ہزاروں اَجیر اسلامی بھائیوں کے اجارے سے متعلق شَرعی مسائل کی رہنمائی کی جاتی ہے اور ان دو موضوعات سے متعلق مسائل پر تحقیقی فتاویٰ بھی تحریر کیے جاتے ہیں۔ یہ کُل ملا کر گیارہ شاخیں ہوئیں ان تمام شاخوں میں علمائے کرام، نائب مفتی صاحبان اور مفتیانِ عظام اصلاحِ امت کے جذبہ کے تحت شرعی رہنمائی کے کام میں مصروفِ عمل ہیں۔

دارالافتاء اہلسنّت میں شرعی رہنمائی کا عمل ہر ممکن طریقے سے جاری رہتا ہے لوگ بِالْمُشافہ آکر اپنے روزمرہ کے دینی مسائل، خصوصی طور پر پیش آنے والے معاملات، تنازعات، ترکہ و وراثت، نکاح وطلاق الغرض ہر شعبۂ زندگی سے متعلق دینی مسائل پیش کرتے ہیں جن کا حل پیش کرنے کی سعی کی جاتی ہے۔اسی طرح خطوط کے ذریعے

اِستِفادہ کا سلسلہ بھی ہوتا ہے، ای میل کے ذریعے بھی لوگ اپنی دینی اُلجھنوں سے متعلق معلومات حاصل کرتے ہیں، فون کے ذریعے شرعی رہنمائی کا سلسلہ مقررہ اوقات میں جاری رہتا ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ دارالافتاء اہلسنّت مکمل طور پر ایک فعال اِدارہ ہے۔

دارالافتاء اہلسنّت دراصل اس اجتماعی کوشش اور جُہدِ مسلسل کا ایک جزء ہے جو دعوتِ اسلامی قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کرنے کے لئے جاری رکھے ہوئے ہے۔

دعوتِ اسلامی کی ویسے تو بہت ساری عمدہ خصوصیات اور بہت سارے فعال شعبہ جات ہیں لیکن ان میں سے چار بڑے ہی بنیادی شعبے ہیں۔

﴿1﴾ لاکھوں مُبلّغین کی تیاری وتربیت اوران کی اصلاحِ اُمت کے لئے عملی جدوجہد۔

﴿2﴾ اُمتِ مسلمہ کو صحت مند علمی مواد کی فراہی۔

﴿3﴾ ہر شہر وبستی تک عالم دین فراہم کرنے کے لئے جامعۃ المدینہ کا قیام۔

﴿4﴾ مسلمانوں کی دینی اور شرعی رہنمائی کے لئے دارالافتاء اہلسنّت کا قیام۔

لاکھوں مبلغین کی تیاری و تربیت اور ان کی عملی جد و جهد

دعوتِ اسلامی جوایک عالمگیر منظّم دینی اور غیر سیاسی تحریک ہے اس کے دعوت وتبلیغ کے کام کا عملی ڈھانچہ کچھ اس طرح ہے کہ ایک طرف ہزاروں، لاکھوں مبلغین ہیں جو یہ عزم لئے ہوئے ہیں کہ ''مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے۔ اِنْ شَآءَ اللہ عَزَّوَجَل۔'' اپنی اِصلاح وتربیت کا اہتمام جاری رکھنے کے ساتھ ساتھ دوسروں تک دین متین کی دعوت اور قرآن وسنّت کا پیغام عام کرنے کے لئے کوشاں ہیں، یہ مبلّغین نہ صرف مساجد بلکہ بازاروں، اسکولوں، کالجوں بلکہ شہر شہر، گاؤں گاؤں، محلّہ محلّہ اور سینہ بسینہ نیکی کی دعوت عام کرنے میں مصروفِ عمل ہیں۔ اور نیکی کی دعوت کا یہ سلسلہ انتہائی منظّم انداز سے مختلف شعبہ ہائے زندگی میں جاری ہے اور اس سلسلہ کو مزید مؤثر بنانے کے لئے بہت ساری مجالس یعنی شعبہ جات بنائے گئے ہیں مثلاً وکیلوں کا شعبہ، ڈاکٹروں کا

شعبہ، شعبۂ تعلیم، شعبۂ تاجران بلکہ جیل خانوں تک میں قیدیوں کی اصلاح اور تربیت کا عمل جاری ہے۔ اس کے علاوہ اسلامی بہنوں میں نیکی کی دعوت اور قرآن وسنت کی تعلیمات کو عام کرنے کا جو سلسلہ ہے وہ الگ۔ جہاں دعوتِ اسلامی کے پیغام اور تربیت سے متاثر ہو کر ہزاروں لاکھوں اسلامی بہنوں نے خود کو نماز، روزے، پردے اور دیگر شرعی احکام کا پابند بنایا ہے۔

یہ مبلّغین صرف مسجد مسجد یا گھر گھر جا کر ہی نہیں بلکہ جدید ٹیکنالوجی کو بروئے کار لاتے ہوئے انٹرنیٹ اور اب اَلْحَمْدُ لِلّٰہ مدنی چینل کے ذریعے بھی قرآن وسنّت کا پیغام عام کر رہے ہیں جس کی بدولت زندگیاں بدل رہی ہیں، مذہب سے لگاؤ اور دینداری بڑھ رہی ہے، لاکھوں نوجوان راہِ راست پر آئے ہیں دعوتِ اسلامی بننے کے بعد سے جتنی تعداد میں مذہبی کتابوں کی فروخت میں اضافہ ہوا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے اور بڑے بڑے دینی کتب شائع کرنے والے اداروں کے مالکان کی تصدیق اس بات کا ثبوت ہے کہ جتنی مذہبی کتب دعوتِ اسلامی سے وابستہ لوگ خریدتے ہیں کوئی اور طبقہ نہیں خریدتا۔

1981ء میں دعوتِ اسلامی کے آغاز اور ابتدا کے وقت کسی کو یہ احساس نہ تھا کہ آئندہ بیس پچیس سال بعد جدّت پسندی اور بے دینی کا طوفان ایک نئے انداز سے سر اُٹھانے والا ہے بدلتے وقت کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کی عملی حالت مزید سے مزید خراب ہونے والی ہے، کچھ ابتری ان کے اپنے ہاتھوں اور اپنے ہی کرتوتوں کے باعث ہو گی تو کچھ پستی اور عملی کمزوریاں اسلام دشمن قوتوں کی سازشوں کی بدولت وقوع پذیر ہوں گی۔

آپ زیادہ نہیں بیس پچیس سال پہلے کے وقت اور آج کے ماحول کا تقابل کر کے دیکھ لیں آپ پر واضح ہو جائے گا کہ روز بروز حالات نازک سے نازک تر ہوتے جا رہے ہیں۔

آج سے بیس پچیس سال پہلے لوگوں نے صرف ڈاکہ زنی کا نام سنا تھا لیکن آج ہر دوسرا خاندان کسی نہ کسی طرح لُٹیروں کے ہاتھوں اپنے مال سے ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ بھتہ خوری، اسٹریٹ کرائم، لُوٹ مار کا

جو بازار آج گرم ہے آج سے پہلے اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

فحاشی کا سیلاب ہے کہ تھمتا نظر نہیں آرہا، کیا کیا نت نئے ذرائع فحاشی کے ایجاد ہو چکے ہیں، برائی صرف ایک کِلک اور انگلی کی ایک حرکت کی دوری پر رہ گئی ہے اور ہر وقت دستیاب برائی کا نتیجہ سب دیکھ رہے ہیں۔ تین، چار، پانچ سال تک کے بچوں کے ساتھ آبروریزی اور پھر ان کو قتل کرنے کے جو واقعات پیش آرہے ہیں آج سے پہلے ایسے واقعات میں ایسی کثرت ہرگز نہ تھی۔

بے پردگی کا جو گراف پہلے تھا آج نہ جانے وہ کتنے فیصد بڑھ چکا ہے۔ عورتوں کے سروں سے دوپٹے اور کلائیوں سے آستینیں غائب ہو گئی ہیں شلوار کی جگہ عضو کی ہیئت اُبھارتے پاجامے اور جینز کی پینٹ نے لینا شروع کردی ہے۔

نفسا نفسی نے انسان کو آج خودکشی پر مجبور کر دیا ہے دیکھ لیں خودکشیوں کا گراف آج کس حد تک جا پہنچا ہے۔ ظلم ہے کہ رُکنے کا نام نہیں لیتا چھوٹی چھوٹی باتوں پر قتل و غارت، انتقامی کارروائیوں میں اندھا ہونا ان سب باتوں نے خاندان کے خاندانوں کا سکون برباد کر کے رکھ دیا ہے۔

پھر لوگوں کی معاشرتی زندگی کا جو حال ہے وہ سب پر عیاں ہے گھرانے امن کا گہوارہ نہ رہے، عورتوں کی شوہروں پر جرأت و بے باکی اور نافرمانی، اور شوہروں کے مظالم و جفا عام ہیں۔ اولاد و والدین کے رشتے کی کمزوری ہے کہ ہمارے ملکِ پاکستان میں اولڈ ہاؤس مَعْرِضِ وُجود میں آچکے ہیں جہاں اولاد کی طرف سے گھر سے نکالے ہوئے والدین سکون کے متلاشی اور بیزار زندگی کے دن گن گن کر کاٹ رہے ہیں۔

کاروبار و تجارت کا جو حال ہے وہ سب کے سامنے ہے بس مال آنا چاہئے، ملاوٹ اور دھوکے کے سابقہ تمام ریکارڈ ٹوٹ چکے ہیں آج یہ کہا جائے کہ بڑے تاجروں کا نوے فیصد سے زیادہ طبقہ سودی معاملات میں کسی نہ کسی طرح مُلَوَّث ہے تو بے جا نہ ہوگا۔ پھر تجارت و کاروبار میں جو عُقُودِ فاسدہ کا اِرتِکاب ہے اس کا گراف شاید پچانوے فیصد سے بھی زیادہ ہو، رفتہ رفتہ ذرائع آمدنی میں حلال و حرام کی تمیز رکھنے والے لوگ کم سے کم ہوتے جا رہے ہیں۔

آج معاشرے کے گرتے ہوئے گراف اور بدعملی کی ایک بڑی وجہ جدید ذرائع کا غلط استعمال بھی ہے۔ موبائل کی مثال آپ کے سامنے ہے اس کا دُرُست استعمال اپنی جگہ لیکن اس کے غلط استعمال سے کون واقف نہیں؟ رہی سہی کسر الیکٹرانک میڈیا نے پوری کردی ہے سینکڑوں چینلز جو چاہے دکھا رہے ہوتے ہیں جہاں چاہے لوگوں کے ذہنوں کو موڑ رہے ہوتے ہیں۔ ایک طرف تو روشن خیالی کے نام پر بے عملی کو پروان چڑھایا جارہا ہے تو دوسری طرف مذہب کی بنیادوں پر خفیہ طریقے سے حملے کئے جارہے ہیں۔ کون نہیں جانتا کہ کتنے ہی ایسے پروگرام ہیں جو غیر ملکی فنڈنگ سے چل رہے ہوتے ہیں اور ان کے دیئے گئے ایجنڈے کو آگے بڑھا رہے ہوتے ہیں اگر میڈیا کے غلط کاموں کا خلاصہ کیا جائے تو نتیجہ یوں سامنے آتا ہے، میڈیا کے مذموم تین کام: فحاشی کرو عام، مذہب ہو بدنام، لوگ ہوجائیں بے باک و بے لگام۔ ایسی سوچ لوگوں کو دی جارہی ہے کہ وہ علما سے دور ہوجائیں مَعَاذَ اللہ اس مُعزّز و قابلِ احترام طبقہ کو دقیانوس ثابت کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ایک تو معاشرے نے پہلے ہی علمائے دین کو وہ عزت و مقام نہیں دیا جس کے یہ حضرات اہل ہیں اوپر سے میڈیا ہے کہ علما پر طَعن کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتا جان بوجھ کر ایسے لوگوں کو بٹھایا جاتا ہے جو یا تو علم میں رُسوخ نہیں رکھتے یا بد مذہب ہوتے ہیں، اگر راسخُ العلم ہوں تو انہیں بولنے ہی نہیں دیا جاتا پھر یہ بھی ایک المیہ ہے کہ مذہب کا نمائندہ بنا کر ایسے نام نہاد لوگوں کو بٹھایا جاتا ہے جو بازاری اور گرے ہوئے موضوع اور بے توقیری کے ماحول میں بھی بحث کا حصہ بن کر ٹی وی میں آنے کا شوق رکھتے ہیں اور بڑے اہتمام سے ایسا ماحول پیدا کیا جاتا ہے تاکہ لوگ علما سے مُتَنَفِّر ہوں، یہ سب معاشرے کو سیکولر کرنے کی سازشیں ہیں غور کیجئے کیسے نازک حالات ہیں۔

ایسے ماحول میں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ دعوتِ اسلامی کا اکتیس (31) سال پہلے لگنے والا پودہ تن آور اور مضبوط درخت کی صورت میں ہمارے درمیان موجود ہے جو لاکھوں لاکھ لوگوں کو برائیوں میں مبتلا ہونے سے روکے ہوئے ہے، جو لوگوں کو گناہوں کی گرمی سے نکال کر اپنے ٹھنڈے اور گھنے سایہ میں لئے ہوئے ہے اور مزید لوگوں کی اصلاح کے لئے اپنی مسلسل کوشش جاری رکھے ہوئے ہے۔ بلاشبہ یہ ایک عظیم کام ہے یہی وجہ ہے کہ جیّد علمائے دین اور مفتیانِ کرام اس کام کی اہمیت وعظمت کو دیکھتے ہوئے دعوتِ اسلامی اور قبلہ شیخ طریقت امیر اہل سنت حضرت مولانا محمد الیاس عطار

قادری رضوی دَامَتْ بَرَکَاتُہُمُ الْعَالِیَہ کی تعریف میں رطب اللسان ہیں، ویسے تو اس سلسلے میں سینکڑوں علمائے کرام کے تأثرات موجود ہیں لیکن میں اہل فتویٰ میں سے صرف ایک کے کلماتِ جمیلہ پر اکتفا کرتا ہوں۔ زمانہ قریب کے جیّد اور نامور عالم ومفتی اور مفتی گر حضرت مفتی جلال الدین امجدی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فتاویٰ فقیہ ملت میں فرماتے ہیں: ”سنی عوام میں بالخصوص کافی بدعملی پھیلی ہوئی ہے ان کی اکثر مسجدیں ویران ہیں راہِ سنت سے کافی دوری پائی جارہی ہے ایسے ماحول میں ایک ایسی تحریک کی ضرورت تھی جو عوام میں پھیلی ہوئی بدعملی کو دور کرے، ویران مسجد کو آباد کرے، لوگوں کو راہِ سنت پر چلنے کی تلقین کرے اور۔۔۔۔ عقائد باطلہ کی روک تھام کر کے مذہبِ اہلسنّت ومسلکِ اعلیٰ حضرت کو فروغ دے اور بِحَمْدِ اللہِ تَعَالٰی تحریک دعوتِ اسلامی اپنے منفرد طریقہ کار سے اپنے مشن میں کافی حد تک کامیاب نظر آتی ہے۔ چنانچہ اپنے دور کے اہلسنّت وجماعت کے جیّد عالمِ دین، عظیم مفتی، شارحِ بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ تحریر فرماتے ہیں: مولانا الیاس (امیر تحریک دعوتِ اسلامی) اتنا عظیم الشان عالمگیر پیمانے پر کام کررہے ہیں جس کے نتیجہ میں لاکھوں بدعقیدہ، سنّی صحیح العقیدہ ہوگئے اور لاکھوں شریعت سے بیزار افراد شریعت کے پابند ہوگئے، بڑے بڑے لکھ پتی، کروڑ پتی، گریجویٹ نے داڑھیاں رکھیں، عمامہ باندھنے لگے، پانچوں وقت باجماعت نمازیں پڑھنے لگے اور دینی باتوں سے دلچسپی لینے لگے دوسرے لوگوں میں دینی جذبہ پیدا کرنے لگے۔“

(فتاویٰ فقیہ ملت، صفحہ 436، جلد 2، شبیر برادرز لاہور)

دعوتِ اسلامی کا مقصد محض لوگوں کو اپنی تحریک کا کارکن بنانا نہیں اور نہ ہی اس کا یہ طریقہ ہے کہ چار کلمات سکھا کر دو چار شہروں کے چکر لگوا کر لوگوں کو اپنے حال پر چھوڑ دیا جائے اور دین کا ٹھیکیدار بنادیا جائے، نہیں ایسا کرنا ہرگز درست نہیں بلکہ ان کی مسلسل فکری تربیت اور تسلسل کے ساتھ انہیں صحت مند علمی مواد فراہم کرنا ضروری ہے اور دعوتِ اسلامی میں یہ عمل اَلْحَمْدُ لِلّٰہ ہفتہ وار سنتوں بھرے اجتماعات، مدنی مذاکروں، تربیتی اجتماعات، مدنی تربیتی کورس، فرض علوم کورس، تجارت کورس، مدنی انعامات ومدنی قافلہ کورس کی صورت میں مہیا کئے جانے کے ساتھ ساتھ تحریر وتالیف کی صورت میں بھی جاری وساری ہے۔

صحت مند علمی مواد کی فراہمی:

تحریری اور تصنیفی میدان میں ایک طرف قبلہ شیخ طریقت امیر اہلسنّت دَامَتْ بَرَكَاتُهُمُ الْعَالِيَه اپنی تصنیف وتالیف کے ذریعے یہ عظیم کام انجام دے رہے ہیں۔ اسی طرح مرکزی مجلس شوریٰ کے تحت بھی بہت ہی مفید اور فکری رسائل وقتاً فوقتاً جاری ہوتے رہتے ہیں۔ خاص طور پر اس کام کو مستقل اور مسلسل جاری رکھنے کے لئے دعوتِ اسلامی نے ''المدینۃ العلمیہ'' کے نام سے جو تصنیفی ادارہ قائم کیا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے۔ جہاں علمائے اہلسنّت کی قدیم کتب کی اشاعت کے ساتھ ساتھ نئی تصانیف، تراجم، تسہیل کا سلسلہ جاری ہے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰه عَزَّوَجَلَّ پاک وہند میں اہلسنّت وجماعت کا یہ سب سے بڑا تصنیفی اِدارہ ہے جہاں بیک وقت ساٹھ سے زائد علما تصنیف وتالیف، تراجم وتخریج اور خدمتِ کتب میں لگے رہتے ہیں ۔ اب تک 215 کی تعداد میں شائع ہونے والی اصلاحی، ترغیب وترہیب اور فقہی موضوعات سے متعلق کتب اس اِدارے کی خدمات کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

ہر شہر و بستی تک عالم دین فراہم کرنے کا عزم:

اصلاحِ معاشرہ کے لئے ضروری ہے کہ ہر شہر اور ہر بستی میں علمائے دین موجود ہوں۔ اس عظیم فریضہ اور ہدف کو پورا کرنے کی دعوتِ اسلامی مسلسل کوشش کر رہی ہے جو ملک اور بیرونِ ملک اب تک جامعۃ المدینہ کے نام سے دوسو سے زائد جامعات (لِلْبَنِین) یعنی اسلامی بھائیوں کے لئے اور (لِلْبَنَات) یعنی اسلامی بہنوں کے لئے قائم کر چکی ہے۔ جہاں پر اس وقت بھی بارہ ہزار سے زائد طُلَبا اور طالبات درسِ نظامی کی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف عمل ہیں اور درسِ نظامی کی تعلیم پاکر اب تک سینکڑوں اسلامی بھائی اور اسلامی بہنیں سندِ فراغت حاصل کر چکی ہیں اور بہت بڑی تعداد میں یہ حضرات تدریس وتصنیف اور دعوت وتبلیغ کے کام میں مصروف عمل ہیں۔

مسلمانوں کی شرعی رہنمائی کے لئے دارُالاِفتاء اہلسنّت کا قیام

تین اہم ترین اداروں کے بعد اب چوتھے اہم سُتون کی طرف آیئے! یہ ہے ''دارُالاِفتاء اہلسنّت'' عام مبلغین کا کام لوگوں کو دین کی طرف لانا ہے لیکن وہ اَحکام کی تشریح وتوضیح نہیں کرسکتے۔ تصنیفی کام بھی محتاجِ تفتیش اور صحت مند ہونے کی شرط سے مشروط ہے۔ ہر فارِغُ التَّحصیل بھی ایک حد تک شرعی رہنمائی کرسکتا ہے ضروری نہیں کہ وہ پیش آنے والے ہر مسئلہ کے جواب اور تنقیح پر قادر ہو کیونکہ اس کے لئے الگ سے تربیت، مہارت اور مشق کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایسے میں ضرورت پیش آتی ہے ایسے کہنہ مشق افراد کی جو دین کی تشریح وتوضیح کرنے کے اہل ہوں، تصنیفی اُمور میں مقاصدِ شریعت کی روح کو برقرار رکھ سکیں اور لکھنے والوں کی ضرورتِ تفتیش اور تربیت کے عمل میں معاون رہیں۔ یونہی اُمتِ مُسلِمہ کو درپیش مسائل کا فوری حل قرآن وسنت کی روشنی میں بتاسکیں۔ یہی ضرورتیں پوری کرنے کے لئے دعوتِ اسلامی نے دارالافتاء اہلسنّت قائم کیا ہے۔

دارالافتاء اہلسنّت شرعی احکام پر فوری رہنمائی دینے کا ایک فعال اِدارہ ہے۔ جو فقہ اسلامی کے ہر شعبہ سے متعلق مسلمانوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ لوگ براہِ راست آکر دینی احکام سے متعلق آگاہی حاصل کرتے ہیں، دارالافتاء کے فون پر، خط بھیج کر، میل روانہ کرکے، دعوتِ اسلامی کی ویب سائٹ پر اپنا مسئلہ پوسٹ کرکے جواب حاصل کرتے ہیں اور درپیش شرعی احکام پر مُطّلع ہوتے ہیں۔

راقمُ الحُروف گزشتہ دس سال سے دارالافتاء اہلسنّت سے وابستہ ہے۔ 2002ء سے لے کر 2004ء کے نومبر تک ''دارالافتاء اہلسنّت کنزالایمان باب المدینہ'' اور اس کے بعد سے لے کر تادمِ تحریر ''دارالافتاء اہلسنّت نورالعرفان پولیس چوکی کھارادر باب المدینہ کراچی'' میں اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اس دس سال کے عرصہ میں جو سینکڑوں، ہزاروں مشاہدات اور ذاتی تجربات سامنے ہیں ان کو پیشِ نظر رکھ کر سمجھ نہیں آرہا کہ کیا کچھ قارئین کے سامنے بیان کیا جائے کہ دارالافتاء اہلسنّت نے کس کس طرح امتِ مسلمہ کی رہنمائی اور فتویٰ نویسی کے فریضے کو

انجام دیا ہے۔

اپنی یادداشتوں کو سمیٹتے ہوئے کچھ عرض کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔

مجموعی طور پر دارُالاِفتاء اہلسنّت کی خدمات کو دس مختلف سمتوں سے دیکھا جاسکتا ہے:

﴿1﴾ وقوع پذیر مسائل کا شرعی حل

ویسے تو تمام ہی دارالافتاؤں میں رجوع کرنے والے سائلین کی اکثریت وہ ہوتی ہے جو کوئی مسئلہ درپیش ہونے کے بعد شرعی رہنمائی کے لئے رجوع کرتی ہے۔ مثلاً طلاق دے دی گئی اب حکم معلوم کرنے دارالافتاء آئیں گے، کسی کا انتقال ہو گیا اب تقسیم ترکہ کے لئے دارالافتاء کی طرف رجوع ہوگا۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ میں کوئی غلطی ہوگئی، قسم یا مَنّت مانی تھی وہ ٹوٹ گئی، یہ وہ مسائل ہیں جنہیں حادثاتی مسائل یا نوازل کہا جاتا ہے کہ جب یہ معاملات وُقوع پذیر ہو جاتے ہیں تو ان مسائل کے نتائج جاننے اور آئندہ زندگی پر کیا احکامات لاگو ہوں گے ان کی آگاہی کے لئے مسلمان علمائے کرام اور دارالافتاء کی طرف رجوع کیا کرتے ہیں۔ دارالافتاء اہلسنّت کی تمام ہی شاخوں میں روزانہ اس طرح کے مسائل کا سلسلہ جاری رہتا ہے بلکہ ہر دوسری شاخ میں یہ عالَم ہے کہ وقت ختم ہو جاتا ہے عملہ اپنے گھروں کو چلا جاتا ہے دروازے بند ہو جاتے ہیں لیکن اس کے بعد بھی سائلین اپنے مسائل لے کر آ رہے ہوتے ہیں اور دارالافتاء کے پڑوس میں واقع دکان والے یا خادم وغیرہ انہیں اگلے دن آنے کا کہتے ہیں۔

﴿2﴾ روز مرہ اور معلوماتی مسائل پوچھنے والے سائلین کے جوابات

پہلی قسم کے سائلین اور دارالافتاء میں آنے والے مسائل کی قسم وہ تھی کہ جس میں معاملہ ہونے کے بعد لوگ رُجوع کیا کرتے ہیں لیکن دعوتِ اسلامی کے مدنی ماحول کی برکت ہے کہ ذمے دارانِ دعوتِ اسلامی مفتیانِ کرام سے شرعی رہنمائی لینے کے لئے لوگوں کا وقتاً فوقتاً ذہن بناتے ہی رہتے ہیں یہی وجہ ہے کہ دارالافتاء اہلسنّت کا یہ خاصہ ہے کہ یہاں حادثاتی سائلین ہی نہیں بلکہ ایک بہت بڑی تعداد میں معلوماتی سائلین کی آمد و رفت کا سلسلہ جاری رہتا ہے،

یہ وہ سائلین ہوتے ہیں جو اپنے شعبۂ زندگی میں غلطیوں سے بچنے کے لئے شرعی رہنمائی لینے اور دینی احکام معلوم کرنے آئے ہوتے ہیں۔ مثلاً کسی کا حج یا عمرہ کا ارادہ ہے تو وہ کتابیں پڑھنے کے بعد جو اس کے ذہن میں سوالات قائم ہوتے ہیں اس کی ایک لسٹ بنا کر دارالافتاء آیا ہوتا ہے اور اپنی عبادت کی بہتر ادائیگی سے متعلق سوالات کر کے دارالافتاء میں موجود عُلَما و مفتیانِ دین سے رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ کوئی کاروبار و تجارت شروع کرنے سے پہلے یا کوئی سودا کرنے یا کسی نوکری کے انٹرویو سے پہلے اس کے حلال و حرام سے متعلق رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ کوئی اپنی جائیداد کی تقسیم کا موضوع لئے دارالافتاء میں حاضر ہوتا ہے کہ میری زندگی میں یا میرے مرنے کے بعد یہ کس طرح تقسیم ہوگی، مختلف نئی مساجد کی تعمیرات یا پرانی مساجد کی تعمیراتِ نو کو لے کر اہلِ محلّہ یا کمیٹیاں آئی ہوتی ہیں کہ وقف کے مسائل کی رُو سے کیا کچھ کیا جاسکتا ہے اور کیا نہیں، یونہی اجتماعی قربانی کروانے والے بھی رجوع کیا کرتے ہیں کہ ہماری حیثیت کیا ہے اور ہمارے لئے کیا حلال ہے اور کیا حرام؟ یہ چند مثالیں تھیں مختلف شعبہ ہائے زندگی سے متعلق کہ بہت سارے لوگ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کسی معاملے کو اختیار کرنے سے پہلے عُلَما اور مفتیانِ کرام سے شرعی رہنمائی لے کر اپنے کام کا آغاز کرتے ہیں اگرچہ قبل اَز اِبتدائے معاملہ شرعی راہنمائی لینے کا عمل ابھی تک اطمینان بخش حد تک تو نہیں لیکن لوگوں میں بیداری کی ایک لہر ضرور پائی جاتی ہے اور یہ لہر بہت ساروں کو علمائے کرام تک لے بھی آتی ہے۔

﴿3﴾ فوری فوری حل کے لئے دارالافتاء اہلسنّت کی خدمات

شہر، بیرونِ شہر اور بیرونِ ملک سے روزانہ سینکڑوں سائلین فون کے ذریعے اپنے دینی مسائل معلوم کرتے ہیں اور ان میں ایک بڑی تعداد ایسے مسائل کی بھی ہوتی ہے جن کا فوری جواب ضروری ہوتا ہے مثلاً کوئی فون کر کے پوچھتا ہے کہ بیمار بکری ذبح کی، چھری چلتے وقت صرف اس کے پاؤں میں ذرا سی حرکت ہوئی اس کی کھال اُتاری جائے یا نہیں؟ یہ حلال ہے یا حرام؟ کوئی فون کر کے کہتا ہے کہ امام سے نماز میں یوں غلطی ہوگئی ہے ابھی لوگ مسجد میں ہی موجود ہیں بتائیں نماز ہوگئی یا دوبارہ پڑھی جائے؟ کوئی میّت کو غسل دینے کے لئے جاتا ہے اور پوچھتا ہے میّت کا جسم غسل دینے کے قابل نہیں جلنے سے موت واقع ہوئی ہے اسے غسل دیں یا نہیں؟ کسی کی ٹینکی میں کوئی جانور مرا ہوا پایا جاتا ہے وہ فون کر کے پوچھتا ہے کہ اس پانی کا کیا کیا جائے؟ کوئی مسافر فون کر کے پوچھتا ہے کہ میں فلاں جگہ

سے فلاں جگہ پہنچا ہوں نماز کا وقت ہے قصر پڑھوں یا پوری؟ بلکہ ایامِ حج میں حاجی صاحبان سرزمینِ حرم سے مناسکِ حج میں ہونے والی غلطیوں پر فوری رہنمائی لے رہے ہوتے ہیں کوئی طواف کا پوچھتا ہے تو کوئی کہتا ہے کہ سعی کیے بغیر سر مُنڈا دیا تو کوئی رَمی سے متعلق پوچھتا ہے تو بعض دفعہ اسلامی بہنوں کو طوافِ زیارت کرنا ہوتا ہے کہ شرعی مجبوری آجاتی ہے ایسے میں لوگ مسائل معلوم کرتے ہیں تو کوئی اپنے کسی اور مَنسک سے متعلق یا رُکن کی ادائیگی سے پہلے یا غلطی ہو جانے کی صورت میں ادائیگی کے بعد سرزمینِ حرم سے فون پر شرعی رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ عجیب بات ہے کہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ لوگ بکرا منڈی اور گائے منڈی سے فون کرکے پوچھ رہے ہوتے ہیں کہ جانور کا کان اتنا کٹا ہوا ہے یا اس میں فلاں عیب ہے قربانی ہو جائے گی یا نہیں یہ جانور خرید لیں یا نہیں؟

غور کیجئے کہ یہ کتنے نازک مسائل ہیں ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ہر فرد کو اپنے متعلقہ اور پیش آمدہ دینی مسائل سے پہلے ہی واقفیت ہوتی لیکن معاشرے کی عملی ابتری اس سے مانع ہے ایسے میں اگر لوگ عین وقت پر تشویش میں مبتلا ہوتے ہوں اور شرعی رہنمائی چاہتے ہوں تو دارالافتاء اہلسنّت کی ہر شاخ میں مقررہ اوقات میں ٹیلی فون کے ذریعے ہاتھوں ہاتھ شرعی مسائل معلوم کرنے کی سہولت موجود ہے۔ جہاں سائلین فون کے ذریعے بھی اپنے ضروری مسائل دریافت کرکے اپنی دینی اُلجھن دور کر سکتے ہیں۔

﴿4﴾ باہم تنازعات کا تصفیہ اور شرعی اُصولوں پر فیصلہ

تنازعات زندگی کا ایک اہم حصہ ہیں عقلمند لوگ انہیں خوش اُسلوبی سے طے کرتے ہیں جبکہ جاہل لوگ انہیں دشمنی اور انتقام کا رنگ دے کر نہ ختم ہونے والی بے چینی اور جہالت کا روپ دے دیتے ہیں۔ دارالافتاء اہلسنّت لوگوں کے باہمی تنازعات کا بھی مؤثر اور شرعی حل دے کر لوگوں کی دینی اُلجھن کو دور کرتے ہوئے انصاف پر مبنی طریقہ بتا کر شرعی رہنمائی کرتا ہے۔ کسی کے پیسوں کے لین دَین کا معاملہ ہوتا ہے، فریقین دارالافتاء آکر اپنا مسئلہ حل کرتے ہیں شہادت یا قسم پر فیصلہ یا تصفیہ کی صورت بنتی ہے۔ کہیں شرکاء ترکہ کی تقسیم میں اُلجھن کا شکار ہوتے ہیں ایسے میں شرکاء یا ان کے نمائندے دارالافتاء آکر مسئلہ حل کرواتے ہیں کہیں امام مسجد اور نمازیوں کی ٹھنی ہوتی ہے، مجھے یاد ہے ایک مرتبہ ایک امام مسجد اور نمازیوں کا مسئلہ تھا دارالافتاء میں باب المدینہ کراچی کے ایک علاقے سے چھت سمیت پوری

بس بھر کرآئی تھی اس بات کا فیصلہ کروانے کہ دُرست کون ہے اور غلط کون؟ یونہی کبھی فَرِیقَین یعنی میاں بیوی کا اختلاف ہوجاتا ہے ایک کہتا ہے طلاق دی دوسرا کہتا ہے نہیں دی، کہیں حُرمتِ رضاعت کا اختلاف ہوتا ہے تو کہیں دعویٰ مصاہرت اور جانب مخالف سے انکار، ایسے میں فریقین کو بلا کر دونوں کی بات سن کر شہادت اور حلف کے تقاضے پورے کرکے واضح حکم بیان کیا جاتا ہے۔

﴿5﴾ بد مذہب اور کفار کا آکر مُکالَمہ کرنا کفر و شرک اور گمراہی سے تائب ہونا

دارالافتاء اہلسنّت میں وقتاً فوقتاً یہ معاملہ بھی رہتا ہے کہ کبھی کسی بدمذہب کو کوئی صاحب لے آئے کہ انہیں یہ یہ اِشکالات ہیں اور ان کے پاس یہ یہ دلائل ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ دارالافتاء میں موجود عُلَما ان کے اِشکالات کو رفع کرتے ہیں ان کے دلائل کا مدلل جواب دیتے ہیں آنے والا اکثر مطمئن اور تائب ہوکر ہی جاتا ہے۔ مختلف مواقع پر غیر مسلم بھی آتے ہیں مثلاً ایک مرتبہ ایک قادیانی کو میرے پاس لایا گیا لانے والے اس کے رشتہ دار تھے اور باہر کے کسی ملک میں رہنے کے باعث وہ قادیانی ہوگیا تھا اس کو سنا گیا اس کو بتایا گیا کہ حق کیا ہے دلائل دیئے گئے کتابیں دکھائی گئیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہ وہ مسلمان ہوگیا۔ ابھی دو چار ماہ قبل ہی ایک نصرانی نوجوان کو ایک صاحب لے کر آئے کہ ان کو کچھ سوالات اسلام کے بارے میں کرنے ہیں دو تین گھنٹے اس سے گفتگو ہوئی اور اختتام اس بات پر ہوا کہ اصل انجیل منگوا کر اس سے آپ کو دکھاتے ہیں کہ خود انجیل کے نسخوں میں کتنا تضاد ہے اور یہ تضاد تحریف کی علامت ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ موجودہ نصاریٰ دین سیّدنا عیسیٰ عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر نہیں ہیں۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اگلی نشست کے بعد وہ نوجوان مسلمان ہوگیا۔ تو اس طرح کے مُتعَدَّد واقعات دارالافتاء کی مختلف شاخوں میں ہوتے رہے ہیں اور عُلَما کی موجودگی کا جو اہل شہر پر فرض کفایہ ہے بِحَمْدِہٖ تَعَالٰی دارالافتاء اہلسنّت کی مختلف شہروں میں واقع شاخیں اس ضرورت کو پورا کرنے میں کوشاں ہیں۔

﴿6﴾ تحریری فتاویٰ کا سلسلہ

فون، زبانی اور بالمُشافہ دینی اور شرعی رہنمائی کے ساتھ ساتھ دارالافتاء اہلسنّت سائلین کو تحریری صورت میں بھی جوابات لکھ کر دیتا ہے جو اُن کے مسائل سے متعلق تحقیقی کلام پر مشتمل اور فقہی جزئیات سے مُبَرہَن ہوتے ہیں

بعض لوگ اپنا سوال خود جمع کروا کر تحریری جواب حاصل کرتے ہیں بعض لوگ خط بھیج کر جواب طلب کرتے ہیں اور بہت بڑی تعداد کو ای میل کے ذریعے تحریری فتاویٰ اِرسال کیے جاتے ہیں۔ اب تک ایک محتاط اندازے کے مطابق دارالافتاء اہلسنّت سے ستّر ہزار سے زائد تحریری فتاویٰ جاری ہو چکے ہیں جو کُل بارہ سال کے عرصہ میں جاری ہونے والے فتاویٰ کے حوالے سے ایک ریکارڈ ہے۔ اتنے کم عرصے میں اتنے زیادہ تحریری فتاویٰ اور سائلین کی مُراجَعَت کی مثال اب تک نظر سے نہیں گزری۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اسی ذخیرہ اور ڈیٹا سے ایک عنوان سے متعلق فتاویٰ کا انتخاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ جس کو پڑھ کر بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ لوگ کس کس طرح کے مسائل پوچھتے ہیں اور ان کے جوابات میں ان کی کس طرح رہنمائی کی جاتی ہے۔

﴿7﴾ بیرونِ مُلک اور دور دراز کے مسلمانوں کی عُلَما تک آسان رسائی

دارالافتاء اہلسنّت کی ای میل سروس اور ویب سائٹ پر سوال پوسٹ کرنے کی سہولت سے سب سے زیادہ بیرونِ ملک رہنے والے مسلمانوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ جہاں باقاعدہ کوئی عالم دین نہیں ہوتا یا ہوتا بھی ہے تو بہت دور یا جن کا یا تو علم ہی نہیں ہوتا یا پھر وقت کی کمی اور فاصلوں کی طوالت مُراجَعَت سے مانع ہوتی ہے۔ پھر وہ عالم اس کا مسئلہ حل کرنے کا ادراک رکھتا بھی ہے یا نہیں یہ ایک الگ بات ہے کیونکہ حقیقی معنوں میں جو عالم ہو وہ تو ضرور روزمرہ کے مسائل کی بہتر دینی رہنمائی کر سکتا ہے لیکن ہمارے ہاں ہر امام مسجد کو ہی عالم بلکہ علّامہ کہہ دیا جاتا ہے، اور بعض تو ان میں ایسے ہوتے ہیں جنہوں نے بسا اوقات مذہبی تعلیم بھی پوری حاصل نہیں کی ہوتی تو ایسے افراد یقینی طور پر فقہ اسلامی کے تمام شعبہ جات میں شرعی رہنمائی پر قادر نہیں ہوتے ایسے میں بیرون ملک کے رہنے والوں کو دارالافتاء اہلسنّت نے یہ سہولت دی ہے کہ وہ فون کے علاوہ دو مختلف انداز میں اپنے مسائل کا حل پوچھ کر شرعی رہنمائی حاصل کر سکتے ہیں۔

ان میں سے ایک طریقہ یہ ہے کہ www.dawateislami.net پر سوال پوسٹ کر دیں اور دوسری سہولت ای میل کی ہے۔ دارالافتاء اہلسنّت سے اب تک دو میل ایڈریس سے سائلین کو جوابات دیئے جاتے ہیں ان میں سے ایک جو مدنی چینل پر نشر کیا جاتا ہے darulifta@dawateislami.net یہ ہمارے یہاں کھلتا ہے

تادمِ تحریر اس کے تمام جوابات میری ہی تصدیق و نگرانی سے جاری ہوتے ہیں۔ اس لئے مجھے ادراک ہے کہ لوگ کس کس طرح اس سروس سے رہنمائی کے ذریعے اپنے ایمان و اعمال کی حفاظت کرتے ہیں بلکہ کئی مرتبہ تو ایسا ہوا ہے کہ غیر مسلم کی میل آئی کہ میں فلاں مذہب سے تعلق رکھتا ہوں میں اسلام سے متاثر ہوا ہوں اب میں مسلمان ہونا چاہتا ہوں اس پر تین سے چار مرتبہ کا تو مجھے یاد ہے کہ میں نے اسلام لانے کا طریقہ اور اس کے مذہب کی خرابیاں بیان کرتے ہوئے توبہ اور براءت کا طریقہ سمجھا کر اسلام کے بنیادی عقائد اجمالی طور پر لکھ کر ایک مرتبہ تو مجلسِ تراجم سے اس مضمون کا انگریزی میں ترجمہ کروایا اور دو مرتبہ اپنے مختلف جاننے والوں کو میل کر کے فوری ترجمہ کروا کر ان لوگوں کو اِرسال کیا کہ اگر انہیں رومن اُردو یا اُردو پڑھنا نہ آئے تو فائدہ نہ ہوگا اس لئے انگریزی میں سارا مضمون بھجوانے کا اہتمام کیا گیا۔ یہ تو غیر مسلموں کی چند مثالیں تھیں۔ ہمارا یہ ایڈریس صرف مدنی چینل پر نشر ہوتا ہے عین ممکن ہے کہ مدنی چینل دیکھ کر یہ لوگ اسلام سے متاثر ہوئے ہوں اور براہِ راست اس ایڈریس پر رابطہ کیا ہو۔

بیرونِ ملک میں رہنے والے مسلمان بڑی تعداد میں اپنی عبادات و معاملات، رہن سہن اِختلاط و مَراسِم اور پیش آمدہ مسائل پر دینی رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔ ابھی رواں مہینے رمضان المبارک ہی کی بات ہے کہ امریکہ سے ایک شخص نے میل کی کہ ایک قادیانی خَاتَمُ النَّبِیّٖن کے معنی پر مجھ سے بحث کرتا ہے اور کہتا ہے کہ خَاتَم (تاء کے زبر کے ساتھ) اور خَاتِم (تاء کے زیر کے ساتھ) کے معنی میں فرق ہوتا ہے آپ مجھے دلائل سے آگاہ کریں کہ ہمارے اس سلسلے میں کیا دلائل ہیں؟ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ اسے دلائل اور درست موقف بھیجنے کے ساتھ ساتھ اس تنبیہ کے ساتھ میل روانہ کی گئی کہ ایسے شخص کے ساتھ ہرگز نہ اُلجھا جائے ایسوں سے اُلجھنا عُلَما کا کام ہے نہ کہ عوام کا۔ دیکھئے کس طرح سے لوگ اپنے اعمال اور ایمان کی حفاظت کے لئے دُور دَراز سے دارالافتاء اہلسنّت سے رابطہ کرتے ہیں۔ صرف اس ایڈریس پر 2010-12-1 سے اگست 2012 تک ساڑھے پانچ ہزار کے قریب ای میلز کے جوابات دیئے جاچکے ہیں جبکہ دعوتِ اسلامی کی ویب سائٹ پر پوسٹ ہونے والے سوالات تو ہر مہینہ ہزار سے زائد ہوتے ہیں جن کے جوابات دارالافتاء اہلسنّت کنزالایمان سے پہلے تحریری صورت میں دیئے جاتے تھے اور اب ان سوالات کے جوابات دارالافتاء اہلسنّت کے عُلَما زبانی ریکارڈ کر کے ساؤنڈ فائل کی صورت میں اِرسال کرتے ہیں۔

﴿8﴾ تنظیمی شرعی رہنمائی

دارالافتاء اہلسنّت کی خدمات میں یہ پہلو بھی نمایاں ہے کہ دعوتِ اسلامی جوایک عالمگیر تحریک ہے اسے روز بروز شرعی مسائل کا سامنا کرنا پڑتا ہے کبھی وقف اور چندے کے مسائل میں کبھی کسی نکتے پرتو کبھی کسی نکتے پر جہاں کہیں بھی تنظیمی ذِمّہ داران شرعی رہنمائی طلب کرتے ہیں ان کی شرعی رہنمائی کی جاتی ہے۔

﴿9﴾ تحقیقاتِ شرعیہ

دعوتِ اسلامی کے دارالافتاء اہلسنّت کے مفتیانِ کرام اور نائب مفتی صاحبان پر مشتمل عصرحاضر کے مسائل کوحل کرنے کے لئے ''مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ'' بھی اپنا وجود رکھتی ہے جوگاہے بہ گاہے مختلف اُمور پر اپنے مشورے منعقد کر کے بحث وتمحیص کے بعدنت نئے مسائل کا حل تلاش کرنے کی کوشش کرتی ہے۔

﴿10﴾ تربیتِ افتاء

فارِغُ التَّحصیل حضرات کومزید علمی ترقی اور حقیقت میں عالم بنانے کے لئے مجلس افتاء کے تحت ''تَخَصُّص فِی الْفِقْہ'' کا دوسالہ کورس ہوتا ہے جس کے بعد مزید پانچ سے دس سال کے تدریب افتاء میں مختلف مراحل طے کرتے ہوئے کوئی شخص مفتی بن سکتا ہے اس کا بھی ایک باقاعدہ مُرتَّب سلسلہ ہے جس پر ہرایک اپنی صلاحیتوں کے مطابق مختلف مراحل طے کرتا ہے۔تربیت کا یہ سلسلہ اس مقصد کے تحت ہے کہ عالَمِ اسلام کے مسلمانوں کے لئے بہترین اور مضبوط عُلَما اور مفتی حضرات پیدا کیے جائیں جو خَلقِ خدا کی دینی وشرعی رہنمائی کرسکیں۔اس کی مزید تفصیل آپ مفتی قاسم صاحب مُدَّظِلُّہٗ کے مقالے میں ملاحظہ کریں گے۔

ان چند سُطور میں آپ نے دعوتِ اسلامی کی اہمیت اور کام کے ساتھ ساتھ دعوت اسلامی کے بعض شعبہ جات کے علاوہ خاص طور پر دارالافتاء اہلسنّت کے حوالے سے یہ ملاحظہ کیا کہ یہ کس کس طریقے سے اُمت مسلمہ کی خدمت دینی کا ایک اہم شعبہ ہے۔

اب ہم آتے ہیں اپنے اصل موضوع یعنی **فتاویٰ اہلسنّت** کی طرف یہ جو کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے مسائلِ زکوٰۃ کے عنوان پر منتخب فتاویٰ کا مجموعہ ہے اس میں کیا خصوصیات ہیں وہ ملاحظہ فرمایئے:

فتاویٰ اہلسنّت پر کام اور خصوصیات

یہ کوئی گزشتہ سال 1432ھ کے جُمادَی الاُخریٰ کی بات ہے جب مجلسِ اِفتاء کا نگرانِ شوریٰ حاجی عمران عطاری زِیْدَ مَجْدُہ کے ساتھ مشورہ تھا جس میں دیگر اُمور کے ساتھ ساتھ ایک نکتہ فتاویٰ اہلسنّت کی تدوین وترتیب سے متعلق بھی تھا۔اس مشورہ میں یہ کام راقِمُ الحُرُوف کے سپرد ہوا دیگر دارالافتاء سے ڈیٹا آتے آتے کوئی مہینہ تو لگ گیا ہوگا۔سب سے پہلے تو دو چیزیں حل طلب تھیں ایک یہ کہ فتاویٰ اہلسنّت کس نوعیت کا ہوگا مختصر صورت میں یا مفصّل اور مجلد؟ بعضوں کی یہ رائے تھی کہ مختصر مختصر رسائل وقتاً فوقتاً آتے رہیں لیکن ہم اپنا ذہن یہ بنا چکے تھے کہ نہیں لانا ہے تو مفصّل اور مجلد ہی لانا ہے۔دوسرا اہم مسئلہ یہ تھا کہ سب سے پہلے کس موضوع کا انتخاب کیا جائے یعنی کس موضوع کے فتاویٰ کو جمع وترتیب دے کر فتاویٰ کی صورت دی جائے تو اس سلسلے میں ہم نے بغیر کسی خاص مُرَجِّح کے محض اتفاقی طور پر کتاب الزکوٰۃ کا انتخاب کیا اس وقت اندازہ نہیں تھا کہ یہ کام کتنا وقت چاہتا ہے اور ذہن میں یہ تھا کہ بس دو تین ماہ میں یہ کام مکمل ہو جائے گا لیکن ہمارا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ایک تو بہت باریک بینی کا کام تھا دوسرا یہ کہ ایسا نہیں تھا کہ ہم فارِغ عَنِ المَصروفیات ہو کر صرف اسی میں لگے ہوں بلکہ حقیقت میں دارالافتاء کی دیگر تمام تر مصروفیات سے وقت نکال کر یہ کام کرنا پڑ رہا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ آئندہ یعنی اس سال رمضان میں لانے کی بھرپور کوشش کے باوجود ہم کامیاب نہ ہو سکے اور اب ذیقعدۃ الحرام 1433ھ میں فتاویٰ اہلسنّت کتاب الزکوٰۃ کی یہ جلد طبع ہو کر آپ کے ہاتھوں میں پہنچ رہی ہے۔

فتاویٰ اہلسنّت پر ہمارا کام

﴿1﴾ جمع و ترتیب

جب ہمارے پاس دارالافتاء اہلسنّت کی دیگر شاخوں کا ڈیٹا آگیا تو ہم نے سب سے پہلے اس سے اپنے

موضوع سے متعلق فتاویٰ کی فائلز الگ کرنے کا کام شروع کیا۔ یہ عرض کرتا چلوں کہ اس ڈیٹا کی نوعیت یہ تھی کہ اکثر طور پر ایک فتویٰ ان پیج کی ایک فائل میں موجود تھا۔ اور ان فائلز کی تعداد جب ہم نے ایک سافٹ ویئر کے ذریعے معلوم کی تو پتا چلا کہ ستّر ہزار سے زیادہ ان پیج فائلز ہیں اور یہ فائلز کوئی موضوع کے اعتبار سے مُرتَّب نہیں تھیں بلکہ ہر دارالافتاء نے اپنے ماہانہ ریکارڈ کو الگ الگ فولڈر میں رکھا ہوا تھا تو تاریخ کے اعتبار سے مرتب اس ریکارڈ سے صرف ایک موضوع کو تلاش کرنا اور اس موضوع پر ملنے والے سینکڑوں فتاویٰ کو مزید ابواب اور فصول میں تقسیم کرنا کس قدر دشوار کام ہوگا اس کا اندازہ ہر ذی شعور شخص با آسانی لگا سکتا ہے۔ سب سے پہلے مختلف اعتبار سے سرچ کر کے زکوٰۃ کی فائلز کو الگ کیا گیا جن کی تعداد چار ہزار بنی، ایک اسلامی بھائی کو اس کام پر مقرر کیا گیا انہوں یہ چار ہزار فتاویٰ نکالنے کے بعد سب کو پڑھا اور ان میں سے پندرہ سو فتاویٰ کو الگ کیا۔ پھر ان پندرہ سو فتاویٰ پر کام ہوا اور تکرار حذف کرنے، اَلْاَہم فَالْاَہم اور جامعیّت کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے مزید چھانٹی کا کام شروع ہوا ساتھ ہی ساتھ ان فتاویٰ کو مختلف ابواب میں ڈالنے کا کام بھی شروع ہوا۔ شروع میں ابواب بھی ایک اندازے کے مطابق بنائے تھے لیکن مواد کے تنوع کو دیکھتے ہوئے ان میں تین چار بار تبدیلی کی گئی پھر ہر باب کے تحت جو فصلیں ہیں ان میں بھی کئی مرتبہ اضافہ کیا گیا۔ اور بالآخر سات ابواب کے تحت 24 فصلوں پر مشتمل فتاویٰ اہلسنّت آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

﴿2﴾ نظر ثانی و تفتیش

جب ممکنہ طور پر متعلقہ مواد کو اکٹھا اور مُبوَّب کر لیا گیا تو باری تھی اس پر نظر ثانی اور تفتیش کے مرحلہ کی جس کی ذِمّہ داری مجلس افتاء پر تھی عملی طور پر یہ ہوتا ہے کہ ہر مُصدِّق یا مفتی کسی فتویٰ کو جاری کر دیتا ہے اور فتاویٰ کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جو کسی ایک مفتی یا مُصدِّق کی طرف سے جاری کردہ تھی لیکن تینوں اراکین کی نظر سے ہر فتویٰ نہیں گزرا تھا اس مرحلے پر تینوں حضرات کا اس کو دیکھنا اور اتفاق کرنا ضروری تھا۔ اس سلسلے میں ہماری ترکیب یہ تھی کہ ہر فصل کو پہلے میں چیک کرتا جو نظر ثانی کرنا ہوتی وہ کرتا پھر یہ فائل مفتی فضیل صاحب مُدَّظِلُّہٗ کو میل کر دی جاتی۔ وہ اسے چیک کرنے کے بعد اگر کوئی کلام کرنا ہوتا تو اسے کرنے کے بعد مفتی قاسم صاحب مُدَّظِلُّہٗ کو میل کر دیتے۔ مفتی صاحب بھی اسے دیکھنے کے بعد کوئی کلام کرنا ہوتا تو اسے نوٹ کی صورت میں لکھنے کے بعد میری طرف میل کر دیتے اس کے بعد دو تین

فصلوں یا ایک باب کی فائلز پر کام ہونے کے بعد ہم تینوں جمع ہوتے اور جن امور پر کلام ہوتا ان پر مشاورت ہوتی جو اضافہ وترمیم کرنا ہوتی اس پر اتفاق کے بعد مشورہ ختم ہوتا اور جو ترمیم واضافہ کرنا ہوتا اس کے کروانے کی ذِمّہ داری بھی میرے ہی کندھے پر عائد ہوتی آئندہ مشورہ پر دیگر فائلز کے ساتھ ساتھ یہ کام بھی مشورہ میں رکھا جاتا اور اس کے بعد اسے حتمی صورت دے کر فائنل کر دیا جاتا۔

یہ کام بہت آہستگی کے ساتھ جاری رہا کیونکہ مجلس افتاء کے تمام ہی ارکان کی فتاویٰ نویسی سمیت دیگر ضروری مصروفیت رہتی تھی اور مشکل سے وقت نکال کر یہ کام کرنا پڑ رہا تھا۔ کئی مواقع پر بڑے تَعَطُّل بھی اس کام میں آئے خیر جب سال بھر میں تمام کام تیار ہو گیا تو خیال آیا کہ اس گزرے ہوئے ایک سال میں بھی زکوٰۃ کے متعلق بہت سارے عمدہ فتاویٰ جاری ہوئے ہوں گے کیوں نہ ان کو بھی شامل کر لیا جائے۔ لہٰذا کچھ فتاویٰ جو پہلے سے مجموعے میں شامل نہ تھے ان کو بھی شامل کیا گیا تا کہ مزید نئی صورتیں اور مواد بھی اس مجموعے کا حصہ بن جائے۔

﴿3﴾ حوالہ جات کی تفتیش و تقابل

تفتیش کا عمل ختم ہونے کے بعد حوالہ جات پر کام کیا، معاملہ یہ تھا کہ دارالافتاء اہلسنّت کی مختلف شاخیں ہونے اور مختلف جگہ سے فتاویٰ جاری ہونے کی وجہ سے ایک عجیب بات یہ سامنے آ رہی تھی کہ ایک ہی کتاب کا حوالہ کسی مجیب نے کسی ایڈیشن کا دیا ہے تو کسی نے کسی کا، مثلاً بہارِ شریعت ہی کو لے لیں کسی لکھنے والے نے مرکز الاولیاء لاہور سے چھپنے والے ایڈیشن کا حوالہ دیا ہے تو کسی نے باب المدینہ کراچی سے چھپنے والے ایڈیشن کا حوالہ دیا ہے تو کسی نے بریلی شریف سے شائع ہونے والی جلد کا حوالہ دیا ہے، یہی حال فتاویٰ رضویہ کا تھا تین مختلف ایڈیشن کے حوالہ جات فتاویٰ میں دئے گئے تھے، فتاویٰ شامی، عالمگیری، بَدَائِعُ الصَّنَائِع، بَحرُالرَّائِق ان سب ہی کتب کے ایک سے زائد ایڈیشن شائع ہوتے ہیں اور فتاویٰ میں ایک سے زائد ایڈیشن کے حوالہ جات موجود تھے اس لئے مجلس شعبہ فتاویٰ اہلسنّت نے یہ اہتمام کیا کہ تمام عبارتوں سے حوالہ جات کا تَنَوُّع ختم کر کے ایک ہی مکتبہ کے حوالے درج کئے جائیں۔ تا کہ قاری اگر اصل کتاب کی طرف مُراجَعَت کرنا چاہے تو اسے سہولت رہے۔ اس سلسلے میں ہم نے ان مطبوعہ جات کا انتخاب کیا جن کو دعوتِ اسلامی کی مجلس، ''المدینۃ العلمیہ'' نے بہارِ شریعت کی تخریج میں اپنایا ہے مثلاً فتاویٰ رضویہ کے

بمبئی ایڈیشن یا قدیم ایڈیشن کے بجائے صرف رضا فاؤنڈیشن لاہور کے ایڈیشن کے تمام حوالہ جات درج کیے گئے۔ یونہی فتاویٰ شامی کا وہ نسخہ لیا گیا جس کے ساتھ ساتھ حاشیہ رافعی چل رہا ہے۔ عالمگیری کا وہ نسخہ حوالہ جات کے لئے منتخب کیا گیا جس کے ساتھ ساتھ فتاویٰ قاضی خان اور بزازیہ چل رہی ہے۔ وغیر ذالک مِنَ الکُتُب اور بہارِ شریعت کا حوالہ صرف مکتبۃ المدینہ سے شائع کتاب سے دیا گیا کہ یہ واحد نسخہ ہے جو تخریج شدہ ہے۔

ہماری مجلس نے حوالہ جات کو ایک کرنے کے ساتھ ساتھ تصحیحِ نقل پر بھی کام کیا یعنی ہر فتویٰ میں درج اِقتباس کو اصل مَرْجَع سے چیک کر کے اس کا تقابل کروایا گیا اگر لکھنے والے نے خلاصہ کے طور پر عبارت لکھی تھی تو حوالہ میں اسے مُلَخَّصاً لکھا گیا درمیان سے کچھ چھوڑ کر لکھا تھا تو نکتے ڈال کر حذف شدہ عبارت کی نشان دہی کی گئی۔

﴿4﴾ نئے فتاویٰ لکھوائے گئے

کچھ عنوانات پر دستیاب فتاویٰ میں کافی اضافہ کی حاجت تھی انہیں اَز سرِ نو لکھوایا گیا۔ مختلف ابواب میں ایسے متعدد فتاویٰ ہیں جنہیں نئے سرے سے لکھوا کر مختلف مزید پہلو شامل کر کے شامل مجموعہ کیا گیا ہے۔ اور ایک جگہ تو موضوع کی تکمیل کی خاطر باقاعدہ فتاویٰ لکھوا کر شامل کتاب کئے گئے یعنی جانوروں پر زکوٰۃ سے متعلق ہمارے جاری شدہ فتاویٰ بہت کم تھے ضرورت محسوس کی گئی کہ کیوں نہ اس موضوع پر ضروری سوالات بنوا کر درج کر دیا جائے تا کہ یہ کتاب مسائل زکوٰۃ کے تمام زاویوں سے کفایت کرے۔

﴿5﴾ مقالہ جات کی تیاری

کچھ عنوانات ایسے تھے جن پر حتمی رائے تک پہنچنے کے لئے تفصیلی تحقیق کی ضرورت تھی جیسا کہ کوئی صاحبِ عیال شخص اپنے عیال کی زکوٰۃ ان کی اجازت کے بغیر نکال دیتا ہے تو وہ ادا ہو گی یا نہیں؟ یہ ایک تحقیق طلب موضوع تھا جس کی ذِمَّہ داری مولانا سجّاد مدنی زِیْدَ مَجْدُہٗ کو دی گئی انہوں نے اس پر اپنا دس بارہ صفحات کا تفصیلی مقالہ تیار کیا۔ یونہی مولانا حسان رضا مدنی زِیْدَ مَجْدُہٗ کو ایک کام یہ دیا گیا کہ صدقاتِ واجبہ اور نافلہ کے خلط کی صورتوں کو جمع کر کے عصر حاضر کے اعتبار سے رخصت اور ممانعت پر بحث کریں انہوں نے اس پر تفصیلی مقالہ تیار کر لیا ہے۔ اسی طرح مفتی ہاشم مدنی زِیْدَ مَجْدُہٗ جو مَاشَآءَ اللہ اسی سال ربیع الاوّل میں درجۂ مفتی پر فائز ہوئے ہیں انہوں نے دار الافتاء اہلسنّت کے

موقف کی تائید میں طویل المیعاد قرضوں کے منہا ہونے کے دلائل پر مقالہ لکھا ہے۔ مولانا نوید رضا مدنی زِیْدَ مَجْدُہٗ نے شیئرز پر زکوٰۃ سے متعلق تفصیلی مقالہ لکھا ہے۔ دو ایسے موضوعات ہیں جن پر ابھی مقالہ جات لکھے جانے ہیں۔ اس سے متعلق شعبہ فتاویٰ اہلسنّت نے یہ فیصلہ کیا کہ ان مقالہ جات پر تحقیقاتِ شرعیہ کا مشورہ منعقد کرنے کے بعد آئندہ کسی ایڈیشن میں انہیں شامل کیا جائے۔

﴿6﴾ فارمیشن اور پروف ریڈنگ

جب ہماری مجلس کا کام تقریباً پورا ہو گیا تو ہم نے مواد کو کتابی تقاضوں کے مطابق ڈھالنے اور فارمیشن کے لئے مجلس، ''المدینۃ العلمیہ'' کی خدمات حاصل کیں جن کی جانب سے دیئے گئے اسلامی بھائیوں نے بہت محنت سے مواد کی فارمیشن کی، عمدہ فونٹ کا انتخاب کیا، ضروری جگہوں پر اعراب لگائے، اس کے بعد کورل پر کام کیا گیا۔ پھر ہر فائل کی لازمی طور پر دو مرتبہ پروف ریڈنگ کی۔ ایک فائنل پرنٹ دارالافتاء اہلسنّت کنزالایمان کے اسلامی بھائیوں کو بھی ارسال کیا جاتا رہا جنہوں نے اچھے انداز میں پروف ریڈنگ کی اور عمدہ مشورے بھی دیئے عین آخر میں جب یہ کتاب تیار ہو چکی تھی مجلس افتاء نے فیصلہ کیا کہ مفتی ہاشم مدنی زِیْدَ مَجْدُہٗ بھی اس مجموعے کو ایک بار نظر سے گزار لیں تو بہتر ہے ان کو تمام ابواب دو دو تین تین کر کے مرکز الاولیاء لاہور پوسٹ کئے گئے انہوں نے بھی اپنے مفید مشوروں سے نوازا اور ایک آدھ مقام پر ان کے کہنے پر ضروری تبدیلی بھی کی گئی۔

فتاویٰ اہلسنّت کی خصوصیات

﴿1﴾ فتاویٰ اہلسنّت کے مجموعے میں موجود فتاویٰ غیر ضروری طوالت سے محفوظ ہیں۔ بعض حضرات ایک ہی بات کے بیس حوالے دے کر سمجھتے ہیں کہ شاید تحقیق اسے کہتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں بلکہ تحقیقی بات کے لئے صفحات تو درکنار ایک صفحہ بھی ضروری نہیں اصل چیز تو صورتِ مسئولہ پر بیان کیا جانے والا چند سطور کا نفسِ حکم ہوتا ہے اگرچہ ہر نفسِ حکم کا ایک پس منظر ہوتا ہے اور قِیل وقال موجود ہوتی ہے اور فتویٰ لکھنے والا ضرور اس سے واقف ہوتا ہے لیکن سائل کو

وہ پس منظر جاننے کی کوئی حاجت نہیں ہوتی اس لئے ہمارا اسلوب یہ ہے کہ ضروری قیود کے ساتھ نفسِ حکم بیان کرنے کے بعد اس کی تائید میں کوئی فقہی جزئیہ پیش کر دیا جاتا ہے تاکہ مفتی صاحب کے لکھے گئے نفس حکم کی تائید مُعتبر فُقَہا کے کلام سے ہو جائے۔ اب وہ فقہی جزئیہ بہارِ شریعت کا بھی ہو سکتا ہے اور شامی یا عالمگیری کا بھی۔ اس اختصار پر عمومی فتاویٰ ایک سے ڈیڑھ صفحہ پر مشتمل ہوتے ہیں۔ اگر اسی تائیدی عبارت کو درجن بھر مزید کتب سے نقل کیا جائے تو نقل عبارت کی مشق تو ہو جائے گی لیکن اس سے کوئی خاطر خواہ فائدہ حاصل نہ ہو گا۔ البتہ جہاں ضرورت پیش آئی وہاں حوالہ جات کی کثرت بھی کی جاتی ہے اور فقہی پس منظر پر بحث بھی کی جاتی ہے۔

﴿2﴾ فتاویٰ میں تمام تر عربی عبارتوں کا ترجمہ کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ البتہ کہیں اس عبارت کا مفہوم اوپر گزرا ہو تو یہ کہہ دیا جاتا ہے کہ مفہوم اوپر گزرا۔

﴿3﴾ کوشش یہ کی جاتی ہے نفسِ حکم پر مشتمل عبارت کو عربی فارسی اضافت سے پاک رکھتے ہوئے سلیس انداز میں بیان کیا جائے تاکہ وہ سائل جو شریعت کا حکم معلوم کرنے آیا ہے اسے اس فتویٰ کی کسی سے تشریح نہ کروانا پڑے۔

﴿4﴾ فتاویٰ اہلسنّت کو ہر ممکن طور پر زیادہ سے زیادہ ابواب اور فصلوں پر تقسیم کیا گیا ہے تاکہ زکوٰۃ جیسا خشک موضوع آسان سے آسان تر ہو جائے اور کسی بھی موضوع کے مسائل کو متعلقہ باب میں تلاش کرنا اور پڑھنا عوامُ النّاس کے لئے آسان ہو جائے۔

﴿5﴾ فتاویٰ اہلسنّت میں شامل ہر فتویٰ سے پہلے اس کے مضمون کے خلاصے یا پورے فتویٰ کے مواد سے کسی ایک اہم عنوان کا انتخاب کر کے اسے ہیڈنگ کی صورت دی گئی ہے یوں آپ دیکھیں گے کہ ہر فتویٰ سے پہلے ایک ہیڈنگ لگائی گئی ہے جس کی مدد سے قارئین اپنے مطلوبہ موضوعات کو بآسانی تلاش کر سکتے ہیں۔

﴿6﴾ پورے مجموعہ پر ترقیم کا اہتمام بھی کیا گیا ہے جس کے تحت ہر فتویٰ پر سلسلہ وار نمبر لگائے گئے ہیں تاکہ حوالہ دیتے وقت یا مسئلہ یاد رکھتے وقت آسانی ہو۔

﴿7﴾ چونکہ فتاویٰ اہلسنّت کا یہ مجموعہ کسی شہر کے کسی ایک علاقے کے مسائل پر مشتمل نہیں بلکہ دارالافتاء اہلسنّت کی پاکستان بھر میں واقع مختلف شاخوں کے فتاویٰ اور پھر ان شاخوں میں ملک بھر سے آنے والے خطوط اور ملک اور

بیرونِ ملک سے آنے والی ای میلز کے جواب میں لکھے جانے والے فتاویٰ پر مشتمل ہے، اس لئے موضوعات میں آپ دیکھیں گے کہ بہت وُسعت ہے اور زکوٰۃ کے طرح طرح کے فتاویٰ اس مجموعے میں موجود ہیں جو ملک اور بیرونِ ملک کے مختلف خِطّوں کے لوگوں کے مسائل پر مبنی ہیں اور یہ مجموعہ ''مسائلِ زکوٰۃ'' سیکھنے اور سمجھنے والے حضرات کے لئے ایک انمول تحفہ ہے۔

﴾8﴿ اس مجموعہ میں صرف فقہی سوالات ہی نہیں بلکہ زکوٰۃ کی مشروعیت سے متعلق عمومی سوالات، زکوٰۃ کے بعض اصولوں کی تفہیم چاہنے پر مشتمل سوالات، زکوٰۃ کی شرائط کی وجوہات جاننے پر مشتمل استفتاء کے جوابات بھی آپ اس مجموعہ میں پائیں گے۔

﴾9﴿ ہر حوالہ کی مکمل تخریج کرنے کا اہتمام ہے نہ صرف اس کتاب میں بلکہ دارالافتاء اہلسنّت سے جاری ہونے والے ہر فتویٰ میں اس کا خیال رکھا جاتا ہے۔

﴾10﴿ قرآن پاک کے ترجمے میں اکثر جگہوں پر ترجمۂ کنزالایمان ہی درج کیا جاتا ہے۔

﴾11﴿ ممکنہ طور پر ہر فتویٰ کے لکھے جانے کی قمری اور شمسی دونوں تاریخیں درج کی گئی ہیں البتہ چند فتاویٰ کی شمسی تاریخ دستیاب نہ ہونے کے باعث درج نہ کی جاسکیں یونہی شاید دو فتاویٰ ایسے ہیں جن میں قمری تاریخ بھی ہمیں دستیاب نہ ہوسکی۔ ویسے تو تاریخوں کا اہتمام ایک عام سی بات ہے لیکن یہ چیز کثیر فوائد سے خالی نہیں۔ موضوع کی مناسبت سے ایک فائدہ عرض کرتا چلوں کہ بہت سارے فتاویٰ میں آپ دیکھیں گے کہ چاندی کا نصاب مثلاً بارہ ہزار ہے یا پندرہ ہزار ہے تو آج کے دور میں تو یہ پچاس ہزار تک پہنچ رہا ہے لیکن جب سائل تاریخ دیکھے گا تو اسے معلوم ہوجائے گا کہ یہ اعداد و شمار ان تاریخوں کے اعتبار سے بیان کئے گئے ہیں۔

﴾12﴿ زکوٰۃ کا حساب لگاتے وقت کل مال پر زکوٰۃ ہوگی یا خُمس کو مِنہا کرکے باقی نصاب پر زکوٰۃ ہوگی امام اعظم ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ اور صاحبَین یعنی امام محمد اور امام ابویوسف عَلَیْہِمَا الرَّحْمَہ کے درمیان یہ مسئلہ مُختلَف فیہ رہا ہے اور ہمارے فُقَہا نے امام اعظم ابوحنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہ کے مذہب پر ہی فتویٰ دیا ہے لیکن اس مجموعے میں موجود اس طرح کے فتاویٰ میں بعض جگہوں پر ہم نے صاحبَین یعنی امام محمد اور امام ابویوسف عَلَیْہِمَا الرَّحْمَہ کے مذہب کے مطابق کُل مال پر

زکوٰۃ نکالنے کا ہی کہا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ ایک تو اس میں فُقَراء کا فائدہ ہے دوسرا زکوٰۃ نکالنے کا حساب لگانے میں آسانی ہے۔ البتہ بعض پرانے فتاویٰ امام اعظم ابوحنیفہ رَضِیَ اللہُ عَنْہُ کے مذہب کے مطابق بھی آپ کو نظر آئیں گے۔

میں اپنی پوری مجلسِ اِفتاء کی طرف سے اہل علم کی خدمت میں ملتمس ہوں کہ فتاویٰ اہلسنّت کے اس مجموعے میں آپ جہاں کہیں کوئی علمی سقم یا خامی دیکھیں تو ضرور مطلع فرمائیں اگر ہمارا کلام صواب پر مشتمل نہ ہوا تو اِنْ شَآءَ اللہ رجوع کرنے میں کوئی عار نہ ہوگا۔ فتاوی اہلسنّت کے اس کام پر بنیادی طور پر دو اسلامی بھائیوں نے جمع و ترتیب اور تحقیق میں بھرپور کام کیا، ایک محمد منیر رضا عطاری مدنی اور دوسرے سید مسعود علی عطاری مدنی، کام کے آخری ماہ میں طباعت کی تیاری کے ضروری مراحل میں محمد حسین بھائی مدنی نے بھی کلیدی کردار ادا کیا اللہ تعالیٰ ان سب کو جزائے خیر عطا فرمائے۔

طالب دعا

ابومحمد علی اصغر العطاری المدنی

28 رمضان المبارك 1433ھ بمطابق 17 اگست 2012ء

فنِ فتویٰ نویسی اور دارالافتاء اہلسنّت

از: شیخ الحدیث والتفسیر نگرانِ مجلسِ تحقیقاتِ شرعیہ
ابو الصالح مفتی محمد قاسم قادری عطاری مَدَّظِلُّہُ العَالِی

فتویٰ نویسی

فِقْہ کا عِلْم شریعت کے بنیادی عُلوم میں سے ایک علم ہے اور دیگر علوم کے مقابلے میں اس کی اِفادِیَت اور وُسْعَت بھی زیادہ ہے، اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ فِقْہ عبادات، مُعامَلات، اَخلاقیات الغرض زندگی کے ہر پہلو سے متعلق تمام عملی اَحکام کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اس علم سے تعلّق رکھنے والے حضرات کو ان کے مرتبے کے اعتبار سے مُجْتَہِد، فَقِیْہ اور مُفْتی کہا جاتا ہے۔ مُفْتی کی تعریف بیان کرتے ہوئے علامہ ابن عابدین شامی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ”ان المفتی ھو المجتھد، فاما غیر المجتھد ممن یحفظ اقوال المجتھد فلیس بمفت، والواجب علیہ اذا سئل ان یذکر قول المجتھد کالامام علی وجہ الحکایۃ، فعرف ان ما یکون فی زماننا من فتوی الموجودین لیس بفتوی، بل ھو نقل کلام المفتی لیاخذ بہ المستفتی“ یعنی بے شک مُفْتی تو مُجْتَہِد ہی ہوتا ہے اور جو شخص مُجْتَہِد نہ ہو بلکہ صرف مُجْتَہِد کے اَقوال کو یاد رکھتا ہو تو وہ مُفْتی نہیں ہوتا اور ایسے شخص پر واجب ہے کہ جب اس سے کچھ پوچھا جائے تو وہ کسی مُجْتَہِد جیسے حضرت امامِ اعظم کا قول بطورِ حکایت بیان کر دے۔ اس وضاحت سے معلوم ہو گیا کہ ہمارے زمانے کے فُقَہا کا فتویٰ در حقیقت فتویٰ نہیں بلکہ وہ کسی حقیقی مُفْتی کے کلام کو نقل کرنا ہے تاکہ سوال کرنے والا اس کی روشنی میں شرعی حکم پر عمل کر سکے۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، صفحہ 162 تا 163، جلد 1، دار المعرفۃ بیروت)

صَدرُ الشَّرِیْعَہ مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ”فتویٰ دینا حقیقۃً مُجْتَہِد کا کام ہے کہ سائل کے سوال کا جواب کتاب و سنت و اجماع و قیاس سے وہی دے سکتا ہے۔ اِفْتا کا دوسرا مرتبہ نَقْل ہے یعنی صاحبِ مذہب

سے جو بات ثابت ہے سائل کے جواب میں اُسے بیان کر دینا اس کا کام ہے اور یہ حقیقۃً فتویٰ دینا نہ ہوا بلکہ مُستَفتی (یعنی فتویٰ طلب کرنے والے) کے لئے مُفتی (مُجتہِد) کا قول نقل کر دینا ہوا کہ وہ اس پر عمل کرے۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 908، جلد 2، مکتبۃ المدینہ)

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فتویٰ کی اقسام بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فتویٰ کی دو قسمیں ہیں: ﴿1﴾ حقیقی فتویٰ۔ ﴿2﴾ عُرفی فتویٰ۔ حقیقی فتویٰ یہ ہے کہ تفصیلی دلیل کی مَعرِفَت کے ساتھ فتویٰ دیا جائے، اور ایسے حضرات کو اَصحابِ فتویٰ کہتے ہیں اور عُرفی فتویٰ یہ ہے کہ تفصیلی دلیل کی مَعرِفَت کے بغیر اِمام کے اَقوال کا علم رکھنے والا ان کی تَقلِید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو بتائے۔

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 109، جلد 1، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور مفتیٔ ناقل کو کس قدر علم ہونا چاہئے اس کے بارے میں فرماتے ہیں: "حدیث وتفسیر واُصول وادب وقدرِ حاجت ہیأت وہندسہ وتَوقِیت اور ان میں مہارتِ کافی اور ذہنِ صافی اور نظرِ وافی اور فِقہ کا کثیر مَشغلہ اور اَشغالِ دُنیَویہ سے فراغِ قلب اور تَوَجُّہ اِلَی اللّٰہ اور نِیَّت لِوَجہِ اللّٰہ اور ان سب کے ساتھ شرطِ اعظم تَوفِیق مِنَ اللّٰہ، جو اِن شُروط کا جامع وہ اس بحرِ ذَخَّار میں شَناوری کر سکتا ہے مہارت اتنی ہو کہ اس کی اِصابت اس کی خَطا پر غالب ہو اور جب خَطا واقع ہو رُجوع سے عار نہ رکھے۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 590، جلد 18، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مفتی کی صفات

صَدرُ الشَّرِیعَہ مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ مفتیٔ ناقل کے بارے میں لکھتے ہیں:

﴿1﴾ مفتیٔ ناقل کے لئے یہ اَمر ضروری ہے کہ قولِ مُجتَہِد کو مشہور و مُتداول و مُعتَبَر کتابوں سے اَخذ کرے غیر مشہور کتب سے نقل نہ کرے۔

﴿2﴾ مفتی کو بیدار مَغز ہوشیار ہونا چاہیے غفلت برتنا اس کے لئے درست نہیں کیوں کہ اس زمانہ میں اکثر حیلہ سازی اور ترکیبوں سے واقعات کی صورت بدل کر فتویٰ حاصل کر لیتے ہیں اور لوگوں کے سامنے یہ ظاہر کرتے ہیں کہ فلاں مفتی نے مجھے فتویٰ دے دیا ہے محض فتویٰ ہاتھ میں ہونا ہی اپنی کامیابی تصوُّر کرتے ہیں بلکہ مخالف پر اس کی وجہ

سے غالب آجاتے ہیں اس کو کون دیکھے کہ واقعہ کیا تھا اور اس نے سوال میں کیا ظاہر کیا۔

﴿3﴾ مفتی پر یہ بھی لازم ہے کہ سائل سے واقعہ کی تحقیق کرلے اپنی طرف سے شُقوق نکال کر سائل کے سامنے بیان نہ کرے مثلاً یہ صورت ہے تو یہ حکم ہے اور یہ ہے تو یہ حکم ہے کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جو صورت سائل کے مُوافق ہوتی ہے اُسے اختیار کرلیتا ہے اور گواہوں سے ثابت کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو گواہ بھی بنالیتا ہے بلکہ بہتر یہ کہ نزاعی معاملات میں اُس وقت فتویٰ دے جب فَرِیقَین کو طلب کرے اور ہر ایک کا بیان دوسرے کی موجودگی میں سُنے اور جس کے ساتھ حق دیکھے اُسے فتویٰ دے دوسرے کو نہ دے۔

﴿4﴾ فتوے کے شرائط سے یہ بھی ہے کہ سائلین کی ترتیب کا لحاظ رکھے امیر و غریب کا خیال نہ کرے یہ نہ ہو کہ کوئی مالدار یا حکومت کا ملازم ہو تو اُس کو پہلے جواب دے دے اور پیشتر سے جو غریب لوگ بیٹھے ہوئے ہیں اُنھیں بٹھائے رکھے بلکہ جو پہلے آیا اُسے پہلے جواب دے اور جو پیچھے آیا اُسے پیچھے کَسے باشد (چاہے وہ کوئی بھی ہو)۔

﴿5﴾ جو سوال اُس کے سامنے پیش ہو اُسے غور سے پڑھے پہلے سوال کو خوب اچھی طرح سمجھ لے اُس کے بعد جواب دے۔ بارہا ایسا بھی ہوتا ہے کہ سوال میں پیچیدگیاں ہوتی ہیں جب تک مُستَفتی سے دریافت نہ کیا جائے سمجھ میں نہیں آتا ایسے سوال کو مُستَفتی سے سمجھنے کی ضرورت ہے اُس کی ظاہر عبارت پر ہرگز جواب نہ دیا جائے۔ اور یہ بھی ہوتا ہے کہ سوال میں بعض ضروری باتیں مُستَفتی ذکر نہیں کرتا اگرچہ اس کا ذکر نہ کرنا بددیانتی کی بنا پر نہ ہو بلکہ اُس نے اپنے نزدیک اُس کو ضروری نہیں سمجھا تھا۔ مُفتی پر لازم ہے کہ ایسی ضروری باتیں سائل سے دریافت کرلے تاکہ جواب واقعہ کے مطابق ہوسکے اور جو کچھ سائل نے بیان کردیا ہے مفتی اُس کو اپنے جواب میں ظاہر کردے تاکہ یہ شُبہ نہ ہو کہ جواب و سوال میں مُطابقت نہیں ہے۔

﴿6﴾ مفتی کے لئے یہ ضروری ہے کہ بُردبار خوش خلق ہنس مُکھ ہو نرمی کے ساتھ بات کرے غلطی ہوجائے تو واپس لے اپنی غلطی سے رُجوع کرنے میں کبھی دریغ نہ کرے یہ نہ سمجھے کہ مجھے لوگ کیا کہیں گے کہ غلط فتویٰ دے کر رُجوع نہ کرنا حَیا سے ہو یا تکبُّر سے بہرحال حرام ہے۔ (بہارِ شریعت، صفحہ 909 تا 912، جلد 2، مکتبۃ المدینہ)

زمانے کی حالتِ زار

فی زمانہ مفتی کا مقام ومرتبہ بہت بلند بھی ہے اور نازک بھی۔ مُفْتی کو اسلام کی صحیح تَعْبیر پیش کرنے والا سمجھا جاتا ہے اور حقیقت میں بھی وہ اللہ تعالیٰ کے احکام کو بیان کرنے والا ہوتا ہے لیکن افسوس کہ فی زمانہ جیسے دیگر بہت سے دینی اُمور میں لوگ جری و بے باک ہوتے جارہے ہیں اسی طرح فتویٰ کے میدان میں بھی ایسے لوگوں کی کمی نہیں بلکہ شاید یہ شعبہ زیادہ مظلوم ہے۔ ان لوگوں میں کچھ تو وہ ہیں جو بالکل ہی جاہلِ مُطْلَق ہیں اور دِین کی اَبْجَد سے بھی آشنا نہیں ہیں، دُنْیَوی طور پر کچھ پڑھا ہوا ہے اور بقیہ ناوِل کہانیاں پڑھ کر اخبار و جرائد میں لکھنے والے بن گئے اور اب ترقی کرکے اپنے مضامین میں دین کو بھی تختہ مشق بنانے لگ گئے ہیں جیسے آئے دن اخبارات میں سُود کی حِلّت، بے پردگی کے جَواز اور شرعی اَحکام پر انتہائی غلط اور گمراہ کُن مضامین پڑھنے میں آرہے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ ہیں کہ جنہوں نے تھوڑا بہت دینی علم تو حاصل کیا ہے لیکن نہ تو دین کو اتنا وقت دیا ہے جتنا دینا چاہیے اور نہ ہی کسی ایسے مُسْتَنَد عالِم سے علم حاصل کیا ہے جو دین کی حقیقی سوجھ بوجھ رکھتا ہو یا کسی کامل سے پڑھا تو ہے لیکن پڑھ کر خود ناقص رہے اور اسی حالت میں فتوے کے میدان میں طبع آزمائی شروع کردی اور سَستی شُہرت کیلئے مفتی کا سابِقہ ساتھ لگا کر لوگوں کو مسائل کا جواب دینا شروع کردیا، ایسے لوگوں کی باتیں سُن کر ان کی جہالت پر ہنسی بھی آتی ہے اور دین کی مَظْلُومِیَت پر رونا بھی۔ اسی طرح ایک گروہ وہ ہے کہ دین کو اچھی طرح پڑھ لیا لیکن طبیعتوں میں شر و فساد زیادہ ہے، آزادرَوی کے خواہاں، اکثر معاملات میں بلا ضرورت کی سہولت و نرمی کے طلبگار اور اَسلاف کی تحقیقات پر اعتماد نہ کرنے والے ہیں ایسے لوگ فتویٰ دینے والے نہیں بلکہ فتنہ پھیلانے والے ہیں۔ اسی صورتحال کے پیش نظر دعوتِ اسلامی کے شعبے "دارُالْاِفتاء اہلسنّت" میں مفتی کے مرتبے تک پہنچنے کی بہت کڑی شرائط ہیں اور اسی طرح فتویٰ لکھنے کی بھی بہت سی شرائط ہیں۔

دارالافتاء اہلسنّت کا معیار و انداز

اوپر بیان کردہ اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی وضاحت اور صدرُالشَّرِیْعَہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے بیان کردہ اُمور کو سامنے رکھتے ہوئے "دارُالْاِفتاء اہلسنّت" میں فتویٰ لکھنے کا بھی ایک معیار ہے اور فتویٰ لکھنے والوں کیلئے بھی ایک

پورا طریقہ کار موجود ہے تاکہ جو بھی شخص فتویٰ دے اس میں فتویٰ کے اعتبار سے کوئی کمی نہ رہ جائے۔

دارُالاِفتاء اہلسنّت میں فتویٰ لکھنے کا فریضہ سرانجام دینے کیلئے درج ذیل مراحل سے گزرنا پڑتا ہے:

﴿1﴾ سب سے پہلے تو درسِ نظامی کا مکمل آٹھ سالہ کورس کرنا ضروری ہے۔

﴿2﴾ فِقْہ میں مہارت حاصل کرنے کے لئے درسِ نظامی مکمل کرنے والوں کو دو سال تک تَخَصُّصْ فِی الْفِقْہ کا کورس کروایا جاتا ہے۔

﴿3﴾ درسِ نظامی کے فائنل امتحانات میں عُمدہ کارکردگی دکھانے والے طُلَبا کو تَخَصُّصْ فِی الْفِقْہ میں داخلے کیلئے ایک کٹھن تقریری اور تحریری ٹیسٹ سے گزارا جاتا ہے تاکہ ان کی عَرَبی مہارت، عِلمی ذَوق اور فِقْہی معلومات و دلچسپی کو پرکھا جاسکے۔

﴿4﴾ اس کورس کے دوران فِقْہ کی بڑی کتابیں جیسے فتاویٰ شامی وغیرہ کے بہت سے اہم ابواب سبقاً سبقاً پڑھائے جاتے ہیں اور اس کے علاوہ اُصولِ فِقْہ، قواعدِ فِقْہِیّہ، رَسْمُ الْاِفتاء کی کتابیں بھی پڑھائی جاتی ہیں۔

﴿5﴾ روزانہ کے درجے میں پڑھائے جانے والے نصابی مطالعے کے علاوہ تفسیر، حدیث، اُصولِ فقہ اور فقہی مسائل وغیرہ سے متعلق کثیر معلومات رکھنے کے لئے خارجی مطالعہ کا باقاعدہ نصاب ترتیب دیا گیا ہے جسے پورا کرنا دارُالاِفتاء سے وابستہ ہر ایک کے لئے لازمی ہے اور یہ مطالعہ صرف تَخَصُّصْ فِی الْفِقْہ کے کورس کے درمیان ہی ضروری نہیں بلکہ دارُالاِفتاء میں باقاعدہ کام کرتے ہوئے بھی ہر منصب کے مطابق مطالعے کا ایک معیار مرتب کیا گیا ہے۔

﴿6﴾ تَخَصُّصْ فِی الْفِقْہ کے اس کورس کے دوران طلبا سے مشق کے طور پر فتاویٰ لکھوائے جاتے ہیں جن کا دَورانیہ ایک سال ہوتا ہے اور اسی دوران اِفتاء کی عمدہ قابلیت رکھنے والوں کا تعیُّن کرلیا جاتا ہے اور کورس مکمل ہونے کے بعد دارُالاِفتاء اہلسنّت میں ان سے فتاویٰ لکھوا کر ان کی مزید جانچ کی جاتی ہے۔

﴿7﴾ اس کے بعد دارالافتاء میں ترقّی کے مختلف مدارج ہیں: (ا) مُعاوِن، (ب) مُتَخَصِّص، (ج) نائب مُفْتی، (د) مُفْتی، (ر) مُصدِّق۔ ان مَدارِج میں مُفْتی بننے سے پہلے تک کے ہر لکھنے والے کے فتاویٰ مُفْتی و مُصدِّق کی باقاعدہ تصدیق کے بعد جاری ہوتے ہیں۔ مذکورہ بالا بیان کردہ مَدارِج میں سے ہر ایک کو اپنے مَنْصَب پر دو سال سے لے کر

پانچ سال تک کا وقت گزارنا ہوتا ہے تب اسے اگلے درجے میں ترقّی ملتی ہے گویا مفتی بننے کیلئے آٹھ سے دس سال کا عرصہ فتویٰ نویسی وتربیت میں صَرف کرنا ضروری ہے اور اتنا عرصہ گزرنے پر بھی مفتی بن ہی جائے یہ ضروری نہیں بلکہ یہ کم سے کم مُدّت اور معیار ہے۔ مفتی بننے کیلئے عِلْمی وعَمَلی وذِہْنی اِسْتِعْداد، اِن تمام چیزوں کو پیشِ نظر رکھا جاتا ہے۔

﴿8﴾ دارُالاِفتاء اہلسنّت میں تحریری فتاویٰ کے ساتھ فون پر بھی جوابات دیئے جاتے ہیں اور اس کیلئے ایک عرصے تک فتاویٰ کی مشق کرنے کے بعد صرف مُتخصِّص یا اس سے اوپر والے ذِمّہ دار کو فون پر اور بِالمُشافہ سوالات کے جوابات دینے کی اجازت دی جاتی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ دارُالاِفتاء اہلسنّت میں مختلف مراحل سے گزرنے کے بعد ہی کسی کو مفتی کا لقب دیا جاتا ہے، ایسا نہیں ہوتا کہ جو حال ہی میں درسِ نظامی سے فارغ ہُوا ہو یا اس نے تَخَصُّصْ فِی الْفِقْہ کرلیا ہو تو اسے مفتی کے لقب سے نواز دیا جاتا ہے۔

اجرائے فتویٰ کا انداز

مذکورہ بالا اُمور وہ تھے جو معیاری مفتی بننے کیلئے دارُالاِفتاء میں طے شدہ ہیں۔ اسی طرح فتویٰ کا معیار عُمدہ، بہتر اور مُحتاط ودُرُست رکھنے کیلئے بہت سے اُمور پیشِ نظر رکھے جاتے ہیں:

﴿1﴾ سوال سائل سے ہی لکھوایا جاتا ہے اور اگر وہ لکھنا نہ جانتا ہو تو اس کے بیان کردہ الفاظ کو لکھ کر اُسے سُنا دیا جاتا ہے۔

﴿2﴾ سائل کے سوال کو نہایت غور سے سُنا اور پڑھا جاتا ہے اور کسی بھی جگہ کوئی اِبْہام یا غَلَط فہمی پیدا ہو رہی ہو تو اس کی مکمل وضاحت طلب کرلی جاتی ہے اور سوال یا جواب میں کوئی ایسی بات رہنے نہیں دی جاتی جس سے دو اَفراد، دو جُداگانہ مفہوم لے سکیں۔

﴿3﴾ اگر سوال خط کے ذریعے آئے یا سوال لانے والا کسی اور کا سوال لے کر آیا ہو اور اس میں کوئی بات مُبْہَم ہو یا سوال کی صورت سمجھ میں نہ آرہی ہو تو جب تک اس کی وضاحت نہ ہوجائے اس وقت تک فتویٰ نہیں دیا جاتا۔

﴿4﴾ سوال کرنے والا اگر ایک ہی مسئلے کی مُتَعَدَّد صورتیں دریافت کررہا ہو تو اس سے دَرپیش صورت کا تعیُّن کروالیا جاتا ہے اور صرف اسی صورت کا جواب دیا جاتا ہے۔

﴿5﴾ اگر دو فریقوں کا معاملہ ہو تو اس وقت تک فتویٰ نہیں دیا جاتا جب تک دونوں کو بلا کر ان کی بات سُن نہ لی جائے۔

﴿6﴾ جہاں اس بات کا احتمال نظر آئے کہ اس فتوے کا غلط استعمال ہوسکتا ہے وہاں فتویٰ نہیں دیا جاتا اور اگر کوئی ایسی صورتِ حال درپیش ہو کہ بہرصورت فتویٰ دینا ہی ہوگا تو اس وقت فتوے کے شروع میں یا آخر میں یہ لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ فتویٰ سوال میں بیان کردہ صورت کے مطابق دیا گیا ہے کسی خاص واقعے یا صورتِ حال کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔

﴿7﴾ فتویٰ دیتے وقت سوال کرنے والے کی حالت وکیفیت پر بھی نظر رکھی جاتی ہے کہ یہ اس سوال کا جواب کیوں طلب کررہا ہے۔

﴿8﴾ سوال کرنے والوں کی ترتیب کا لحاظ رکھا جاتا ہے، یعنی جو پہلے آئے اسے پہلے فتویٰ دیا جاتا ہے اور جو بعد میں آئے اسے بعد میں دیا جاتا ہے چاہے وہ کوئی بھی ہو۔

﴿9﴾ اگر سوال کرنے والا فوری طور پر جواب سمجھ نہ پائے تو نرمی اور آسان سے آسان انداز میں اسے سمجھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔

﴿10﴾ صرف شَرْعی مسئلہ ہی نہیں بتایا جاتا بلکہ جہاں مناسب ہو وہاں نیکی کا حکم دینے اور برائی سے منع کرنے کا فریضہ بھی سرانجام دیا جاتا ہے۔

﴿11﴾ فتویٰ دینے میں کبھی بھی کسی طرح سے جانبداری نہیں برتی جاتی۔

﴿12﴾ جواب دیتے وقت ان باتوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے:

(1) سوال کا مُعَیَّن جواب دیا جاتا ہے۔ (2) جواب مُجْمَل اور مُبْہَم نہیں ہوتا۔ (3) مشکل الفاظ استعمال نہیں کئے جاتے۔ (4) جواب میں شائستہ اور مُہذَّب الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں۔ (5) صاف ستھرے انداز میں کمپیوٹر پر

فتویٰ لکھا جاتا ہے اور پروف ریڈنگ کا خاص طور پر لحاظ رکھا جاتا ہے۔(6) مختلف پہلوؤں کو سامنے رکھتے ہوئے مختصر اور مُفصَّل جواب دیا جاتا ہے۔(7) جواب میں مناسب تنبیہات لکھ دی جاتی ہیں۔(8) جواب میں قرآن وحدیث کے حوالے بھی دیئے جاتے ہیں۔(9) فتوے میں مشہور اور مُعتبر کتابوں سے فِقْہی جُزْئِیات اور اَقوالِ اَئمّہ وغیرہ نقل کئے جاتے ہیں۔(10) اگر مشاورت کی ضرورت ہو تو دوسرے صاحبِ علم سے مشورہ بھی کرلیا جاتا ہے۔(11) رَسْمُ الْمُفْتی کے تمام اُصولوں کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے فتویٰ لکھا جاتا ہے اور مزید احتیاط یہ کی جاتی ہے کہ جب تک مُصَدِّق فتوے کی تصدیق نہ کردے اس وقت تک فتویٰ جاری نہیں کیا جاتا۔(12) اَسلاف کے بتائے ہوئے اُصولوں اور اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ کی تحقیقات کی روشنی میں فتویٰ لکھا جاتا ہے۔(13) اَئمۂ اَحناف اور سَلَف صالحین کی تحقیقات پر بھرپور اعتماد کرتے ہوئے انہی کے مطابق فتویٰ دیا جاتا ہے۔(14) عُرف وتَعامُل وعُمومِ بَلویٰ وغیرہ اَسبابِ سِتّہ کے استعمال میں نہایت احتیاط برتی جاتی ہے اور اَکابِر علمائے اہلسنّت کی تحقیق واِتّفاق کی روشنی میں ہی ان اُمور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔

آخر میں ایک انتہائی اہم بات کی طرف توجُّہ دلانا ضروری ہے کہ قرآنِ مجید، حدیث شریف، اِجماع اور قِیاس، یہ وہ بنیادی ماخَذ ہیں جن سے فِقْہی مسائل اور شرعی اَحکام نکالے گئے ہیں اور مُجْتَہِد فُقَہائے کرام نے ان ماخذوں سے فقہی مسائل نکالنے کے لئے انتہائی کڑے اُصول وضَوابِط قائم کئے اور ان اُصول وضَوابِط پر پورے اترنے والوں کی درجہ بندی کی تاکہ ہر ایک اس گہرے سمندر میں چھلانگ لگا کر ڈوبنے کی کوشش نہ کرے بلکہ وہی اس میں غوطہ زَنی کرے جو اس کی گہرائی اور اس کی موجوں کے تَلاطُم سے آگاہی رکھتا ہو اور تاریخ شاہد ہے کہ جس نے بھی ان اُصولوں سے اِنْحِراف کیا اور صرف اپنی عَقْل وفَہْم کی کشتی میں سوار ہو کر اس گہرے سمندر کو پار کرنے چلا تو وہ نہ صرف خود بھی ڈوبا بلکہ اپنے ساتھ نجانے کتنے لوگوں کو ڈبو گیا۔

ہم اپنے معاشرے پر نگاہ ڈالیں تو مجموعی طور پر صورتِ حال انتہائی تشویش ناک نظر آتی ہے، دین پر عَمَل کے حوالے سے فی زمانہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ کوئی صرف قرآن پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور حدیث کے حُجَّت

ہونے کا انکاری ہے، کوئی صرف قرآن اور حدیث پر عمل پیرا ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور فقہ کو ماننے کے لئے تیار نہیں اور کوئی قرآن وحدیث اور فقہ کو مانتا تو ہے لیکن وہ آزادروی کا شکار ہے اور جدیدیت کے مارے کچھ لوگ دو چار کتابیں پڑھ کر دین کے اُصولی عقائد کی غلط تشریحات، قرآنی آیات کی غلط تفاسیر، اَحادیث کے مطالب ومعانی کی انتہائی غلط وضاحتیں شروع کئے ہوئے ہیں اور شرعی اَحکام پر عمل کے حوالے سے لوگوں کی حالت یہ ہے کہ اوّلاً تو وہ دَرپیش مسائل کی شرعی معلومات حاصل کرنے کو تیار نہیں ہوتے اور اگر چار وناچار معلومات حاصل کرنے آئیں بھی تو ان کی انتہائی کوشش یہ ہوتی ہے کہ ان کی مرضی اور منشا کے مطابق جواب ملے اور اگر ایسا نہ ہو تو وہ علم اور عُلَما کے ہی خلاف ہو جاتے ہیں۔ کاش وہ اس حقیقت کو سمجھ لیں کہ شریعت ان کی تابع نہیں بلکہ یہ شریعت کے تابع ہیں اور کسی کو بھی یہ حق حاصل نہیں ہے کہ وہ شریعت کو اپنی خواہش کے مُوافق کرے۔ اللہ تعالیٰ انہیں عقلِ سلیم اور ہدایتِ کاملہ عطا فرمائے۔

ابوالصالح محمد قاسم قادری

بتاریخ: 20 شعبان المعظم 1433ھ بمطابق 11 جولائی 2012ء

فقہ و افتاء اور احتیاط

از: فقیہِ نبیل عالمِ جلیل رکنِ مجلس تحقیقات شرعیہ
ابو الحسن مفتی فضیل رضا العطاری مُدَّظِلُّہُ العَالِی

فتویٰ، اِستِفتاء اور فتویٰ کا معنی

اِفتاء کا لغوی معنی جواب دینا ہے قرآنِ کریم میں سورۂ یُوسف میں بادشاہِ مصر کا یہ قول منقول ہے: ﴿یٰۤاَیُّهَا الْمَلَاُ اَفْتُوْنِیْ فِیْ رُءْیَایَ اِنْ كُنْتُمْ لِلرُّءْیَا تَعْبُرُوْنَ(۴۳)﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اے درباریوں میرے خواب کا جواب دو اگر تمہیں خواب کی تعبیر آتی ہو۔(پارہ 12، یوسف: 43) یونہی استفتاء کا معنی لُغت میں مُطلَق سوال کرنا ہے۔ اسی سورۂ مبارکہ میں حضرت سیِّدُنا یُوسف عَلَیْہِ السَّلَام کا قول منقول ہے کہ آپ نے خواب کی تعبیر بیان کرنے کے بعد فرمایا: ﴿قُضِیَ الْاَمْرُ الَّذِیْ فِیْهِ تَسْتَفْتِیٰنِ(۴۱)﴾ ترجمۂ کنز الایمان: حکم ہو چکا اس بات کا جس کا تم سوال کرتے تھے۔(پارہ 12، یوسف: 41)

افتاء کا اصطلاحی معنی شرعی مسئلہ کا جواب دینا ہے۔ سیِّد شریف جُرجانی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے **کِتَابُ التَّعرِیفَات** میں فرمایا: ''الافتاء بیان حکم المسئلۃ'' **یعنی** شرعی مسئلہ کا حکم بیان کرنے کو افتاء کہتے ہیں۔
(التعریفات، صفحہ 26، دار المنار)

فِقہ کا معنی

اگرچہ عِلم و فِقہ کو ہم معنی سمجھا جاتا ہے اور بعض کُتُب میں فِقہ کا معنی ''اَلْعِلْمُ بِالشَّیءِ'' کے الفاظ کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے مگر عِندَ الْمُحَقِّقِین عِلم و فِقہ کے مابَین فرق ہے وہ یہ کہ علم کے ساتھ فَہم بھی ہو تو اسے فقہ کہا جائے گا ورنہ مَحض عِلم رہے گا۔ اور فَہم سے مراد مُتَکَلِّم کی غَرَض کا فہم ہے۔

مُستَصفٰی میں ہے: ”الفقه عبارة عن العلم والفهم فی اصل الوضع “یعنی اصل وَضع میں فِقہ عِلم وفَہم سے عبارت ہے۔ (المستصفی، صفحہ 3، مطبوعہ کراچی)

فُصُولُ الحَوَاشِی میں ہے: ”الفقه لغة فهم غرض المتکلم من کلامه “یعنی فِقہ کا لُغَوی معنی مُتَکَلِّم کے کلام سے اس کی غَرَض کو سمجھنا ہے۔ (فصول الحواشی، صفحہ 14، مطبوعہ کوئٹہ)

مُفرَدَاتِ اِمَامُ رَاغِب میں ہے: ”الفقه هو التوصل الی علم غائب بعلم شاهد فهو اخص من العلم “یعنی علم شاہد سے علمِ غائب تک پہنچنا فقہ ہے اور یہ علم سے اَخَصّ ہے۔
(المفردات، صفحہ 384، دار الکتب العلمیہ بیروت)

جبکہ فقہ کا اصطلاحی معنی کُتُبِ اُصول میں ان الفاظ سے بیان کیا جاتا ہے: ”العلم بالاحکام الشرعیه العملیه المکتسبة من ادلتها التفصیلیه “یعنی شرعی عَمَلی احکام جن کا اِکتِساب تفصیلی دلائل سے (نظرو اِستِدلال کے ذریعہ) ہو عِلمِ فِقہ کہلاتا ہے۔ تعریف میں ”من ادلتها التفصیلیه “ کی قید سے واضح ہوتا ہے کہ فقہی مسائل میں مہارت کے باوجود مَحض مُقَلِّد (جو طبقاتِ مُجتَہِدِین میں سے کسی طبقہ میں نہ ہو اس) کا علم فقہ نہیں کہلاتا کیونکہ وہ دلائِلِ تفصیلیہ سے احکامِ شرعیہ فرعیہ کا اِکتِساب نہیں کرسکتا۔
(ملخص از تنقیح و توضیح مع التلویح، صفحہ 26، مطبوعہ کراچی)

فِقہ کی یہ تعریف جس کی رُو سے فقیہ مجتہد ہی ہوتا ہے صدرِ اوّل کے بعد جب نت نئے حوادث کی بنا پر رُسُوخ فِی العِلم رکھنے والوں کو اجتہاد کی ضرورت درپیش آئی اور اجتہاد کا دَور دَورا ہوا اور اصولِ فقہ کی باقاعدہ تدوین ہوئی اس وقت آئمۂ اصول نے وَضع کی تھی جبکہ اس سے پہلے صدرِ اوّل میں فِقہ فِی الدِّین کا لفظ کافی وسیع معنی میں بولا اور سمجھا جاتا تھا یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ سے ”معرفة النفس مالها وما علیها “ کے الفاظ کے ساتھ فقہ کی تعریف منقول ہے۔ یعنی انسان کا اپنے فرائض وواجبات اور اس کے لئے کیا جائز ہے یا کس میں اس کا نَفع ہے اور کیا چیز اس کے لئے مُضِر ہے دلیل سے ان باتوں کا ادراک فقہ کہلاتا ہے۔

اس تعریف سے معلوم ہوا کہ صدرِ اوّل میں دلائل تَفصِیلِیَہ سے فقہی احکام کے علم کے علاوہ علمِ عقائد و علمِ اَخلاق دو مزید چیزیں فقہ کے عموم میں داخل تھیں یہی وجہ ہے کہ امام اعظم ابوحنیفہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ نے اپنی علمِ کلام کی کتاب

کا نام فقہ اکبر رکھا ہے۔　(ملخص از تنقیح وتوضیح مع التلویح ، صفحہ 22 تا 25 ، مطبوعہ کراچی)

امام سَرَخْسی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ''ان تمام الفقه لایکون الا باجتماع ثلاثة اشياء: العلم بالمشروعات والاتقان فی معرفة ذلك بالوقوف علی النصوص بمعانيها وضبط الاصول بفروعها ثم العمل بذلك فتمام المقصود لایکون الا بعد العمل بالعلم ومن کان حافظا للمشروعات من غير اتقان فی المعرفة فهو من جملة الرواة وبعد الاتقان اذا لم يكن عاملا بما يعلم فهو فقيه من وجه دون وجه فاما اذا کان عاملا بما يعلم فهو الفقيه المطلق الذی اراده رسول الله صلى الله عليه وسلم وقال اشد علی الشيطان من الف عابد وهو صفة المتقدمين من آئمتنا ابی حنيفة و ابی يوسف و محمد رضی الله عنهم ولا يخفى ذلك علی من يتامل فی اقوالهم و احوالهم عن انصاف ''یعنی علم فقہ تین اشیاء کے اجتماع کے بغیر مکمل نہیں ہوتا: ﴿1﴾ علم بِالْمَشْرُوعَات (یعنی حلال وحرام، مکروہ ومندوب، صحیح فاسد وغیرہ جزئیات کا علم) ﴿2﴾ علم بالمشروعات میں رُسُوخ اس طرح کہ نُصُوص پر معانی (عِلَل) کے ساتھ آگاہی اور اصول کا فروع کے ساتھ ضَبط ہو ﴿3﴾ پھر اس علم پر عمل بھی ہو۔ تو مکمل مقصودِ علم کے ساتھ عمل کے بعد حاصل ہوتا ہے تو جو مشروعات کا حافظ ہو مِنْ غَیْرِ اِتْقَان وہ محض راویوں میں سے ہے اور اتقان کے بعد جبکہ عامل نہ ہو مِنْ وَجْہٍ فَقِیہ ہے مِنْ وَجْہٍ غَیْرِ فَقِیہ اور جو علم علیٰ وَجْہِ الْاِتْقَان حاصل کرنے کے بعد اس پر عمل کرنے والا بھی ہو تو وہ فقیہِ مطلق ہے جس کے بارے میں رسول کریم صَلَّی اللّٰہ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ وہ ہزار عابد سے زیادہ شیطان پر بھاری ہے اور یہ ہمارے ائمہ مُتَقَدِّمِین امام ابوحنیفہ، امام ابو یوسف اور امام محمد رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْھُم کی صِفَت ہے اور جو ان کے اَقوال واَحوال پر دیانت وانصاف سے غور کرنے والا ہے اس پر مخفی نہیں۔　(المحرر فی اصول الفقہ، صفحہ 5، جلد 1، دار الکتب العلمیہ بیروت)

اصل اہلِ فتویٰ کی اہلیت

تمامیتِ فقہ کے لئے یہی مضمون معمولی لفظوں کے اختلاف سے اُصولِ بَزْدَوِی اور اس کی علّامہ عبد العزیز بخاری عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کی شرح کَشْفُ الْاَسْرار اور امام نَسَفی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کی اپنی شرح مَنار میں بھی ہے یہ سب جلیلُ القدر ائمہ

ہیں سب کے کہنے کا خلاصہ یہ ہے کہ محض مشروعات کا مِنْ غَیْرِ اِتْقان جاننے والا فقیہ نہیں راوی و ناقل ہے تو صدرِ اوّل میں فقہ کے وسیع معنی کا لحاظ کیا جائے یا بعدہٗ ائمۂ اُصولِ فقہ کی بیان کردہ تعریف کا، غیر مُجْتَہِد حقیقتاً فقیہ و مفتی نہیں ہوتا اسی بنا پر کتبِ اُصول میں اس بات کی صراحت موجود ہے کہ مفتی حقیقتاً مجتہد ہوتا ہے اسی کا فتویٰ حقیقی کہلاتا ہے غیر مجتہد فقہی جزئیات کے ماہر کو عُرف میں مفتی کہا جاتا ہے اس پر مُعْتَبَر و مُعْتَمَد قول نقل کرنا لازم ہوتا ہے۔

علّامہ شامی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فَتْحُ الْقَدِیْر کے حوالہ سے فرماتے ہیں: اُصُولِیِّیْن کی ثابت شدہ رائے یہ ہے کہ مفتی صرف مجتہد ہوتا ہے غیر مجتہد اقوالِ مجتہد کا حافظ (حقیقتاً) مفتی نہیں ہوتا اس پر واجب ہوتا ہے کہ جب اس سے سوال کیا جائے تو عَلٰی وَجْہِ الْحِکَایَۃ مجتہد کا قول نقل کرے۔ تو جان لیا گیا کہ ہمارے زمانے میں موجود عُلَما کا فتویٰ حقیقتاً فتویٰ نہیں بلکہ مفتی مجتہد کے کلام کو مُسْتَفْتِی کے لئے نقل کرنا ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، صفحہ 162 تا 163، جلد 1، دارالمعرفۃ بیروت)

سیّدی اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَہ اپنے رسالہ مبارکہ "اَجْلَی الْاِعْلَام" میں فرماتے ہیں: "ایک حقیقی فتویٰ ہوتا ہے اور ایک عرفی۔ فتوائے حقیقی یہ ہے کہ دلیلِ تفصیلی کی مَعْرِفَت کے بعد فتویٰ دیا جائے، یہی وہ لوگ ہیں جن کو اصحابِ فتویٰ کہا جاتا ہے اور اسی معنی میں یہ بولا جاتا ہے فقیہ ابو جعفر اور فقیہ ابُو اللَّیث اور اُن جیسے حضرات رَحِمَہُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی نے فتویٰ دیا، اور فتوائے عرفی یہ ہے کہ اَقوالِ امام کا علم رکھنے والا اس تفصیلی آشنائی کے بغیر ان کی تقلید کے طور پر کسی نہ جاننے والے کو بتائے جیسے کہا جاتا ہے فتاویٰ ابنِ نُجَیْم، فتاویٰ غزّی، فتاویٰ طُورِی، فتاویٰ خَیْرِیہ اسی طرح زمانہ و رتبہ میں ان سے فروتر فتاویٰ رضویہ تک چلے آیئے اللہ تعالیٰ اسے اپنی رضا کا باعث اور اپنا پسندیدہ بنائے آمین۔" (ملخصاً)

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 109، جلد 1، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

مفتی ناقل کی ذِمّہ داری اور اہلِ زمانہ کی حالتِ زار

تو اب موجودہ زمانہ میں ہمتیں کمزور اور علمی مہارت میں کمی کی بنا پر مفتی ناقل ہی بنا جاسکتا ہے مگر وہ بھی کوئی بچوں کا کھیل نہیں کہ دو افراد ایک دوسرے کو مفتی کہنے لگیں اور دونوں مفتی بن جائیں چاہے انہیں فقہ کی تعریف و مَبادِیات کی کچھ خبر نہ ہو ابوابِ فقہ اور ہر ہر باب کے تحت مذکور جزئیات کبھی سمجھ کر نہ پڑھے ہوں اٹکل پچّوں سے جو چاہے جیسا

چاہے سکون واطمینان سے بیان کردینا ان کے نزدیک معیارِ تحقیق ہواور جب دلیل شرعی پوچھی جائے تو آگے سے کہہ دیا جائے کہ "میں کہتا ہوں" نَعُوْذُ بِاللہِ مِنْ ذٰلِکَ۔ ایسوں کے بارے میں قرآن وحدیث میں شدید وعیدیں آئی ہیں۔فتویٰ حقیقی ہو یا عرفی دلیلِ شرعی مُعْتَبر ومُعْتَمد ہر ایک کے لئے درکار ہے اور بغیر تحقیق کے مسئلہ بیان کرنا ہر کسی کے لئے حرام ہے۔

امامِ اہلسنّت احمد رضا خان عَلَیْہِ الرَّحْمَہ "اَجْلَی الْاِعْلَام" میں فرماتے ہیں: "افتاء یہ ہے کہ کسی بات پر اعتماد کرکے سائل کو بتایا جائے کہ تمہاری مسئولہ صورت میں حکمِ شریعت یہ ہے یہ کام کسی کے لئے بھی اس وقت تک حلال نہیں جب تک اسے کسی دلیلِ شرعی سے اس حکم کا علم نہ ہو جائے ورنہ جزافاً (اٹکل سے بتانا) اور شریعت پر افتراء ہوگا اور اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللہِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ یعنی کیا تم خدا پر وہ بولتے ہو جس کا تمہیں علم نہیں اور قُلْ آللّٰہُ اَذِنَ لَکُمْ اَمْ عَلَی اللّٰہِ تَفْتَرُوْنَ یعنی فرماؤ کیا اللہ نے تمہیں اذن دیا یا تم خدا پر افترا کرتے ہو۔ان ارشادات کا مصداق بھی بننا ہوگا۔" (ملخصاً) (فتاوىٰ رضويه ، صفحه 102 ، جلد 1 ، رضا فاؤنڈيشن لاهور)

تو فقہی مہارت مفتی ناقل کے لئے بھی ضروری اور بے حد ضروری ہے جبھی وہ مسائلِ شرعیّہ کی تحقیق کرسکے گا اور اس کا مسائل بیان کرنا جائز ومباح قرار پائے۔

فقہی مہارت کے تین اصول

شامی میں بحر کے حوالے سے ہے: "انه لا يحصل الا بكثرة المراجعة و تتبع عباراتهم والاخذ عن الاشياخ" یعنی علم فقہ (1) کثرتِ مُراجعت، (2) تَتَبُّعِ عباراتِ فُقَہاء اور (3) ماہر شُیوخ سے باقاعدہ سیکھے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ (ردالمحتار على الدرالمختار ، صفحه 173 ، جلد 2 ، دارالمعرفة بيروت)

اگر فقہی مسائل اتنے سَہل وآسان ہوتے کہ خود پڑھنے سے تمام فقہ سمجھ آجاتی تو یہ ماہرینِ فن فقط کثرتِ مُراجعت ہی کے بیان پر اِکْتِفاء کرتے معلوم ہوا کہ مسائل کی دِقّت، فقہی آراء کا اختلاف اور مفتیٰ بہ اور راجح اقوال کے ساتھ ضعیف ونامعتبر مَرجُوح اقوال بھی ساتھ ذکر ہونے سے جو انکشافِ حق میں الجھاؤ پیدا ہو گیا ہے اس کا انہیں بخوبی احساس ہے جبھی تو وہ تَتَبُّعِ کلماتِ فُقَہا اور ماہرِ کامل کی صحبت کو ناگزیر قرار دے رہے ہیں تاکہ غلط فہمی سے بچ کر بار بار کی مشق کے بعد صحیح وضعیف راجح مَرجُوح میں تمیز کا ملکہ پیدا ہو مَراتبِ فُقَہا میں سے سب سے کمتر درجہ اہلِ تمیز میں اس کا

شمار ہو کہ اس کے نیچے والے کو وہ حاطبِ لیل کہتے ہیں جو رَطب و یابس سب کو اکٹھا کرلیتا ہے اور اُمورِ فقہ میں لائق پیروی نہیں ہوتا اور یہ اہلیت و اِستعداد انہیں مذکورہ بالا تین اصولوں کی روشنی میں اتقان و تحقیق کے ساتھ مطالعہ کرنے کے عادی کو نصیب ہوتی ہے بظاہر سبب اس کی محنت بنتی ہے اور حقیقتاً اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہوتا ہے کہ اسے اپنے دین کی سمجھ کے لئے چن لیتا ہے۔

بخاری شریف کی حدیث میں ہے: "مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ" یعنی جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے اسے دین میں سمجھ کی نعمت عطا فرماتا ہے۔

(صحیح بخاری، صفحہ ٤٢، جلد ١، حدیث ٧١، دارالکتب العلمیہ بیروت)

یہ حدیث شریف اشارہ کر رہی ہے کہ تَفَقُّه فِی الدِّیْن کی دولت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے نصیب ہوتی ہے۔

یہ بھی یاد رہے کہ مذکورہ بالا اصولوں پر مہارت محض دعویٰ کر دینے یا تھوڑا بہت با قاعدہ یا بے قاعدہ پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ درسِ نظامی پڑھنے والا بھی فقہ میں ماہر ہو جائے ایسا کم ہی ہوتا ہے۔

امام اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ الرَّحْمَہ ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "آجکل درسی کتابیں پڑھنے پڑھانے سے آدمی فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا نہ کہ واعظ جسے سوائے طلاقتِ لسان کوئی لیاقت جہاں درکار نہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 442، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مقامِ غور ہے کہ سو سال پہلے کے رائج مضبوط نصاب پڑھنے والے کے بارے میں اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرما رہے ہیں کہ وہ فقہ کے دروازے میں بھی داخل نہیں ہوتا اگر موجودہ صورت حال ملاحظہ فرما لیتے تو ضرور ارشاد فرماتے کہ ایسا الٹا پڑھنے والے ہیں کہ جن کے لئے دروازہ ہی بند ہے۔

لہٰذا فارِغُ التَّحْصِیل ہونے والوں کو بھی مزید محنت و جِدّ و جہد کرتے ہوئے کتبِ فقہ و فتاویٰ کا مطالعہ کسی کی رہنمائی میں کرنا ضروری ہے پھر بہت مشق کے بعد تدریجاً علم فقہ حاصل ہوتا ہے۔ مَجْمَعُ الْاَنْہُر میں ہے: "ان حصول علم الفقه لا یمکن دفعة بل شیئا فشیئا" یعنی علم فقہ یکبارگی حاصل نہیں ہوتا بلکہ تدریجاً تھوڑا تھوڑا حاصل ہوتا ہے۔

(مجمع الانہر، صفحہ 11، جلد 1، دارالکتب العلمیة بیروت)

علّامہ ابنِ نُجَیم حَنَفِی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ جن کی بَحْرُ الرَّائِق اور اَلْاَشْبَاہ وَالنَّظَائِر دو مشہور و مستند اوّل کتابیں ہیں اعلیٰ حضرت

عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے ایک مقام پر انہیں بحرِ فقہ فرمایا اپنی کتاب اَلْاَشْبَاہ وَالنَّظَائِر کے مقدمہ میں فقہی مہارت کے حصول کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ان ھذا الفن لایدرك بالتمنی ولاینال بسوف ولعل ولوانی ولا ینالہ الا من کشف عن ساعد الجد وشمر واعتزل اھلہ وشد المئزر وخاض البحار وخالط العجاج یداب فی التکرار والمطالعۃ بکرۃ و اصیلا وینصب نفسہ للتالیف والتحریر بیاتا و مقیلا ولیس لہ ھمۃ الا معضلۃ یحلھا أو مستصعبہ عزت علی القاصرین الا ویرتقی الیھا ویحلھا علی ان ذلك لیس من کسب العبد وانما ھو من فضل اللہ یوتیہ من یشاء'' (عبارت کا تفہیمی ترجمہ کچھ یوں ہے کہ) یہ فن محض تمنّا کرنے یا یہ کہتے رہنے کہ عنقریب میں سیکھ لوں گا ماہر ہو جاؤں گا، شاید مجھے اس فن کو سیکھنے میں کامیابی مل جائیگی، اگر میں نے اس اس طرح پڑھ لیا اور ایسے مواقع مجھے مل گئے تو میں فقیہ بن جاؤں گا محض ان تمام باتوں پر اکتفا کرنے سے کچھ نہ ہوگا جب تک میدانِ عمل میں قدم نہ رکھا جائے اور وہ یوں کہ جس طرح کوئی شخص اہم وضروری کام بڑی توجہ کے ساتھ کرتا ہے تو آستین چڑھا کر بہت انہماک سے کام کی ابتدا کرتا ہے اپنے اہل و عیال سے وقتی جدائی بھی برداشت کرنی پڑتی ہے اسی طرح کنارہ کشی اختیار کرتے ہوئے صرف اسی علم وفن میں مہارت کے حصول کو اپنا مقصدِ وَحید بنا کر سمجھ سمجھ کر پڑھے گا خوب محنت کرے گا وہی اسے سیکھ پائے گا جس طرح سمندر میں سے مطلوبہ شے تلاش کر کے کچھ حاصل کرنے میں وہی کامیاب ہوتا ہے جو سمندر کی تہہ میں غوطہ لگائے اور طوفانی لہروں سے مقابلہ کرے تو اسی طرح علم فقہ کے سمندر میں جو غوطہ زن ہوگا صبح شام مسائل کی تکرار کرے گا اپنے نفس کو تالیف اور تحریر میں رات دن مشغول رکھے گا اور تھکائے گا مشکل مسائل کو توجہ دے کر خوب غور وخوض کے بعد انہیں حل کرے گا تو کامیابی کی امید رکھ سکتا ہے اور ان تمام باتوں کے باوجود یہ سب بندے کے بس میں نہیں محض اللہ سبحانہٗ و تعالیٰ کا فضلِ عظیم ہے جسے وہ چاہتا ہے اسے عطا فرماتا ہے۔

(غمز عیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر، صفحہ 59، جلد 1، مطبوعہ کراچی)

لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ حالاتِ حاضرہ پر نگاہ کی جائے تو عوام اور خواص کہلانے والوں کی مسائلِ شرعیۃ میں جرأت وبے باکی بڑھتی جارہی ہے حالانکہ بغیر تحقیق کے مسئلہ بیان کرنا حرام اور قابلِ تعزیر جرم ہے۔

چند لوگوں نے اہلِ علم وفقہ سے پوچھے بغیر اپنی رائے پر اعتماد کر کے خلافِ شرع عمل کیا تو اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے قرآن وحدیث سے تفصیلی رد کرتے ہوئے آخر میں بطورِ خلاصہ ارشاد فرمایا کہ "وہ بہر تقدیر اپنی بے باکی و جرات واِستقلال بِالرّائے ومخالفتِ اہلِ علم واِختراعِ حکم کے باعث مستحقِ تعزیر ہوئے کہ یہ سب گناہ ہیں اور ہر گناہ جس میں حد نہیں اس میں تعزیر ہے......اور جہاں والی شرع نہ ہو جیسے ہمارے بِلاد وہاں یہ لوگ تعزیر سے محفوظی پر خوش نہ ہوں کہ یہ خوشی ان کے گناہ کو ہزار چند کر دے گی، بلکہ اس سے ڈریں جس کی حکومت ہر جگہ ہے اور ہر وقت ہر بات پر قادر ہے اور اسی کی طرف پھر کر جانا ہے۔ فوراً صدقِ دل سے تائب ہوں، اور جیسے یہ مَعْصِیَت اعلانیہ کی توبہ بھی بِالاِعْلان کریں۔" (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 354 تا 355، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

فقہی مسائل اور احتیاط کی ضرورت

بعض لوگ صرف اردو کتب میں شَرح وبَسْط سے لکھے ہوئے مسائل کے بھروسہ پر اپنے آپ کو کامل ومکمل سمجھ کر کارِ افتاء میں دخل اندازی کرتے ہیں حالانکہ ایسوں کا مفتی ہونا محض سہانا خواب ہے اور فقہی مسائل کی سمجھ بوجھ انھیں کالمحال ہے عوام کو شرعی مسئلہ جبکہ دقیق ہو کتنا ہی سہل لکھا ہو اپنی سمجھ پر بھروسہ کرنا اور پوچھے بغیر بیان کرنا جائز نہیں امام اہلسنّت عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے تجلی المشکوٰۃ مسائل زکوٰۃ کے بارے میں لکھا تفصیل وتفہیم کے ساتھ مسائل سمجھائے مگر آخر میں انصاف کی بات یوں بیان فرمائی کہ "غرض للہ الحمد والمنۃ فقیر غفرلہ المولی القدیر نے بتوفیق المولیٰ سبحانہٗ وتعالیٰ ان مسائل کو ایسی شَرح وتکمیل وبَسْطِ جلیل کے ساتھ بیان کیا ہے کہ شاید اُن کی نظیر کتب میں نہ ملے، امید کرتا ہوں جو شخص ان سب کو بغور کامل خوب سمجھ لے وہ ہزارہا مسائلِ زکوٰۃ کا حکم ایسا بیان کرے گا جیسے کوئی عالمِ مُحقّق بیان کرے، جن مسائل میں فقیر نے آج کل کے بعض مُدَّعِیانِ فقاہت وتحدیث بلکہ امامتِ فنون فقہ وحدیث کو فاحش غلطیاں کرتے دیکھا، کم علم آدمی جوان تحریراتِ فقیر کو بنہجِ احسن سمجھ لے گا اِن شاء اللہ تعالیٰ بے تکلّف صحیح وصاف ادا کرے گا، مگر حاشا ہر گز اردو عبارت جان کر اپنی فَہم پر قناعت نہ کرے کہ نازک یا غور طلب بات جو آدمی کی اپنی اِسْتِعْداد سے وَرا ہو کسی زبان میں کیسی ہی واضح ادا کی جائے پھر نازک ہے بلکہ واجب کہ کسی عالم کامل سے ان مسائل کو پڑھ لے تاکہ بِحَوْلِ اللہ تعالیٰ

اس باب میں خود عالم کامل ہو جائے۔" (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 125 تا 126، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

غور کیا جائے تو راہِ نجات اسی میں نظر آتی ہے کہ جو خود تحقیق نہیں کر سکتا یا کر سکتا ہے مگر اس کی تحقیق مکمل نہیں ہوئی تو اٹکل سے مسئلہ بتانے کے بجائے کسی اور ماہر شریعت کے پاس سائل کو روانہ کر دے اور کہہ دے میں نہیں جانتا۔

فتویٰ اور احتیاطِ اسلاف

ہمارے اسلاف ائمۂ متقدّمین بلکہ صحابۂ کرام عَلَیۡہِمُ الرِّضۡوَان مسئلۂ شرعیہ بیان کرنے میں کیسی احتیاط فرماتے تھے اور بے باک وجری کی کیسی مذمت فرماتے ملاحظہ ہو۔

حضرت عبداللہ بن مسعود رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: ''جو ہر شرعی حکم پوچھنے والے کو فتویٰ دے وہ مجنون ہے۔'' (ادب المفتی والمستفتی لابن الصلاح، صفحہ 9، مطبوعہ کراچی)

عبدالرحمٰن بن ابی لیلیٰ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ سے مروی ہے فرماتے ہیں: میں ایک سو بیس انصاری صحابۂ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡھُمۡ اَجۡمَعِیۡن سے ملا ان میں سے جس کسی سے سوال کیا جاتا تو وہ دوسرے کی طرف پھیر دیتے یہاں تک کہ یہی ایک دوسرے کے پاس بھیجتے ہوئے پہلے کے پاس سائل دوبارہ آجاتا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہر صحابی کی یہ خواہش ہوتی کہ حدیث بیان کرنے میں کوئی دوسرا اس کی جانب سے کفایت کرے اور جب شرعی مسئلہ پوچھا جاتا تو یہ خواہش ہوتی کہ کوئی دوسرا بتا دے اور فتویٰ دینے سے اس کی کفایت کرے۔

(ادب المفتی والمستفتی لابن الصلاح، صفحہ 9، مطبوعہ کراچی)

امام مالک عَلَیۡہِ الرَّحۡمَہ سے جب کبھی سوال کیا جاتا تو سائل سے فرماتے جاؤ! اب میں غور کروں گا پھر اس کے جانے کے بعد حکم شرعی کے اِستنباط میں مُتَرَدِّد دکھائی دیتے جب اتنی احتیاط کے بارے میں پوچھا گیا تو ایک بار رو کر فرمایا مجھے خوف لگا رہتا ہے کہ کہیں قیامت کے دن مجھے بہت سے مسائل درپیش نہ آجائیں کبھی ایسا ہوتا کہ سر جھکائے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے ذکر میں مشغول ہوتے کوئی سوال کرتا تو سرخ وسفید رنگت پیلی پڑ جاتی پھر ذکر میں مشغول ہو جاتے اور کچھ دیر کہتے۔ ماشاء اللہ، لاحول ولاقوۃ الا باللہ

آپ کے بارے میں مشہور ہے کہ کبھی پچاس مسائل پوچھے گئے تو کسی ایک کا بھی جواب نہ دیا الغرض بیانِ

مسائل میں احتیاط کا عالم یہ تھا کہ باری تعالیٰ کے سامنے جوابدہی کا تصوُّر نگاہوں کے سامنے رہتا تھا اور فرمایا کرتے تھے کہ جو جواب دینا پسند کرے تو اسے جواب دینے سے پہلے اپنے نفس کو جنت ودوزخ پر پیش کرنا چاہئے اور یہ فکر کرنی چاہئے کہ آخرت میں اسے کیونکر نجات ملے گی؟ پھر جواب دیتے۔ بعض دیکھنے والوں نے دیکھا اور بیان کیا کہ جب ان سے سوال پوچھا جاتا تو ایسا لگتا کہ امام مالک عَلَیْہِ الرَّحْمَہ جنت ودوزخ کے مابین (خوف زدہ) کھڑے ہیں۔

(موافقات للامام شاطبی ، صفحہ 211 ، جلد 4 ، دار الکتب العلمیہ بیروت)

امام شافعی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ سے مسئلہ پوچھا گیا تو خاموش ہو گئے کہا گیا کہ کیا آپ جواب نہ دیں گے؟ فرمایا: ”فضل میرے جواب دینے میں ہے یا خاموش رہنے میں پہلے یہ جان لوں۔“

امام احمد بن حنبل رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی سے جب مسئلہ پوچھا جاتا تو اکثر فرماتے: ”لَا اَدْرِی“ اور یہ ان مسائل میں جن کے بارے میں انہیں اقوال کا علم ہوتا تھا۔

(ادب المفتی والمستفتی لابن الصلاح ، صفحہ 13 ، مطبوعہ کراچی)

امامِ اعظم ابوحنیفہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی کمال احتیاط کا کیا کہنا شیخ مُحقِّق عبدُالحق مُحدِّث دہلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی واقعہ پیش آتا تو اپنے شاگردوں سے مشورہ کرتے اور ان سے دریافت کرتے اور ان سے گفتگو اور تبادلہ خیال کرتے ان کے علم میں جو احادیث اور آثار ہوتے وہ سنتے اور جو کچھ انہیں علم ہوتا وہ انہیں سناتے بعض اوقات ایک مہینہ یا اس سے زیادہ غور وخوض جاری رہتا یہاں تک کہ ایک قول طے پا جاتا تو امام ابویوسف اسے لکھ لیتے اس شورائی طریقہ پر انہوں نے اصول طے کئے دوسرے ائمہ کی طرح انہوں نے انفرادی طور پر فیصلے نہیں کیے۔

عُیُونُ الْمَسائِل سے منقول ہے کہ جب امام ابوحنیفہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کو کوئی مشکل مسئلہ پیش آجاتا تو چالیس مرتبہ قرآنِ پاک ختم کرتے مشکل حل ہوجاتی۔

(تحصیل التعرف فی معرفۃ الفقہ والتصوف مترجم بنام تعارف فقہ و تصوف ص ۲۲۳)

امام ابویوسف عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں کہ خَلْقِ قرآن کے مسئلہ پر میرا اور امام اعظم ابوحنیفہ عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کا چھ ماہ تک مناظرہ ہوا پھر ہم دونوں کا اس رائے پر اتفاق ہوا کہ جو قرآن کو مخلوق کہے وہ کافر ہے۔

(اصول بزدوی ، صفحہ 3 ، مطبوعہ کراچی)

اَلغَرَض فقہی مہارت ملکہ تمیز کی حد تک اور خوف وخَشیَت اور احتیاط فتویٰ دینے کے لئے ضروری ہے اور کارِ افتاء میں دخل دینا صرف اسے جائز ہے جس کے پاس ایسا علم ہو جو اسے سرکشی اور حد سے بڑھنے سے باز رکھنے والا ہو ورنہ اپنی لگام ڈھیلی کرنے والا سرکشی میں مبتلا ہو جاتا ہے دیانت وانصاف اور حق بات کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔

یہ مختصر مضمون مُرتِّب مفتی علی اصغر عطّاری زِیدَ مَجدُہٗ کے کہنے پر لکھا ہے اپنی اور اپنے جیسوں کی تنبیہ کے لئے اور تَخَصُّص فِی الْفِقْہ کے طَلَبا بِالخُصُوص ان کے لئے جو میرے ماتحت یا دعوتِ اسلامی کے شعبۂ افتاء میں زیر تربیت ہیں تجربہ کار ماہرینِ فن سے گزارش ہے کہ کوئی غلطی مضمون میں پائیں تو ضرور مُطَّلع فرمائیں فقیر کو انشاءَ اللہ تعالیٰ شکر گزار پائیں گے۔

عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضیل رضا العطّاری عَفَاعَنہُ الْبَارِی

بتاریخ:21 رمضان المبارک 1433ھ بمطابق 10 اگست 2012ء

باب اول
وجوبِ زکوٰۃ کی شرائط
فصل: 1 شرطِ عقل و بلوغ اور مسائلِ زکوٰۃ 69
فصل: 2 مالِ زکوٰۃ سے قرض اور حاجتِ اصلیہ کا منہا ہونا 79
فصل: 3 نصابِ زکوٰۃ اور اس سے متعلق مسائل 103
فصل: 4 اموالِ غیر نامی اور مسائلِ زکوٰۃ 118
فصل: 5 اموالِ زکوٰۃ پر سال گزرنے کی شرط اور ضروری مسائل 142

باب اول: وجوبِ زکوٰۃ کی شرائط

فصل/عنوان 1

شرطِ عقل و بلوغ اور مسائلِ زکوٰۃ

زکوٰۃ کس عمر میں لازم ہوتی ہے؟

فتویٰ 1

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی شرعی حیثیت کیا ہے زکوٰۃ کسے کہتے ہیں؟ یہ کس عمر میں فرض ہوتی ہے؟ اور اس کے فرض ہونے کی شرائط کیا ہیں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ شریعت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے مال کے ایک حصہ کا جو شرع نے مُقرّر کیا ہے، مسلمان فقیر کو مالک کر دینا ہے اور وہ فقیر نہ ہاشمی ہو، نہ ہاشمی کا آزاد کردہ غلام اور اپنا نفع اُس سے بالکل جُدا کر لے۔ اس کا منکر کافر اور نہ دینے والا فاسق اور قتل کا مُستحق اور ادا میں تاخیر کرنے والا گناہگار ہے۔ زکوٰۃ واجب ہونے کی کچھ شرائط ہیں جو درج ذیل ہیں۔

زکوٰۃ واجب ہونے کی چند شرائط ہیں:

﴿1﴾ مسلمان ہونا۔

﴿2﴾ بُلُوغ۔

﴿3﴾ عَقل۔

﴿4﴾ آزاد ہونا۔

﴿5﴾ مال بقدرِ نصاب اُس کی مِلک میں ہونا، اگر نصاب سے کم ہے تو زکوٰۃ واجب نہ ہوئی۔

﴿6﴾ پورے طور پر اُس کا مالک ہو یعنی اس پر قابض بھی ہو۔

﴿7﴾ نصاب کا دَین سے فارغ ہونا۔

﴿8﴾ نصاب حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو۔

﴿9﴾ مالِ نامی ہونا یعنی بڑھنے والا خواہ حقیقۃً بڑھے یا حکماً یعنی اگر بڑھانا چاہے تو بڑھائے یعنی اُس کے یا اُس کے نائب کے قبضہ میں ہو۔ ہر ایک کی دو صورتیں ہیں: وہ اسی لئے پیدا کیا گیا ہو، اسے خِلْقی کہتے ہیں جیسے سونا چاندی کہ یہ اس لئے پیدا ہوئے ہیں کہ ان سے چیزیں خریدی جائیں یا اس لئے مخلوق تو نہیں مگر اس سے یہ بھی حاصل ہوتا ہے، اسے فِعلی کہتے ہیں۔ سونے چاندی کے علاوہ سب چیزیں فِعلی ہیں کہ تجارت سے سب میں نُمو ہوگا۔ سونے چاندی میں مطلقاً زکوٰۃ واجب ہے جب کہ بقدرِ نصاب ہوں اگرچہ دَفن کر کے رکھے ہوں تجارت کرے یا نہ کرے اور ان کے علاوہ باقی چیزوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہے کہ تجارت کی نیّت ہو یا چَرائی پر چھوٹے جانور و بس۔

خلاصہ یہ کہ زکوٰۃ تین قسم کے مال پر ہے: ﴿1﴾ ثَمن یعنی سونا چاندی ﴿2﴾ مالِ تجارت ﴿3﴾ سائمہ یعنی چَرائی پر چُھوٹے جانور۔

﴿10﴾ سال گزرنا، سال سے مراد قمری سال ہے یعنی چاند کے مہینوں سے بارہ مہینے۔

(ملخص از بہارِ شریعت، صفحہ 874 تا 884، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

تو ان شرائط کی روشنی میں یہ بھی معلوم ہوگیا کہ زکوٰۃ بالغ پر فرض ہوتی ہے، نابالغ پر نہیں اور لڑکے کے بالغ ہونے کی علامات سوتے میں اِحتلام یا اس کے علاوہ اِنزال یا اس سے کسی عورت کو حمل کا ٹھہر جانا اور لڑکی کے بالغ ہونے

کی علاماتِ اِحتلام یا حیض یا حامِلہ ہونا ہے تو اگر لڑکے میں 12 سال کے بعد سے اور لڑکی میں 9 سال کے بعد سے 15 سال تک کوئی علامتِ بُلُوغ نہ پائی جائے تو 15 سال کی عُمر میں انہیں بالغ ہی تصوُّر کیا جائے گا۔

جیسا کہ **تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّ مُخْتَار** میں ہے: "بلوغ الغلام بالاحتلام والاحبال والانزال والأصل هو الانزال، والجارية بالاحتلام والحيض والحبل ولم يذكر الانزال صريحًا لأنه قلما يعلم منها، فان لم يوجدفيهما شیء فحتى يتم لكل منهما خمس عشره سنة ، به يفتى" **رَدُّ الْمُحْتَار** میں ہے: "هذا عندهما، وهو رواية عن الامام، وبه قالت الأئمة الثلاثة"

(رد المحتار على الدر المختار، صفحه 259 تا 260 ، جلد 9 ، دار المعرفة بيروت)

فَتَاوٰی عَالَمْگِیْرِی میں ہے: "بلوغ الغلام بالاحتلام أو الاحبال أو الانزال والجارية بالاحتلام أو الحيض أو الحبل كذا فی المختار ، و السنّ الذی يحكم ببلوغ الغلام و الجارية اذا انتهيا اليه خمس عشرة سنة عند ابی يوسف ومحمد رحمهما اللّٰه تعالٰی وهو رواية عن أبی حنيفة رحمه اللّٰه تعالٰی و عليه الفتوى"

(فتاوىٰ عالمگيری ، صفحه 61 ، جلد 5 ، دار الفكر بيروت)

صَدرُ الشَّرِیعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: "لڑکے کو جب اِنْزال ہوگیا وہ بالغ ہے وہ کسی طرح ہو سوتے میں ہو جس کو اِحتلام کہتے ہیں یا بیداری کی حالت میں ہو۔ اور اِنْزال نہ ہو تو جب تک اس کی عمر پندرہ سال کی نہ ہو بالغ نہیں جب پورے پندرہ سال کا ہوگیا تو اب بالغ ہے علاماتِ بُلُوغ پائے جائیں یا نہ پائے جائیں، لڑکے کے بُلُوغ کے لئے کم سے کم جو مدت ہے وہ بارہ سال کی ہے یعنی اگر اس مدت سے قبل وہ اپنے کو بالغ بتائے اس کا قول مُعْتَبَر نہ ہوگا۔ لڑکی کا بُلُوغ اِحتلام سے ہوتا ہے یا حمل سے یا حیض سے ان تینوں میں سے جو بات بھی پائی جائے تو وہ بالغ قرار پائے گی اور ان میں سے کوئی بات نہ پائی جائے تو جب تک پندرہ سال کی عمر نہ ہو جائے بالغ نہیں اور کم سے کم اس کا بُلُوغ نو سال میں ہوگا اس سے کم عمر ہے اور اپنے کو بالغہ کہتی ہو تو

مُعْتَبَر نہیں۔" (بہارِ شریعت، صفحہ 203، جلد 3، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہُ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

21 ذو الحجہ 1428ھ 1 جنوری 2008ء

زکوۃ واجب ہونے کی شرائط

فتویٰ 2

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوۃ کس پر اور کب واجب ہوتی ہے؟ تفصیل سے ارشاد فرمائیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوۃ واجب ہونے کی دس شرائط ہیں:

﴿1﴾ مسلمان ہونا۔

﴿2﴾ بُلوغ۔

﴿3﴾ عقل۔

﴿4﴾ آزاد ہونا۔

﴿5﴾ مال بقدرِ نصاب اُس کی مِلک میں ہونا، اگر نصاب سے کم ہے تو زکوۃ واجب نہ ہوئی۔

﴿6﴾ پورے طور پر اُس کا مالک ہو یعنی اس پر قابض بھی ہو۔

﴿7﴾ نصاب کا دَین سے فارغ ہونا۔

﴿8﴾ نصاب حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو۔

﴿9﴾ مالِ نامی ہونا یعنی بڑھنے والا خواہ حقیقۃً بڑھے یا حکماً۔

﴿10﴾ سال گزرنا، سال سے مراد قمری سال ہے یعنی چاند کے مہینوں سے بارہ (12) مہینے۔
(بہارِ شریعت، صفحہ 875 تا 884، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

جس شخص میں یہ دس شرائط پائی جائیں اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

7 شوال المکرم 1427ھ 31 اکتوبر 2006ء

نابالغ پر زکوٰۃ فرض نہیں

فتویٰ 3

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے ایک بڑی رقم اپنی نابالغ بچی کے نام کر دی ہے اس نیت سے کہ مستقبل میں کام آئے۔ اس رقم پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

سائل: از ملاوی

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مسئولہ میں باپ نے جب اپنی رقم نابالغ بچی کے نام کر دی تو نام کرنے سے ہی ہِبہ مکمل ہو گیا جبکہ ہِبہ کے الفاظ کہے ہوں اور وہ رقم باپ کے قبضہ میں بھی ہو لہٰذا جتنی رقم ہِبہ کی ہے وہ بچی کی مِلکیت میں چلی گئی کیونکہ نابالغ کو کئے گئے ہِبہ کے تام ہونے کے لئے اس کا قبضہ ضروری نہیں بلکہ باپ کا قبضہ ہی اس نابالغ کا قبضہ شمار کیا جائے گا۔ واضح رہے کہ بچوں کو دینے کی نیت کر کے الگ رکھ لینے سے ہِبہ ثابت نہیں ہوتا لفظوں میں ایجاب کا پایا جانا ضروری ہے۔ یا ایسی واضح دلالت ہو جو قرینہ تملیک بن سکے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن سے سوال کیا گیا کہ زید نے اپنا مکان اپنے پسرِ نابالغ کو ہبہ کیا اور شرط لگائی کہ اپنی زندگی تک اس مکان میں بطورِ مالکانہ سکونت رکھوں گا اور بلوغِ پسر تک اس کی مرمّت میرے ذمّہ رہے گی اور اس مضمون کا ہبہ نامہ لکھ دیا، آیا اس صورت میں ہبہ تمام و کامل ہو گیا؟ جواباً آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعالٰی عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: ''صورتِ مُستَفسَرہ میں ہبہ صحیح و نافذ و تمام و کامل ہو گیا زید کا اصلاً حق مالکانہ اس میں نہ رہا، پسرِ زید مالک مستقل ہو گیا، یہاں تک کہ خود بھی اب اس ہبہ کے نقض و ابطال پر قادر نہیں فان البنوۃ من موانع الرجوع (کیونکہ بیٹا ہونا موانع رجوع سے شمار ہوتا ہے) اور زید کا مکان خالی نہ کرنا کچھ مضر نہیں کہ باپ اپنے پسرِ نابالغ کو جو ہبہ کرے وہ صرف ایجاب سے تمام ہو جاتا ہے باپ کا قبضہ بعینہٖ پسر کا قبضہ قرار پاتا ہے سُکونتِ پدر تمامیٔ ہبہ کے منافی نہیں ہوتی۔''
(فتاویٰ رضویه، صفحه 229، جلد 19، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

چونکہ قوانینِ شریعت کی رُو سے زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے بالغ ہونا شرط ہے لہٰذا وہ مال جو نابالغ بچی کو ہبہ کیا گیا ہے اُس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

جیسا کہ اعلیٰ حضرت امام اہلسنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''جو زیور بچوں کو ہبہ کر دیا اس کی زکوٰۃ نہ اس پر نہ بچوں پر، اُس پر اس لئے نہیں کہ یہ مِلک نہیں، اُن پر اس لئے نہیں کہ وہ بالغ نہیں۔''
(فتاویٰ رضویه، صفحه 145، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ
اَبُو مُحَمَّد علی اصغر العطاری المدنی
15 جمادی الثانی 1431ھ 30 مئی 2010ء

نابالغ کی جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ؟

فتویٰ 4

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی نابالغ بچہ اپنے پاس

پیسے جمع کر کے رکھتا ہو تو کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟ اور یہ زکوٰۃ کون دے گا؟ سائل: محمد فصیح عطاری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے اگر چہ اس کے پاس بقدرِ نصاب مال موجود ہو۔ کیونکہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ایک شرط بالغ ہونا بھی ہے۔

حضرت علامہ ابنِ عابدین شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی فرماتے ہیں: "فلا تجب علی مجنون وصبی" یعنی مجنوں اور بچہ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

(رد المحتار علی الدر المختار، صفحہ 207، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

13 ذو القعدہ 1427ھ 5 دسمبر 2006ء

فتوی 5
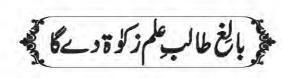
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بالغ طالبِ علم جو کہ کماتا نہیں اس نے اپنی جیب خرچ سے کچھ رقم جمع کر رکھی ہے کیا اس پر بھی زکوٰۃ دینا واجب ہوگا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط پائے جانے کی صورت میں اس شخص پر زکوٰۃ دینا واجب ہوگا۔ کمائی نہ کرنا یا

طالب علم ہونا زکوٰۃ واجب ہونے سے مانع نہیں۔

وجوبِ زکوٰۃ کی شرائط بیان کرتے ہوئے علامہ نسفی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی کَنْزُ الدَّقَائِق میں ارشاد فرماتے ہیں: "وشرط وجوبها العقل والبلوغ والإسلام والحرية و ملك النصاب حولى فارغ عن الدين وحاجته الأصلية نام ولو تقديرًا" ترجمہ: زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط یہ ہیں: عاقل ہونا، بالغ ہونا، مسلمان ہونا، آزاد ہونا، ایک سال تک ایسے نصاب کا مالک ہونا جو قرض اور حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو اور مال کا نامی ہونا اگرچہ تقدیراً ہو۔"

(کنز الدقائق، صفحہ 56، کراچی)

وَ اللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ
ابو الصالح محمد قاسم القادری
17 شوال المکرم 1426ھ 20 نومبر 2005ء

جس کی عقل کبھی ٹھیک ہو اور کبھی نہیں اس پر زکوٰۃ کا حکم؟

فتوی 6

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری والدہ کی عمر تقریباً 80 سال ہے، کبھی کبھار وہ کسی کو نہیں پہچان پاتیں۔ نہ نماز کا کچھ پتا ہوتا ہے بہکی بہکی باتیں کرتی ہیں ان کا دماغ 50% کام کرتا ہے اور کبھی کبھی دورانِ سال بالکل ٹھیک ہو جاتی ہیں۔ ان پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

سائل: محمد یحییٰ

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جس کی عقل ٹھیک نہ ہو کہ کبھی عقل مندوں کی طرح باتیں کرے اور کبھی پاگلوں کی طرح، اور کام کرے تو

خراب کرے مگر پاگلوں کی طرح بلاوجہ مارتا اور گالیاں نہ دیتا ہو تو ایسے شخص کو عربی زبان میں "مَعْتُوہ" اور اُردو میں "بوھرا" کہتے ہیں۔ اس کے لئے زکوٰۃ کے مسئلہ میں حکم یہ ہے کہ اگر اسی حالت میں پورا سال گزر گیا تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، اور اگر دورانِ سال کبھی کبھار ٹھیک بھی ہو جاتا ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ چونکہ آپ کی والدہ دورانِ سال کسی وقت بالکل ٹھیک ہو جاتی ہیں لہٰذا اُن پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

علامہ ابنِ عابدین شامی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ "مَعْتُوہ" کی تعریف کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "المعتوہ ھو قلیل الفھم المختلط الکلام الفاسد التدبیر، لکن لایضرب ولایشتم" ترجمہ: معتوہ اسے کہتے ہیں کہ جس کی عقل کم ہو، کلام فاسد ہو، تدبیر مختل ہو، لیکن نہ مارتا ہو اور نہ ہی گالیاں دیتا ہو۔

(رد المحتار علی الدر المختار، صفحہ 438، جلد 4، دار المعرفۃ بیروت)

علامہ شامی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ دوسرے مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "فی المغرب: المعتوہ: الناقص العقل" ترجمہ: لغت کی کتاب "مُغرِب" میں معتوہ کا معنیٰ "کم عقل" بیان کیا گیا ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، صفحہ 206، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

علامہ علاؤ الدین حَصْکَفِی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: "المعتوہ وھو اختلال فی العقل" ترجمہ: معتوہ اُسے کہتے ہیں جس کی عقل میں خَلَل واقع ہو۔

(در مختار، صفحہ 438، جلد 4، دار المعرفۃ بیروت)

اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خاں بریلوی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: "معتوہ بوہرا جس کی عقل ٹھیک نہ ہو تدبیر مختل ہو کبھی عاقلوں کی سی بات کرے کبھی پاگلوں کی مگر مجنون کی طرح لوگوں کو محض بے وجہ مارتا گالیاں دیتا اینٹیں پھینکتا نہ ہو۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 529، جلد 2، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

علامہ ابنِ عابدین شامی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: "أنہ لاتجب علیہ فی حال العتہ، لما علمت من أن حکمہ کالصبی العاقل فلا تلزمہ لأنھا عبادۃ محضۃ کما علمت، الا اذا لم یستوعب الحول" ترجمہ: بیشک بوہرے پر بوہرے پن کی حالت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، کیونکہ تم جان چکے ہو کہ اس کا حکم سمجھدار نابالغ بچہ کی طرح ہے پس اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی کیونکہ زکوٰۃ محض ایک عبادت

ہے۔ہاں اگر یہ کیفیت پورا سال نہ رہی تو واجب ہوگی۔

(رد المحتار علی الدر المختار ، صفحہ 207 ، جلد 3 ، دار المعرفۃ بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقہ مولانا امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ”بوہرے پر زکوٰۃ واجب نہیں، جب کہ اسی حالت میں پورا سال گزرے اور اگر کبھی کبھی اسے اِفاقہ بھی ہوتا ہے تو واجب ہے۔“

(بہارِ شریعت ، صفحہ 876 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

11 رجب المرجب 1432ھ 14 جون 2011ء

فتویٰ نویسی کی مشکلات

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ رحمۃ القوی فرماتے ہیں: ”بعض علماء دشمن یہ کہہ دیا کرتے ہیں کہ فتویٰ لکھنا کوئی اہم کام نہیں۔ بہارِ شریعت اور فتاویٰ رضویہ دیکھ کر ہر اُردو داں فتویٰ لکھ سکتا ہے ایسے لوگوں کا علاج صرف یہ ہے کہ انہیں دارالافتاء میں بٹھادیا جائے تو انہیں معلوم ہوجائے گا کہ فتویٰ نویسی کتنا آسان کام ہے؟

حقیقت یہ ہے کہ فتویٰ نویسی جتنا مُشکل کل تھا، اتنا ہی آج بھی ہے اور کل بھی رہیگا، نئے واقعات کا رونما ہونا بند نہیں ہوا ہے اور نہ ہوگا۔ فقہائے کرام نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے قبل از وقت آئندہ رونما ہونے والے ہزاروں ممکن الوقوع جزئیات کے احکام بیان فرمادیئے ہیں مگر اس کے باوجود لاکھوں ایسے حوادث ہیں جو واقع ہوں گے اور ان کے بارے میں کسی بھی کتاب میں کوئی شرعی حکم موجود نہیں۔ ایسے حوادث کے بارے میں حکم شرعی کا استخراج جوئے شیر لانے سے کم نہیں مگر یہ اللہ عزوجل کی صریح تائید دستگیری فرمائے۔ یہیں مفتی غیر مفتی سے ممتاز ہوتا ہے۔ پھر اب دارالافتاء دارالفقہ نہیں رہا بلکہ دینی معلومات عامہ کا محکمہ ہوگیا۔ کسی بھی دارالافتاء میں جا کر دیکھئے مسائل فقہ وکلام کے علاوہ تصوف، تاریخ، جغرافیہ، حتی کہ منطق سوالات بھی آتے ہیں اور اب تو یہ رواج عام پڑ گیا ہے کہ کسی مقرر نے تقریر میں کوئی حدیث پڑھی کوئی واقعہ بیان کیا، مقرر صاحب تو پورے اعزاز واکرام کے ساتھ رخصت ہوگئے۔ ان سے کسی صاحب نے نہ سند مانگی نہ حوالہ مگر دارالافتاء میں سوال پہنچ گیا کہ فلاں مقرر نے یہ حدیث پڑھی تھی یہ واقعہ بیان کیا تھا، کس کتاب میں ہے۔ باب، صفحہ، مطبع کے ساتھ حوالہ دیجئے، یہ کتنا مشکل کام ہے اہل علم ہی جانتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ فتویٰ نویسی جیسا مشکل اور ذمہ داری کا کام کوئی بھی نہیں۔ مقرر خاص خاص موضوع پر تیاری کر کے تقریر تیار کر لیتا ہے۔ مدرس اپنے ذمہ کی کتابوں کا وہ حصہ جو اسے دوسرے دن پڑھانا ہے مطالعہ کر کے اپنی تیاری کر لیتا ہے، مصنف اپنے پسندیدہ موضوع پر اس کے متعلق مواد فراہم کر کے لکھ لیتا ہے، لیکن دارالافتاء سے سوال کرنے والے کسی موضوع کا پابند نہیں، نہ کسی فن کا پابند ہے اور نہ کسی کتاب کا پابند ہے۔ اس کو تو جو ضرورت ہوئی اس کے مطابق سوال کرتا ہے، خواہ وہ عقائد سے متعلق ہو یا فقہ کے یا تفسیر کے یا حدیث کے یا تاریخ کے یا جغرافیہ کے۔ ان سب تفصیلات سے ظاہر ہوگیا کہ فتویٰ نویسی کتنا اہم اور مشکل کام ہے۔“ (حبیب الفتاویٰ، صفحہ 45، مطبوعہ لاہور)

باب اول: وُجُوبِ زکوٰۃ کی شرائط

فصل/عنوان 2

مالِ زکوٰۃ سے قرض اور حاجتِ اَصلیہ کا مِنہا ہونا

مکان کی تعمیر کے لئے لیا گیا قرضہ

فتویٰ 7

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص صاحبِ نصاب ہے اوراس نے مکان تعمیر کرنے کیلئے اُدھار بھی لے رکھا ہے اوروہ نصاب سے زائد ہے، کیا اس پر زکوٰۃ دینا لازم ہوگا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

قرض نکال کر اگر زکوٰۃ کا نصاب باقی نہ رہتا ہو تو شخصِ مذکور پر زکوٰۃ دینا لازم نہ ہوگا کہ وجوبِ زکوٰۃ کے لئے نصاب کا دَین (قرض) سے فارغ ہونا ضروری ہے۔

جیسا کہ فَتاوٰی عَالَمگِیری میں ہے: "ومنها الفراغ عن الدين" ترجمہ: زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط میں سے نصاب کا دَین سے فارغ ہونا بھی ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 173، جلد 1، دار الفکر بیروت)

اور یہ بھی یاد رکھیں کہ قرض کی رقم مِنہا کی جائے، اگر سودی قرض ہے تو سود کی رقم مِنہا نہیں ہوگی۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

5 رمضان المبارک 1426ھ 10 اکتوبر 2005ء

مکان کی اَقساط مِنہا ہوں گی

فتویٰ 8

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی پر بینک کا قرض ہو اور ماہانہ اس کی قسط ادا کرنی ہو تو کیا زکوٰۃ ادا کرتے وقت کُل رقم میں سے قرض کی رقم کو نکال کر بقیہ رقم پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِ وَ الصَّوَاب

قرض کی جس قدر اَقساط باقی ہوں وہ کُل رقم میں سے نکالی جائیں گی ان کو نکالنے کے بعد اگر مال بقدرِ نصاب باقی بچتا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ سودی قرض بینک سے لیا جائے یا کسی اور سے، قرض کی رقم کے علاوہ جو سود دینا پڑتا ہے وہ قرض میں شامل نہیں ہوتا لہٰذا اُسے مِنہا نہیں کیا جائے گا اور بلاضرورتِ شرعی سودی قرض لینا بھی حرام ہے اس سے توبہ بھی واجب ہے۔

شیخ شمسُ الدِّین تُمُرتاشی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ''فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد'' ترجمہ: اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو ایسے دَین (قرض) سے فارغ ہو جس کا لوگوں کی طرف سے مطالبہ ہو۔

(تنوير الابصار مع الدر المختار، صفحه 210، جلد 3، دار المعرفة بيروت)

اس کے تحت علامہ ابن عابدین شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی فرماتے ہیں: ''(فارغ عن دين) ..... أطلقه فشمل الدين العارض..... و هذا إذا كان الدين فی ذمته قبل وجوب الزكاة'' ترجمہ: یہاں دَین کو مُطلَق رکھا گیا ہے تو جو دَین درمیانِ سال میں عارِض ہوا وہ شامل ہے اور یہ اس صورت میں ہے جبکہ یہ دَین زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے کا ہو۔ (ملتقطاً)

(رد المحتار، صفحه 210، جلد 3، دار المعرفة بيروت)

خلیفۂ اعلیٰ حضرت، صاحبِ بہارِ شریعت، صَدرُ الشَّریعہ، بَدرُ الطَّریقہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ''نصاب کا مالک ہے مگر اس پر دَین ہے کہ ادا کرنے کے بعد نصاب نہیں رہتی تو زکوٰۃ واجب نہیں خواہ وہ

دَین بندہ کا ہو جیسے قرض، زرِ ثمن، کسی چیز کا تاوان یا اللہ عَزَّوَجَلَّ کا دَین ہو جیسے زکوٰۃ، خراج۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 878، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

عَبْدُہُ المُذْنِب فُضَیل رَضَا العَطَّارِی عَفَا عَنْہُ البَارِی

24 رمضان 1430ھ

بینک لون تو مِنہا ہوگا لیکن سود مِنہا نہیں ہوگا

فتویٰ 9

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

﴿1﴾ میرے ایک دوست نے ایک مکان خالص تجارت کے لئے خریدا ہے۔ اور اس کی اس میں رہائش نہیں ہے وہ اس کی زکوٰۃ کیسے ادا کرے گا؟ جبکہ اس نے بینک سے سولہ لاکھ روپے قرض لیا ہے اور ہر ماہ دس ہزار روپے کی ایک قسط ادا کرتا ہے۔ اب اس پر پندرہ لاکھ روپے قرض رہ گیا ہے اور ہر مہینے وہ پانچ ہزار روپے کرایہ پر دی گئی ایک جگہ کی مد میں کرایہ بھی وصول کرتا ہے جو قسط کی ادائیگی میں صَرف ہوتا ہے۔ اس مکان کی مارکیٹ میں موجودہ قیمت اُنیس لاکھ روپے ہے۔ مہربانی کر کے بتائیں کہ اس کی زکوٰۃ کیسے ادا ہوگی؟

﴿2﴾ اب وہ اس بات کا قائل ہو گیا ہے کہ سود پر قرض لینا حرام ہے اور وہ اس مکان کو چند ماہ میں فروخت کرنے والا ہے۔ اگر وہ اس مکان کو فروخت کرتا ہے اور بینک کو قرض لوٹا دیتا ہے تو اس کو چار لاکھ روپے کا منافع ہوگا۔ کیا یہ رقم اس کے لئے حلال ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

﴿1﴾ تجارتی مکان بلا شبہ مالِ زکوٰۃ ہے لہٰذا نصاب کے سال کے اختتام پر مکان کی موجودہ مالیت سے قرضہ علاوہ

سود منہا کرنے کے بعد نصاب باقی رہتا ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔

﴿2﴾ صورتِ مذکورہ میں سودی قرض لے کر شروع کئے گئے کاروبار سے حاصل ہونے والا نفع حلال ہے البتہ سودی قرض لینا چونکہ بلاضرورتِ شرعیّہ حرام ہے اس لئے سودی معاہدہ اور جتنا سود دیا وہ بھی حرام و گناہ ہوا۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت، مُجدِّدِ دِین و مِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''مگر وہ روپیہ کہ اس نے قرض لیا، اس سے تجارت میں جو کچھ حاصل ہو حلال ہے، فان الخبث فيما أعطى لا فيما اخذ وهذا ظاهر جدًا (ترجمہ: خُبث اس میں ہے جو دیا جائے (یعنی سود)، نہ کہ اس میں جو لیا جائے (یعنی قرض) اور یہ نہایت ظاہر ہے۔)''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 646، جلد 19، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے: ﴿ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔ (پارہ 3، البقرۃ، آیت: 275)

حدیثِ مبارکہ میں ہے: ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم كُلُّ قَرْضٍ جَرَّ مَنْفَعَةً فَهُوَ رِبًا''

ترجمہ: رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ ہر وہ قرض جو نفع لائے وہ سود ہے۔

(کنز العمال، صفحہ 99، الحدیث: 15512، جلد 3، الجز 6، مؤسسة الرسالة بیروت)

سود کھانے والے کے بارے میں حدیثِ مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے: ''لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اٰكِلَ الرِّبَا وَ مُؤْكِلَهُ وَ كَاتِبَهُ وَشَاهِدَيْهِ وَقَالَ هُمْ سَوَاءٌ'' ترجمہ: رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سود کھانے والے، اس کی وکالت کرنے والے، اس کے لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور ارشاد فرمایا کہ یہ تمام لوگ برابر ہیں۔

(صحیح مسلم، صفحہ ۸۶۲، حدیث ۱۵۹۸، دار ابن حزم بیروت)

حضرت ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے راوایت ہے کہ رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اَلرِّبَا سَبْعُوْنَ حُوْبًا أَيْسَرُهَا أَنْ يَّنْكِحَ الرَّجُلُ أُمَّهُ'' ترجمہ: سود (کا گناہ) ستر حصّہ ہے ان میں سب

سے کم درجہ یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی ماں سے نکاح کرے۔

(سنن ابن ماجه ، صفحه 72 ، الحديث:2274 ، جلد 3 ، دار المعرفة بيروت)

وَ اللهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبه

ابو الصالح محمد قاسم القادری

15 رمضان المبارك 1427ھ 9 اکتوبر 2006ء

کروڑوں کا قرضہ بھی مِنْہا ہوگا

فتویٰ 10

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی کے پاس نصاب کی مالیت کے برابر رقم ہو اور ساتھ ہی قرض میں لی ہوئی رقم بھی موجود ہو۔ تو کیا زکوٰۃ نکالتے وقت قرض کی رقم مِنْہا کی جائے گی یا کُل رقم پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟ مثلاً اگر کسی کے پاس ایک کروڑ روپے موجود ہیں، جن میں سے پچاس لاکھ روپے قرض کے ہیں، تو ایک کروڑ پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی یا پچاس لاکھ پر؟　　سائل: محمد حسین (گھانچی پاڑہ، کراچی)

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

مال کی زکوٰۃ نکالتے وقت کُل مال میں سے قرض میں لی ہوئی رقم کو مِنْہا (مائنس) کیا جائے گا اور بچ جانے والا مال اگر نصاب کو پہنچتا ہو تو نصاب کے سال کے اِختتام پر بشرطِ بقائے نصاب اس پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ لہٰذا دریافت کردہ صورت میں اگر سال کے اِختتام پر یہی صورت ہو تو ایک کروڑ روپے میں سے صرف پچاس لاکھ روپے پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

تَنْوِيْرُ الْاَبْصَار میں ہے: ''فارغ عن دين له مطالب من جهة العباد'' ترجمہ: مال پر زکوٰۃ لازم ہونے کیلئے ضروری ہے کہ وہ مال ایسے قرض سے خالی ہو جس کا بندوں کی جانب سے مطالبہ ہو۔

(تنوير الابصار مع الدر المختار ، صفحه 210 ، جلد 3 ، دار المعرفة بيروت)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں: ''نصاب کا مالک ہے مگر اس پر دَین ہے کہ ادا کرنے کے بعد نصاب نہیں رہتی تو زکوٰۃ واجب نہیں خواہ وہ دَین بندہ کا ہو جیسے قرض، زرِ ثمن، کسی چیز کا تاوان یا اللہ عَزَّوَجَلَّ کا دَین ہو جیسے زکوٰۃ۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 878 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

محرم الحرام 1430ھ 01 جنوری 2009ء

اُدھار پر مال لے کر کاروبار کِیا تو زکوٰۃ کیسے ہوگی؟

فتوی 11

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص پانچ لاکھ روپے کا کاروبار کرتا ہے جس میں ایک لاکھ روپے اس کے ہیں باقی چار لاکھ روپے بیوپاریوں کے ہیں یعنی یہ چار لاکھ روپے اُدھار ہیں تو کیا صرف ایک لاکھ روپے جو کہ ذاتی ہیں ان کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی یا چار لاکھ روپے کی بھی؟

سائل: محمد علی رضا عطاری (راجن پور، پنجاب)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسئولہ میں بقیہ شرائط کی موجودگی میں قرض کو مِنہا کرنے کے بعد جتنا بھی مال اس کی حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی کہ زکوٰۃ کے بارے میں شرعاً حکم یہ ہے کہ جب کسی پر قرض ہو اور اس کے پاس مالِ نامی بھی ہو تو قرض ادا کرنے کے بعد اگر نصاب کی مقدار تک مالِ نامی بچتا ہے تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔

اَلْاِخْتِیَارُ لِتَعْلِیْلِ الْمُخْتَار میں ہے:''و لا تجب الا علی الحر المسلم العاقل البالغ اذا

ملك نصابا خاليا عن الدين فاضلا عن حوائجه الاصلية ملكا تاما فی طرفی الحول"
ترجمہ: زکوٰۃ آزاد مسلمان عاقل بالغ پر واجب ہے جبکہ وہ سال کی ابتدا اور انتہا میں حاجتِ اصلیہ اور دَین سے فارغ نصاب کا مکمل مالک ہو۔ (الاختیار لتعلیل المختار، صفحہ 106، جلد 1، دار الکتب العلمیة)

تَنوِیرُ الْاَبْصَار مَعَ الدُّرِّ الْمُخْتَار میں ہے:"(فلا زکوٰۃ علی..... مدیون للعبد بقدر دینه) فیزکی الزائد ان بلغ نصابًا" ترجمہ: جس پر بندوں کا قرض ہو تو اُس قرض پر زکوٰۃ نہیں ہاں اگر قرض سے زائد نصاب کو پہنچ جائے تو پھر اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔ (ملتقطاً)

(تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 215، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

البتہ یہاں یہ یاد رہے کہ دوسرے بیوپاریوں کے چار لاکھ روپے اگر کاروبار میں شرکت وغیرہ کے طور پر ہیں تو وہ اُدھار نہیں کہلائیں گے، ہاں یہ ہے کہ شخصِ مذکور پر زکوٰۃ اس کی اپنی رقم پر ہی ہوگی۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــه

اَبُو الصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

01 ذوالحجه 1427ھ 23 دسمبر 2007ء

مقروض اپنی زکوٰۃ سے قرض نہیں اُتار سکتا

فتویٰ 12

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص پر قرض ہو اور اس شخص پر زکوٰۃ بھی فرض ہو تو وہ زکوٰۃ کے پیسوں سے اپنا قرض دے سکتا ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

قرض کی ادائیگی میں رقم تو دے ہی سکتا ہے، ہاں یہ سمجھے کہ قرض ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے تو یہ صریح

غلط ہے، ایسا نہیں ہوسکتا۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

23 شعبان المعظم 1428ھ 06 ستمبر 2007ء

نصاب کے قرض میں مُستَغرَق ہونے کی ایک صورت

فتویٰ 13

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص پر 5 لاکھ روپے قرضہ ہو اور 25 ہزار روپے اس کی ماہانہ کرایہ کی آمدنی ہے اور 40 ہزار روپے وہ ماہانہ کمیٹی جمع کرواتا ہے تو کیا اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟ کمیٹی ایک سال کی ہے اور وہ 6 ماہ کی کمیٹی بھر بھی چکا ہے جو اسے ابھی وصول نہیں ہوئی؟

سائل: محمد اسلم عطاری (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں اگر کُل مال جو کمیٹی میں جمع کروایا اور جو اس کے اپنے پاس ہے وہ 5 لاکھ قرضہ سے اتنا زائد ہے کہ نصاب کی مالیت یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچتا ہے تو زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر قرض نکال کر نصاب کی مقدار نہیں بچتا تو زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّمُخْتَار میں ہے: "وسببه أی سبب افتراضها ملك نصاب حولی تام فارغ عن دین" ترجمہ: زکوٰۃ فرض ہونے کا سبب نصاب حولی تام کا مالک ہونا ہے جو کہ دین سے فارغ ہو۔

(تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 208-210، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

امام ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی فرماتے ہیں:"ثم اذا کان علی الرجل دین وله مال الزکاۃ وغیرہ من عبید الخدمة، وثیاب البذلة، ودور السکنی فان الدین یصرف الی مال الزکاۃ عندنا، سواء کان من جنس الدین أو لا، ولا یصرف الی غیر مال الزکاۃ، وان کان من جنس الدین" ترجمہ: پھر جب کسی شخص پر دَین ہو اور اس کے پاس مالِ زکوٰۃ بھی ہو اور مالِ زکوٰۃ کے علاوہ بھی مال ہو جیسے خدمت کے غلام، پہننے کے کپڑے اور رہنے کے مکان تو ہمارے نزدیک دَین کو مالِ زکوٰۃ کی طرف پھیرا جائے گا چاہے وہ دَین کی جنس سے ہو یا نہ ہو، غیر مالِ زکوٰۃ کی طرف نہیں پھیرا جائے گا اگرچہ وہ دَین کی جنس سے ہی کیوں نہ ہو۔ (بدائع الصنائع، صفحہ 86، جلد 2، داراحیاء التراث العربی بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں:"نصاب کا مالک ہے مگر اس پر دَین ہے کہ ادا کرنے کے بعد نصاب نہیں رہتی تو زکوٰۃ واجب نہیں۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 878، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد کفیل رضا عطاری المدنی

10 جمادی الثانی 1430ھ 04 جون 2009ء

الجواب صحیح

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

پورا نصاب قرض میں ڈوبا ہو تو؟

فتویٰ 14

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس تقریباً دس سے بارہ تولہ سونے کے زیورات ہیں لیکن مجھ پر جو قرض ہے اس کی قیمت سونے کے زیور سے زیادہ ہے اس کے علاوہ میرے پاس کوئی اور بینک بیلنس نہیں اور میں جو کاروبار کر رہا ہوں وہ مکمل طور پر اُدھار لے کر کر رہا ہوں کیا اس صورت میں مجھ پر زکوٰۃ فرض ہے؟

سائل: ڈاکٹر خالد مٹھاریاں

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

مذکورہ صورت میں آپ پر زکوۃ فرض نہیں۔

جیسا کہ تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار میں ہے:''فارغ عن دَین ''یعنی زکوۃ کی فرضیت کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ نصاب دَین سے فارغ ہو۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحه 210، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبـــــــــــــــه
محمد فاروق العطاری المدنی
28 ذو القعدة الحرام 1423ھ 01 فروری 2003ء

تعلیم کے لئے لیا گیا قرض بھی مِنہا ہوگا

فتوی 15

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے ایک عزیز جو کینیڈا میں رہائش پذیر ہیں انہوں نے پڑھائی کے لئے گورنمنٹ سے قرض لیا تھا پڑھائی بھی جاری ہے اور قرض بھی ہے تو کیا ان پر زکوۃ ہوگی یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں اگر آپ کے عزیز کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد اور کوئی رقم یا سامان اتنا نہیں ہے کہ وہ قرض کی رقم نکالنے کے بعد نصاب کو پہنچے تو اس صورت میں ان پر زکوۃ فرض نہیں۔

بہارِ شریعت میں ہے: ''نصاب کا مالک ہے مگر اس پر دَین ہے کہ ادا کرنے کے بعد نصاب نہیں رہتی تو زکوۃ واجب نہیں۔'' (بہارِ شریعت، صفحه 878، جلد 1، مکتبة المدینه)

اور اگر قرض کی رقم نکالنے کے بعد بھی ان کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا اتنے پیسے ہیں تو ان پر زکوٰۃ فرض ہے، یونہی سونا یا چاندی یا کرنسی یا پرائز بانڈ یا مالِ تجارت میں سے کوئی ایک چیز تو اتنی نہیں کہ نصاب کو پہنچے لیکن آپس میں ملانے سے ان کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جاتی ہے تب بھی ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

چنانچہ فَتَاوٰی رَضَوِیَّہ میں ہے: ''دَین جس قدر ہوگا اتنا مال مشغول بحاجتِ اصلیہ قرار دے کر کالعدم ٹھہرے گا اور باقی پر زکوٰۃ واجب ہوگی اگر بقدرِ نصاب ہو۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 126، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

اَبُو الصَّالِح مُحَمَّد قَاسِمُ الْقَادِرِی

16 شعبان المعظم 1428ھ 30 اگست 2007ء

قرض اُتارنے کیلئے جمع کی ہوئی رقم؟

فتویٰ 16

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں مقروض ہوں اور قرض ادا کرنے کے لئے رقم جمع کر رہا ہوں تو کیا میری اس جمع شُدہ رقم پر زکوٰۃ ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اپنی جمع شُدہ رقم میں سے پہلے اپنے قرض کی مقدار مِنہا کریں۔ وہ رقم نکالنے کے بعد اگر اتنی رقم بچتی ہے جو نصاب کو پہنچ جائے تو نصاب کا سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوگی ورنہ نہیں۔

چنانچہ صاحبِ بہارِ شریعت فرماتے ہیں: ''نصاب کا مالک ہے مگر اس پر دَین ہے کہ ادا کرنے کے بعد

نصاب نہیں رہتی تو زکوٰۃ واجب نہیں۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 878 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

5 رمضان المبارک 1428ھ 18 ستمبر 2007ء

مالدار بیوی کا زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مقروض شوہر سے مطالبہ کرنا

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں مقروض ہوں میں نے بینک سے قرضہ لیا ہے اور میری بیوی کے پاس نصاب سے زائد سونا ہے اس پر قربانی وزکوٰۃ واجب ہے اور اسے مجھ سے پیسے لے کر ہی قربانی وزکوٰۃ ادا کرنا ہوتی ہے تو کیا اب جبکہ میں مقروض ہوں وہ مجھ سے ہی پیسے لے کر قربانی و زکوٰۃ ادا کرے گی؟ نیز میری پوری تنخواہ میرے گھر کے کاموں میں صَرف ہوتی ہے اور اس سے بینک کا قرضہ بھی لوٹاتا ہوں تو کیا مجھ پر بھی زکوٰۃ وقربانی واجب ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں آپ کی بیوی پر قربانی وزکوٰۃ واجب ہے آپ پر نہیں کہ سونے کے نصاب کی وہ مالک ہے آپ نہیں، اور نہ ہی آپ پر شرعاً لازم ہے کہ آپ اسے قربانی وزکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے رقم مُہیا کریں۔ لہٰذا جب اس پر زکوٰۃ وقربانی واجب ہو چکی ہے اور اس کے پاس اپنا مال نہیں جس سے ان کی ادائیگی کرے تو کسی سے قرض لے کر یا اپنا زیور بیچ کر زکوٰۃ وقربانی ادا کرے۔ اگر بلاوجہِ شرعی تاخیر کرے گی یا شوہر کی طرف سے روپے نہ ملنے کی وجہ سے سرے سے قربانی وزکوٰۃ ادا نہ کرے گی تو گنہگار ہوگی۔ البتہ شوہر اس کو اللہ رَبُّ الْعِزَّت کی طرف سے عائد کئے گئے فریضہ کی ادائیگی کے لئے رقم دے تو یہ بہت بڑا احسان ہے۔

نیز آپ کے پاس تنخواہ کے علاوہ اور کوئی مال نہیں جو نصاب کی مقدار ہو اور حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو یا ہو مگر آپ کے قرض کی رقم اگر اس سے مِنہا (مائنس) کی جائے تو وہ نصاب کے برابر نہ رہے تو آپ پر زکوٰۃ وقربانی واجب نہیں۔ واضح رہے کہ زکوٰۃ کے نصاب میں صرف اموالِ نامی یعنی سونے، چاندی، کرنسی، پرائز بانڈ، مالِ تجارت اور چَرائی کے جانور کا اعتبار ہے۔ جبکہ قربانی کے نصاب میں زائد اَز ضرورت تمام اَموال کو ملا کر نصاب دیکھا جاتا ہے۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ایک ایسے ہی سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''عورت اور شوہر کا معاملہ دنیا کے اعتبار سے کتنا ہی ایک ہو مگر اللہ عَزَّوَجَلَّ کے حکم میں وہ جُدا جُدا ہیں، جب تمہارے پاس زیور زکوٰۃ کے قابل ہے اور قرض تم پر نہیں شوہر پر ہے تو تم پر زکوٰۃ ضرور واجب ہے اور ہر سال تمام پر زیور کے سوا جو روپیہ یا اور زکوٰۃ کی کوئی چیز تمہاری اپنی مِلک میں تھی اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوئی، جو روپے تم نے بغیر شوہر کے کہے بطورِ خود اُن کے قرضہ میں دے دیا وہ تمہارا احسان سمجھا جائے گا اس کا مطالبہ شوہر سے نہیں ہو سکتا، بال بچوں کا خرچ باپ کے ذمّہ ہے تمہارے ذمّہ نہیں، زکوٰۃ دینے سے خرچ کی تکلیف نہ سمجھو بلکہ اس کا نہ دینا ہی تکلیف کا باعث ہوتا ہے نحوست اور بے برکتی لاتا ہے اور زکوٰۃ دینے سے مال بڑھتا ہے، اللہ تعالیٰ برکت و فراغت دیتا ہے، قرآن مجید میں اللہ کا وعدہ ہے، اللہ تعالیٰ سچا اور اس کا وعدہ سچا۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 168، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

01 ذو الحجۃ الحرام 1428ھ 12 دسمبر 2007ء

ہر شخص کی ملکیت کی جُداگانہ حیثیت ہے

فتویٰ 18

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے پاس اپنا ذاتی مکان

ہے جس میں ہم رہتے ہیں، دو دکانوں کا کرایہ چھ ہزار پانچ سو روپے آتا ہے جو خرچہ میں پورا ہو جاتا ہے باقی ایک لاکھ روپے قرضہ ہے، کاروبار نہ ہونے کے برابر یعنی نفع یا آمدنی نہیں اور بارہ یا پندرہ تولہ سونا ہے، کیا اس صورت میں ہم پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟ سائل: عبدالحق (جیکب لائن، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

صورتِ مذکورہ میں جس کی مِلکیّت میں سونا ہے اور اسی پر ایک لاکھ روپے قرض ہے تو اگر سونے کی مالیت اتنی زیادہ ہے کہ قرض نکال کر نصاب بن جاتا ہے، خواہ خود ہی بنے یا دیگر اموالِ زکوٰۃ کے ساتھ ملا کر تو زکوٰۃ فرض ہے ورنہ اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔

فقہاء فرماتے ہیں: ”کل دین لہ مطالب من جھة العباد یمنع وجوب الزکاۃ سواء کان الدین للعباد کالقرض....... وھو حال أو مؤجل“ ترجمہ: ہر وہ دَین جس کا مطالبہ بندوں کی جانب سے ہو وہ وجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہے یعنی اس صورت میں زکوٰۃ فرض نہیں خواہ یہ دَین بندوں کی جانب سے ہو جیسے قرض خواہ یہ میعادی ہو یا غیرِ میعادی ہو۔“ (ملخصاً)

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 172، جلد 1، دار الفکر بیروت)

البتہ زیورات جس کی مِلکیّت میں ہیں اور قرض اس پر نہیں تو وہ ان زیورات کی زکوٰۃ دے گا۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد شاھد العطاری المدنی
23 شوال المکرم 1424ھ 18 دسمبر 2003ء

الجواب صحیح
محمد فاروق العطاری المدنی

مقروض شوہر کی غنی بیوی پر زکوٰۃ معاف نہیں

فتویٰ 19

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس 10 تولے سونا ہے

لیکن میرے شوہر پر 3 لاکھ روپے قرضہ بھی ہے اور وہ اس کی ماہانہ قسط بھی ادا کرتے ہیں مجھے کسی نے کہا تھا کہ ایسی صورت میں آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں، کیا یہ درست ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

آپ پر دیگر شرائطِ زکوٰۃ پائی جانے پر دس تولہ سونا کی زکوٰۃ فرض ہے اور شوہر کا مقروض ہونا زکوٰۃ کے فرض ہونے سے مانع نہیں، چونکہ نصاب کے بعد ہر خُمُس پر زکوٰۃ آتی ہے خُمُس نصاب سے کم معاف ہوتا ہے اس لحاظ سے نَو تولے کی زکوٰۃ تو فرض ہوگی ایک تولہ چونکہ خُمُس نصاب سے کم ہے اس لئے اس کی زکوٰۃ معاف ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

14 ذیقعدہ 1429ھ

قرض نکال کر بچنے والے نصاب پر زکوٰۃ ہے

فتویٰ 20
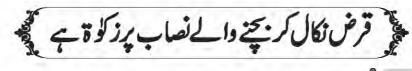
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے ایک گھر خریدا ہے، جس کی مالیت اُنیس لاکھ (19,00,000) روپے ہے، جس میں سے ہم نے نَو لاکھ (9,00,000) روپے ادا کر دیئے ہیں اور باقی دس لاکھ (10,00,000) روپے ادا کرنے ہیں۔ گھر ابھی زیرِ تعمیر ہے اور اس پر قبضہ آٹھ ماہ بعد ملے گا۔ میرے پاس ابھی تقریباً بیس لاکھ (20,00,000) روپے ہیں۔ اس صورت میں مجھے کتنی رقم کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی دس لاکھ روپے کی یا بیس لاکھ روپے کی؟ کیونکہ میں نے ابھی دس لاکھ روپے اس مکان کی مد میں ادا کرنے ہیں۔ نیز کیا اس گھر پر زکوٰۃ ہوگی؟ جبکہ یہ ہم نے رہنے کے لئے لیا ہے۔

سائل: محمد ذیشان (کھارادر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

دریافت کی گئی صورت میں چونکہ آپ پر دس لاکھ روپے قرض ہے لہٰذا آپ کو اس کے علاوہ کی رقم یعنی دس لاکھ (10,00,000) روپے کی زکوٰۃ دینا ہوگی کیونکہ آپ خود اس وقت دس لاکھ روپے کے قرض دار ہیں۔ اور جو شخص قرض دار ہو اُس پر قرض کے علاوہ جو مال بچے اس کی زکوٰۃ ہوتی ہے۔ لہٰذا قرض کی رقم کو منہا کر کے آپ زکوٰۃ ادا کریں گے۔

فَتَاوٰی عَالَمْگِیْرِی میں ہے: ”ومنها الفراغ عن الدين قال اصحابنا رحمهم الله تعالىٰ كل دين له مطالب من جهة العباد يمنع وجوب الزكاة سواء كان الدين للعباد كالقرض وثمن المبيع وضمان المتلفات وارش الجراحة وسواء كان الدين من النقود أو المكيل أو الموزون أو الثياب أو الحيوان وجب بخلع أوصلح عن دم عمد وهو حال أومؤجل أو لله تعالىٰ كدين الزكاة“ ترجمہ: اور زکوٰۃ لازم ہونے کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مال دَین سے فارغ ہو، ہمارے اصحاب نے فرمایا کہ ہر وہ دَین جس کا بندوں کی جانب سے مطالبہ ہو زکوٰۃ کے وُجُوب کو مانع ہے برابر ہے کہ وہ دَین بندوں کی طرف سے ہو جیسے قرض، زرِ ثمن یا کسی چیز کا تاوان، وہ دَین چاہے نقد رقم ہو یا مَکِیلی یا مَوزُونِی چیز ہو یا کپڑے یا حیوان ہوں یا وہ واجب ہوا ہو خُلع کی وجہ سے یا قتل میں صلح کی وجہ سے چاہے وہ فی الحال لازم ہو یا ایک مُعَیَّنہ مدت تک ہو یا اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرض ہو جیسے زکوٰۃ۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 172، جلد 1، دار الفکر بیروت)

اسی طرح دُرِّ مُختَار میں ہے: ”فارغ عن دينٍ له مطالب من جهة العباد سواء كان لِلّٰه كزكاة وخراج، أو للعبد ولو كفالة أو مؤجلاً، ولو صداق زوجته المؤجل للفراق ونفقة لزمته بقضاء أو رضاء، بخلاف دين نذر“ ترجمہ: ایسا مال جو بندوں کے دَین سے فارغ ہو چاہے وہ دَین اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض کی ہوئی زکوٰۃ یا خراج کی صورت میں ہو یا پھر کسی شخص کی کفالت یا بندوں کے قرض یا

زوجہ کے مَہر یا قاضی کے نَفَقَہ کے فیصلہ کردینے یا اس کا اپنی مرضی سے کسی کیلئے نَفَقَہ مُقرَّر کرنے کی صورت میں ہو جبکہ نَذْر کے دَین کا معاملہ ان کے برعکس ہے۔

(در مختار، صفحہ 210 تا 211، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

اسی کے تحت شامی میں ہے:"وھذا اذا کان الدین فی ذمتہ قبل وجوب الزکاۃ فلو لحقہ بعدہ لم تسقط الزکاۃ لانھا ثبتت فی ذمتہ فلا یسقطھا ما لحق الدین بعد ثبوتھا" ترجمہ: یہ اس وقت ہے جب دَین اس کے ذِمہ زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے کا ہو، اگر زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد اس کو لاحق ہوا تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی اس لئے کہ وہ اس کے ذمہ ثابت ہو چکی ہے تو اس کے ثابت ہونے کے بعد دَین کے لاحِق ہونے سے یہ ساقط نہیں ہوگی۔

(رد المحتار علی الدر المختار، صفحہ 210، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

نیز قوانینِ شَرْعِیَّہ کی رُو سے جو گھر اپنے رہنے کیلئے ہو اُس پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی۔

جیسا کہ زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط کے تحت فَتاوىٰ عَالَمگیری میں ہے:"ومنھا فراغ المال عن حاجتہ الأصلیۃ فلیس فی دور السکنی وثیاب البدن وأثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمۃ وسلاح الاستعمال زکاۃ" ترجمہ: اور مال کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا شرط ہے پس زکوٰۃ نہیں ہے گھروں پر اور بدن کے کپڑوں پر اور گھر کے اثاثوں پر اور سواری کے جانوروں پر اور خدمت کرنے والے غلام پر اور استعمال میں آنے والے اوزاروں پر۔

(فتاوىٰ عالمگیری، صفحہ 172، جلد 1، دار الفکر بیروت)

اسی طرح ہدایہ میں ہے:"ولیس فی دور السکنی وثیاب البدن وأثاث المنازل ودواب الرکوب وعبید الخدمۃ وسلاح الاستعمال زکاۃ لأنھا مشغولۃ بالحاجۃ الأصلیۃ ولیست بنامیۃ ایضاً وعلی ھذا کتب العلم لأھلھا" ترجمہ: اور زکوٰۃ نہیں ہے گھروں پر اور بدن کے کپڑوں پر اور گھر کے اثاثوں پر اور سواری کے جانوروں پر اور خدمت کرنے والے غلام پر اور استعمال میں آنے والے اوزاروں پر۔ کیونکہ یہ حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہیں اور نہ ہی یہ مالِ نامی ہیں اسی طرح کتابیں رکھنے والے پر اس کتابوں کا اہل

ہونے کی صورت میں زکوٰۃ نہیں ہے۔ (ھدایہ اوّلین، صفحہ 202، مطبوعہ لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

کتبـــــــــہ
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی
16 رمضان المبارک 1426ھ 21 اکتوبر 2005ء

سونا نصاب سے کم اور آمدنی حاجت سے زائد نہیں تو؟

فتویٰ 21

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس سات تولے سونا ہے۔ جبکہ میری تنخواہ میرے گھر کے اخراجات میں ختم ہوجاتی ہے، تو اس پر میں زکوٰۃ کیسے ادا کروں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر آپ کے پاس 7 تولے سونے کے علاوہ حاجتِ اصلیہ سے زائد کوئی ایسا مال نہیں جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے تو آپ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اگر کرنسی، پرائز بانڈ، چاندی یا مالِ تجارت میں سے کوئی چیز حاجتِ اصلیہ سے زائد موجود ہو تو نصاب سے کم سونے اور ان اشیاء کو ملائیں گے اگر ان کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کو پہنچے تو ایسی صورت میں زکوٰۃ فرض ہوگی۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبـــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد طارق رضا العطاری المدنی
22 شعبان المعظم 1430ھ

تنخواہ اَخراجات میں پوری ہوجاتی ہے؟

فتویٰ 22

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ایک کمپنی میں ملازم ہے، اس کی ماہوار تنخواہ 25,000 روپے ہے، زید پر کمپنی اور دیگر لوگوں کا قرض ہے، ماہانہ تنخواہ میں سے قرض دینے کے بعد جو کچھ بچتا ہے اس سے گھر کے اَخراجات پورے کرتا ہے، زید کے پاس نہ کوئی رقم جمع ہے نہ کوئی بینک بیلنس ہے اور نہ ہی کوئی پراپرٹی ہے، صرف ایک کار ہے اور ابھی قرض بھی باقی ہے تو

﴿1﴾ کیا زید پر زکوٰۃ فرض ہے؟

﴿2﴾ اگر فرض ہے تو کیا ہر ماہ کچھ رقم زکوٰۃ کی مَد میں دے سکتا ہے اور اس کا حساب سال کے آخر میں کیسے کرے؟

﴿3﴾ اور قربانی کا کیا حکم ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

﴿1,2﴾ پوچھی گئی صورت میں اگر زید کے پاس کچھ بھی جمع نہیں ہے، یہاں تک کہ مقروض بھی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

جیسا کہ تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار ودُرِّ مُخْتَار میں ہے: ”فلا زكاة على مديون للعبد بقدر دينه فيزكى الزائد إن بلغ نصابا“ ترجمہ: بندہ کے قرض دار پر قرض کی مقدار پر زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اگر قرض سے زائد نصاب کو پہنچ جائے تو پھر اس کی زکوٰۃ ادا کرے۔

(تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 214 تا 215، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

﴿3﴾ اگر زید کے پاس حاجتِ اصلیہ کے علاوہ اتنا مال نہیں ہے کہ قرض اُتارنے کے بعد نصاب باقی رہے تو اس

پر قربانی بھی واجب نہیں۔

صَدرُ الشَّرِیعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ القَوِی ارشاد فرماتے ہیں: ''اس شخص پر دَین (قرض) ہے اور اس کے اَموال سے دَین کی مقدار مُجرا (کٹوتی) کی جائے تو نصاب باقی نہیں رہتا اس پر قربانی واجب نہیں۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 333 ، جلد 3 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد عقیل رضا العطاری المدنی

17 ذیقعدہ 1426ھ 20 دسمبر 2005ء

الجواب صحیح

اَبُو الصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حاجتِ اَصلیہ سے زائد یا ضرورت سے زائد سے کیا مراد ہے؟ اس کا حساب کیسے لگا سکتے ہیں؟ نیز اگر کسی کے پاس دو گاڑیاں، دو ٹیپ، نعت و بیان کی کیسٹیں، کتابیں ہوں تو کیا ان پر زکوٰۃ ہوگی؟

سائل: محمد ایوب عطاری (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

حاجتِ اصلیہ سے مراد وہ چیزیں ہیں جو انسان کی ضرورت ہیں۔

چنانچہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی حاجتِ اصلیہ کی تعریف ان الفاظ میں بیان فرماتے ہیں: ''حاجتِ اصلیہ یعنی جس کی طرف زندگی بسر کرنے میں آدمی کو ضرورت ہے اس میں زکوٰۃ واجب نہیں جیسے رہنے کا مکان، جاڑے گرمیوں میں پہننے کے کپڑے، خانہ داری کے سامان، سواری کے جانور، خدمت کے لئے لونڈی غلام،

آلاتِ حرب، پیشہ وروں کے اوزار، اہلِ علم کیلئے حاجت کی کتابیں، کھانے کیلئے غلہ۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 880، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

مذکورہ چیزیں مثلاً دو گاڑیاں، دو ٹیپ، نعت و بیان کی کیسٹیں، کتابیں ہیں اور یہ چیزیں تجارت کی نیت سے نہیں خریدیں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں لیکن اس بات کا دھیان رکھئے کہ اگر اس طرح کی چیزوں کی قیمت نصاب تک پہنچ جائے اور اس سے پہلے وہ صاحبِ نصاب نہ ہو تو اب اس صورت میں وہ زکوٰۃ لے نہیں سکتا اِلّا یہ کہ ان چیزوں میں بھی ایسی کوئی صورت پائی جائے کہ یہ حاجت میں داخل ہو جائیں۔

چنانچہ صَدرُ الشَّریعہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ القَوِی ارشاد فرماتے ہیں: "اہلِ علم کیلئے کتابیں حاجتِ اصلیہ سے ہیں اور غیرِ اہل کے پاس ہوں جب بھی کتابوں کی زکوٰۃ واجب نہیں جبکہ تجارت کیلئے نہ ہوں، فرق اتنا ہے کہ اہلِ علم کے پاس ان کتابوں کے علاوہ اگر مال بقدرِ نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ لینا جائز ہے اور غیرِ اہل کیلئے ناجائز، جبکہ دوسو دِرہم قیمت کی ہوں۔ اہل وہ ہے جسے پڑھنے پڑھانے کیلئے یا تصحیح کیلئے ان کتابوں کی ضرورت ہو۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 881، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

13 ذو القعدۃ 1427ھ 05 دسمبر 2006ء

گھر خریدنے کے لئے رکھی رقم؟

فتویٰ 24

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اور میرے شوہر گھر خریدنے کے لئے رقم جمع کر رہے ہیں اور ہم بینک سے قرضہ نہیں لینا چاہتے کیونکہ اس پر ہمیں سود دینا پڑے گا ہمارے پاس 30,000 پونڈ ہیں ان پر کتنی زکوٰۃ ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں اگر آپ صاحبِ نصاب ہیں یعنی آپ کی رقم سے ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہے اور آپ کی رقم حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے اور اس کو سال بھی گزر چکا ہے تو وہ رقم جس کی مِلکیّت ہے اس کو اپنی رقم پر ڈھائی فیصد یعنی چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔ مکان کے لئے جمع رقم حاجتِ اصلیہ میں شمار نہیں ہوگی اور اس پر زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

29 شعبان المعظم 1428ھ 12 ستمبر 2007ء

گھر خریدا ہی اس لئے کہ بیچ دیا جائے گا؟

فتوی 25
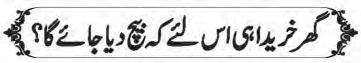
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہندہ کے پاس حاجتِ اَصلیہ کے علاوہ رقم یا سونا کچھ نہیں وہ ایک کمرے کے مکان میں رہتی ہے اور سلائی کر کے اپنا گزارا کرتی ہے چند ماہ پہلے اس نے اپنی ہی بلڈنگ میں اُوپر والی منزل پر دوسرا ایک کمرے کا فلیٹ لیا ہے اس وجہ سے کہ اس کی جگہ بہت تنگ ہوتی تھی لہٰذا یہ دوسرا گھر سامان وغیرہ رکھنے، سونے اور مہمان کو ٹھہرانے کے استعمال میں آئے گا البتہ یہ ارادہ ضرور ہے کہ موجودہ فلیٹ اور اس نئے فلیٹ کی جب اچھی قیمت مل جائے گی تو انہیں بیچ کر دوسرا بڑا مکان خرید لیں گے اس صورت میں کیا ہندہ صاحبِ نصاب کہلائے گی نیز اس سے زکوٰۃ کا حیلہ کروایا جاسکتا ہے یا نہیں؟

سائلہ: از مدرسۃ المدینہ للبنات

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

دریافت کی گئی صورت میں جبکہ ہندہ کے پاس واقعی حاجتِ اَصلیہ سے زائد اَموال مثلاً رقم، سونا چاندی، مالِ تجارت وسامان وغیرہ مقدارِ نصاب موجود نہیں ہے تو دریافت کی گئی صورت میں ہندہ فقط نیا مکان خریدنے کی وجہ سے صاحبِ نصاب نہ ہوجائیگی کیونکہ وہ مکان اس نے اپنی ضروریات کو پورا کرنے اور رہنے کی غرض سے لیا ہے اور رہنے کا گھر حاجتِ اَصلیہ میں شمار کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ فقہِ حنفی کی مُستند ومُعتمد کتاب ھِدَایہ میں ہے:''ولیس فی دور السکنیٰ'' یعنی رہنے کے گھر پر زکوٰۃ نہیں۔ (ھدایہ اولین، صفحہ 202، مطبوعہ لاھور)

دُرِّمُختَار میں ہے:''ولو نوی التجارة بعد العقد أو اشتری شیئًا للقنیة ناویاً أنه إن وجد ربحاً باعه لا زکاة علیه'' یعنی اگر وہ عقد کے بعد نیتِ تجارت کرے یا کوئی چیز رکھنے کے لئے خریدے اس نیت سے کہ اگر نفع ملا تو اسے بیچ دے گا تو اس چیز پر زکوٰۃ نہیں۔

(در مختار، صفحہ 231، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

لہٰذا اس سے زکوٰۃ کا حیلہ کروایا جاسکتا ہے۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبـــــــــــہ
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلقَادِرِی	اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغَر العَطَّارِی المَدَنِی

6 صفر المظفر 1429ھ 14 فروری 2008ء

عورت کا واجبُ الاَدا مہر نصاب سے مِنہا ہوگا یا نہیں؟

فَتوٰی 26

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ شوہر کے ذِمّہ عورت کا مہر قرض

ہے جس کی ادائیگی کی کوئی مدت مقرر نہیں ہے اب شوہر صاحبِ نصاب ہے۔ کیا عورت کا مہر زکوٰۃ کے وجوب سے مانع ہوگا یا نہیں؟

سائل: محمد تنویر (فتح جنگ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جو دَین (قرض) میعادی ہو وہ مذہبِ صحیح میں وُجوبِ زکوٰۃ سے مانع نہیں ہوتا چونکہ عادتاً مہر کا مطالبہ نہیں کیا جاتا لہٰذا شوہر کے ذِمّہ کتنا ہی مہر دَین ہو جب وہ مالکِ نصاب ہے تو زکوٰۃ واجب ہے۔

فَتَاوىٰ عَالَمْگِيْرِی میں ہے: ''قال مشايخنا رحمهم اللّٰه تعالٰى فى رجل عليه مهر مؤجل لأمراته وهو لا يريد ادائه لا يجعل مانعاً من الزكوة لعدم المطالبة فى العادة''

ترجمہ: ہمارے مشائخ رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے اس شخص کے بارے میں فرمایا جس کے ذِمّہ اس کی زوجہ کا مہر مؤجل ہے اور اس کا اس مہر کو ادا کرنے کا ارادہ نہیں کہ اس دَینِ مہر کو زکوٰۃ سے مانع نہیں قرار دیا جائے گا کیونکہ عادتاً مہر کا مطالبہ نہیں کیا جاتا۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 173، جلد 1، دارالفکر بیروت)

رَدُّ الْمُحْتَار میں ہے: ''الصحيح انه غير مانع'' ترجمہ: مذہبِ صحیح میں دَینِ مؤجل وُجوبِ زکوٰۃ سے مانع نہیں۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، صفحہ 211، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

صَدرُ الشَّرِيْعَه مفتی امجد علی اعظمی عَلَيْهِ الرَّحْمَه فرماتے ہیں: ''جو دَین میعادی ہو وہ مذہبِ صحیح میں وُجوبِ زکوٰۃ کا مانع نہیں۔'' (بہارِ شریعت، صفحہ 879، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبـــــــــه

اَبُو الصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم الْقَادِرِي

06 رجب المرجب 1433ھ 28 مئی 2012ء

باب اول: وُجُوبِ زکوٰۃ کی شرائط

فصل/عنوان 3

نصابِ زکوٰۃ اور اس سے متعلق مسائل

زکوٰۃ کا نصاب

فتویٰ 27

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ فرض ہونے کیلئے نصاب کی کیا مقدار ہے؟

سائلہ: بنتِ محمد اقبال (تحصیل پنڈ دادنخان ضلع جہلم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ فرض ہونے کیلئے حاجتِ اصلیہ کے علاوہ ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی ہو یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر سامانِ تجارت ہو، جب اس پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ دینا واجب ہو جائے گا۔

چنانچہ دُرِّ مُختار میں ہے: "نصاب الذھب عشرون مثقالًا و الفضة مائتا دِرھم کل عشرة دراھم وزن سبعة مثاقیل وفی عرض تجارة قیمته نصاب" ترجمہ: سونے کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کا نصاب دوسو دِرہم ہے جن میں سے ہر دس دِرہم کا وزن سات مثقال ہے، اور مالِ تجارت میں اس کی قیمت نصاب کے برابر ہو۔

(در مختار، صفحہ 267 تا 270، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

واضح رہے کہ کرنسی اور پرائز بانڈ چاندی کے تابع ہیں اور چرائی کے جانوروں کا بھی اپنا ایک نصاب ہے جو

مُفَصَّل انداز میں کتبِ فقہ میں موجود ہے۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

01 شعبان المعظم 1426ھ 6 اگست 2005ء

سونے اور چاندی میں وزن کا حساب ہے

فتویٰ 28

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کتنے مال پر فرض ہوتی ہے؟ وضاحت فرمادیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جس کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد بیس مثقال یعنی ساڑھے سات تولے سونا یا دوسو دِرہم یعنی ساڑھے باون تولے چاندی یا اتنی چاندی کی قیمت کے برابر روپے پیسے یا مالِ تجارت ہو وہ صاحبِ نصاب ہوگا اور سال گزرنے پر زکوٰۃ فرض ہوگی اور اگر اس کے پاس چند اَموالِ نامی ہیں مثلاً سونا بھی ہے اور رقم بھی لیکن دونوں کی مقدار نصاب سے کم ہے۔ ایسی صورت میں مختلف اَموالِ نامی آپس میں ملائے جائیں گے اگر اِن کی قیمت حاجتِ اصلیہ سے زائد ہو کر ساڑھے باون تولہ چاندی کو پہنچتی ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔

یہ بھی یادر ہے کہ صاحبِ نصاب ہونے کے بعد درمیانِ سال میں کمی بیشی ہوتی رہے تو اس کا اعتبار نہیں سال کی ابتدا اور انتہا پر اگر نصاب کی مقدار مال ہوگا تو زکوٰۃ فرض ہوجائے گی اور سال پورا ہونے سے پہلے پہلے درمیان میں کتنا ہی زیادہ مال کیوں نہ آجائے اس سب کا نیا سال شمار نہیں ہوگا بلکہ پہلے سے جو سال شروع ہو چکا وہی سب کا سال ہوگا اور سال پورا ہونے پر سب کی زکوٰۃ دینی ہوگی جتنا مال مِلک میں موجود ہے۔ ہاں اگر صاحبِ نصاب ہونے کے

بعد پورا نصاب ہی ختم ہو گیا تو اب دوبارہ جب صاحبِ نصاب ہوگا تو سال کی ابتدا ہو گی۔

حضرت سیِّدُنا ابوسعید خُدری رَضِیَ اللّٰہُ تعالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشادفرمایا: ''لَیْسَ فِیمَا دُونَ خَمْسِ أَوَاقٍ مِنَ الْوَرِقِ صَدَقَةٌ'' ترجمہ: پانچ اُوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔ (مشکوٰۃ المصابیح ، الحدیث : 1794 ، صفحہ 341 ، جلد 1 ، دار الکتب العلمیة بیروت)

اس حدیث کے تحت مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْحَنَّان فرماتے ہیں: ایک اُوقیہ 40 دِرہم کا، پانچ اُوقیہ 200 دِرہم ہوئے، اور دس دِرہم سات مِثقال کے، اور ایک مِثقال ساڑھے چار ماشہ کا، اس حساب سے دوسو دِرہم باون تولہ چھ ماشہ ہوئے، یہ چاندی کا نصاب ہے۔ دِرہم کی قیمت کا اعتبار نہیں وزن کا لحاظ ہے۔

(مراۃ المناجیح ، صفحہ 25 ، جلد 3 ، ضیاء القران پبلی کیشنز)

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار میں ہے: ''نصاب الذهب عشرون مثقالًا والفضة مائتا دِرهم..... وعرض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق مقوما بأحدهما ربع عشر'' یعنی سونے کا نصاب بیس مِثقال اور چاندی کا دوسو دِرہم ہے۔ اور تجارت کا سامان جس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر ہو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہے۔ (ملتقطاً)

(تنویر الابصار مع الدر المختار ، صفحہ 267 تا 272 ، جلد 3 ، دار المعرفة بیروت)

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّمُخْتَار میں ہے: ''وشرط كمال النصاب ولو سائمة فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد وفی الانتهاء للوجوب فلا يضر نقصانه بينهما فلو هلك كله بطل الحول'' یعنی سال کی دونوں طرفوں (اوّل وآخر) میں نصاب اگرچہ سائمہ ہو پورا ہونا شرط ہے۔ ابتدا میں انعقاد کے لئے اور انتہا میں وُجُوب کے لئے۔ ان دونوں کے درمیان میں نصاب میں کمی اس کو ضرر نہیں دیتی۔ اگر سارا مال ہلاک ہو گیا تو پھر سال باطل ہو جائے گا۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار ، صفحہ 278 ، جلد 3 ، دار المعرفة بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبہ
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری	المتخصص فی الفقه الاسلامی محمد نوید العطاری المدنی 5 جمادی الثانی 1430ھ

جب نصاب سے کم سونے کے علاوہ کچھ نہ ہوتو؟

فتویٰ 29

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کے پاس سونا ساڑھے ساتھ تولے سے کم ہو اور اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی رقم وغیرہ نہیں ہے نہ ہی ایسا مال کہ جس پر زکوٰۃ ہوتی ہے۔ کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ سائل: محمد سلیم عطاری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مذکورہ میں شخصِ مذکور پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی کیونکہ زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے نصاب کا مکمل ہونا شرط ہے اور سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے ہے۔

جیسا کہ دُرِّ مُختار میں ہے: ''وسببه أی سبب افتراضها ملك نصاب'' یعنی زکوٰۃ فرض ہونے کا سبب مالکِ نصاب ہونا ہے۔ (در مختار، صفحہ 208، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

سیّدی اعلیٰ حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''سونے کی نصاب ساڑھے سات تولے ہے اور چاندی کی ساڑھے باون تولے۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 85، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

پوچھی گئی صورت میں سونے کے علاوہ اور مالِ زکوٰۃ بھی نہیں کہ سونا اور اس کے جمع کرنے سے چاندی کا نصاب پورا ہو جائے لہٰذا زکوٰۃ فرض نہیں۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

کتبہ
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی
10 رمضان المبارک 1426ھ 15 اکتوبر 2005ء

جہیز کے لئے رکھے سونے کا مالک کون؟

فتویٰ 30

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ لڑکی کی شادی کے لئے 4 تولہ سونا رکھا ہوا ہے کیا لڑکی کے ماں باپ پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡم

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَاب

لڑکی کی شادی سے پہلے عام طور پر سونا وغیرہ لڑکی کی مِلک نہیں ہوتا۔ اگر پوچھی گئی صورت میں ایسا ہی ہے تو لڑکی کے ماں یا باپ میں سے جس کی مِلکیّت میں یہ سونا ہے دیکھا جائے گا کہ ان کے پاس اس کے علاوہ بھی حاجتِ اصلیہ کے علاوہ سونا یا چاندی یا رقم وغیرہ ہے اور یہ سونا اور چاندی یا رقم وغیرہ مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جاتے ہوں تو جس دن سے نصاب مکمل ہوا قمری ماہ کے اعتبار سے سال پورا ہونے پر لڑکی کے ماں یا باپ یعنی جو اس کا مالک ہے اس پر زکوٰۃ ہوگی۔ اور اگر لڑکی کی ماں یا باپ کے پاس اس کے علاوہ اتنی چاندی یا رقم نہیں جو اس سونے کے ساتھ مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی رقم کو پہنچے تو اس صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

"وتضمّ قیمة العروض إلی الذّهب والفضّة حتی یتمّ النصاب..... ویضمّ الذّهب إلی الفضّة للمجانسة من حیث الثمنیّة، ومن هذا الوجه صار سبباً" یعنی سامانِ تجارت کی قیمت کو سونے اور چاندی کی قیمت سے ملایا جائے گا تاکہ نصاب مکمل ہو جائے اور ثمن کی بنا پر ہم جنس ہونے کی وجہ سے سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا اور اسی وجہ سے یہ سببِ وُجوب ہوگا۔ (ملتقطاً)

(هدایه اولین، صفحه 213، مطبوعه لاهور)

امام ابن ہُمّام صاحبِ فَتحُ الۡقَدِیۡر رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ فرماتے ہیں: "والنّقدان یضمّ أحدهما إلی الآخر فی تکمیل النّصاب عندنا" یعنی ہمارے نزدیک تکمیلِ نصاب کے لئے دونوں نقدوں (سونے اور

چاندی) کوایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا۔ (فتح القدیر، صفحہ 169، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

شَیْخُ الْاِسْلَام وَ الْمُسْلِمِیْن شاہ امام احمد رضاخان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: "جو (مال) راساً نصاب کو نہیں پہنچا بنفسہٖ سببِ وُجُوب کی صلاحیت نہیں رکھتا مگر جب اس نوع کے ساتھ دوسری نوع بھی ہو یعنی زَر وسیم مُختلط ہوں تو اَزاں جا کہ وجہِ سبب ثَمَنِیّت تھی اور وہ دونوں میں یکساں، تو اس حیثیت سے ذَہَب وفِضّہ جنسِ واحد ہیں لہٰذا ہمارے نزدیک جوایک نوع میں مُوجبِ زکوٰۃ نہ ہوسکتا تھا خواہ اس لئے کہ نصاب ہی نہ تھا یا اس لئے کہ نصاب کے بعد عَفْو تھا اس مقدار کو دوسری نوع سے تقوِیم کر کے ملادیں گے کہ شاید اب اس کا مُوجبِ زکوٰۃ ہونا ظاہر ہو، پس اگر اس ضَم سے کچھ مقدارِ زکوٰۃ بڑھے گی (بایں معنی کہ نوعِ ثانی قبلِ ضَم نصاب نہ تھی اس کے ملنے سے نصاب ہوگئی یا اگلی نصاب پر نصاب خُمس کی تکمیل ہوگئی) تو اسی قدر زکوٰۃ بڑھادیں گے اور اب اگر کچھ عفو بچا تو وہ حقیقۃً عفو ہوگا ورنہ کچھ نہیں اور اگر ضَم کے بعد بھی کوئی مقدارِ زکوٰۃ زائد نہ ہوتو ظاہر ہوجائے گا کہ یہ اصلاً مُوجبِ زکوٰۃ نہ تھا۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 113، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

16 شعبان المعظم 1428ھ 30 اگست 2007ء

نصاب میں ہر ایک کی ملکیت کا جُداگانہ اعتبار ہے

فتویٰ 31

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ شوہر اور بیوی دونوں کا زیور ملا کر ساڑھے سات تولے سونا ہے تو کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟ یا ایک شخص کی مِلکیّت میں ساڑھے سات تولہ سونا ہوتو زکوٰۃ ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ہر شخص کی مِلکیّت کا جداگانہ اعتبار ہے۔ اگر ایک کی مِلکیّت میں ساڑھے سات

تولہ سونا نہیں تو زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اگر اس کی مِلک میں نصاب سے کم سونے کے علاوہ کچھ چاندی ہے یا رقم یا مالِ تجارت ہے اور حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو کر ان چیزوں اور سونے کو ملانے سے یہ سب چاندی کے نصاب یعنی ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کو پہنچ جاتے ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

کتبــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد طارق رضا العطاری المدنی
19 شعبان المعظم 1428ھ 02 ستمبر 2007ء

گھریلو سامان نصابِ زکوٰۃ میں معتبر نہیں

فتویٰ 32

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس ڈیڑھ تولہ سونا ہے اور تقریباً پندرہ سے بیس ہزار تک کا ضرورت سے زائد گھریلو سامان بھی ہے اور میرے اوپر تقریباً ساٹھ ہزار کا قرض بھی ہے تو کیا میں اس صورت میں صاحبِ نصاب ہوں یا نہیں؟ اور مجھ پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں؟

سائل: محمد سلیم عطاری (اسلام پور، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

آپ شاید یہ سمجھ رہے ہیں کہ ضرورت سے زائد گھریلو سامان بھی زکوٰۃ کے نصاب میں شامل ہوتا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ نصاب دو طرح کا ہوتا ہے: ایک وہ جس کی وجہ سے بندے پر زکوٰۃ دینا فرض ہو جاتا ہے اور دوسرا وہ جس کی وجہ سے زکوٰۃ دینا تو فرض نہیں ہوتا البتہ اس کی وجہ سے غنی کہلاتا ہے اور اس کیلئے زکوٰۃ لینا حرام ہو جاتا ہے۔

وہ نصاب جس کی وجہ سے زکوٰۃ دینا فرض ہوتا ہے وہ تین چیزیں ہیں:

﴿1﴾ سونا، چاندی، مختلف مالیت کے کرنسی نوٹ اور پرائز بانڈ کہ وہ بھی چاندی کے حکم میں ہیں۔

﴿2﴾ سامانِ تجارت: اس میں ضرورت سے زائد سامان داخل نہیں بلکہ سامانِ تجارت وہ سامان ہوتا ہے جو بیچنے کی نیت سے خریدا جائے۔

﴿3﴾ چَرائی کے مخصوص جانور کہ شرائط پائی جانے کی صورت میں ان میں بھی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے ان کی تفصیل کی حاجت نہیں کہ عام طور پر اس سے لوگوں کا تعلق نہیں ہوتا۔

ضرورت سے زائد سامان جو مالِ تجارت نہ ہو اگر وہ اتنا ہو کہ نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جاتا ہے تو اتنے مال کا مالک آدمی زکوٰۃ لے نہیں سکتا لیکن ایسا سامان چونکہ ان اَموال میں سے نہیں ہے کہ جن پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اس لئے چاہے جتنا بھی ہو اس پر زکوٰۃ نہیں۔

صورتِ مَسْئُولہ میں اگر آپ کے پاس صرف یہی سونا ہے اس کے علاوہ سونا، چاندی، تجارت کا سامان اور رقم وغیرہ نہیں تو زکوٰۃ جس نصاب پر فرض ہوتی ہے اس اعتبار سے آپ صاحبِ نصاب نہیں ہیں کہ صرف سونا ہو تو فرضیتِ زکوٰۃ کے لئے اس کا نصاب ساڑھے سات تولہ سونا ہے۔ لہٰذا اس حالت میں سال پورا ہونے پر آپ پر زکوٰۃ بھی فرض نہیں ہوگی اور اگر سونے کے ساتھ کچھ چاندی اگر چہ ایک انگوٹھی ہی کیوں نہ ہو یا سامانِ تجارت یا رقم ضرورت سے زائد ہو تو زکوٰۃ کا نصاب تو بن جائے گا اس لئے کہ اب سونے کے نصاب کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ چاندی کے نصاب سے مُوازنہ کیا جائے گا اور وہ ساڑھے باون تولہ چاندی ہے لیکن آپ پر اتنا قرض بھی ہے کہ اس قرض کو آپ کے مال سے نکالیں تو نصاب باقی نہیں رہے گا اس لئے اس طرح بھی آپ پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی۔

ہاں وُجُوبِ زکوٰۃ کے حوالہ سے جو تفصیل ذکر کی گئی اس کی روشنی میں اگر آپ پر زکوٰۃ واجب ہو چکی تھی اور مقروض آپ بعد میں ہوئے تو جو واجب ہو چکی وہ ساقط نہ ہوگی بلکہ وہ تو دینی ہوگی البتہ یہ قرض آئندہ وجوبِ زکوٰۃ سے بیان کردہ تفصیل کے مطابق مانع ہوگا۔

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار میں ہے: "نصاب الذهب عشرون مثقالًا والفضة مائتا دِرهم .... وعرض تجارةٍ قيمته نصاب من ذهب أو ورق مقومًا بأحدهما ربع عشرٍ" یعنی سونے کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کا دوسو دِرہم ہے۔ اور تجارت کا سامان جس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب میں سے کسی

ایک کی قیمت کے برابر ہو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہے۔(ملتقطاً)

(تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 267 تا 272، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

دُرِّ مُختَار میں ہے:"وشرط کمال النصاب ...... فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد وفی الانتهاء للوجوب فلا یضر نقصانه بینهما فلو هلك کله بطل الحول" یعنی سال کی دونوں طرفوں (اوّل وآخر) میں نصاب پورا ہونا شرط ہے۔ابتدا میں انعقاد کے لئے اور انتہا میں وُجُوب کے لئے۔ان دونوں کے درمیان میں نصاب میں کمی اس کو ضرر نہیں دیتی۔اگر سارا مال ہلاک ہو گیا تو پھر سال باطل ہو جائے گا۔(ملتقطاً)

(در مختار، صفحہ 278، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

دُرِّ مُختَار ہی میں ہے:"وسببه أی سبب افتراضها ملك نصاب حولی تام فارغ عن دین" ترجمہ:زکوٰۃ فرض ہونے کا سبب نصاب حولی تام کا مالک ہونا ہے جو دَین سے فارغ ہو۔

(در مختار، صفحہ 208 تا 210، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

اس کے تحت علامہ شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی فرماتے ہیں:"وهذا إذا كان الدين فی ذمته قبل وجوب الزکاۃ، فلو لحقه بعده لم تسقط الزکاۃ لانها ثبتت فی ذمته فلا یسقطها ما لحق من الدین بعد ثبوتها" ترجمہ:یہ اس وقت ہے جب دَین اس کے ذِمّہ زکوٰۃ واجب ہونے سے پہلے کا ہو،اگر زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد اس کو لاحق ہوا تو زکوٰۃ ساقط نہیں ہو گی اس لئے کہ وہ اس کے ذِمّہ ثابت ہو چکی ہے تو اس کے ثابت ہونے کے بعد دَین کے لاحق ہونے سے یہ ساقط نہیں ہو گی۔

(رد المحتار علی الدر المختار، صفحہ 210، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْوَالِی فرماتے ہیں:"نصاب کا مالک ہے مگر اس پر دَین ہے کہ ادا کرنے کے بعد نصاب نہیں رہتی تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

(بہارِ شریعت، صفحہ 878، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

2 محرم الحرام 1429ھ 31 دسمبر 2008ء

مالِ تجارت کا نصاب چاندی کے حساب سے ہے

فتویٰ 33

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سونا چاندی اور مالِ تجارت کا نصاب کیا ہے اوران پرزکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟　سائل: محمد ظریف قادری (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ، چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ، اور روپے پیسے اور مالِ تجارت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہوں تو نصاب کامل ہے جبکہ حاجتِ اصلیہ سے زائد ہوں۔

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار میں ہے: ”نصاب الذھب عشرون مثقالًا والفضة مائتا دِرھم وعرض تجارة قیمته نصاب“ عبارت کا مفہوم اوپر گزرا۔

(تنویر الابصار، صفحہ 267 تا 270، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

اور اگر سب چیزیں تھوڑی ہیں تو ان کو مِلا کر دیکھیں ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کو پہنچ جائیں تو زکوٰۃ لازم ہوجائے گی۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد ماجد رضا العطاری المدنی
24 رجب المرجب 1427ھ 19 اگست 2007ء

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

ابن ابی غسان رحمۃ اللہ تعالٰی علیہ کا مقولہ ہے: لا تزال عالما ما کنت متعلما فاذا استغنیت کنت جاھلا ترجمہ: ”آدمی اس وقت تک عالم ہے جب تک طالب علم ہے اور اس وقت سے جاہل ہے جب طالب علمی کو خیر باد کہہ دے۔“　(عیون الاخبار، ج2، ص134، بیروت)

کیا آج کل بھی سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ سے ہوگا؟

فتویٰ 34

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ ساڑھے سات تولے سونے پر ہوتی ہے۔آج کل سونے کی قیمت بہت زیادہ ہوگئی ہے کیا اب بھی ساڑھے سات تولے سونے پر زکوٰۃ لگے گی یا پھر قیمت زیادہ ہوجانے کی وجہ سے اس سے کم سونے پر بھی زکوٰۃ ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

صورتِ مَسْئُولہ میں صرف سونا ہی ہواور کوئی مال نہ ہو، تو زکوٰۃ ساڑھے سات تولے پر ہی ہوگی۔اس کی قیمت کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا چاہے کم ہو یا زیادہ۔البتہ جب مختلف اَموالِ نامی نصاب سے کم ہوکر پائے جارہے ہوں مثلاً سونا دوتولہ ہے اور چاندی باون تولہ ایسی صورت میں فی زمانہ ان اَموالِ نامیہ کی قیمت کو لے کر دیکھا جائے گا اگر یہ سب مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچیں گے تو ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی ورنہ نہیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

06 شعبان المعظم 1429ھ

کرنسی اور مالِ تجارت میں چاندی کی قیمت کا اعتبار ہوگا

فتویٰ 35

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آج کل کرنسی اور مالِ تجارت

میں زکوٰۃ کا نصاب کتنی رقم پر ہے؟ نصاب کا اعتبار سونے کے حساب سے ہوگا یا چاندی کے اعتبار سے؟ جبکہ آج کل تجارت کا اعتبار سونے سے کیا جاتا ہے اور پیسہ بھی سونے کے تابع ہوتا ہے تو ایسی صورت میں کس کا اعتبار کریں گے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جس کے پاس ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر نقدی یا مالِ تجارت وغیرہ اس کی حاجتِ اصلیہ سے زائد سال بھر تک موجود رہے تو اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی۔ کرنسی اور مالِ تجارت میں نصاب کا اعتبار سونے سے نہیں بلکہ چاندی کے اعتبار سے ہوگا کیونکہ نصاب میں بنیاد اس چیز کو بنایا جاتا ہے جس میں فقرا کا فائدہ ہو اور وہ چاندی کے نصاب میں ہے اسی لئے چاندی کے نصاب کو معیار بنایا گیا انہی حکمتوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمارے فقہائے کرام یہی فتویٰ دیتے آئے ہیں۔ لہٰذا پوچھی گئی صورت میں چاندی کے نصاب کا اعتبار رہوگا، کما فی کتب عامۃ۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد سجاد العطاری المدنی
18 صفر 1430ھ

سونے کا نصاب قیمت سے نہیں وزن سے دیکھا جائے گا

فتویٰ 36
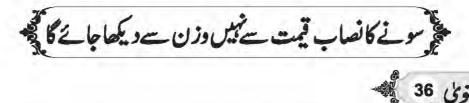
کیا فرماتے ہیں علمائے دِین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں غیر شادی شدہ ہوں میرے پاس سونے کی چین اور ایک لاکٹ ہے جو میں نے گیارہ ہزار روپے میں لی تھیں کیا مجھ پر زکوٰۃ دینا لازم ہے اور اگر لازم ہے تو میں کتنی زکوٰۃ ادا کروں گی؟

سائلہ: بنتِ فرید

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

قوانینِ شریعت کی رُو سے جس کے پاس صرف سونا ہو اور چاندی یا روپے وغیرہ اَموالِ زکوٰۃ میں سے کچھ نہ ہو تو سونے پر زکوٰۃ اس وقت دینا لازم ہوتی ہے جب اس کا وزن ساڑھے سات تولہ ہو جائے اور نصاب پر سال بھی گزرے۔

جیسا کہ تَنوِیرُ الْاَبْصَار میں ہے: "نصاب الذهب عشرون مثقالاً" ترجمہ: سونے کا نصاب بیس مثقال (ساڑھے سات تولے) ہے۔ (تنویر الابصار، صفحہ 267، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

بہارِ شریعت میں ہے: "سونے کی نصاب بیس مثقال ہے یعنی ساڑھے سات تولے اور چاندی کی دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولے یعنی وہ تولہ جس سے یہ رائج روپیہ سوا گیارہ ماشے ہے۔ سونے چاندی کی زکوٰۃ میں وزن کا اعتبار ہے قیمت کا لحاظ نہیں، مثلاً سات تولے یا کم کا زیور یا برتن بنا ہو کہ اس کی کاریگری کی وجہ سے دوسو درہم سے زائد قیمت ہو جائے یا سونا گراں ہو کہ ساڑھے سات تولے سے کم کی قیمت دوسو درہم سے بڑھ جائے، جیسے آج کل کے ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت چاندی کی کئی نصابیں ہونگی، غرض یہ کہ وزن میں بقدرِ نصاب نہ ہو تو زکوٰۃ واجب نہیں قیمت جو کچھ بھی ہو۔" (بہارِ شریعت، صفحہ 902، جلد 1، مکتبة المدینہ)

اگر اس چین اور لاکٹ کا وزن ساڑھے سات تولہ نہ ہو اور نہ ہی ماقبل ذکر کی گئی اشیاء کے مطابق اَموالِ زکوٰۃ میں سے کوئی اور مال اس کے پاس ہو تو سونے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی۔ اور اگر نصاب سے کم سونا ہے اور چند ایک روپے ہیں جو حاجتِ اصلیہ سے زائد ہیں اور دونوں مل کر چاندی کے نصاب کو پہنچتے ہیں یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تک پہنچیں اور سال گزرنے پر بھی نصاب باقی رہتا ہو تو زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی
24 ربیع النور 1426ھ 4 مئی 2005ء

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

منصوص نصاب کی مقدار بدل نہیں سکتی

فتویٰ 37

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

﴿1﴾ چاندی میں زکوٰۃ کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے جبکہ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے۔ اب سونے کی قیمت چاندی کی قیمت سے کہیں زیادہ ہے۔ کیا چاندی کا نصاب بڑھایا جائے یا سونے کا کم کر دیا جائے تاکہ دونوں کی قیمت برابر ہو جائے کیا ایسا کرنا ممکن ہے؟ اگر ممکن ہے تو کتنی قیمت ہوگی جس میں زکوٰۃ دینا ہوگی؟ اسی طرح جانوروں کا معاملہ ہے کہ کسی جانور کی قیمت کم ہے کسی کی زیادہ تو اس میں کیا کریں؟

﴿2﴾ پلاٹ وغیرہ پر زکوٰۃ کیسے ہوگی یعنی کتنی قیمت کا پلاٹ ہوگا تو اس پر زکوٰۃ ہوگی؟

﴿3﴾ کھیتی باڑی والی زمین میں زکوٰۃ کیسے ادا ہوگی اس کا کیا نصاب ہوگا؟

سائل: حافظ معشوق علی عطاری (نیو کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ سائل نے جو اَشیاء بیان کی ہیں ان میں زکوٰۃ کا جو حکم شریعتِ مُطَہَّرہ نے دیا ہے اس سے مراد ہر گز یہ نہیں ہے کہ ان سب کی قیمت برابر ہو بلکہ ہر شے کا الگ الگ نصاب ہے جو سرکارِ دو عالم صَلَّی اللّٰہُ تَعالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے بیان فرمایا ہے۔ اب اگرچہ ان کی قیمتوں میں کتنا ہی فرق کیوں نہ ہو جب جب ان میں سے کسی کا نصاب مکمل ہوگا اور زکوٰۃ کی دیگر شرائط بھی پائی جائیں گی تو زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔ البتہ فی زمانہ مالِ تجارت اور رقم پر زکوٰۃ دیتے وقت چاندی کے نصاب کا اعتبار ہوگا یعنی جب مالِ تجارت اور کرنسی یا پرائز بانڈ ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائیں تو ان پر دیگر شرائط کی موجودگی میں زکوٰۃ فرض ہوگی۔ یونہی جب مختلف اَموالِ زکوٰۃ نصاب سے کم ہوں مثلاً سونا

بھی ہے اور چاندی بھی موجود ہے لیکن نصاب سے کم، تو دونوں کو ملایا جائے گا اگر چاندی کے نصاب کی قیمت کو پہنچیں تو دیگر شرائط کی موجودگی میں زکوٰۃ فرض ہوگی۔

﴿2﴾ پلاٹ کی قیمت اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت جتنی ہے یا اس سے زیادہ ہے اور پلاٹ خریدتے وقت یعنی جب پلاٹ خریدنے کا عقد ہوا اُس وقت یہ نیت تھی کہ اس کو بیچنے کیلئے لے رہا ہوں تو زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جب کہ نصاب کا سال پورا ہونے پر یہ پلاٹ مِلکیّت میں موجود ہو اور سال کے اختتام پر نیتِ تجارت بدلی نہ ہو۔

جیسا کہ فَتَاویٰ عَالَمگِیرِی میں ہے:"فالصریح أن ینوی عند عقد التجارة" عبارت کا مفہوم اوپر گزرا۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 174، جلد 1، دار الفکر بیروت)

﴿3﴾ صورتِ مَسئُولہ میں نفسِ زمین پر زکوٰۃ نہیں البتہ زمین کی پیداوار پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے جو کہ عُشر کہلاتی ہے۔ اگر ایسی زمین ہے جس کو بارش، نہر یا نالے وغیرہ کے پانی سے (بغیر اُجرت ادا کیے) سیراب کیا جائے اس میں عُشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے اور جس فصل کو ڈول وغیرہ کے ذریعے پانی دیا گیا یا اپنے ٹیوب ویل سے پانی دیا گیا اس میں نصف عُشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے اور اگر دونوں طرح سے آبپاشی کی تو جس سے زیادہ آبپاشی کی اس کا اعتبار ہوگا۔ اور اس میں سال گزرنے اور نصاب کی بھی کوئی شرط نہیں ہے بلکہ جتنی پیداوار ہے اس میں سے دسواں یا بیسواں حصہ دیا جائے گا۔

جیسا کہ تَنوِیرُ الْاَبصَار و دُرِّمُختَار میں ہے:"وتجب فی (مسقی سماء) أی مطر (وسیح) کنهر (بلا شرط نصاب) ...... وحولان حول ...... و یجب (نصفه فی مسقی غرب) أی دلو کبیر" عبارت کا مفہوم اُوپر گزرا۔

(تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 313 تا 316، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

وَاللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

27 جمادی الثانی 1427ھ 24 جولائی 2006ء

باب اول: وُجُوبِ زکوٰۃ کی شرائط

فصل/عنوان 4

اَموالِ غیرِ نامی اور مسائلِ زکوٰۃ [1]

مشینری حاجتِ اصلیہ میں داخل ہے

فتویٰ 38

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کی مِلکیَّت میں ایک مکان جس کی مالیت چار لاکھ پچھتر ہزار (4,75,000)، ایک پلاٹ جس کی قیمت کم زیادہ ہوتی رہتی ہے، ایک لاکھ نقد، ایک لاکھ بیس ہزار کاروبار میں لگایا ہے، تقریباً ایک لاکھ کا مالِ تجارت موجود ہے اور تقریباً ایک لاکھ روپے کی مشینری ہے جس سے وہ مالِ تجارت تیار کرتا ہے اور ان سب پر ایک سال بھی گزر چکا ہے ان سب پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟ اور یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ جو شخص زکوٰۃ ادا نہ کرے اس کیلئے کیا حکم ہے؟

سائل: محمد احمد رضا قادری عطاری (لیاقت آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سوال میں مذکور اَشیاء میں پلاٹ اور مکان اگر بیچنے کی نیت سے خریدا تو اس پر زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں اس لئے کہ وُجُوبِ زکوٰۃ کے لئے مال کا نامی ہونا ضروری ہے اور پلاٹ نیتِ تجارت ہی سے مالِ نامی ٹھہرے گا۔

---

[1] ..... مالِ نامی کی شرط کیوں رکھی گئی ہے اس کی حکمتیں اور تفصیل معلوم کرنے کے لئے دیکھئے فتویٰ نمبر 218، صفحہ نمبر 332

فَتَاوٰی عالَمگِیری میں ہے:"ومنها كون النصاب ناميًا" ترجمہ: زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط میں سے مال کا نامی ہونا بھی ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 174 ، جلد 1، دار الفکر بیروت)

یونہی وہ مشینری جس سے مال تیار کیا جاتا ہے اس پر بھی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی کہ وہ آلہ کی مثل ہے اور آلات پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کہ آلات کو حاجتِ اصلیہ میں شمار کیا گیا ہے۔

جیسا کہ حاجتِ اصلیہ کے بیان میں رَدُّ الْمُحتَار میں ہے:"وکآلات الحرفة وأثاث المنزل ودواب الركوب" ترجمہ: جیسے پیشہ ور کے آلات، مکان کا سامان، اور سواری کے جانور۔
(رد المحتار علی الدر المختار ، صفحہ 213 ، جلد 3 ، دار المعرفة بیروت)

اس کے علاوہ مالِ تجارت، کاروبار میں لگایا گیا مال، اور نقد رقم پر زکوٰۃ دینا واجب ہوگا۔ اور جس شخص پر زکوٰۃ واجب ہو اور وہ ادا نہ کرے تو سخت گنہگار ہے۔

حضرت سیّدُنا ابو ہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے مروی ہے کہ رسولُ اللّٰہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا:"مَنْ اٰتَاهُ اللّٰهُ مَالاً، فَلَمْ يُؤَدِّ زَكَاتَهُ مُثِّلَ لَهُ مَالُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ شُجَاعًا أَقْرَعَ، لَهُ زَبِيبَتَانِ، يُطَوَّقُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، ثُمَّ يَأْخُذُ بِلِهْزِمَتَيْهِ يَعْنِي بِشِدْقَيْهِ، ثُمَّ يَقُولُ أَنَا مَالُكَ، أَنَا كَنْزُكَ ثُمَّ تَلَا ﴿لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ﴾" ترجمہ: جسے اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ مال دے پھر وہ اس کی زکوٰۃ نہ دے تو اس کا مال قیامت کے دن اس کے سامنے گنجے سانپ کی شکل میں ہوگا، جس کے دو گیسو ہوں گے، قیامت میں اس کا طوق ہوگا، پھر اس کے دونوں جبڑے پکڑے گا۔ پھر کہے گا: میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں، پھر حضورِ انور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے یہ آیت: ﴿لَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ﴾ تلاوت کی۔

(صحیح البخاری ، صفحہ 188 ، جلد 1 ، مطبوعہ کراچی)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلقَادِرِی

29 شعبان 1426ھ 13 اکتوبر 2005ء

استعمال کی گاڑیوں پر زکوٰۃ نہیں

فتویٰ 39

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس دو عدد موٹر سائیکلیں اور ایک عدد فور ویلر گاڑی ہے، جن میں سے دونوں موٹر سائیکلیں تو اکثر استعمال میں رہتی ہیں جبکہ گاڑی گزشتہ چار سال سے بالکل بند ہے اور استعمال میں نہیں ہے۔ اب ان میں سے کس پر مجھے زکوٰۃ دینا ہوگی سب پر یا بعض پر؟ نیز ابھی میرا اِرادہ ہائی روف کو بیچنے کا ہے تو کیا اس صورت میں اس پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

سائل: محمد ہارون (کھارادر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

قوانینِ شرعیّہ کی رُو سے دریافت کی گئی صورت میں موٹر سائیکلوں اور گاڑی پر زکوٰۃ نہیں ہے۔ کہ یہ چیزیں مالِ نامی نہیں اور خریدتے وقت تجارت کی نیت بھی نہیں کی گئی بعد میں ہائی روف کو بیچنے کی نیت بھی معتبر نہیں۔

جیسا کہ زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط کے تحت فَتاوٰی عَالَمگِیری میں ہے: "ومنها فراغ المال عن حاجته الأصلية فليس في دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة" ترجمہ: اور مال کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا شرط ہے، پس زکوٰۃ نہیں ہے رہنے کے گھروں پر اور بدن کے کپڑوں پر اور گھر کے اثاثوں پر اور سواری کے جانوروں پر اور خدمت کرنے والے غلام پر اور استعمال میں آنے والے اوزاروں پر۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 172، جلد 1، دار الفکر بیروت)

اور ہِدَایَہ میں ہے: "(و ليس في دور السكنى و ثياب البدن و أثاث المنازل و دواب الركوب و عبيد الخدمة و سلاح الاستعمال زكاة) لأنّها مشغولة بالحاجة الأصليّة وليست بناميةٍ أيضًا،

وعلی ھذا کتب العلم لأھلھا" ترجمہ: اور زکوٰۃ نہیں ہے رہنے کے گھروں پر اور بدن کے کپڑوں پر اور گھر کے اثاثوں پر اور سواری کے جانوروں پر اور خدمت کرنے والے غلام پر اور استعمال میں آنے والے اوزاروں پر کیونکہ یہ حاجتِ اصلیہ میں مشغول ہیں اور اسی طرح یہ مالِ نامی بھی نہیں ہیں۔ اور اسی طرح علمی کتب پر اس کے اہل کیلئے۔

(ھدایہ اوّلین، صفحہ 202، مطبوعہ لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

29 شعبان المعظم 1426ھ 14 اکتوبر 2005ء

الجواب صحیح

ابو الصالح محمد قاسم القادری

غیر تجارتی پلاٹ اور استعمالی کار؟

فتویٰ 40

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس دو پلاٹ ہیں، جن پر ایک سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا ہے۔ کیا ان پر زکوٰۃ ہوگی؟ جبکہ میں خود کرایہ کے مکان میں رہتا ہوں۔ نیز میرے پاس ایک کار ہے جو میرے استعمال میں ہے کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر آپ نے پلاٹ بیچنے کی نیت سے لئے تھے تو ان پر زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں اور کار پر بھی زکوٰۃ نہ ہوگی کیونکہ زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مال ایسا ہو جو نامی یعنی بڑھنے والا ہو اور حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو۔

جیسا کہ تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّ مُخْتَار میں ہے: "فارغ عن حاجته الأصليّة نامٍ" ترجمہ: زکوٰۃ ایسے مال پر واجب ہوگی جو حاجتِ اصلیہ (جس کی طرف زندگی بسر کرنے میں آدمی کو ضرورت ہو جیسے رہنے کا مکان، سردیوں

گرمیوں کے کپڑے، سواری کے لئے جانور اور گاڑی، پیشہ وروں کے لئے ان کے اوزار اور گھر کا غلّہ وغیرہ) سے فارغ ہو اور بڑھنے والا ہو۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 212، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

بڑھنے والے مال سے مراد عموماً سونا چاندی، کرنسی نوٹ سکے، پرائز بانڈ اور مالِ تجارت ہوتا ہے۔

وَ اللہُ اَعۡلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلقَادِرِی

26 شعبان المعظم 1426ھ 1 اکتوبر 2005ء

فتویٰ 41

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کے پاس نصاب یا اس سے زائد قیمت کا موبائل ہو اور وہ اسے استعمال بھی کرتا ہو مگر اس سے سستے موبائل سے بھی اس کا کام ہوسکتا ہے کیا اس پر زکوٰۃ یا قربانی واجب ہوگی؟

بِسۡمِ اللہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَاب

شخصِ مذکور پر اس موبائل کی وجہ سے نہ زکوٰۃ واجب ہوگی اور نہ ہی قربانی، کیونکہ زکوٰۃ وقربانی واجب ہونے کیلئے نصاب کا حاجتِ اصلیہ سے زائد ہونا شرط ہے اور جب یہ شخص موبائل استعمال کرتا ہے تو وہ اس کی حاجتِ اصلیہ میں شمار ہوگا لہٰذا اس کی مالیت خواہ کم ہو یا زیادہ اگرچہ اس سے کم قیمت کے موبائل سے بھی گزارا ہو جاتا ہو، زکوٰۃ وقربانی واجب نہ ہوگی۔

فَتَاوٰی عَالَمگِیرِی میں وُجُوبِ زکوٰۃ کی شرائط کے بیان میں ہے: "ومنها فراغ المال عن حاجته

الأصليّة" ترجمہ: زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط میں سے مال کا حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہونا ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 172، جلد 1، دار الفکر بیروت)

یونہی زکوٰۃ واجب ہونے کیلئے مال کا نامی ہونا بھی شرط ہے جبکہ استعمال کا موبائل مالِ نامی نہیں۔

فَتَاوٰی عَالَمگِیرِی میں ہے: "ومنها كون النّصاب ناميًا" ترجمہ: وُجُوبِ زکوٰۃ کی شرائط میں سے مال کا نامی ہونا بھی ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 174، جلد 1، دار الفکر بیروت)

اسی طرح قربانی واجب ہونے کی شرائط کے بارے میں تَنوِیرُ الاَبصَار میں ہے: "وشرائطها: الإسلام و الإقامة واليسار الّذی يتعلّق به صدقة الفطر" ترجمہ: قربانی واجب ہونے کی شرائط میں مسلمان ہونا، مقیم ہونا، اور اتنی استطاعت ہونا ہے جس سے صدقہ فطر واجب ہوتا ہے۔

اس کے تحت شامی میں ہے: "بأن ملك مائتی درهم أو عرضًا يساويها غير مسكنه و ثياب اللّبس و متاع يحتاجه" یعنی وہ کہ جو دو سو درہم کا مالک ہو یا اس کے مساوی قیمت کے سامان کا مالک ہو جو کہ اس کے رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے اور ضرورت کے سامان سے زائد ہو۔

(رد المحتار علی الدر المختار، صفحہ 520، جلد 9، دار المعرفة بیروت)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــه

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

28 ذو القعدہ 1426ھ 31 دسمبر 2005ء

جہیز کی خاطر بنائے گئے سامان پر زکوٰۃ؟

فتویٰ 42

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ گھر کے برتنوں اور کپڑوں پر نیز جہیز کے لئے جو بستر، کپڑے، برتن خرید کر رکھے جاتے ہیں اگر وہ سارا سال استعمال نہ ہوئے اور چاندی کے نصاب کو پہنچ گئے تو ان پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

سائلہ: بنتِ عبدالقیوم (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مسئُولہ میں مذکورہ چیزیں اگرچہ بقدرِ نصاب ہوں اور استعمال میں نہ ہوں ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ کیونکہ ان چیزوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب ان کو بیچنے کی نیت سے خریدا ہو۔

چنانچہ صَدرُ الشَّریعَہ فرماتے ہیں: ''سونے چاندی میں مطلقاً زکوٰۃ واجب ہے جب کہ بقدرِ نصاب ہوں اگرچہ دفن کر کے رکھے ہوں، تجارت کرے یا نہ کرے اور ان کے علاوہ باقی چیزوں پر زکوٰۃ اس وقت واجب ہے کہ تجارت کی نیّت ہو یا چَرائی پر چھوٹے جانور۔'' (بہارِ شریعت ، صفحہ 882 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

البتہ یہ واضح رہے کہ سونا چاندی جو جہیز یا بَری میں چڑھانے کے لئے بنائے گئے ہوں۔ ان پر زکوٰۃ ہوگی جبکہ جس کی مِلکیّت میں ہوں اس کے پاس تنہا نصاب کو پہنچتے ہوں یا دیگر اموالِ زکوٰۃ سے مل کر نصاب کو پہنچ جائیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

23 شعبان المعظم 1427ھ 17 ستمبر 2006ء

کمپیوٹر کب حاجتِ اصلیہ کہلائے گا؟

فتویٰ 43

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی کمپیوٹر یا انٹرنیٹ کو فرض علوم سیکھنے کے علاوہ استعمال نہ کرے تو کیا یہ حاجتِ اصلیہ میں شمار ہوگا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

فرض علوم کے علاوہ بھی اگر کمپیوٹر یا انٹرنیٹ روزمرہ کے استعمال میں لاتا ہے خواہ وہ استعمال گھریلو ہو یا کاروباری، تو یہ بھی حاجتِ اصلیہ میں شامل ہوں گے اور اگر ان کا غیر ضروری استعمال کرتا ہو تو حاجتِ اصلیہ سے

خارج ہے لیکن زکوۃ کا حکم پھر بھی نہیں، ہاں نصاب کی مقدار کو پہنچ جائیں تو زکوۃ لینا حرام ہے۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد اسد عطاری المدنی

9 رجب المرجب 1427ھ 05 اگست 2006ء

الجواب صحیح

ابو الصالح محمد قاسم القادری

غیر تجارتی زمین پر زکوۃ نہیں

فتوی 44

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم زمین یا پلاٹ خرید لیتے ہیں تو اس پر زکوۃ کا کیا حکم ہوگا؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

آپ نے جو پلاٹ یا زمین خریدی ہے اس میں آپ کی خریدتے وقت کی نیت یا تو تجارت کی ہوگی یا نہیں اگر تجارت کی نیت نہ تھی (مثلاً خود وہاں رہنے یا کسی کو تحفہ دینے کی یا کوئی اور نیت تھی) تو اس پر زکوۃ نہیں۔

اور اگر آپ کی نیت خرید و فروخت کی تھی تو سالِ تمام پر ان کی قیمت نصاب کو پہنچے یا کسی اور مالِ تجارت یا سونے چاندی یا نقدی سے مل کر نصاب کو پہنچے تو ان پر زکوۃ واجب ہوگی۔

چنانچہ قُدُورِی میں ہے: ”الزکاۃ واجبۃ فی عروض التجارۃ کائنۃ ما کانت اذا بلغت قیمتہا نصاباً من الورق او الذھب“ مفہوم گزر چکا۔

(القدوری مع اللباب، صفحہ 145، مطبوعہ کراچی)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

12 جمادی الاولی 1428ھ 29 مئی 2007ء

پراپرٹی خریدتے وقت تجارت کی نیت نہ تھی؟

فتویٰ 45

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے کچھ عرصہ پہلے دو دوکانیں اور ایک فلیٹ اس نیت سے خریدا کہ جب میری بیٹیاں جوان ہوں گی تو ان کی شادی اور دیگر معاملات کے اَخراجات کے لئے اگر ضرورت پڑی تو انہیں بیچ کر اَخراجات کو پورا کیا جائے گا، ورنہ کرایہ پر دوں گا یا شراکت داری کروں گا یا خود کوئی کاروبار شروع کروں گا۔ اس وقت اس نے ایک دوکان اور فلیٹ کرایہ پر دیا ہوا اور دوسری دوکان پر کسی کے ساتھ شرکت کر کے کاروبار کر رہا ہے۔ کیا اس شخص پر مذکورہ دونوں دوکانوں اور فلیٹ کی زکوٰۃ فرض ہے؟

سائل: منظر علی سید (باب المدینہ کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جی نہیں! مذکورہ دوکانیں اور فلیٹ مالِ تجارت نہیں کیونکہ انہیں خریدتے وقت بیچنے کی نیت نہ تھی۔ البتہ کاروبار میں لگائی ہوئی رقم یا مال اور کرایہ کی آمدنی اگر نصاب تک پہنچے یا کسی اور مالِ زکوٰۃ مثلاً سونا چاندی وغیرہ کے ساتھ مل کر نصاب تک پہنچے تو سال گزرنے پر اس کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

علامہ علاؤالدین حصکفی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”و لا بد من مقارنتها لعقد التجاره“

ترجمہ: اور مالِ تجارت بننے کے لئے سامان کو خریدتے وقت تجارت کی نیت ہونا ضروری ہے۔

(در مختار، صفحہ 221، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

اور اگر مال خریدتے وقت تو تجارت کی نیت نہیں تھی مگر مال خریدنے کے بعد تجارت کی نیت کرلی تو وہ مالِ تجارت نہیں بن جائے گا کیونکہ کسی چیز کے مالِ تجارت بننے کے لئے ضروری ہے کہ اس کو خریدتے وقت تجارت کی نیت کی جائے۔

علامہ شامی رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فرماتے ہیں: ”(و لا تصح نية التجارة) لأنها لا تصح الا عند عقد

التجارة فلا تصح فیما ملکه بغیر عقد کارث و نحوه" یعنی تجارت کی نیت سامان کا سودا طے کرنے کے وقت ہی درست ہوتی ہے۔ لہٰذا اگر کوئی ایسے مال میں تجارت کی نیت کرے جو خریدے بغیر حاصل ہوا ہو مثلاً وراثت وغیرہ کے ذریعے سے تو اس میں تجارت کی نیت درست نہیں ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، صفحه 222، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْہَادِی فرماتے ہیں:
"نیتِ تجارت کے لئے یہ شرط ہے کہ وقتِ عقد نیت ہو، اگرچہ دلالۃً تو اگر عقد کے بعد نیت کی زکوٰۃ واجب نہ ہوئی۔ یوہیں اگر رکھنے کے لئے کوئی چیز لی اور یہ نیت کی کہ نفع ملے گا تو بیچ ڈالوں گا تو زکوٰۃ واجب نہیں۔"

(بہار شریعت، صفحه 883، جلد 1، مکتبة المدینه)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

كتبه

محمد فاروق العطاری المدنی

26 شعبان المعظم 1425ھ 12 اکتوبر 2004ء

وراثت میں ملنے والی جائیداد پر زکوٰۃ نہیں

فتویٰ 46

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کو وراثت میں کچھ پلاٹ ملے تھے، اس نے بعد میں نیّت کی کہ جب میری بیٹیاں جوان ہوں گی تو میں ان پلاٹوں کو بیچ کر حاصل شدہ رقم ان کو دے دوں گا، آیا ان پلاٹوں پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟　سائل: محمد عامر

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

مذکورہ زمین پر زکوٰۃ نہیں۔ قوانینِ شریعت کی رُو سے کسی بھی قسم کی زمین میں زکوٰۃ اس وقت تک لازم نہیں

ہوتی جب تک کہ وہ تجارت کے لئے نہ لی گئی ہو اور جو زمین وراثت میں ملے اس میں تجارت کی نیت بھی معتبر نہیں۔

چنانچہ فَتَاوٰی عَالَمگِیری میں ہے:"ولو ورثه فنواه للتجارة لا يكون لها" ترجمہ: جب وراثت میں کوئی چیز ملی اور یہ اس پر تجارت کی نیت کرے تو محض نیت سے وہ چیز تجارت کے لئے نہ ہو جائے گی۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 174، جلد 1، دار الفکر بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ علامہ مولانا امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں:

"جس عقد میں تبادلہ ہی نہ ہو جیسے ہبہ، وصیت، صدقہ یا تبادلہ ہو مگر مال سے تبادلہ نہ ہو جیسے مہر، بدلِ خُلع، بدلِ عتق ان دونوں قسم کے عقد کے ذریعہ سے اگر کسی چیز کا مالک ہوا تو اس میں نیتِ تجارت صحیح نہیں یعنی اگرچہ تجارت کی نیت کرے زکوٰۃ واجب نہیں یونہی اگر ایسی چیز میراث میں ملی تو اس میں بھی نیتِ تجارت صحیح نہیں۔"

(بہار شریعت، صفحہ 883، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَاللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبــــــــــه
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم القَادِری	اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغَر العَطَّارِی المَدَنِی
	16 رجب المرجب 1429ھ 19 جولائی 2008ء

جو مکان کرایہ پر چڑھایا ہے اس پر زکوٰۃ نہیں

فتویٰ 47

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا ایک مکان ہے جسے میں نے کرائے پر چڑھایا ہوا ہے، تو مجھے اس مکان کی مالیت کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا اس کے کرائے کے مطابق؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سوال میں مذکورہ صورت میں جبکہ مکان کرائے پر چڑھایا ہوا ہے، اس لئے اس کے کرائے پر زکوٰۃ ہوگی۔ جبکہ دیگر شرائط پائی جائیں۔

امام حاکم شہید عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْمَجِید کافی میں فرماتے ہیں: ”رجل له الف درهم و عليه الف درهم وله دار وخادم لغير التجارة بقيمة عشرة الاف درهم فلا زكوة عليه .... وليس على التاجر زكاة مسكنه وخدمه ومركبه وكسوة اهله وطعامهم وما يتجمل به من اٰنية أو لؤلؤ وفرس ومتاع لم ينو به التجارة وما كان عنده من المال للتجارة فنواه للمهنة خرج من ان يكون للتجارة“ (ملتقطاً) ترجمہ: ایک آدمی کے پاس ہزار درہم ہیں اور اس پر ہزار درہم قرض ہے، اور اس کے پاس ایک مکان اور ایک غلام بھی ہے جنہیں اس نے بیچنے کیلئے نہیں خریدا، اور ان کی مالیت دس ہزار درہم کے برابر ہے تو اس شخص پر زکوۃ واجب نہیں، اور تاجر پر اپنے مکان، غلام، سواری، اپنے گھر والوں کے کپڑے، ان کے کھانے اور وہ برتن جن سے خوبصورتی حاصل کی جاتی ہے یا موتی، گھوڑا اور ایسا سامان ہے جس پر اس نے تجارت کی نیت نہیں کی، اور جو اس کے پاس مالِ تجارت تھا تو اس پر اس نے کام کرنے کی نیت کرلی تو یہ مال اب مالِ تجارت سے نکل جائے گا۔ (ملتقطاً)

(كافی متن كتاب المبسوط، صفحه 263، 264، 265، جلد 2، مطبوعه كوئٹه)

امام ابوبکر بن محمد بن ابی سَہل رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ”لان نصاب الزكوة المال النامی، ومعنى النماء فی هذه الاشياء لا يكون بدون نية التجارة“ ترجمہ: کیونکہ زکوۃ کی نصاب مالِ نامی ہے، اور نمو کا معنی ان اَشیاء میں تجارت کے بغیر نہیں پایا جاتا۔

(كتاب المبسوط، صفحه 264، جلد 2، مطبوعه كوئٹه)

اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں مفتی محمد وقار الدین صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ”جو مکان بیچنے کی غرض سے تعمیر نہیں کیا گیا بلکہ اپنے استعمال کے لئے بنایا گیا ہے، اس کے کرائے پر زکوۃ ہوتی ہے مکان کی مالیت پر نہیں۔“　(وقار الفتاوی، صفحه 391 تا 392، جلد 2، مطبوعه بزم وقار الدين كراچی)

مدنی مشورہ:

زکوۃ کے مسائل کے بارے میں مزید معلومات کے لئے ”دعوتِ اسلامی“ کے اشاعتی ادارے ”مکتبۃ المدینہ“

کی شائع کردہ کتاب ''بہارِ شریعت'' کے پانچویں حصے کا مطالعہ فرمائیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

20 شوال المکرم 1431ھ 30 ستمبر 2010ء

کمپنی کی لوڈنگ گاڑی حاجتِ اصلیہ میں ہے

فتوی 48

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کچھ اَشیاء جن کا گھریلو استعمال بھی ہو اور کاروبار میں بھی استعمال کیا جائے تو کیا ایسی اَشیاء پر زکوٰۃ فرض ہوگی مثال کے طور پر کار یا سوزوکی وغیرہ؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

کاروبار کی ان اَشیاء پر زکوٰۃ ہے جو بیچنے کے لئے ہیں، نہ وہ جو کاروبار میں معاونت میں استعمال ہوں جن اَشیاء کا آپ نے بطورِ مثال ذکر کیا ہے اس طرح کی اَشیاء پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

دُرِّمُختَار میں ہے:''(لا زکاۃ) فی اٰلات المحترفین الا ما یبقی اثر عینہ کالعفص لدبغ الجلد ففیہ الزکاۃ بخلاف مالا یبقی کصابون یساوی نصبا وان حال الحول'' (ملتقطاً) یعنی پیشہ وروں کے اوزار میں زکوٰۃ نہیں ہے مگر ایسی چیز خریدی جس سے کوئی کام کرے گا اور کام میں اس کا اثر باقی رہے گا جیسے چمڑا پکانے کے لئے مازو وغیرہ اگر اس پر سال گزر گیا تو زکوٰۃ واجب ہے اور اگر وہ ایسی چیز ہے جس کا اثر باقی نہیں رہے گا جیسے صابون، تو اگرچہ بقدرِ نصاب ہو اور سال گزر جائے زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔(ملتقطاً)

(در مختار، صفحہ 218، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

فَتَاوٰی عَالَمگِیری میں ہے:''ولو ان نخاسًا یشتری دواب او یبیعھا فاشتری جلاجل

او مقاودا او براقع فان كان بيع هذه الاشياء مع الدواب ففيها الزكاة وان كانت هذه لحفظ الدواب بها فلا زكاة فيها'' یعنی گھوڑے کی تجارت کرتا ہے جھول اور لگام اور رسیاں وغیرہ اس لئے خریدیں کہ گھوڑے ان کے سمیت بیچے جائیں گے تو ان کی بھی زکوٰۃ دے اور اگر اس لئے خریدیں کہ گھوڑوں کی حفاظت میں کام آئیں گی تو اُن کی زکوٰۃ نہیں۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 180، جلد 1، دار الفکر بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد حسان رضا العطاری المدنی
08 ذیقعدہ 1428ھ 19 نومبر 2007ء

الجواب صحیح
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

رکشہ ٹیکسی پر زکوٰۃ کا حکم؟

فتویٰ 49

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا رکشہ، ٹیکسی، گدھا گاڑی اور گھوڑے پر زکوٰۃ ہوگی؟

سائل: محمد قمر دین (حیدرآباد)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
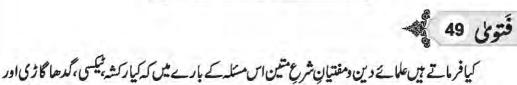
اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر مذکورہ اَشیاء تجارت کے لئے ہیں یعنی بیچنے کے لئے خریدی ہیں تو ان پر زکوٰۃ ہے۔ اور اگر کرایہ پر چلانے کے لئے ہوں تو ان پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔

چنانچہ فَتَاوٰی عَالَمگِیری میں ہے: ''الزكاة واجبة فی عروض التجارة كائنة ما كانت اذا بلغت قيمتها نصابا من الورق و الذهب'' ترجمہ: سامانِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہوگی جب اس کی

قیمت سونے چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 179 ، جلد 1 ، دار الفکر بیروت)

دُرِّمُختار میں ہے:"لو اسامها للحم فلا زكوة فيها كما لو اسامها للحمل والركوب ولو للتجارة ففيها زكوة التجارة" ترجمہ: اگر (جانوروغیرہ) حصول گوشت کے لئے چَرائے تو اس میں زکوٰۃ نہیں جیسا کہ اگر بوجھ اٹھانے اور سواری کے لئے چَرائے اور اگر تجارت کے لئے ہوں تو ان میں زکوٰۃ ہے۔

(در مختار ، صفحہ 234 ، جلد 3 ، دار المعرفة بیروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــه

ابوالصالح محمد قاسم القادری

2 ذیقعدہ 1426ھ 5 دسمبر 2005ء

کرایہ پر چلنے والی اشیاء پر زکوٰۃ نہیں

فتوی 50

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ رینٹ (Rent) پر دی گئی چیز پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ کسی کی دوکان ہے وہ اس نے کرایہ پر دی ہوئی ہے تو کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اولاً یہ خیال رہے کہ کسی چیز کو خریدتے وقت اگر یہ ارادہ ہو کہ بعد میں اس کو فروخت کردوں گا تو وہ چیز، مالِ تجارت ہو جاتی ہے اور اس کی قیمت پر زکوٰۃ لازم ہوتی ہے اور اگر خریدتے وقت بیچنے کی نیت نہ ہو تو اس کی قیمت پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی، آمدن پر ہوتی ہے۔ جبکہ دیگر شرائط پائی جائیں۔

مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں: "نیتِ تجارت کیلئے یہ شرط ہے کہ وقتِ عقد نیت

ہو، اگرچہ دلالۃً تو اگر عقد کے بعد نیت کی زکوٰۃ واجب نہ ہوئی یوں ہی اگر رکھنے کیلئے کوئی چیز لی اور یہ نیت کی کہ نفع ملے گا تو بیچ ڈالوں گا تو زکوٰۃ واجب نہیں۔" کچھ آگے مزید فرماتے ہیں: "کرایہ پر اٹھانے کیلئے دیگیں ہوں، ان کی زکوٰۃ نہیں۔ یونہی کرایہ کے مکان کی۔" (بہار شریعت، صفحہ 883، 908، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَقَارُ الْفَتَاوٰی میں ہے: "کسی چیز کو خریدنے کے وقت اگر یہ ارادہ ہے کہ اس کو فروخت کرے گا تو وہ مالِ تجارت ہو جاتا ہے، اس کی قیمت پر زکوٰۃ ہوتی ہے اور اگر خریدتے وقت بیچنے کی نیت نہ تھی تو اس کی قیمت پر زکوٰۃ نہیں ہوتی ہے۔"

(وقار الفتاویٰ، صفحہ 388، جلد 2، بزم وقار الدین کراچی)

اسی میں مزید ہے کہ "جو مکان بیچنے کی غرض سے تعمیر نہیں کیا گیا بلکہ اپنے استعمال کیلئے بنایا گیا ہے، اس کے کرایہ پر زکوٰۃ ہوتی ہے مکان کی مالیت پر نہیں۔"

(وقار الفتاویٰ، صفحہ 391 تا 392، جلد 2، بزم وقار الدین کراچی)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــه

اَبُو مُحَمَّد علی اصغر العطاری المدنی

08 شعبان المعظم 1431ھ 21 جولائی 2010ء

کرائے پر چلنے والی الیکٹرک اَشیاء پر زکوٰۃ نہیں

فتویٰ 51
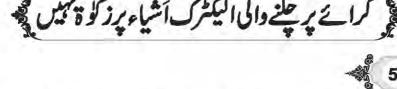
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے کرائے پر چلانے کے لئے ایک اچھی قسم کی LCD اور کمپیوٹر سسٹم بنا رکھا ہے کیا اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی؟

سائل: حاجی عبد الستار عطاری ناظم مدرسۃ المدینہ (کوٹ خواجہ سعید، مرکز الاولیاء لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

کرائے پر چلانے کے لئے بنائے ہوئی LCD اور کمپیوٹر سسٹم پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ البتہ اگر یہ کرایہ مالِ نصاب

جتنا ہے یا دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب جتنا ہو جائے تو سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ ہوگی۔

چنانچہ کرائے پر چلانے کے لئے بنائے ہوئے مکانات پر زکوٰۃ کے اَحکام بیان کرتے ہوئے فتاویٰ رَضَوِیّہ میں امامِ اہلسنّت، مُجَدِّدِ دِین و مِلّت، امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''مکانات پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ پچاس کروڑ کے ہوں، کرایہ سے جو سالِ تمام پر پس انداز ہوگا اس پر زکوٰۃ آئے گی اگر خود یا اور مال سے مل کر قدرِ نصاب ہو۔ (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 161، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

فَتَاوٰی فَقِیہِ مِلّت میں ہے: ''زکوٰۃ تین قسم کے مال پر ہے ثَمَن یعنی سونا چاندی (نوٹ اور پیسہ)، مالِ تجارت، سائمہ یعنی چَرائی پر چھوٹے جانور اور کرایہ پر چلنے والے ٹرکوں اور بسوں کی قیمت مذکورہ چیزوں میں سے کوئی نہیں۔ لہٰذا زکوٰۃ صرف ان گاڑیوں کی آمدنی پر واجب ہے قیمت پر نہیں اس لئے کہ قیمت پر زکوٰۃ واجب نہیں کہ کرائے پر چلانے کے سامان کمانے کے آلے ہیں اور ان پر زکوٰۃ نہیں۔''

(فتاویٰ فقیہ ملت، صفحہ 306، 307، جلد 1، شبیر برادرز لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

کتبــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو احمد محمد انس رضا عطاری
18 رمضان المبارک 1430ھ 09 ستمبر 2009ء

جہیز پر زکوٰۃ کا حکم؟

فتویٰ 52
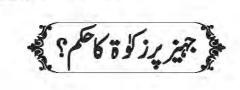
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوی کو بھی عام لوگوں کی طرح اس کے والدین نے جہیز دیا اور مَاشَاءَ اللّٰہ کافی سامان ہے لیکن اس میں کافی سامان ایسا ہے کہ جس کی عام طور پر انسان کو ضرورت نہیں ہوتی تو کیا اس سامان کی مجھے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟ سائل: منیر اکرم (جمشید روڈ کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

یاد رہے کہ تین طرح کے اَموال پر شریعت کی جانب سے زکوٰۃ فرض ہوتی ہے:

﴿1﴾ ثَمن یعنی سونا چاندی (اس کے ساتھ تمام ممالک کی کرنسی اور بانڈز شامل ہیں)

﴿2﴾ مالِ تجارت

﴿3﴾ اور چَرائی کے جانور۔

ان کے علاوہ اگر کوئی مال ہو تو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی البتہ ایسا مال (جس پر زکوٰۃ نہیں ہوتی) اگر حاجتِ اصلیہ کے علاوہ ہونے کے ساتھ ساتھ بقدرِ نصاب بھی ہو تو یہ جس کی مِلک ہو وہ زکوٰۃ لینے کا مستحق نہیں اور جہیز کا سامان عورت کی مِلک ہوا کرتا ہے لہٰذا زکوٰۃ فرض ہونے یا نہ ہونے کا حکم بھی انہی پر ہوگا نہ کہ آپ پر۔

جہیز کے سامان پر زکوٰۃ کو بیان کرتے ہوئے علامہ ابنِ عابدین شامی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: "ان ما كان من أثاث المنزل وثياب البدن وأواني الاستعمال مما لا بد لامثالها منه فهو من الحاجة الاصلية، و ما زاد على ذٰلك من الحلى والأواني والأمتعة التي يقصد بها الزينة اذا بلغ نصابا تصير به غنية" یعنی (جہیز کا سامان) اگر خانہ داری کے سامان، پہننے کے کپڑے اور استعمال کے برتن اور اسکی مثل دوسری اشیاء پر مشتمل ہے تو وہ حاجتِ اصلیہ میں داخل ہیں اور اگر اسکے علاوہ بھی ہو جو کہ حاجتِ اصلیہ سے زائد ہوتی ہیں مثل زیور، حاجت کے علاوہ برتن اور آنے جانے کے بیش قیمت بھاری جوڑے کہ ان سے زینت کا قصد کیا جاتا ہے تو جب یہ نصاب کو پہنچ جائیں تو عورت غَنِیّہ کہلائے گی۔ (اور غَنِیّہ مالِ زکوٰۃ کے مصارف سے نہیں)

(رد المحتار على الدر المختار، صفحه 345، جلد 3، دار المعرفة بيروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــہ

ابُو الصَّالِح مُحَمَّد قَاسِمُ القَادِرِی

17 رمضان المبارك 1426ھ 22 اکتوبر 2005ء

دلہن کے مہنگے لباس پر بھی زکوٰۃ نہیں

فتویٰ 53

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ شادی کے موقع پر لڑکی کو بہت قیمتی کپڑے دیئے جاتے ہے جن کی مالیت نصاب تک پہنچتی ہے کیا ان پر زکوٰۃ ہوگی؟

سائلہ: امِ منور (لائنز ایریا، باب المدینہ کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جی نہیں! یاد رہے کہ زکوٰۃ صرف درج ذیل اَشیاء پر سال گزرنے پر فرض ہوگی جبکہ وہ حاجتِ اصلیہ سے زائد ہوں اور نصاب تک پہنچیں:

﴿1﴾ سونا ﴿2﴾ چاندی ﴿3﴾ مالِ تجارت ﴿4﴾ نقد رقم خواہ کسی مُلک کی ہو ﴿5﴾ پرائز بانڈ ﴿6﴾ سائمہ (وہ جانور جو سال کا اکثر حصہ جنگل میں مفت چَرتے ہوں اور ان سے مقصود دودھ اور بچے لینا اور فربہ کرنا ہو)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبـــــــه

المتخصص فی الفقه الاسلامی

محمد شاهد العطاری المدنی

الجواب صحیح

محمد فاروق العطاری المدنی

8 ذی الحجة الحرام 1424ھ 31 جنوری 2004ء

ہُنرمند کے اوزار پر زکوٰۃ نہیں

فتویٰ 54

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے پاس ایک زیرِ استعمال گاڑی ہے کیا اس پر زکوٰۃ ہے؟ اور ہمارے پاس ایک بلڈوزر ہے اس کی قیمت پر زکوٰۃ ہے یا آمدنی پر؟ نیز ہمارے

پاس کچھ مشینری ہے جن میں سے کچھ سے آمدنی ہو رہی ہے اور کچھ بیکار ہیں اس کے بارے کیا حکم ہے؟

سائل: زاہد علی (جہانگیر روڈ نمبر 3، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اگر مذکورہ اَشیاء یعنی گاڑی، بلڈوزر اور مشینری ذاتی استعمال کے لئے ہوں یا ذریعۂ معاش ہوں تو ان میں زکوٰۃ فرض نہیں۔ ہاں اگر اس کی آمدنی نصاب کو پہنچ جائے تو زکوٰۃ کا سال گزرنے پر اس کی آمدنی پر زکوٰۃ ہوگی۔ بیکار یا خراب مشینری میں زکوٰۃ نہیں اور اگر مذکورہ اَشیاء تجارت کے لئے ہوں یعنی بیچنے کی نیت سے خریدی ہوں تو زکوٰۃ کا سال پورا ہونے پر جو اس کی قیمت ہو اس کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کا سامانِ تجارت یا اس کی قیمت موجود ہے اور اس پر ایک سال کا عرصہ گزر چکا ہے تو اس کے چالیسویں حصہ کے حساب سے زکوٰۃ واجب ہوگی۔

چنانچہ فَتَاوٰی عَالَمْگِیرِی میں ہے: "الزکاة واجبة فی عروض التجارة کائنة ما کانت اذا بلغت قیمتها نصابا من الورق و الذهب" ترجمہ: سامانِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہوگی جب اس کی قیمت سونے چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 179، جلد 1، دار الفکر بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم القَادِرِی

23 ربیع الآخر 1427ھ 22 مئی 2006ء

قیمتی پتھروں پر زکوٰۃ کا حکم؟

فتویٰ 55

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا قیمتی ہیرے جواہرات مثلاً

بلو ڈائمنڈ، وائٹ پرل، ایمیریڈ وغیرہ جن کے ایک ہی پیس کی مالیت کروڑوں کی ہوتی ہے کیا ان پر زکوٰۃ ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جی نہیں! مذکورہ بالا ہیرے جواہرات پر زکوٰۃ نہیں۔

چنانچہ تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّمُخْتَار میں ہے: " لا زكاة في اللآلي و الجواهر و ان ساوت الفا اتفاقاً" یعنی بِالْاِتِّفَاق ہیرے جواہرات پر کوئی زکوٰۃ نہیں اگرچہ ہزاروں روپوں کی مالیت کے ہوں۔

(تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 230، جلد 3، دار المعرفة بيروت)

لیکن اگر کاروبار کے لئے خریدے ہیں تو اس صورت میں زکوٰۃ ہوگی۔

چنانچہ تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار میں ہے: " الا ان تكون للتجارة" یعنی اگر یہ جواہرات وغیرہ کاروبار کیلئے ہیں تو ان پر زکوٰۃ ہوگی۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 230، جلد 3، دار المعرفة بيروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبـــــــه

اَبُو الصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم الْقَادِرِي

12 جمادی الاولی 1428ھ 29 مئی 2007ء

فارم ہاؤس کی زمین پر زکوٰۃ نہیں

فتویٰ 56

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے پاس کچھ زمین ہے جس پر مستقبل میں فارم ہاؤس بنانے کا ارادہ ہے فی الحال اس کو بیچنے کی کوئی نیت نہیں تو کیا اس زمین پر زکوٰۃ ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر یہ زمین بیچنے کی نیت سے نہیں خریدی تو اس زمین پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

چنانچہ صدرُ الشَّریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں: ''زکوۃ تین قسم کے مال پر ہے: ﴿1﴾ ثمن یعنی سونا چاندی (روپیہ و پیسہ) ﴿2﴾ مالِ تجارت ﴿3﴾ سائمہ یعنی چرائی پر چھوٹے جانور۔

(بہار شریعت ، صفحہ 882 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

اس کے علاوہ باقی چیزوں پر زکوۃ واجب نہیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــہ

عَبْدُہُ الْمُذْنِبْ فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَاعَنْہُ الْبَارِی

25 شوال المکرام 1429ھ

ہاتھ کی گھڑی پر زکوٰۃ نہیں

فتویٰ 57

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہاتھ کی گھڑی پر زکوۃ ہے یا نہیں؟

سائل: سید اقبال حسین (ضلع گجرات)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

نہیں ہے کہ ہاتھ کی گھڑی زکوۃ کے اَموال میں سے نہیں۔ یاد رہے کہ زکوۃ صرف درج ذیل اَشیاء پر سال گزرنے پر فرض ہوگی جبکہ وہ حاجتِ اصلیہ سے زائد ہوں اور نصاب تک پہنچیں:

﴿1﴾ سونا ﴿2﴾ چاندی ﴿3﴾ مالِ تجارت ﴿4﴾ نقد رقم خواہ کسی مُلک کی ہو ﴿5﴾ پرائز بانڈ ﴿6﴾ سائمہ (وہ جانور جو سال کا اکثر حصہ جنگل میں مفت چرتے ہوں اور ان سے مقصود دودھ اور بچے لینا اور فربہ کرنا ہو)۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــہ

محمد فاروق العطاری المدنی

21 ذیقعدۃ الحرام 1424ھ 14 جنوری 2004ء

ذاتی کتب پر زکوٰۃ نہیں

فتویٰ 58

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے پاس بہت سی کتابیں ہیں اور زید ان سب کتابوں کو پورے سال میں نہیں پڑھ سکتا۔ زید جو کتابیں نہیں پڑھ سکا سال گزرنے پر ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ نیز جن کو پڑھ چکا ہے ان پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟		سائل: محمد سجاد رضا عطاری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰھُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

شریعتِ مُطَہَّرہ نے زکوٰۃ کے وُجُوب کیلئے ایک معیار مُقَرَّر فرمایا ہے اور جن چیزوں پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے ان کو مُتَعَیَّن کردیا لہٰذا اگر کسی کے پاس وہ چیزیں یا اس کی ہم جنس اَشیاء پائی جائیں گی تو جملہ شرائط کے ساتھ سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی۔

چنانچہ شریعتِ مُطَہَّرہ نے زکوٰۃ کے وُجُوب کیلئے تین قسم کی اَشیاء مُقَرَّر فرمائی ہیں: ﴿1﴾ ثَمَن (سونا، چاندی، نقدی، پرائز بانڈ وغیرہ) ﴿2﴾ مالِ تجارت (کوئی سا بھی ہو) ﴿3﴾ سائمہ جانور۔

چنانچہ بہارِ شریعت میں ہے: ”زکوٰۃ تین قسم کے مال پر ہے: ﴿1﴾ ثَمَن یعنی سونا چاندی ﴿2﴾ مالِ تجارت ﴿3﴾ سائمہ یعنی چَرائی پر چھُوٹے جانور۔“		(بہارِ شریعت ، صفحہ 882 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

صورتِ مُستَفسَرہ میں کتابیں جبکہ مالِ تجارت سے نہ ہوں سوال سے بھی یہی ظاہر ہے کہ اس نے پڑھنے کے لئے خریدی ہیں تو زید پر اَصلاً زکوٰۃ واجب ہی نہیں چاہے وہ لاکھوں کی مالیت ہی کی کیوں نہ ہوں چاہے زید ان کو پڑھ سکتا ہے یا نہیں۔ البتہ اگر مذکورہ کتابیں مالِ تجارت کیلئے ہیں اور ان کی قیمت نصاب تک پہنچتی ہے اور ان پر قمری سال بھی گزر چکا ہے تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی چاہے زید ان سب کو پڑھ ڈالے یا کسی کو ہاتھ بھی نہ لگائے۔

مذکورہ بالا تفصیل زید پر زکوۃ واجب ہونے کے اعتبار سے ہے البتہ زکوۃ لینے کے اعتبار سے اس میں تفصیل ہے: اگر زید اِن سب کتابوں کو پڑھنے کا اہل ہے اور اس کے پاس کتابوں کے علاوہ بقدرِ نصاب کوئی اور چیز موجود نہیں تو زکوۃ لے سکتا ہے کہ یہ کتابیں اس کی حاجتِ اصلیہ میں شامل ہیں اور اگر ان کو پڑھنے کا اہل نہیں اور کتابوں کی قیمت بقدرِ نصاب پہنچ گئی تو زکوۃ لینے کا حقدار نہیں ہوگا کہ اس کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد مال بقدرِ نصاب پایا جا رہا ہے۔ اَہلِیّت سے مراد یہ ہے کہ جس کو پڑھنے، پڑھانے اور تصحیح وغیرہ کیلئے ان کی حاجت ہو۔

صَدرُ الشَّریعَہ مولانا امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی بہارِ شریعت میں ارشاد فرماتے ہیں: ''اہلِ علم کیلئے کتابیں حاجتِ اصلیہ سے ہیں اور غیرِ اہل کے پاس ہوں جب بھی کتابوں کی زکوۃ واجب نہیں جبکہ تجارت کے لئے نہ ہوں، فرق اتنا ہے کہ اہلِ علم کے پاس ان کتابوں کے علاوہ اگر مال بقدرِ نصاب نہ ہو تو زکوۃ لینا جائز ہے اور غیرِ اہلِ علم کیلئے ناجائز، جبکہ دو سو دِرہم قیمت کی ہوں۔ اہل وہ ہے جسے پڑھنے پڑھانے یا تصحیح کیلئے ان کتابوں کی ضرورت ہو۔ کتاب سے مراد مذہبی کتاب فقہ و تفسیر و حدیث ہے، اگر ایک کتاب کے چند نسخے ہوں تو ایک سے زائد جتنے نسخے ہوں اگر دو سو دِرہم کی قیمت کے ہوں تو اس اہل کو بھی زکوۃ لینا ناجائز ہے، خواہ ایک ہی کتاب کے زائد نسخے اس قیمت کے ہوں یا متعدد کتابوں کے زائد نسخے مل کر اس قیمت کے ہوں۔ ...... طَبیب کے لئے طِب کی کتابیں حاجتِ اصلیہ میں ہیں، جبکہ مطالعہ میں رکھتا ہو یا اسے دیکھنے کی ضرورت پڑے، نَحو وصَرف ونُجوم اور دِیوان اور قصے کہانی کی کتابیں حاجتِ اصلیہ میں نہیں، اصولِ فقہ و علمِ کلام واَخلاق کی کتابیں جیسے اِحیاء العلوم و کیمیائے سعادت وغیرہما حاجتِ اصلیہ سے ہیں۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 881، 882، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبــــــــــــہ

محمد سجاد العطاری المدنی

2 شعبان المعظم 1428ھ 16 اگست 2007ء

حضرت علی المرتضی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ ''انہ أمر تاجرا بالفقہ قبل التجارۃ'' آپ نے ایک تاجر کو تجارت کرنے سے پہلے علم فقہ سیکھنے کا حکم دیا۔ (کتاب الفقیہ والمتفقہ، جلد 1، ص 45، بیروت)

باب اول: وُجُوبِ زکوٰۃ کی شرائط

فصل/عنوان 5

اَموالِ زکوٰۃ پر سال گزرنے کی شرط اور ضروری مسائل

حاجت وضرورت کی خاطر جمع رقم پر سال گزر گیا تو؟

فتویٰ 59

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں صاحبِ نصاب ہوں اور میری تنخواہ ہر مہینے ڈائریکٹ بینک میں جمع ہوجاتی ہے، اس میں سے کچھ رقم خرچ کے لئے نکال لیتا ہوں باقی اکاؤنٹ میں موجود رہتی ہے۔ کیا سال گزر جانے کے بعد باقی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ میں بچت کے طور پر اس رقم کو رکھتا ہوں اور ضرورت پڑنے پر اس کو استعمال کرتا ہوں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

نصاب کا سال پورا ہونے پر اگر بینک میں آپ کی اتنی رقم ہے جو نصاب کو پہنچ جاتی ہے یا اس کے ساتھ دوسرا مال مثلاً سونا، چاندی آپ کے پاس ہے اور ملانے سے یہ رقم نصاب کو پہنچ جاتی ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔ اگرچہ آپ نے وہ رقم اس نیت سے رکھی ہو کہ آئندہ اس کو حاجتِ اصلیہ میں خرچ کریں گے۔

شَیْخُ الْاِسْلَام وَ الْمُسْلِمِیْن اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن لکھتے ہیں: ”جب تک (مال) بینک میں ہے اپنے قبضے میں ہی سمجھا جائے گا اور ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔“

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 142، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

خَاتَمُ الْمُحَقِّقِین حضرت علامہ شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی لکھتے ہیں:"إذا أمسكه لينفق منه كل ما يحتاجه فحال الحول وقد بقى معه منه نصاب فإنه يزكى ذلك الباقى، وإن كان قصده الإنفاق منه أيضًا فى المستقبل لعدم استحقاق صرفه إلى حوائجه الأصلية وقت حولان الحول، بخلاف ما إذا حال الحول وهو مستحق الصرف إليها"

یعنی جب مال اس نیت سے روکے رکھا کہ جو حاجت ہوگی اس میں خرچ کروں گا پھر اس پر سال گزر گیا اور اس کے پاس اس میں سے نصاب باقی ہے تو اس باقی کی زکوٰۃ دے گا اگرچہ اس کو مستقبل میں خرچ کرنے کی نیت ہو، کیونکہ سال گزرنے کے وقت حاجتِ اصلیہ میں صرف کرنے کا اس کو اِستحقاق حاصل نہیں ہے، برخلاف اس کے کہ جب سال پورا ہونے کے وقت اس مال کو حاجتِ اصلیہ میں خرچ کرنے کی ضرورت ہو۔

(رد المحتار علی الدر المختار، صفحہ 213، جلد 3، دار المعرفة بيروت)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: "حاجتِ اصلیہ میں خرچ کرنے کے روپے رکھے ہیں تو سال میں جو کچھ خرچ کیا کیا اور جو باقی رہے اگر بقدرِ نصاب ہیں تو ان کی زکوٰۃ واجب ہے اگرچہ اسی نیت سے رکھے ہیں کہ آئندہ حاجتِ اصلیہ ہی میں صَرف ہوں گے اور اگر سالِ تمام کے وقت حاجتِ اصلیہ میں خرچ کرنے کی ضرورت ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 881، جلد 1، مکتبة المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

6 شوال المکرم 1427ھ/30 اکتوبر 2006ء

زکوٰۃ کے اہم مسئلہ کی تفہیم

فتوٰی 60

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بہارِ شریعت حصہ 5 کتاب

الزکوٰۃ میں یہ مسئلہ لکھا ہوا ہے: ''شروع سال اور آخر سال میں نصاب کامل ہے مگر درمیان میں نصاب کی کمی ہوگئی تو یہ کمی کچھ اثر نہیں رکھتی یعنی زکوٰۃ واجب ہے۔'' اس عبارت میں جو نصاب کی کمی کا ذکر کیا گیا اس کا کیا مطلب ہے جس کمی سے نصاب میں کوئی فرق نہیں آتا وہ کمی کم از کم کتنی ہونی چاہیے کہ جس کے باوجود نصاب رہتا ہے اور وہ کمی کونسی ہے جس سے نصاب ختم ہوجاتا ہے؟ برائے کرم اس کی وضاحت فرمادیں۔　　سائل: صبغت اللہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اگر کسی کے پاس نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار کے برابر نقدی آج کی تاریخ مثلاً 28 شعبان 1430ھ کو اس کی حاجت سے زائد آجائے اور اس نے اس کو محفوظ کرلیا، اب دو مہینے بعد اس کو ضرورت پڑی تو اس نے اس نصاب کی رقم میں سے پانچ ہزار روپے خرچ کردیئے، اسی طرح چار مہینے بعد اسی نصاب میں سے دس ہزار خرچ کردیئے، تو اب چھ مہینے بعد نصاب کی بقیہ رقم پانچ ہزار رہ گئی، لیکن اس سال کے آخر میں مثلاً 27 شعبان 1431ھ کو وہ دوبارہ اتنی رقم کا مالک ہوگیا کہ جس سے نصاب کامل ہوجائے تو اب اس پر کُل رقم کی زکوٰۃ لازم ہوگی، دورانِ سال نصاب میں جو کمی ہوتی رہی اس کا کوئی اعتبار نہیں۔

البتہ اگر مکمل نصاب یعنی کُل رقم ہی سال گزرنے سے قبل خرچ ہوگئی تو یہ نصاب جاتا رہا۔ اب اگر دوبارہ نصاب جتنی رقم حاصل ہوگئی تو اَز سرِ نَو اِس جدید نصاب پر سال گزرنا شرط ہوگا۔ بہارِ شریعت کی عبارت میں جو کمی ہے اس کی کوئی حد نہیں۔ البتہ موجودہ نصاب مکمل طور پر ختم نہ ہو۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبــــــــه
محمد سجاد عطاری المدنی
18 رمضان المبارك 1430ھ 09 ستمبر 2009ء

الجواب صحیح
عبدہٗ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کیا گیا ''علم کب تک حاصل کرنا چاہئے'' فرمایا ''جب تک زندگی ہے۔'' (جامع بیان العلم وفضلہ، ج 1، ص 192، بیروت)

فتوی 61

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سونا لئے ہوئے ایک سال نہیں ہوا، اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
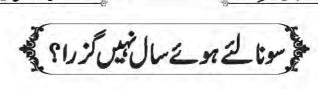
اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مسئولہ میں اگر سونا یا چاندی یا ان کی قیمت کے برابر پہلے سے نصاب کی مقدار موجود تھی اور بعد میں یہ سونا لیا تو اگر پہلے والے سونے یا چاندی یا ان کی قیمت پر سال گزر گیا ہے تو اُس سابقہ پر سال گزرنا اِس نئے سونے پر بھی سال گزرنا قرار پائے گا اور کُل پر زکوٰۃ ہوگی، ورنہ نہیں ہوگی۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبــــــه

ابوالصالح محمد قاسم القادری

16 رمضان المبارک 1428ھ 28 ستمبر 2007ء

کچھ پیسوں پر سال نہ گزرا ہو تو؟

فتوی 62

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں صاحبِ نصاب ہوں اور ہر سال زکوٰۃ دیتا ہوں کچھ پیسے میرے ایسے ہیں جن پر ابھی تک سال پورا نہیں ہوا، کیا ان کی بھی زکوٰۃ دینا ہوگی؟

سائل: سمیع خان

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

آپ کی زکوٰۃ کا سال جس دن پورا ہوتا ہے اس دن آپ تمام اَموال پر زکوٰۃ نکالیں گے۔ پوچھی گئی صورت میں جس روپیہ پر سال نہیں گزرا اس کو دیگر روپوں کے ساتھ ملا کر اس کی زکوٰۃ بھی نکالی جائے گی۔

وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

11 رمضان المبارک 1431ھ 22 اگست 2010ء

درمیانِ سال نصاب کا کم ہونا

فتویٰ 63

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کا نصاب سال پورا ہونے سے پہلے ہی ٹوٹ جاتا ہے مثلاً سال پورا ہونے کے کچھ دن پہلے صاحبِ نصاب نہیں رہتا پھر کچھ دنوں بعد دوبارہ سے صاحبِ نصاب ہوگیا تو زکوٰۃ کا کیا حکم ہوگا؟ سائل: عقیل مرزا

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ کی ادائیگی میں تکمیلِ نصاب کے حوالے سے سال کے اوّل وآخر کا اعتبار ہے درمیان کا نہیں یعنی ابتدائے سال نصاب موجود تھا مگر دورانِ سال نصاب کم ہوگیا لیکن اختتامِ سال پر پھر نصاب پورا ہوگیا تو بھی زکوٰۃ واجب ہوگی جبکہ درمیانِ سال بھی کچھ نہ کچھ مال موجود رہا ہو۔ ہاں اگر درمیانِ سال سارے کا سارا مال ختم ہوگیا ایک روپیہ بھی نہ بچا تو اب وہ سال کا حساب ختم ہوجائے گا اور جب دوبارہ صاحبِ نصاب ہوگا تب سے سال کا آغاز ہوگا۔

چنانچہ تَنۡوِیۡرُ الۡاَبۡصَار و دُرِّ مُخۡتَار میں ہے: "وشرط كمال النصاب ...... في طرفي الحول

فی الابتداء للانعقاد و فی الانتهاء للوجوب فلا یضر نقصانه بینهما فلو هلك كله بطل الحول" ترجمہ: سال کی دونوں اطراف میں نصاب کا مکمل ہونا شرط ہے، ابتدا میں انعقاد کے لئے اور انتہا میں وُجُوب کے لئے تو درمیانِ سال کمی واقع ہونا نقصان دِہ نہیں۔ ہاں اگر سارے کا سارا مال ہلاک ہوگیا تو اب سال باطل ہوجائے گا۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار ، صفحہ 278 ، جلد 3 ، دار المعرفة بیروت)

اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''شروع سال میں ایک یا زائد جتنی نصابوں کا مالک ہوا تھا، ختم سال پر وہ نصابیں پوری ہوں تو جس قدر زکوٰۃ کا وُجُوب بحالتِ اِستمرار ہوتا اسی قدر پوری واجب ہوگی اور نقصانِ درمیانی پر نظر نہ کی جائے گی، ہاں اتنا ضرور ہے کہ اصلِ مال سے کوئی پارہ محفوظ رہے سب بالکل فنا نہ ہوجائے ورنہ مِلکِ اوّل سے شمارِ سال جاتا رہے گا اور جس دن مِلکِ جدید ہوگی اس دن سے حساب کیا جائے گا۔'' (فتاویٰ رضویه ، صفحه 89 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

مزید فرماتے ہیں: ''اگر یہ نقصان مُستمِر رہا یعنی ختمِ سال پر وہ نصابیں پوری نہ ہوئیں تو اس وقت جس قدر موجود ہے اتنے کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور وہی اَحکام حسابِ نصاب ولحاظِ عفو کے اس قدر موجود پر جاری ہوں گے، جو جاتا رہا گویا تھا ہی نہیں کہ حولانِ حول اسی مقدار پر ہوا حتی کہ اگر یہ مقدار نصاب سے بھی کم ہے تو زکوٰۃ راساً ساقط۔''
(فتاویٰ رضویه ، صفحه 90 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــه

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغر العَطَّارِی المَدَنی

27 شعبان المعظم 1431ھ 09 اگست 2010ء

فرضیتِ زکوٰۃ کے لئے کتنا عرصہ گزرنا ضروری ہے

فتوٰی 64

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کے لئے ایک سال گزرنا

ضروری ہے یا ایک دن؟ کیا ایک ہفتہ کی بچت پر بھی زکوٰۃ ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے نصابِ زکوٰۃ پر سال گزرنا شرط ہے۔ لیکن اگر کوئی شخص شروع سال سے ہی نصاب کا مالک ہو یعنی اس کے پاس ساڑھے سات تولے سونا یا ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کے مساوی رقم یا سامانِ تجارت موجود تھا تو درمیانِ سال یا آخر میں اگرچہ ایک ہفتہ یا ایک دن یا ایک منٹ پہلے ہی کیوں نہ رقم حاصل ہو تو وہ رقم بھی پہلی والی رقم کے ساتھ ملا دی جائے گی لہٰذا اس پر نئے سرے سے سال گزرنا شرط نہیں بلکہ اسی پہلے والے مال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

صَدرُ الشَّریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ”جو شخص مالکِ نصاب ہے اگر درمیانِ سال میں کچھ اور مال اسی جنس کا حاصل کیا تو اُس نئے مال کا جُدا سال نہیں بلکہ پہلے مال کا ختمِ سال اُس کے لئے بھی سالِ تمام ہے اگرچہ سالِ تمام سے ایک ہی منٹ پہلے حاصل کیا ہو خواہ وہ مال اُس کے پہلے مال سے حاصل ہوا یا میراث وہبہ یا اور کسی جائز ذریعہ سے ملا ہو اور اگر دوسری جنس کا ہے مثلاً پہلے اُس کے پاس اُونٹ تھے اور اب بکریاں ملیں تو اس کے لئے جدید سال شُمار ہوگا۔“ (بہارِ شریعت، صفحہ 884، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

6 رمضان المبارک 1428ھ 19 ستمبر 2007ء

اعتبارِ سال قمری مہینوں کے حساب سے ہے

فتویٰ 65

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں صاحبِ نصاب اگست

2005ء میں ہوا، تو مجھے بتائیے کہ مجھ پر زکوٰۃ کب واجب ہوگی؟ کیا میں ابھی زکوٰۃ ادا کروں یا ایک سال کے بعد؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط میں سے صاحبِ نصاب ہونے کے علاوہ حَولانِ حَول یعنی سال کا گزرنا بھی ہے لہٰذا اسلامی سال کے اعتبار سے صاحبِ نصاب بننے کے بعد سال پورا ہونے پر بقیہ شرائط کے پائے جانے کی صورت میں آپ کو زکوٰۃ دینا ضروری ہوگا۔

فَتَاویٰ عَالَمْگِیری میں ہے: "ومنها حولان الحول علی المال...... واذا کان النصاب کاملا فی طرفی الحول فنقصانه فیما بین ذلك لا یسقط الزکاة کذا فی الهدایة" ترجمہ: اور زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط میں سے مال پر سال کا گزرنا بھی ہے اور اگر شروعِ سال اور آخرِ سال میں نصاب کامل ہے مگر درمیان میں نصاب کی کمی ہوگئی تو یہ کمی کچھ اثر نہیں رکھتی (یعنی زکوٰۃ واجب ہے)۔ جیسا کہ ہدایہ میں ہے۔ (ملتقطاً)

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 175، جلد 1، دار الفکر بیروت)

لیکن یہ یاد رکھیں کہ نصاب پر سال گزرنے میں انگریزی مہینوں کی بجائے اسلامی مہینوں کا لحاظ رکھنا واجب ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــه

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

22 رمضان المبارك 1428ھ 17 اکتوبر 2005ء

قابلِ زکوٰۃ اَموال پر ہر سال زکوٰۃ ہوگی

فتویٰ 66

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس مال پر ایک سال زکوٰۃ دی ہو تو کیا اسی مال پر دوسرا سال گزرنے پر پھر دینی ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جی ہاں! جس مال پر شرائطِ زکوٰۃ پائے جانے پر ایک سال زکوٰۃ ادا کردی ہو اور پھر اس کے بعد دوسرے سال بھی شرائطِ زکوٰۃ پائی گئیں تو اُس سال بھی اس مال کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

7 جمادی الاولیٰ 1428ھ 24 مئی 2007ء

سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ ادا کرنا کیسا؟

فتوی 67

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ذیقعدہ کے مہینے میں کمانا شروع کیا اور ذیقعدہ سے لے کر رمضان تک جتنی رقم میں اپنی ضروریات سے بچا سکا اس کی زکوٰۃ ماہِ رمضان میں ادا کردی اب دوبارہ مجھے کب زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟ رمضان سے رمضان تک یا ذیقعدہ میں ہی تین مہینے کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جو صاحبِ نصاب ہو یعنی اس کے پاس حاجتِ اصلیہ سے فارغ اتنی رقم موجود ہو جو نصابِ زکوٰۃ یعنی ساڑھے باون تولے چاندی کو پہنچتی ہے اور اس پر سال بھی گزر جائے تو اس شخص پر اس رقم کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہو جاتا ہے تو جب آپ کے پاس رقم نصاب کی مقدار جمع ہوئی اس وقت سے آپ صاحبِ نصاب ہو گئے۔ جب اسلامی مہینوں کے اعتبار سے سال پورا ہوگا تو زکوٰۃ کی ادائیگی فرض ہوگی۔ چونکہ زکوٰۃ سال پورا ہونے سے پہلے بھی ادا کی جاسکتی ہے اس

لئے اگر آپ صاحبِ نصاب ہو چکے تھے اور سال پورا ہونے سے پہلے ہی رَمضان میں زکوٰۃ ادا کی تو وہ ادا ہو گئی سال پورا ہونے پر اس مال کی زکوٰۃ دوبارہ فرض نہ ہوگی۔ ہاں مال میں اگر کمی زیادتی ہوگئی ہو تو اس کا حساب لگالیں جتنی زیادہ بنے وہ سال پورا ہونے پر فوراً ادا کردیں اور اگر مال کم ہو گیا ہو تو جتنی زیادہ ادا کر دی گئی وہ دوسرے سال کی زکوٰۃ میں بھی شمار کر سکتے ہیں۔

یہ بھی یاد رہے کہ رَمضان میں چونکہ نیک اعمال کا ثواب بڑھا دیا جاتا ہے، نفل کا فرض کے برابر اور فرض کا ستّر گنا، زکوٰۃ ادا کرنے والے زیادہ تر اس ماہ میں اسی بنا پر زکوٰۃ نکالتے ہیں۔

زیادہ ثواب کے پیشِ نظر رَمضان میں زکوٰۃ کی ادائیگی کی جائے تو یہ اس وقت تو ہو سکتا ہے کہ جب پیشگی زکوٰۃ ادا کی جائے اگر سال پہلے پورا ہو چکا تو اب رَمضان کا انتظار کرنا اور زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنا جائز نہیں کہ سال پورا ہونے پر زکوٰۃ فوراً ادا کرنا واجب اور تاخیر نا جائز ہوتی ہے۔ رَمضان میں ادا کرنے سے زکوٰۃ کا سال بدل نہیں جاتا بلکہ جب صاحبِ نصاب ہوئے سال گزرے گا تو جو مہینہ دن اور وقت ہوگا اسی وقت زکوٰۃ کی ادئیگی فرض ہوگی۔ پیشگی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے، اس بارے میں تفصیل آپ کو بتا دی گئی ہے۔

وَ اللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــــــــہ

عَبْدُہُ الْمُذْنِبْ فُضَیل رضَا العطَّارِی عَفَا عَنْہُ الْبَارِی

زکوٰۃ کس مہینے میں نکالی جائے؟

فتویٰ 68

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا رَمضان کے علاوہ بھی کسی مہینے میں زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے رَمضان کے مہینے کا ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ سال کی جس تاریخ کو نصاب کا سال ختم ہوگا اسی تاریخ کو زکوٰۃ نکالنا ضروری ہے۔ نصاب کے سال سے یہ مراد ہے کہ ایک شخص پہلے شرعی فقیر تھا پھر اس کے پاس کچھ رقم یا مالِ نامی آیا جس سے وہ صاحبِ نصاب ہوگیا اب اگلے سال جب یہی تاریخ اسلامی سال کے مطابق آئے گی تو اس کے نصاب کا ایک سال پورا ہو جائے گا اور اس وقت اس پر زکوٰۃ نکالنا فرض ہو جائے گا اگر تاخیر کرے گا تو گناہ گار ہوگا۔

امامِ اہلسنّت مُجَدِّدِ دِین ومِلّت حضرت علامہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ”جب سال تمام ہو فوراً فوراً پورا ادا کرے، ہاں اَوّلیت چاہے تو سال تمام ہونے سے پہلے پیشگی ادا کرے، اس کے لئے بہتر ماہ مبارک رَمضان ہے جس میں نفل کا ثواب فرض کے برابر اور فرض کا ستّر فرضوں کے برابر۔“

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 183، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

17 شوال المکرم 1428ھ 30 اکتوبر 2007ء

زکوٰۃ فوراً ادا کرنا ضروری ہے

فتویٰ 69

کیا فرماتے ہیں علمائے دِین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ سال پورا ہونے پر فوراً ادا کرنا واجب ہے یا کچھ تاخیر بھی کی جاسکتی ہے؟

سائل: عادل عطاری (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
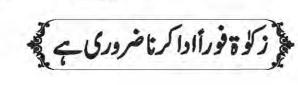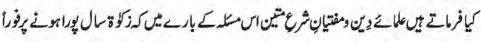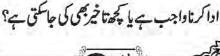
اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سال پورا ہونے پر زکوۃ کا ادا کرنا فوراً واجب ہے بلا عذرِ شرعی زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔

سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن اسی قسم کے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: "اگر سال گزر گیا اور زکوۃ واجبُ الاداہو چکی تو اب تفریق وتدریج ممنوع ہوگی بلکہ فوراً تمام وکمال زرِ واجبُ الادا ادا کرے کہ مذہبِ صحیح و مُعْتَمَد و مُفْتٰی بِہٖ پر ادائے زکوۃ کا وُجوب فوری ہے جس میں تاخیر باعثِ گناہ۔ ہمارے ائمہ ثلاثہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ سے اس کی تصریح ثابت ...... فَتْحُ الْقَدِیْر میں ہے: "یلزم بتأخیرہ من غیر ضرورۃ الإثم کما صرح به الکرخی و الحاکم الشھید فی المنتقی، وھو عین ما ذکر الفقیه أبو جعفر عن أبی حنیفة رضی اللّٰه تعالی عنه أنه یکرہ أن یؤخرھا من غیر عذر فإن کراھة التحریم ھی المحمل عند إطلاق اسمھا عنھم، و کذا عن أبی یوسف وعن محمد ترد شھادته بتأخیر الزکاۃ والزکاۃ حق الفقراء فقد ثبت عن الثلاثة وجوب فوریة الزکاۃ اھ ملخصا" ترجمہ: بغیر مجبوری کے تاخیر سے گناہ لازم آتا ہے جیسا کہ امام کرخی اور حاکم شہید نے اَلْمُنْتَقٰی میں تصریح کی ہے یہ بعینہٖ وہ بات ہے جس کا تذکرہ فقیہ ابو جعفر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے امام ابو حنیفہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے کیا ہے کہ بغیر عذر ادائیگی کو مُؤخّر کرنا مکروہِ تحریمی ہے کیونکہ جب کراہت کا ذکر مطلقاً ہو اس وقت وہ مکروہِ تحریمی پر محمول ہوتی ہے۔ امام ابو یوسف رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ امام محمد رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں کہ تاخیرِ زکوۃ کی وجہ سے گواہی مردود ہو جائے گی کیونکہ زکوۃ فقراء کا حق ہے تو تینوں بزرگوں سے ثابت ہوا کہ زکوۃ کی ادائیگی فِی الْفَوْر لازم ہوتی ہے۔ ملخصاً" (ت) (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 76، جلد 10، رضا، فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

كتبـــــــــه

عَبْدُہُ الْمُذْنِبْ فُضَیل رَضا العَطّاری عَفَا عَنْہُ البَارِی

رمضان المبارک 1427ھ اکتوبر 2006ء

بابِ ثانی

زکوٰۃ نکالتے وقت پیش آنے والے مسائل

باب ثانی: زکوٰۃ نکالتے وقت پیش آنے والے مسائل

زکوٰۃ کی نیّت اور مالک بنانا کافی ہے

فتویٰ 70

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس کو زکوٰۃ دی جائے کیا اس کو یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے؟

سائلہ: افسانہ شمیم

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرعی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے لہٰذا جس طرح بھی اس کی مِلکیّت ثابت ہوجائے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی مثلاً کوئی ضرورت کی چیز خرید کر زکوٰۃ کی نیت سے فقیر کی مِلک کردی یا زکوٰۃ کی رقم فقیر کو تحفہ میں دے دی تب بھی زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، اور زکوٰۃ ہی کہہ کر دینا شریعت نے لازم بھی قرار نہیں دیا۔

علامہ ابنِ عابدین شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی لکھتے ہیں: "لا اعتبار للتسمية فلو سمّاها هبةً او قرضاً تجزيه فى الاصح" ترجمہ: نام لینے کا اعتبار نہیں، اگر کسی نے اس مال کو تحفہ یا قرض کہہ دیا تب بھی اَصَح قول کے مطابق زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔

(رد المحتار على الدر المختار، صفحه 222، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

اسی طرح صَدرُ الشَّرِیعَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ دینے میں اس کی ضرورت نہیں کہ فقیر کو زکوٰۃ کہہ کر دے بلکہ صرف نیتِ زکوٰۃ کافی ہے یہاں تک کہ اگر ہبہ یا قرض کہہ کر دے اور نیت زکوٰۃ کی ہو، ادا ہوگئی۔ یوہیں نذر یا ہدیہ یا پان کھانے یا بچوں کے مٹھائی کھانے یا عیدی کے نام سے دی ادا ہوگئی۔ بعض محتاج ضرورت مند زکوٰۃ کا روپیہ نہیں لینا چاہتے انہیں زکوٰۃ کہہ کر دیا جائے گا تو نہیں لیں گے لہٰذا زکوٰۃ کا لفظ نہ کہے۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 890 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــہ

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغر العَطَّارِیُّ المَدَنِی

25 جمادی الثانی 1431ھ 09 جون 2010ء

زبان سے کہنا ضروری نہیں

فتویٰ 71
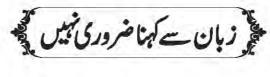
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جسے زکوٰۃ دی جائے کیا اسے بتانا ضروری ہے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے یا بغیر بتائے بھی دی جاسکتی ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

فقیر کو زکوٰۃ دیتے وقت زبان سے کہنا کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہے کچھ ضروری نہیں، بلکہ دل میں زکوٰۃ کی نیت ہے تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

فَتَاوٰی عَالَمگِیرِی میں ہے: ''ومن اعطی مسکیناً دراھم وسمّاھا ھبۃً أو قرضاً ونوی الزکاۃ فإنھا تجزیہ وھو الاصح'' یعنی: اگر کسی نے مسکین کو دِرہم بطورِ زکوٰۃ دیئے اور کہا کہ یہ تحفہ ہے یا قرض

ہے اور دل میں نیت زکوٰۃ کی تھی تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور یہی اَصَح قول ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 171 ، جلد 1 ، دار الفکر بیروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِیْ

کتبـــــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد اسد رضا عطاری المدنی
19شعبان المعظم 1427ھ

ادائیگی کے بعد زکوٰۃ کی نیت کرنا؟

فتویٰ 72

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے بکر کو صدقہ کی نیت سے کچھ رقم دی اب اگر وہ اس رقم سے زکوٰۃ کی نیت کرلے تو کیا زید کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ جبکہ مال ابھی بکر کے پاس موجود ہے۔

سائل: محمد عمران عطاری (کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مسئولہ میں زید کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔

صَدرُ الشَّرِیعہ ، بَدرُ الطَّرِیقہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ ارشاد فرماتے ہیں: "دیتے وقت نیت نہیں کی تھی بعد کو کی تو اگر وہ مال فقیر کے پاس موجود ہے یعنی اس کی مِلک میں ہے تو یہ نیت کافی ہے ورنہ نہیں۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 886 ، جلد 1 ، مکتبہ المدینہ)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد طارق رضا القادری العطاری المدنی
26 رجب المرجب 1427ھ

مال الگ کرتے وقت کی نیت بھی معتبر ہے

فتوی 73

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صَدقہ دیتے ہوئے صَدقہ کی نیت کرلینا کافی ہوتا ہے یا کوئی اور طریقہ ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر زکوٰۃ دے رہے ہیں تو اس میں زکوٰۃ دینے کی نیت فی نفسِہٖ ضروری ہے، چاہے فقیر کو دیتے وقت کی ہو یا جب زکوٰۃ کے لئے مال علیحدہ کیا ہو اس وقت کی ہو، ہاں زکوٰۃ دینے کے بعد ایک صورت میں نیت ہوسکتی ہے وہ یہ کہ دینے کے بعد یہ نیت کی کہ یہ زکوٰۃ ہے اور وہ مال فقیر کے پاس موجود ہے تو بھی ادا ہوجائیگی۔ اور اگر فقیر کو زکوٰۃ دے چکے اور اس نے اس کو خرچ کردیا اب نیت کی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ اگر نفلی صَدقہ ہے تو اس میں فقط ثواب کی نیت کافی ہے۔

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی علَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوی لکھتے ہیں: ''زکوٰۃ دیتے وقت یا زکوٰۃ کے لئے مال علیحدہ کرتے وقت نیتِ زکوٰۃ شرط ہے نیت کے یہ معنیٰ ہیں کہ اگر پوچھا جائے تو بلاتأمُّل بتا سکے کہ زکوٰۃ ہے۔ سال بھر تک خیرات کرتا رہا اب نیت کی کہ جو کچھ دیا ہے زکوٰۃ ہے تو ادا نہ ہوئی۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 886، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

مزید ارشاد فرماتے ہیں: ''دیتے وقت نیت نہیں کی تھی، بعد کو کی تو اگر وہ مال فقیر کے پاس موجود ہے یعنی اس کی مِلک میں ہے تو یہ نیت کافی ہے ورنہ نہیں۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 886، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

تَنوِیرُ الۡاَبۡصَار و دُرِّمُخۡتَار میں ہے: ''وشرط صحۃ ادائہا نیۃ مقارنۃ لہ ای للاداء''

یعنی: زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کی شرط نیت ہے جو اس ادائیگی سے ملی ہوئی ہو۔

(تنویر الابصار مع الدر المختار ، صفحہ 222 ، جلد 3 ، دار المعرفۃ بیروت)

علامہ شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی لکھتے ہیں: ''قولہ مقارنۃ ھو الاصل کما فی سائر العبادات ، وإنما اکتفی بالنیۃ عند العزل کما سیاتی لان الدفع یتفرق فیتخرج باستحضار النیۃ عند کل دفع فاکتفی بذلک للحرج'' یعنی: مُصنِّف نے فرمایا: نیت کا ملا ہوا ہونا تو یہی اصل ہے جیسا کہ دوسری عبادات میں بھی ہے، اور مال علیحدہ کرتے وقت نیت کر لینا کافی ہے جیسا کہ عنقریب آئے گا۔ اس لئے کہ دینا مختلف اوقات میں ہوتا ہے تو ہر دفعہ دیتے وقت نیت کو حاضر رکھنے میں بندہ حرج میں پڑ جائے گا لہٰذا حرج کی بنا پر اسی (یعنی مال علیحدہ کرتے وقت نیت کر لینے) پر اِکتفا کیا جائے گا۔

(رد المحتار علی الدر المختار ، صفحہ 222 ، جلد 3 ، دار المعرفۃ بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

27 صفر المظفر 1427ھ 28 مارچ 2006ء

سال پورا ہونے پر مالِ زکوٰۃ الگ کرنا کافی نہیں

فتوی 74

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی رقم کا اکاؤنٹ کھلوانا جائز ہے یا نا جائز؟ یعنی سال پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ کی رقم کو بینک میں جمع کروا دیا جائے اور جیسے جیسے مَصارِف ملتے جائیں زکوٰۃ ادا کرتے جائیں؟ نیز جب زکوٰۃ کی ادائیگی کا شرعی وقت ہو جائے تو اس میں تاخیر کرنا کیسا ہے؟ اور زکوٰۃ کے مال کو الگ کرنے کے بعد آہستہ آہستہ اس کے مَصارِف میں خرچ کرنا کیسا ہے؟ جبکہ سال پورا ہو چکا ہو

سائل: محمد بلال رضا عطاری (گلف مارکیٹ کلفٹن، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

مالِ زکوٰۃ پر سال پورا ہونے کے بعد زکوٰۃ فوراً ادا کرنا واجب ہے اس میں تاخیر کرنا اسکے مَصرَف میں خرچ کرنے کے بجائے بینک وغیرہ میں جمع کروانا ناجائز و گناہ ہے۔

فَتَاوٰی قَاضِی خَان میں ہے:"ھل یأثم بتأخیر الزّکاۃ بعد التّمکّن ذکر الکرخی رحمہ اللّٰہ تعالٰی انہ یأثم وھکذا ذکر الحاکم الشھید رحمہ اللّٰہ تعالٰی فی المنتقی وعن محمد رحمہ اللّٰہ تعالٰی ان من أخّر الزّکاۃ من غیر عذر لا تقبل شھادتہ ...... وروی ھشام عن أبی یوسف أنّہ لا یأثم (ملتقطاً)" یعنی آدمی قدرت کے بعد تاخیرِ زکوٰۃ کی وجہ سے گنہگار ہوگا یا نہیں؟ امام کَرخی نے فرمایا: گنہگار ہوگا۔ اسی طرح حاکم شہید نے مُنْتَقٰی میں ذکر کیا ہے۔ امام محمد سے مروی ہے کہ جس شخص نے بغیر عذر زکوٰۃ کو مؤخر کیا اس کی شہادت قبول نہیں کی جائے گی۔ ہشام نے امام ابو یوسف سے نقل کیا کہ وہ گنہگار نہ ہوگا۔ (ملتقطاً)

(فتاویٰ قاضی خان، صفحہ 255، جلد 1، دار الفکر بیروت)

فَتَاوٰی عَالَمْگِیْرِی میں ہے:"تجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتأخیرہ من غیر عذر وفی روایۃ الرّازی علی التّراخی حتی یأثم عند الموت والأوّل أصحّ کذا فی التّھذیبِ" یعنی سال پورا ہونے پر علی الفور زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہے حتّٰی کہ بلا عذر تاخیر کرے گا تو گناہ گار ہوگا اور رازی کی روایت میں ہے کہ عَلَی التَّرَاخِی واجب ہے یعنی موت تک ادا نہ کرنے پر گناہ گار ہوگا اور پہلا قول اَصَح ہے جیسا کہ تہذیب میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 170، جلد 1، دار الفکر بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا العَطَّارِی عُفِیَ عَنْہُ الْبَارِی

کتبہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد طارق رضا العطاری المدنی
3 شعبان المعظم 1430ھ 26 جولائی 2009ء

ادائیگیٔ زکوٰۃ میں تاخیر کرنا کیسا؟

فتویٰ 75

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھ پر 4,400 روپے زکوٰۃ واجبُ الأدا ہے اور اس کو تین سال کا عرصہ ہو چکا ہے۔ میں اس کو یکمُشت ادا نہیں کر سکتا کیا ایسی صورت میں، میں 500 روپے کے حساب سے قسط وار ادا کر سکتا ہوں یا نہیں؟ نیز میری بہن غریب ہے، بہنوئی کی تنخواہ اتنی کم ہے کہ اس میں یوٹیلیٹی بلز بھی بمشکل ادا ہوتے ہیں کیا میں زکوٰۃ کی یہ رقم اپنی بہن کو دے سکتا ہوں یا نہیں؟ اور بہن اس زکوٰۃ کو بچوں کی اسکول کی فیس، بجلی اور گیس وغیرہ کے بلوں کی مد میں خرچ کر سکتی ہے؟

سائل: محمد رفیق ولد محمد یعقوب (سائٹ ایریا، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد اس کی ادائیگی فوری طور پر لازم ہو جاتی ہے بلا عذر تاخیر کی صورت میں ادا نہ کرنے والا سخت گناہگار ہوتا ہے۔ یکمُشت ادائیگی کی طاقت نہ ہونے سے مراد اگر یہ ہے کہ جس رقم یا سونے یا چاندی پر زکوٰۃ لازم ہوئی ہے اس کے علاوہ کوئی زائد رقم نہیں تو یہ قسط وار ادائیگی کا کوئی عذر نہیں بلکہ اس صورت میں آپ پر لازم ہے کہ سونا چاندی وغیرہ کو بیچ کر زکوٰۃ ادا کریں، اسی طرح اگر رقم تو موجود ہے لیکن یکمُشت دینا نفس پر گراں گزرتا ہے تو بھی قسط وار دینے کا کوئی شرعی عذر نہیں، قدرت پائی جانے والی صورتوں میں تاخیر سے ادا کرنے میں اگرچہ ادائیگی ہو جائیگی لیکن ایسا کرنے والا شدید گناہگار ہے۔ ہاں اگر زکوٰۃ فرض ہونے کے بعد مال واسباب استعمال ہو کر ختم ہو گئے تو اس صورت میں جتنی اِستطاعت ہوتی جائے اس کا لحاظ رکھتے ہوئے ماہانہ قسط وار ادائیگی یا جس طرح بھی ممکن ہو اس کو ادا کر دیا جائے۔

چنانچہ فَتاویٰ عَالَمگیرِی میں ہے:"تجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتأخیره من غیر عذر" یعنی سال مکمل ہونے پر فوری طور پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہے، حتی کہ بلاعذر تاخیر کرنے والا گناہگار ہوگا۔ (فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 170 ، جلد 1 ، دار الفکر بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فَتَاوٰی رَضَوِیَّہ شریف میں فرماتے ہیں: "اگر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجبُ الادا ہوچکی تو اب تفریق وتدریج ممنوع ہوگی بلکہ فوراً تمام وکمال زرِ واجبُ الاداء ادا کرے کہ مذہبِ صحیح و مُعتَمَد و مُفتٰی بِہٖ پر ادائے زکوٰۃ کا وجوب فوری ہے جس میں تاخیر باعثِ گناہ، ہمارے اَئمّۂ ثَلٰثَہ رَضِیَ اللہُ تعالٰی عَنْھُم سے اس کی تصریح ثابت۔"

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 76 ، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

اگر آپ کی بہن شرعی فقیر ہیں تو آپ ان کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، زکوٰۃ پر قبضہ کرنے کے بعد شرعی فقیر اس کا مالِک ہوجاتا ہے، وہ اپنی مرضی سے جس نیک اور جائز کام میں خرچ کرنا چاہے، خرچ کرسکتا ہے۔ ہاں غور کرلیں کہ واقعی وہ شرعی فقیر ہیں یا نہیں، عام طور پر عورتوں کے پاس سونے چاندی کے زیورات ہوتے ہیں یا بعض قیمتی چیزیں جن کی بناء پر وہ نصاب کی مالِکہ ہوجاتی ہیں اس صورت میں مُستحِقِ زکوٰۃ نہیں ہوتیں انہیں دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

سیدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فَتَاوٰی رَضَوِیَّہ شریف میں فرماتے ہیں: "بہن کو جائز ہے جبکہ مَصرَفِ زکوٰۃ ہو اور بیٹی کو جائز نہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 264 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عَبدُہُ المُذنِب فُضَیل رَضا العَطّارِی عَفَا عَنہُ البَارِی

کتبـــــــــــــــه
محمد سجاد عطاری المدنی
13 ربیع الآخر 1431ھ 30 مارچ 2010ء

حضرت سیدنا انس بن مالک رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا، "بے شک صدقہ رب عزوجل کے غضب کو بجھا دیتا ہے اور بری موت سے بچاتا ہے۔" (ترمذی، کتاب الزکاۃ، صفحہ 146، جلد2، دار الفکر بیروت)

زکوٰۃ قسطوں میں دینا کیسا؟

فتویٰ 76

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

﴿1﴾ کیا زکوٰۃ قسطوں میں دے سکتے ہیں جیسے آدھی اس مہینے ادا کردی جائے اور بقیہ دوسرے مہینے ادا کی جائے؟

﴿2﴾ کیا اپنے دوست وغیرہ کو یہ بتائے بغیر کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے تحفہ وغیرہ کہہ کر دے سکتے ہیں؟ کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہوجائے گی؟

سائل: معروف احمد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

﴿1﴾ زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوجانے کے بعد تاخیر کرنا ناجائز وحرام ہے لہٰذا ایسی صورت میں قسطوں میں زکوٰۃ ادا کرنا درست نہیں۔ ہاں اگر کوئی صاحبِ نصاب پیشگی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتا ہے یعنی صاحبِ نصاب ہوئے ابھی اسے سال مکمل نہیں گزرا یا پچھلے سال کی زکوٰۃ ادا کرچکا ہے اور اگلا سال ابھی مکمل نہیں ہوا تو جب تک یہ سال مکمل نہ ہوجائے اس وقت تک وہ بلا شبہ تفریق وتدریج کا مکمل اختیار رکھتا ہے یعنی قسطوں میں زکوٰۃ دے سکتا ہے کیونکہ حولانِ حول (صاحبِ نصاب ہونے کے بعد مکمل سال گزرنے) سے پہلے زکوٰۃ واجبُ الاَدا نہیں ہوتی لہٰذا یہ پیشگی دینا تبرّع ہے جس میں اسے اختیار ہے کہ جیسے چاہے دے۔

سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں: ”اگر زکوٰۃ پیشگی ادا کرتا ہے یعنی ہنوز حولانِ حول نہ ہوا کہ وجوبِ ادا ہوجاتا، خواہ یوں کہ ابھی نصابِ نامی فارِغ عَنِ الْحَوائِج کا مالک ہوئے سال تمام نہ ہوا، یا یوں کہ سالِ گزشتہ کی دے چکا ہے اور سالِ رواں ہنوز ختم پر نہ آیا تو جب تک انتہائے سال نہ ہو بلاشبہ تفریق وتدریج کا اختیارِ کامل رکھتا ہے جس میں اصلاً کوئی نقصان نہیں کہ حولانِ حول سے پہلے زکوٰۃ واجبُ الادا نہیں ہوتی۔

دُرِّمُختار میں ہے:"شرط افتراض أدائها حولان الحول وهو فی ملکه" (ترجمہ:ادائیگیٔ زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ مال کی مِلکیّت پر سال گزرے۔) تو ابھی شرع اس سے تقاضا ہی نہیں فرماتی، یکمُشت دینے کا مطالبہ کہاں سے ہوگا، یہ پیشگی دینا تبرُّع ہے۔ ولا جبر علی المتبرّع وھذا ظاھر جِدًّا (نفلا دینے پر جبر نہیں اور یہ نہایت ہی واضح ہے) اور اگر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجبُ الادا ہو چکی تو اب تفریق و تدریج ممنوع ہوگی بلکہ فوراً تمام وکمال زرِواجبُ الادا ادا کرے کہ مذہب صحیح ومُعتَمَد و مُفتٰی بِہٖ پر ادائے زکوٰۃ کا وُجوب فوری ہے جس میں تاخیر باعثِ گناہ۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 75، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

﴿2﴾ جی ہاں! بغیر یہ بتائے کہ یہ زکوٰۃ کی رقم ہے زکوٰۃ دے سکتے ہیں بلکہ تحفہ وغیرہ کہہ کر بھی دے سکتے ہیں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں زکوٰۃ کی نیت کافی ہے۔

چنانچہ بہارِشریعت میں ہے:"زکوٰۃ دینے میں اس کی ضرورت نہیں کہ فقیر کو زکوٰۃ کہہ کر دے بلکہ صرف نیّتِ زکوٰۃ کافی ہے یہاں تک کہ اگر ہِبہ یا قرض کہہ کر دے اور نیّت زکوٰۃ کی ہو ادا ہو گئی۔ یونہی نَذر یا ہدیہ یا پان کھانے یا بچوں کے مٹھائی کھانے یا عیدی کے نام سے دی ادا ہو گئی۔ بعض محتاج ضرورتمند زکوٰۃ کا روپیہ نہیں لینا چاہتے انہیں زکوٰۃ کہہ کر دیا جائے گا تو نہیں لیں گے لہٰذا زکوٰۃ کا لفظ نہ کہے۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 890، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــہ

ابُومحمّد علی اصغر العطّاری المدنی

25 رمضان المبارک 1431ھ 5 ستمبر 2010ء

ایڈوانس زکوٰۃ دینے کی تین شرائط

فتویٰ 77

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے سونے کی ایک سال

کی زکوٰۃ ادا کر دی ہے اب کیا دوسرا سال پورا ہونے سے پہلے تھوڑی تھوڑی کر کے آئندہ سال کی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے یا نہیں؟ سائل: محمد اویس عطاری (اٹلی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سال پورا ہونے سے پہلے زکوٰۃ دی جا سکتی ہے لیکن اس کیلئے تین شرائط ہیں: ایک یہ کہ جس مال پر جس سال کی زکوٰۃ دے رہا ہے اس مال پر وہ سال شروع ہو چکا ہو، آپ نے جو صورت سوال میں بیان کی ہے اس میں یہ شرط پائی جاتی ہے۔ دوسری شرط یہ ہے کہ جس مال کے نصاب کی زکوٰۃ دی ہے وہ نصاب سال کے آخر میں کامل طور پر پایا جائے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ جس مال کی زکوٰۃ دی ہے، زکوٰۃ دینے اور سال پورا ہونے کے درمیان وہ مال ہلاک نہ ہو۔

فَتَاویٰ عَالَمگِیرِی میں ہے: "و إنّما يجوز التّعجيل بثلاثة شروط أحدها أن يكون الحول منعقداً عليه وقت التّعجيلِ و الثّانی أن يكون النّصاب الذی أدّی عنه كاملاً فی آخر الحول والثّالث أن لا يفوت أصله فيما بين ذلك" ترجمہ: زکوٰۃ کا سال پورا ہونے سے پہلے ادا کرنا تین شرطوں سے جائز ہے: ایک یہ ہے کہ زکوٰۃ ادا کرتے وقت اس مال پر سال شروع ہو چکا ہو، دوسری شرط یہ ہے کہ جس نصاب کی زکوٰۃ ادا کی ہو وہ نصاب سال کے آخر میں کامل طور پر پایا جائے، تیسری شرط یہ ہے کہ (زکوٰۃ ادا کرنے اور سال پورا ہونے کے درمیان) وہ مال ہلاک نہ ہو۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 176، جلد 1، دار الفکر بیروت)

آپ اپنی پیشگی زکوٰۃ ادا کر دیں اگر سال پورا ہونے سے پہلے آخری دو شرطیں نہ پائی گئیں تو آپ کی دی ہوئی زکوٰۃ نفلی صدقہ شمار ہوگی جبکہ تمام شرائط پائے جانے کی صورت میں آپ کی زکوٰۃ کی ادائیگی مکمل ہو جائے گی۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

28 صفر المظفر 1431ھ 13 فروری 2010ء

زکوٰۃ غلطی سے آدھی ادا ہوئی تو؟

فتوٰی 78

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے سال پورا ہونے سے چار پانچ ماہ پہلے زکوٰۃ دیدی تھی لیکن جب سال پورا ہونے پر حساب لگایا تو جو زکوٰۃ ادا کی تھی وہ مال کے اعتبار سے آدھی زکوٰۃ بنتی ہے تو کیا اب دوبارہ زکوٰۃ دوں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں جو آدھی زکوٰۃ ادا نہیں کی وہ فوراً بلا تاخیر دینا لازمی ہے۔ آدھی آپ کی ادا ہو چکی۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد کفیل رضا عطاری المدنی
19 رمضان المبارك 1429ھ

الجواب صحيح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

ادائیگیٔ زکوٰۃ کیلئے شوہر کی اجازت ضروری نہیں

فتوٰی 79

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری والدہ کے پاس اس قدر سونا موجود ہے کہ ان پر زکوٰۃ فرض ہے کیا اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے انہیں ابو سے اجازت لینا ضروری ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ فرض ہونے کی صورت میں اس کی ادائیگی کیلئے اُن سے اجازت لینا ضروری نہیں جبکہ زکوٰۃ اپنی مِلکیّتی

رقم سے ادا کریں اور اس صورت میں اگر شوہر منع بھی کرے تب بھی اس کی ادائیگی آپ کی والدہ پر لازم ہے۔ لیکن اگر شوہر کے مال سے زکوٰۃ ادا کرنی ہے تو پھر اجازت کا ہونا ضروری ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

15 ربیع الاول 1431ھ

زوجہ کی زکوٰۃ شوہر دے تو؟

فتویٰ 80

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زوجہ کے زیورات کی زکوٰۃ شوہر اپنی تنخواہ سے دیدے تو ادا ہو جائے گی یا نہیں یا پھر زوجہ کو ادا کرنی ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زوجہ کی اجازت سے شوہر ادا کر سکتا ہے اس صورت میں زوجہ کو دوبارہ نہیں دینی ہوگی۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

7 شوال المکرم 1427ھ 31 اکتوبر 2006ء

بیوی اگر اپنی زکوٰۃ ادا نہ کرے تو وبال کس پر؟

فتویٰ 81

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بیوی کسی صورت اپنے

زیورات کی زکوٰۃ نکالنے پر تیار نہ ہو اور شوہر ہی کو زکوٰۃ ادا کرنے کا اصرار کرے اور شوہر ادا کرنا نہ چاہے تو وبال کس پر ہوگا؟ **سائل:** اطہر ندیم قادری (کراچی)

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَاب

جو زیورات بیوی کے ہیں ان کی زکوٰۃ بیوی ہی پر ہے وہ زکوٰۃ نہ نکالے گی تو گنہگار ہوگی، اگر شوہر رضا مندی سے بیوی کی اجازت سے زکوٰۃ نکال دے تو ٹھیک ورنہ شرعاً شوہر پر ایسا کرنا واجب نہیں۔

امامِ اہلسنت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت، عاشقِ ماہِ رِسالت، عالمِ شریعت سیِّدی اعلیٰ حضرت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَيۡهِ رَحۡمَةُ الرَّحۡمٰن فَتَاوٰی رَضَوِیَّه میں ارشاد فرماتے ہیں: ''زیور کہ ملکِ زن (عورت) ہے اسکی زکوٰۃ ذمۂ شوہر ہرگز نہیں اگرچہ اموالِ کثیرہ رکھتا ہو، نہ اسکے نہ دینے کا اس پر کچھ وبال **لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزۡرَ اُخۡرٰى** ترجمۂ کنزالایمان: کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گی۔(پ8، الانعام:164)) اس پر تفہیم وہدایت اور بقدرِ مناسب تنبیہ وتاکید (جس کی حالت اختلافِ حالاتِ مرد وزن سے مختلف ہوتی ہے) لازم ہے **قُوۡۤا اَنۡفُسَكُمۡ وَاَهۡلِيۡكُمۡ نَارًا** ترجمۂ کنزالایمان: اپنی جانوں اور اپنے گھر والوں کو آگ سے بچاؤ۔(پ28، التحریم:6)۔''

(فتاویٰ رضویه، صفحه 132، 133، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

وَ اللّٰهُ اَعۡلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُهٗ اَعۡلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــه

المتخصص فی الفقه الاسلامی

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

30 شعبان 1427ھ 24 ستمبر 2006ء

اپنے بزنس پارٹنر کی زکوٰۃ ادا کرنا ہو تو؟

فتویٰ 82

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ دوسرے آدمی کا پیسہ بزنس میں

لگا ہوتو اس کی طرف سے زکوٰۃ کیسے دیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

دوسرے آدمی پر جتنی زکوٰۃ بنتی ہو وہ خود ادا کرے یا آپ کو ادا کرنے کی اجازت دے دے تو آپ اس کی طرف سے ادا کر دیں۔ بغیر اجازت اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرنے کا اختیار نہیں اگر ادا کی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور مالک کی اجازت کے بغیر اس کی رقم زکوٰۃ میں دینے کا تاوان بھی دینا پڑے گا۔

چنانچہ صَدْرُ الشَّرِیعَہ، بَدْرُ الطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ”شریک کو یہ اختیار نہیں کہ بغیر اسکی اجازت کے اسکی طرف سے زکوٰۃ ادا کرے اگر زکوٰۃ دیگا تاوان دینا پڑیگا اور زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔“ (بہارِ شریعت، صفحہ 514، جلد 2، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

15 رجب المرجب 1429ھ

حج کے لئے جمع کی گئی رقم پر زکوٰۃ؟

فتویٰ 83

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے چار افراد کے حج پر جانے کیلئے سفرِ حج کے اخراجات کی مد میں چار لاکھ اسّی ہزار روپے بمع درخواست فارم گورنمنٹ کو جمع کروائے تھے، ہمارا ابھی تک سفرِ حج پر جانے کا یقینی اجازت نامہ گورنمنٹ سے نہیں ملا، بلکہ ہمارا نام مُتَوَقَّع امیدواروں میں ہے کہ اگر موقع مل گیا تو سفرِ حج پر روانہ کر دیا جائے گا ورنہ رقم واپس کر دی جائے گی۔ اب اگر ہم خدانخواستہ سفرِ حج پر روانہ نہ ہو سکے تو کیا ہم کو اس رقم پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی جبکہ ہم اس مال کے علاوہ صاحبِ نصاب ہیں؟ اگر ہاں تو زکوٰۃ کس وقت ادا کرنا

لازم ہوگا؟ سائل: محمد ذیشان (کھارادر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جب تک حتمی طور پر آپ کا نام مُنْتَخَب نہیں ہوجاتا آپ کی جمع کردہ رقم حج مُنْتَظِمِین کے پاس قرض کے حکم میں ہے ایسی حالت میں اگر نصاب کا سال پورا ہوکر زکوٰۃ نکالنے کی تاریخ آجاتی ہے تو آپ کو اس جمع شدہ رقم کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

البتہ سرکاری اسکیم ہو یا پرائیوٹ طور پر حج درخواست جمع کروائیں جب آپ کا نام تمام کاغذی کارروائی مکمل ہونے کے بعد مُتَوَقَّع امیدواروں کی فہرست سے نکل کر حتمی فہرست میں داخل ہوجائے اور جمع کردہ رقم عُرفاً ناقابلِ واپسی قرار پائے تو یہ معاہدہ طے ہوجانے کی علامت ہے اور ایسی صورت میں آپ کی جمع کردہ رقم پورے پیکیج کی اجرت قرار پاکر آپ کی مِلکیّت سے نکل جائے گی اور اس پر اب زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

جیسا کہ فقہ حنفی کی مشہور کتاب ہِدَایَہ میں ہے: "الاجرة لا تجب بالعقد و تستحق باحدی معانی ثلثة اما بشرط التعجیل او بالتعجیل من غیر شرط او باستیفاء المعقود علیه" ترجمہ: اجرت محض عقد سے واجب نہیں ہوتی بلکہ تین چیزوں میں سے کوئی ایک پائی جائے تو اجرت کا مُستحق ہوگا یا تو پیشگی دینے کی شرط لگائی ہو یا بغیر شرط ہی پیشگی اُجرت دے دی یا پھر کام پورا ہوگیا۔

(هدایه آخرین، صفحه 297، مطبوعه لاهور)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: "جبکہ تعجیل یعنی پیشگی لینا شرط ہو تو عقد کرتے ہی اُجرت کا مالک ہوجائے گا۔"

(بهارِ شریعت، صفحه 109، جلد3، مکتبة المدینه)

لہٰذا جس وقت آپ کا زکوٰۃ کا سال پورا ہوا اُس وقت تک اگر آپ کا نام حتمی طور پر عازمینِ حج میں شامل ہوچکا تھا تو چونکہ اِجارَہ بِشَرطِ التَّعجِیل کی وجہ سے رقم آپ کی مِلکیّت سے نکل گئی اس لئے اس کی زکوٰۃ دینا آپ پر لازم نہیں۔

لیکن اگر سال پورا ہوتے وقت بھی آپ مُتوَقَّع امیدواروں میں شامل تھے تو وہ رقم آپ کی مِلکیَّت اور گورنمنٹ کے پاس قرض کی حیثیت سے امانت تھی لہٰذا اس رقم کی زکوٰۃ بھی آپ پر فرض ہے لیکن اس کی ادائیگی فِی الْفَور لازم نہیں بلکہ جب نصاب کا خُمس وصول ہو جائے تب اس کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ میں دینا واجب ہوگا۔

چنانچہ تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّمُخْتَار میں ہے: "(فتجب) زكاتها إذا تمّ نصابًا وحال الحول، لكن لا فورًا بل (عند قبض أربعين درهمًا من الدّينِ) القويِ كقرض (وبدل مال تجارة) فكلما قبض أربعين درهمًا يلزمه درهم" ترجمہ: پس زکوٰۃ واجب ہوگی جب نصاب پورا ہو اور سال مکمل ہو جائے، لیکن فوراً واجب نہیں ہوگی بلکہ دَینِ قوی سے چالیس درہم حاصل کر لینے پر ایک درہم زکوٰۃ واجب ہوگی، جیسا کہ قرض اور مالِ تجارت کا بدل۔ پس جب بھی وہ چالیس دراہم پر قابض ہوگا ایک درہم زکوٰۃ لازم ہو جائے گی۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 281، جلد 3، دار المعرفة بيروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

اَبُو مُحَمَّد عَلِی اَصْغَر العَطَّارِیُّ المَدَنِی

16 رمضان المبارك 1426ھ 21 اکتوبر 2005ء

زکوٰۃ کی رقم چھن جائے تو...؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی رقم لے کر جارہا ہو اور کوئی چھین کر لے جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جی نہیں! زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے فقیرِ شرعی کو مالک بنا کر اس کے یا اس کے نائب کے قبضہ میں دینا شرط

ہے جب یہ شرائط نہیں پائی گئیں تو زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوئی۔

چنانچہ تنویر الابصار میں ہے:"ھی تملیك جزء مال عینه الشارع من مسلم فقیر غیر ھاشمی و لا مولاہ مع قطع المنفعة عن الملك من کل وجه لله تعالیٰ"ترجمہ:زکوٰۃ اللہ کے لئے مال کے ایک حصے کا جو شرع نے مقرّر فرمایا ہے کسی ایسے فقیرِ شرعی کو مالک بنا دینا ہے جو نہ ہاشمی ہو اور نہ ہی ہاشمی کا آزاد کردہ غلام، اور اس مال سے اپنی منفعت بالکل جدا کر لی جائے۔

(تنویر الابصار مع الدرالمختار، صفحہ 203 تا 206، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبـــــــــہ

المتخصص فی الفقه الاسلامی

محمد نوید رضا العطاری المدنی

25 رمضان المبارک 1430ھ

زکوٰۃ نہ نکالنے کا ایک بہانہ

فتوٰی 85
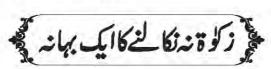
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک اسلامی بہن کے پاس زیورات ہیں جو نصاب کو پہنچتے ہیں لیکن وہ اس نے اپنی تین لڑکیوں کی شادی کے لئے رکھے ہوئے ہیں، اس کا شوہر کوئی کام نہیں کرتا اور وہ اسلامی بہن گھر میں بچوں کو ٹیوشن پڑھا کر اپنے گھر کے اخراجات بمشکل ہی پورے کرتی ہے اور سال میں دو، تین ہزار روپے زکوٰۃ کے طور پر بھی دے دیتی ہے اس کا کہنا یہ ہے کہ اگر پوری زکوٰۃ نکالے تو چند سالوں میں یہ زیورات ختم ہو جائیں گے۔ مہربانی کر کے اس کا کوئی حل ارشاد فرمائیں۔ نیز کیا ان زیورات پر زکوٰۃ دینا لازم ہے؟

سائل: محمد عمر (مدینہ ٹاؤن، فیصل آباد)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

سوال میں مذکور زیور اگر شرعی طور پر بیٹیوں کی مِلک ہو چکا تو زکوٰۃ کی شرائط پائی جانے کی صورت میں بیٹیوں پر ہی زکوٰۃ لازم ہوگی، ان کی والدہ پر نہیں اور اگر وہ زیور شرعی طور پر بیٹیوں کی مِلکیّت میں نہیں آیا تو شرائطِ زکوٰۃ پائی جانے کی صورت میں زیور کی پوری زکوٰۃ مذکورہ اسلامی بہن پر لازم ہے۔

البتہ شریعتِ مُطَہَّرہ نے اس کی ادائیگی کی ایک آسان صورت یہ بیان فرمائی ہے کہ زکوٰۃ کا سال پورا ہونے سے پہلے تھوڑی تھوڑی رقم زکوٰۃ کی مد میں شرعی فقرا کو دیتے رہیں اور جب سال ختم ہو جائے تو حساب لگالیں اگر ادا کی ہوئی رقم حساب کے برابر یا زیادہ آئے تو فبہا ورنہ جتنی کم ہو یعنی ابھی دینا باقی ہو اتنی مزید ادا کر دیں۔

چنانچہ فقہائے کرام رَحِمَهُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی فَتَاوٰی عَالَمْگِیری میں فرماتے ہیں: "و أمّا شرط أدائها فنيّة مقارنة للأداء أو لعزل ما وجب هكذا في الكنز فإذا نوى أن يؤدِي الزّكاة و لم يعزِل شيئًا فجعل يتصدّق شيئًا فشيئًا إلى آخرِ السّنة و لم تحضره النِيّة لم يجزِ عن الزكاة كذا في التبيين" (فتاوٰی عالمگیری، صفحہ 170، جلد 1، دار الفکر بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ دیتے وقت یا زکوٰۃ کے لئے مال علیحدہ کرتے وقت نیتِ زکوٰۃ شرط ہے نیت کے یہ معنی ہیں کہ اگر پوچھا جائے تو بلا تأمّل بتا سکے کہ زکوٰۃ ہے۔'' اور مزید آپ بغیر نیت زکوٰۃ کی رقم ادا کرنے پر زکوٰۃ ادا نہ ہونے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''سال بھر تک خیرات کرتا رہا اب نیت کی کہ جو کچھ دیا ہے زکوٰۃ ہے تو ادا نہ ہوئی۔'' (ملخصاً)

(بہارِ شریعت، صفحہ 886، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو الفیضان عرفان احمد مدنی
17 صفر المظفر 1431ھ 2 فروری 2010ء

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

زکوٰۃ کا حساب لگانے کا طریقہ

فتویٰ 86

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کا حساب کیسے لگایا جائے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اتنا مال جو نصاب تک پہنچ جائے اور زکوٰۃ کی دیگر شرائط بھی پائی جائیں تو اس پر ڈھائی فیصد (یعنی کُل مال کا چالیسواں) حصہ زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ لہٰذا سونا چاندی جب بقدرِ نصاب ہوں تو ان کی زکوٰۃ چالیسواں حصہ ہے چاہے ویسے ہی ہوں یا ان کے سکے بنے ہوں، پہننے کے لئے ہوں یا مطلق طور پر۔

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّمُخْتَار میں ہے :"(و اللازم فی مضروب کل) منهما (و معموله ولو تبرًا أو حليًا مطلقًا) ... الی آخره (ربع عشر)" (ملتقطاً)

(تنویر الابصار مع الدر المختار ، صفحه 270 تا 272 ، جلد 3 ، دار المعرفة بيروت)

صَدرُ الشَّرِیعَہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: "سونے چاندی کے علاوہ تجارت کی کوئی چیز ہو جس کی قیمت سونے چاندی کے نصاب کو پہنچے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے یعنی قیمت کا چالیسواں حصہ اور اگر اسباب کی قیمت تو نصاب کو نہیں پہنچتی مگر اس کے پاس ان کے علاوہ سونا چاندی بھی ہے تو اُن کی قیمت سونے چاندی کے ساتھ ملا کر مجموعہ کریں اگر مجموعہ نصاب کو پہنچا زکوٰۃ واجب ہے اور اسبابِ تجارت کی قیمت اُس سکّے سے لگائیں جس کا رَواج وہاں زیادہ ہو جیسے ہندوستان میں روپیہ کا زیادہ چلن ہے اسی سے قیمت لگائی جائے اور اگر کہیں سونے چاندی دونوں کے سکّوں کا یکساں چلن ہو تو اختیار ہے جس سے چاہیں قیمت لگائیں۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 903 ، جلد 1 ، مکتبة المدینه)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــہ

اَبُوالصَّالِح محمد قاسِم القادِری

11 رجب المرجب 1427ھ 07 اگست 2006ء

مالِ تجارت کا کم زیادہ ہونا اور زکوٰۃ کا حکم

فتویٰ 87

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ دکان میں جو سامان ہے وہ سال میں کبھی کم اور کبھی زیادہ ہوتا ہے اس کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے گی؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر سال کی ابتدا اور انتہا پر مال بقدرِ نصاب ہے تو دورانِ سال کمی بیشی کا اعتبار نہیں۔

كَنْزُ الدَّقَائِق میں ہے: "و نقصان النصاب فی أثناء الحول لا يضر إن كمل فی طرفيه"

ترجمہ: نصاب کا دورانِ سال کم ہونا کچھ نقصان نہ دے گا جبکہ سال کی ابتدا اور انتہا پر مال بقدرِ نصاب ہو۔

(کنز الدقائق ، صفحه 60 ، مطبوعه کراچی)

لہٰذا سال کے اختتام پر جتنا مال دکان میں موجود ہوگا اس تمام پر زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے اور اس کا طریقہ یہ ہے کہ کُل موجود مال کی قیمت لگا کر اس کا چالیسواں حصہ ادا کر دیا جائے۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد اسد عطاری المدنی
9 شوال المكرم 1427ھ 31 اکتوبر 2006ء

الجواب صحيح
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

فتویٰ 88

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی رقم نصاب کو نکال کر ادا

کی جاتی ہے یا نصاب سمیت؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

شریعتِ مُطَہَّرہ نے دیگر شرائط کے علاوہ زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے ایک نصاب مُقرّر فرمایا ہے کہ حاجتِ اصلیہ کے علاوہ مال اس مقدارِ شرعی کو پہنچ جائے تو اب اس مال کی زکوٰۃ واجب ہو جائے اور ایسا شخص صاحبِ نصاب ہو جائے گا لہٰذا اگر نصاب پورا ہے تو اسکی زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور نصاب سے زائد مال ہے تو اگر یہ زیادتی نصاب کا پانچواں حصہ ہے تو اسکی بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔ نصاب کے علاوہ کا مطلب اگر یہ ہے کہ نصاب کی مقدار مال کی زکوٰۃ نہیں دینی جو زائد ہے اس کی دینی ہے تو یہ سراسر غلط اور جہالت ہے نصاب کی مقدار مال اور جو زائد ہو سب کی زکوٰۃ دینی ہوتی ہے، مثلاً ساٹھ ہزار روپے پر نصاب پورا ہوا اور بیس ہزار روپے اس کے اوپر بھی موجود ہیں تو زکوٰۃ بیس ہزار کی نہیں بلکہ مجموعی اسّی ہزار روپے کی ادا کریں گے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

6 ربیع النور 1427ھ 15 اپریل 2006ء

بچوں کے لئے رکھے ہوئے زیور پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

فتویٰ 89

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والدین نے شادی کے موقع پر کچھ زیور تحفہ میں دیا تھا تو وہ میں نے اپنے بچوں کے لئے رکھ لیا ہے جو ہر ایک کے حصے میں ساڑھے سات تولے سے کم ہی آتا ہے اور بچے نابالغ ہیں تو اس پر زکوٰۃ کی کیا ترکیب ہوگی؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَاب

شریعتِ مُطَہَّرہ نے سونے پر زکوٰۃ کے وُجُوب کے لئے نصابِ زکوٰۃ (یعنی ساڑھے سات تولے سونے) کا موجود ہونا اور اس پر سال کا گزرنا شرط کیا ہے اور یہ زیورات آپ ہی کی مِلکِیَّت ہیں نہ کہ بچوں کی، کیونکہ زکوٰۃ کی شرائط میں سے مکمل طور پر اس مال پر مِلکِیَّت کا ہونا بھی ہے اور ظاہر ہے کہ جو مالک ہوگا اسی پر زکوٰۃ واجب ہوگی نہ کہ کسی دوسرے پر لہٰذا اگر یہ مجموعی اعتبار سے ساڑھے سات تولے یا اس سے زیادہ ہیں تو سال گزرنے پر آپ کو ان کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینا ہوگی۔

چنانچہ فَتاوٰی عالَمگیری میں ہے: "ومنها الملك التام وهو ما اجتمع فيه الملك واليد...الخ" ترجمہ: اور زکوٰۃ کی شرائط میں سے مکمل طور پر مِلکِیَّت کا ہونا بھی ہے یعنی اس چیز پر قبضہ بھی ہو...الخ۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 172، جلد1، دار الفکر بیروت)

یونہی صَدرُ الشَّریعَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ زکوٰۃ کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "پورے طور پر اُس کا مالک ہو یعنی اس پر قابض بھی ہو۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 876، جلد1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعۡلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــــــــــہ

اَبُو الصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلۡقَادِرِی

4 محرم الحرام 1428ھ 24 جنوری 2007ء

جہیز کیلئے رکھے گئے سامان کی زکوٰۃ کون دے؟

فَتویٰ 90

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ لڑکی کا وہ مال جو اس کی شادی

کے لئے بطورِ جہیز تیار کیا گیا ہو اس پر زکوٰۃ کیسے ادا ہوگی؟ اس کے والدین ضعیف اور بھائی مختار ہو تو کیا زکوٰۃ کا نصاب لڑکی، والدین اور بھائی سب کا مال ملا کر بنے گا یا سب کا الگ الگ حساب لگایا جائے گا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

پہلے یہ جان لیجئے کہ زکوٰۃ صرف سونے چاندی، مالِ تجارت اور کرنسی وغیرہ پر ہوتی ہے۔ ان چیزوں کے علاوہ جہیز کے سامان پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔ پھر جہیز کا سامان اگر لڑکی کی مِلکیّت میں ابھی نہیں دیا تو اس کا مالک وہی ہے جس نے وہ خریدا ہے۔ لہٰذا اگر اس میں زیور وغیرہ مالِ زکوٰۃ ہے تو اس کی زکوٰۃ صرف اس کے مالک پر فرض ہوگی۔ اگر مِلکیّت میں دے دیا اور وہ نصابِ زکوٰۃ تک پہنچتا ہے تو جس کی مِلک ہے اس پر زکوٰۃ ہے۔ جبکہ دیگر شرائط بھی پائی جائیں۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

19 شعبان المعظم 1430ھ

مشترکہ کاروبار کی زکوٰۃ کیسے ادا ہو؟

فتویٰ 91

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

﴿1﴾ کاروبار میں شریک دو پارٹنرز کی زکوٰۃ کا طریقہ کیا ہے کیسے ادا کی جائے؟

﴿2﴾ کاروبار میں ضروری استعمال ہونے والی چیزیں جیسے کمپیوٹر، جنریٹر، موٹر سائیکل وغیرہ ان پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ دونوں پارٹنرز میں سے ہر ایک کاروبار میں جس قدر قابلِ زکوٰۃ اشیاء کا مالک ہے اس حساب سے زکوٰۃ ادا

کی جائیگی لہٰذا اگر ان کی مِلکیّت میں کاروبار اور علاوہ کاروبار مجموعی طور پر ملا کر اس قدر قابلِ زکوٰۃ مال حاجتِ اصلیہ کے علاوہ ہو جس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچ جائے اور اس پر ایک سال بھی گزر چکا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

﴿2﴾ مذکورہ بالا چیزیں جب کاروبار کی ضروریات کے لئے ہوں اور ان کو فروخت کرنا مقصود نہ ہو تو ان پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا العَطَّارِی عَفَاعَنْہُ البَارِی

قرض لے کر زکوٰۃ کی ادائیگی کرنا کیسا؟

فَتوٰی 92

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا شوہر یا بہن سے قرض لے کر زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جی ہاں! شوہر یا بہن سے قرض لے کر زکوٰۃ ادا کی جاسکتی ہے۔ البتہ قرض اسی صورت میں لیا جائے جب قرض ادا کرنا ممکن ہو۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

عابد ندیم العطاری المدنی

4 رمضان المبارک 1430ھ

الجواب صحیح

عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا العَطَّارِی عَفَاعَنْہُ البَارِی

موجودہ قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ نکالنا؟

فتویٰ 93

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مالِ تجارت کے مویشی کی ادائیگی زکوٰۃ کا شرعی طریقہ کیا ہے اوران کی زکوٰۃ ادا کرتے وقت موجودہ وقت کی قیمت کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے یاپانچ یادس سال قبل جب یہ جانور خریدا تھا اس وقت کی قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟ نیز ان پر زکوٰۃ کب فرض ہوگی؟

سائل: محمد امتیاز عطاری قادری (محمدی کالونی عزیز آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

مالِ تجارت خواہ مویشی ہوں یاکوئی دوسرامال ہوان پرنصاب کاسال پوراہونے پرجوقیمت ہواُس کے اعتبار سے زکوٰۃ لازم ہوگی لہٰذا جوقیمت مارکیٹ میں ہوگی اس کے حساب سے تمام رقم کاچالیسواں حصہ (ڈھائی فیصد) زکوٰۃ کے طور پر دیا جائے گا بشرطیکہ اس پرصاحبِ نصاب ہونے کے بعد سال بھی گزر چکا ہو۔

چنانچہ فَتَاوٰی عَالَمگِیرِی میں ہے: ''وتعتبر القيمة عند حولان الحول بعد أن تكون قيمتها في ابتداء الحول مائتي درهم من الدراهم'' ترجمہ: مالِ تجارت میں سال گزرنے پر جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار کیا جائے گا مگر شرط یہ ہے کہ سال کے شروع میں اس کی قیمت دوسو درہم سے کم نہ ہو۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 179، جلد 1، دار الفکر بیروت)

یونہی صَدرُ الشَّریعَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: ''مالِ تجارت میں سال گزرنے پر جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار ہے مگر شرط یہ ہے کہ شروع سال میں اس کی قیمت دوسو درہم سے کم نہ ہو اور

اگر مختلف قسم کے اَسباب ہوں تو سب کی قیمتوں کا مجموعہ ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات تولے سونے کی قدر ہو۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 907، جلد1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

11 رمضان المبارک 1428ھ 24 ستمبر 2007ء

ماہانہ طور پر پیشگی زکوٰۃ بھی نکالی جاسکتی ہے

فتویٰ 94

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی صاحبِ نصاب شخص اپنی آمدنی کی ماہانہ زکوٰۃ نکال دے تو کیا پھر بھی وہ سالانہ زکوٰۃ دے گا؟

سائل: ناصر (نیوکراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ آمدنی پر نہیں ہوتی بلکہ حاجتِ اصلیہ سے زائد مالِ نامی (یعنی سونا چاندی چاہے کسی بھی شکل میں ہوں اگرچہ پہننے کے زیورات، کرنسی، پرائز بانڈ، مالِ تجارت اور چرائی کے مخصوص جانوروں) پر ہوتی ہے جبکہ وہ نصاب کی مقدار ہو۔ آپ بھی غور کرلیں آپ کی مِلکیّت میں سونا، چاندی، مالِ تجارت وغیرہ جو کچھ ہوں سب کا حساب لگائیں اور نصاب سے زائد ہونے کی صورت میں جب سال پورا ہوگا تو کُل مال پر جو زکوٰۃ فرض ہوگی وہ ادا کرنا ضروری ہوگی۔

زکوٰۃ جس مال پر فرض ہوتی ہے سال میں ایک بار ہوتی ہے سال پورا ہونے پر ہر مہینہ فرض نہیں ہوتی آپ نے ہر مہینہ جتنی زکوٰۃ دی ہے سال کے آخر میں حساب لگالیں اگر جتنی آپ پر فرض تھی اتنی ادا کر چکے تو فبہا اب دوبارہ

نہ دینی ہوگی اگر کم دی تھی تو جتنی باقی ہے وہ فوراً ادا کر دیں کہ سال پورا ہونے کے بعد تاخیر جائز نہیں اور زیادہ دے دی تھی تو آئندہ سال کی زکوٰۃ میں شمار کر سکتے ہیں۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد کفیل رضا عطاری المدنی

16 صفر المظفر 1430ھ 12 فروری 2009ء

کاروباری آدمی زکوٰۃ کا حساب کتاب کیسے کرے؟

فتویٰ 95

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں لوہے کی تجارت کا کام کرتا ہوں اور میرا 90 فیصد پیسہ کاروبار میں رہتا ہے اور مجھے تین یا چار ماہ میں لوگ رقم کی ادائیگی کرتے ہیں تو میں زکوٰۃ کس طرح ادا کروں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اس صورت میں جس وقت آپ کے نصاب کا سال مکمل ہوگا اس وقت آپ اپنے تمام قابلِ زکوٰۃ اموال کا حساب لگائیں گے۔ جس میں سونا، چاندی، پرائز بانڈ وغیرہ کے ساتھ ساتھ کُل مالِ تجارت کا موجودہ قیمت کے اعتبار سے حساب لگائیں اور ان سب پر چالیسواں حصہ آپ زکوٰۃ میں دیں گے البتہ اس وقت جو رقم یا کوئی اور مالِ زکوٰۃ لوگوں کے ذمہ ہے اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی مگر اس کی ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب اس میں سے نصاب کا پانچواں حصہ یا اس سے زائد رقم آپ کو مل جائے تو قرض میں دی گئی رقم وغیرہ جتنی ملی ہے اس کا چالیسواں حصہ آپ کو زکوٰۃ میں دینا ہوگا اور نصاب کے پانچویں حصہ سے مراد ہے ساڑھے باون تولہ چاندی کا بیس فیصد یعنی ساڑھے دس تولہ

چاندی کے برابر مالیت کی رقم نصاب کا خُمس بنتی ہے۔ خُمس نکالنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ نصاب کو پانچ پر تقسیم کردیں۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد ماجد رضا العطاری المدنی
16 رمضان المبارک 1428ھ 29 ستمبر 2007ء

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

وِراثت میں ملنے والے مال پر زکوٰۃ کا حکم؟

فتوی 96

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے کچھ عزیز ہیں انہیں رَمضان المبارک سے ایک ہفتہ پہلے وِراثت میں حصہ ملا ہے دو بھائی اور دو بہنیں ہیں اور کُل رقم تقریباً پانچ لاکھ روپے ہے اب ان کی زکوٰۃ کا حساب کس طرح ہوگا؟

سائل: محمد سلیم عطاری

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

مالِ وِراثت کو پہلے وُرَثاء میں اس کی ترتیب کے اعتبار سے تقسیم کردیا جائے گا، پھر جس وارث کے پاس پہلے سے بقدرِ نصاب مال حاجتِ اصلیہ سے فارغ موجود ہو اور اس پر بالفرض رمضان میں زکوٰۃ فرض ہوتی ہے تو وہ وِراثت میں ملنے والے قابلِ زکوٰۃ مال کو بھی ساتھ ملا کر زکوٰۃ دے۔ اور اگر پہلے سے بقدرِ نصاب مال موجود نہ ہو تو اب وِراثت میں سے جو ملا ہے وہ مال حاجتِ اصلیہ اور قرض سے فارغ ہو کر اگر نصاب کی مقدار کو پہنچتا ہے تو اب ان کے نصاب کا سال شروع ہوگیا اور سال گزرنے پر دیگر شرائط کے پائے جانے پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

دُرِّمُختار میں ہے: "سبب افتراضها ملك نصاب حولى فارغ عن دين وعن حاجته الاصلية "یعنی زکوۃ فرض ہونے کا سبب ایسے نصاب کا مالک ہونا ہے جس پر سال گزر گیا ہو اور وہ نصاب قرض اور اس کی حاجتِ اصلیہ سے فارغ ہو۔ (ملتقطاً)

(درمختار ، صفحه 208 تا 212 ، جلد 3 ، دار المعرفة بيروت)

وَ اللهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــه
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی
10 رمضان المبارك 1426ھ 15 اکتوبر 2005ء

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

زکوۃ کا حساب نکالنے کا فارمولا

فتوی 97

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ پیسوں کی زکوۃ نکالنے کا آسان طریقہ کیا ہے؟

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

پیسوں کی زکوۃ نکالنے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ جس قدر بھی رقم ہو اسے چالیس (40) پر تقسیم کر دیں جو حاصلِ جواب ہوگا وہ اس رقم کی زکوۃ ہوگی۔

وَ اللهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد نوید رضا العطاری المدنی
13 جمادی الثانی 1429ھ

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاوی رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں: "حق یہ ہے کہ مسلمان بے علم دین ایک قدم نہیں چل سکتا اللہ عزوجل علم دے اس پر عمل دے اس کو قبول فرمائے۔" (فتاوی رضویہ، صفحہ 501، جلد 18، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے کوئی بھی مہینہ مُعَیَّن نہیں

فتویٰ 98

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

﴿1﴾ ہمارا زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ کچھ یوں ہے کہ ہم اپنی دکان کا سالانہ حساب بقرعید یعنی عیدالاضحیٰ سے چند یوم پہلے کرتے ہیں جو کاروبار کے لین دَین کے بعد ہماری اصل رقم ہوتی ہے۔فرض کریں کہ ہماری اصل رقم دو لاکھ روپے ہے اور ہمارا سالانہ نفع دو لاکھ روپے ہے اور ہمارے پاس جو زیور ہے اس کی مالیت ایک لاکھ روپے ہے اس طرح ان کو جمع کر لیتے ہیں جیسے یہ پانچ لاکھ روپے بنے اور اس کی زکوٰۃ 12,500 روپے ہم نکالتے ہیں اور الگ کر دیتے ہیں جو زکوٰۃ کھاتہ ہے اس میں سے بوقتِ ضرورت ہم اس کو استعمال کرتے رہتے ہیں یہ رقم ہم الگ نہیں رکھتے اور آنے والے رَمَضان میں اس کو مکمل ادا کر دیتے ہیں یہ طریقہ تقریباً پچیس چھبیس سال سے ہمارا چلا آرہا ہے اس میں ایک بات یہ عرض کرنی تھی کہ شروع میں جیسے ہم نے عیدالاضحیٰ پر حساب بنایا یہ صحیح یاد نہیں ہے کہ وہ کتنے عرصے کا تھا ایک سال سے کم کا تھا یا زیادہ کا، آپ مہربانی فرما کر اس کا جواب تحریر فرما دیں نوازش ہوگی۔

﴿2﴾ دوسرا سوال یہ ہے کہ ایک شخص نے اپنے سرمائے سے زیادہ رقم دینی ہے یعنی اس کی رقم کُل دو لاکھ روپے ہے اور اس نے چار لاکھ روپے دینے ہیں اس طرح اس کے اوپر دو لاکھ کا قرضہ ہو گیا اب اس کے پاس فرض کریں کہ ایک لاکھ روپے مالِیَت کا زیور ہے اب آپ سے یہ معلوم کرنا ہے کہ وہ اس زیور کی زکوٰۃ ادا کرے گا یا نہیں؟ جیسے کہ اب زکوٰۃ اس کے اوپر فرض نہیں رہی اب دوبارہ زکوٰۃ فرض ہونے پر یہ دن تبدیل کر سکتا ہے یعنی وہ عیدالاضحیٰ کی بجائے شعبان میں حساب بنانا چاہے تو بنا سکتا ہے؟ جو زکوٰۃ کی رقم ہے کیا وہ الگ رکھنی ضروری ہے؟ اور اس رقم کو استعمال کرنے کی اجازت ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

﴿1﴾ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے کوئی مہینہ مُعَیَّن نہیں بلکہ نصاب پر سال گزرنا ضروری ہوتا ہے اور جب سال پورا ہوجائے تو زکوۃ فرض اور فوری ادائیگی واجب ہوجاتی ہے اور تاخیر گناہ ہے۔

چنانچہ دُرِّمُختار میں ہے:"وقیل فوری أی واجب علی الفور و علیه الفتوی کما فی شرح الوھبانیه فیاثم بتاخیرھا بلا عذر" ترجمہ: کہا گیا ہے کہ فوری ادائیگی واجب ہے اور اسی پر فتویٰ ہے پس بلا عذر ادائیگی میں تاخیر کی تو گناہگار ہوگا۔

(در مختار ، صفحه 227 ، جلد 3 ، دار المعرفة بيروت)

لہٰذا اگر کوئی آدمی محرم کی پہلی تاریخ کو نصاب کا مالک ہوا اور یہ نصاب اس کی حاجتِ اصلیہ اور قرض سے زائد ہے تو اگلے سال محرم کی پہلی تاریخ کو اس پر زکوۃ کی ادائیگی لازم ہے اب شعبان یا رَمضان تک تاخیر گناہ ہے۔ نیز زکوۃ کا مال الگ کرکے رکھ لینے سے زکوۃ ادا نہ ہوگی بلکہ فقیر کو اس رقم کا مالک بنادینا ضروری ہے اور جو رقم زکوۃ کے لئے علیحدہ کرلی وہ زکوۃ کے لئے مُعَیَّن نہیں ہوجاتی اگر اُس رقم کو خرچ کرکے اُس کی جگہ دوسری رقم زکوۃ میں دے دیں تو جائز ہے لہٰذا آپ نے عیدالاضحیٰ میں حساب کرنے اور رَمضان میں ادا کرنے کا جو طریقہ اختیار کیا ہے اگر رَمضان میں ہی سال پورا ہوتا ہے تو صحیح ہے اور اگر کسی اور مہینے میں سال پورا ہوتا ہے تو اُسی وقت زکوۃ ادا کریں اور اگر سال پورا ہونے سے پہلے زکوۃ ادا کردیں تو بھی حرج نہیں جیسے مالکِ نصاب ہونے کے آٹھ مہینے بعد ہی زکوۃ ادا کردیں البتہ سال پورا ہونے پر حساب ضرور کریں کیونکہ اگر مالِ زکوۃ میں اضافہ ہوا ہوگا تو اس کی بھی زکوۃ دینا ہوگی اور اگر مالِ زکوۃ میں کمی آئی ہوگی تو زائد دی ہوئی زکوۃ اگلے سال میں شمار کی جاسکتی ہے۔

﴿2﴾ زکوۃ کے ذِمّہ میں لازم ہونے کے لئے یہ بھی شرط ہے کہ نصاب دَین سے فارغ ہو۔ لہٰذا اگر کسی شخص پر اتنا قرض ہے کہ اگر اپنا مال قرض میں ادا کرے تو نصاب پیچھے نہیں بچتا تو اس پر زکوۃ فرض نہیں جیسے صورتِ مَسْئُولہ میں

دولاکھ روپے اور ایک لاکھ کے زیور ہیں مجموعی طور پر تین لاکھ روپے ہوئے اور قرض چار لاکھ روپے ہے تو اپنی رقم و زیور اگر قرض میں دیں تو پیچھے کچھ بھی نہیں بچتا لہٰذا زکوٰۃ لازم نہ ہوگی۔

اور جب مقدارِ نصاب ایک مرتبہ بالکل ختم ہو جائے تو اب نئے سال کا آغاز اس دن سے کریں گے جس دن دوبارہ نصاب کا مالک ہوگا۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــه

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

زکوٰۃ کتنے فیصد ادا کی جائے گی؟

فتوی 99

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے زکوٰۃ کے حوالے سے آپ سے ایک ضروری سوال پوچھنا ہے اس کا تعلق زکوٰۃ کا حساب لگانے سے ہے یہ بتائیں کہ روپے پیسے میں زکوٰۃ کتنے فیصد ادا کی جائے گی؟

سائل: عبدالحمید (کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ ڈھائی فیصد ادا کی جائے گی یعنی چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے گا۔ جیسے چالیس روپے میں ایک روپیہ اسی طرح سو روپے میں ڈھائی روپے عَلٰی هٰذَا الْقِيَاس۔

جو حساب اوپر بیان کیا گیا اس کی اصل وہ حدیث ہے جسے مختلف محدثین نے اپنی کتب میں نقل کیا چنانچہ امام ابوداؤد اپنی کتاب سنن ابوداؤد میں نقل کرتے ہیں کہ رسول اکرم نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

"هَاتُوْا صَدَقَةَ الرِّقَةِ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ دِرْهَمًا دِرْهَمٌ وَلَيْسَ فِيْ تِسْعِيْنَ وَمِائَةٍ شَيْءٌ

فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيهَا خَمْسَةُ دَرَاهِم "ترجمہ: چاندی کی زکوٰۃ ہر چالیس درہم میں سے ایک درہم ادا کرو اور ایک سو نوے (190) میں کچھ نہیں جب دوسو درہم (ساڑھے باون تولہ چاندی) ہوں تو پانچ درہم دو۔

(سنن ابی داوٗد، صفحہ 462، جلد1، دار الکتب العلمیۃ بیروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبــــــــه

ابوالصالح محمد قاسم القادری

24 رمضان المبارك 1427ھ 18 اکتوبر 2006ء

فوج کی تنخواہ پر زکوٰۃ کیسے ہوگی؟

فتویٰ 100

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ فوج کی تنخواہ کافی ہے کیا اس تنخواہ پر زکوٰۃ فرض ہے؟

سائل: عبدالرحمٰن (تحصیل کوٹ مومن)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

تنخواہ سے ملنے والی رقم پر ماہانہ بنیادوں پر زکوٰۃ فرض نہیں البتہ تنخواہ میں سے رقم جمع ہوتی رہی اور اتنی جمع ہوگئی کہ وہ شخص صاحبِ نصاب ہوگیا یا تنخواہ کے ساتھ سامانِ تجارت وغیرہ جمع ہونے کی وجہ سے وہ شخص صاحبِ نصاب ہوگیا تو اب سال گزرنے پر زکوٰۃ فرض ہوجائے گی۔ مالکِ نصاب ہونے کے بعد درمیانِ سال جتنا بھی مال مِلک میں آتا جائے گا سال کے آخر میں سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

یہ بھی یاد رہے کہ زکوٰۃ کے وجوب کے لئے نصاب سے مراد یہ ہے کہ کسی کے پاس دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی مقدار رقم یا سامانِ تجارت ہو جو حاجتِ اصلیہ اور قرض سے فارغ ہو۔ اگر روپے پیسے، چاندی یا مالِ تجارت کچھ نہ ہو فقط سونا ہو تو ساڑھے سات تولہ سونا ہونا مالکِ نصاب ہونے کے لئے ضروری ہے۔ سونے

کے ساتھ کچھ روپے پیسے، چاندی یا مالِ تجارت ہے تو اب دونوں کو ملا کر دیکھیں گے اگر ان کی مالیت چاندی کے نصاب کی مقدار کو پہنچتی ہو تو مالکِ نصاب مانا جائے گا۔

زکوۃ کے بارے میں مزید تفصیل معلوم کرنے کے لئے بہارِ شریعت حصہ 5 کا مطالعہ کریں۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح

عَبْدُهُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَا عَنْہُ الْبَارِی

کتبــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

عابد ندیم العطاری المدنی

1 ذوالحجۃ الحرام 1431ھ 8 نومبر 2010ء

زکوۃ کی ترسیل کے اَخراجات الگ سے دینے ہوں گے

فتوی 101

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص کسی کمپنی کے ذریعے کسی جگہ پر اپنی زکوۃ کی رقم بھیجے تو کیا کمپنی کے اَخراجات اس زکوۃ کی رقم سے مِنْہا کئے جا سکتے ہیں؟

سائل: فقیر محمد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں کمپنی کا خرچ زکوۃ کی رقم میں سے کم نہیں کیا جائے گا بلکہ کمپنی کا خرچ الگ سے ادا کرنا ہوگا۔

جیسا کہ صَدرُ الشَّرِیعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں:

"روپے کے عوض کھانا غلّہ کپڑا وغیرہ فقیر کو دے کر مالک کر دیا تو زکوۃ ادا ہو جائے گی، مگر اس چیز کی قیمت جو بازار بھاؤ سے ہوگی وہ زکوۃ میں سمجھی جائے، بالائی مصارِف مثلاً بازار سے لانے میں جو مزدور کو دیا ہے یا گاؤں سے منگوایا تو کرایہ اور چونگی وضع نہ کریں گے یا پکوا کر دیا تو پکوائی یا لکڑیوں کی قیمت مُجرا نہ کریں، بلکہ اس پکی ہوئی چیز کی جو قیمت

بازار میں ہو، اس کا اعتبار ہے۔" (بہارِ شریعت ، صفحہ 909 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

لیکن اس بات کا خیال رکھیں کہ دوسرے شہر میں بھیجنے کی اجازت اسی صورت میں ہے جبکہ دوسرے شہر میں یا تو اس کے رشتہ دار رہتے ہوں ان کو دینا چاہتا ہے یا وہاں ضرورت زیادہ ہے یا وہاں کسی پرہیز گار کو بھیجنا چاہتا ہے یا مسلمانوں کے لئے وہاں زیادہ نفع ہے یا دَارُ الْحَرْب سے دَارُ الْاِسلام بھیج رہا ہے یا کسی طالبِ علم کو بھیجنا چاہتا ہے یا ان لوگوں کو دینا چاہتا ہے جو ترکِ دنیا کر چکے ہیں یا پھر ابھی سال مکمل نہ ہوا سال پورا ہونے سے پہلے ہی زکوٰۃ دینا چاہتا ہے اور ان میں سے کوئی صورت نہ ہو تو دوسرے شہر زکوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے۔

چنانچہ تَنوِیرُ الْاَبْصَار وَ دُرِّ مُخْتَار میں ہے: "وکرہ نقلها الا الی قرابة أو أحوج أو أصلح أو أورع أو أنفع للمسلمين أو من دار الحرب الی دار الاسلام أو الی طالب العلم أو الی الزهاد أو كانت معجلة قبل تمام الحول فلا يكره" (ملتقطاً) عبارت کا مفہوم اوپر گزرا۔

(تنوير الابصار مع الدرالمختار ، صفحه 225 ، جلد 3 ، دار المعرفة بيروت)

نیز صَدرُ الشَّرِیعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: "دوسرے شہر کو زکوٰۃ بھیجنا مکروہ ہے مگر جب کہ وہاں اُس کے رشتہ والے ہوں تو اُن کے لئے بھیج سکتا ہے یا وہاں کے لوگوں کو زیادہ حاجت ہے یا زیادہ پرہیز گار ہیں یا مسلمانوں کے حق میں وہاں بھیجنا زیادہ نافع ہے یا طالبِ علم کے لئے بھیجے یا زاہدوں کے لئے یا دَارُ الْحَرْب میں ہے اور زکوٰۃ دَارُ الْاِسلام میں بھیجے یا سالِ تمام سے پہلے ہی بھیج دے ان سب صورتوں میں دوسرے شہر کو بھیجنا بلا کراہت جائز ہے۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 933 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد ماجد رضا العطاری المدنی

23 شعبان المعظم 1428ھ 06 ستمبر 2007ء

الجواب صحیح

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

قرض بتا کردی گئی زکوٰۃ کا واپس لینا؟

فتویٰ 102

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی ضرورت مند کو زکوٰۃ قرض کہہ کر دی ہو اور منع بھی کر دیا ہو کہ واپس نہیں لوں گا لیکن کچھ عرصہ بعد زکوٰۃ لینے والا زکوٰۃ کی رقم واپس لوٹانا چاہتا ہو تو اب زکوٰۃ دینے والے کو وہ روپے واپس کرے تو زکوٰۃ دینے والا کیا کرے؟ اگر وہ پیسے واپس لے لے تو کیا زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

صورتِ مَسْئُولہ میں اگر مذکور شخص نے زکوٰۃ کی رقم قرض کہہ کر دی تھی اور نیت بھی زکوٰۃ دینے کی تھی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ البتہ اب اس سے واپس نہیں لے سکتا۔ لہٰذا واپس دینے والے کو بتا دے کہ میں نے پیسے آپ کی مِلک کر دیئے تھے واپس لینے کا ارادہ نہ تھا۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبـــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
عابد نديم العطاری المدنی
13 ذیقعدہ 1429ھ

الجواب صحيح
عبدهٗ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنه الباری

فقیر کا زکوٰۃ لے کر صاحبِ نصاب ہو جانا؟

فتویٰ 103
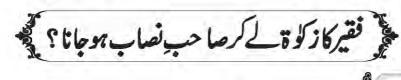
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شرعی فقیر کو ہم زکوٰۃ دے دیں

اور بعد میں وہ صاحبِ نصاب بن جائے تو کیا اس صورت میں ہماری زکوٰۃ ادا ہوئی یا نہیں؟

سائل: محمد حنیف

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ دیتے وقت لینے والے کی کیا مالی پوزیشن ہے خاص اس کا اعتبار ہے لہٰذا زکوٰۃ لیتے وقت کسی کی حالت یہ تھی کہ وہ مُستحقِ زکوٰۃ تھا یعنی شرعی فقیر تھا تو زکوٰۃ ادا ہوگئی اگرچہ بعد میں یا یکمشت زکوٰۃ دیئے جانے ہی سے اس کے پاس اتنا مال جمع ہوگیا کہ اب وہ غنی ہوگیا۔ ہاں نصاب کا مالک بننے کے بعد زکوٰۃ لینے کا حق دار نہیں۔

جیسا کہ بہارِ شریعت میں ہے: ''جو شخص مالکِ نصاب ہو ایسے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 928، جلد 1 ، مکتبة المدینہ)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

29 شوال المکرم 1427ھ 22 نومبر 2006ء

روزانہ بچت کرنے والے پر زکوٰۃ کب ہوگی؟

فتویٰ 104

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص ہر ماہ اپنے پاس 250 روپے جمع کرتا رہے تو اس پر کب زکوٰۃ فرض ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِ وَ الصَّوَاب

جب یہ شخص صاحبِ نصاب ہو جائے اور اس مال پر سال گزر جائے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ زکوٰۃ کے

وُجُوب کے لئے نصاب سے مراد یہ ہے کہ کسی کے پاس دوسودرہم یعنی ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی مقدار رقم یا سامانِ تجارت ہو جو حاجتِ اصلیہ اور قرض سے فارغ ہو، ایسے شخص کو مالکِ نصاب کہتے ہیں۔ اگر روپے پیسے، چاندی یا مالِ تجارت کچھ نہ ہو فقط سونا ہو تو ساڑھے سات تولہ سونا ہونا مالکِ نصاب ہونے کے لئے ضروری ہے۔ ہاں اگر سونے کے ساتھ کچھ روپے پیسے، چاندی یا مالِ تجارت ہے تو اب دونوں کو ملا کر دیکھیں گے اگر ان کی مالیت چاندی کے نصاب کی مقدار کو پہنچتی ہو تو مالکِ نصاب مانا جائے گا۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ

عَبْدُہُ الْمُذْنِب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

21 رمضان المبارک 1428ھ 4 اکتوبر 2007ء

خرچہ برداشت کرنے کو زکوۃ میں شمار کرنا کیسا؟

فتوی 105

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنے غریب رشتے دار، دوست یا محلے والوں کا خرچہ برداشت کرلے اور اپنی زکوۃ جو سال میں ادا کرتا ہے اس میں سے کاٹ لے اور بقیہ زکوۃ ادا کردے تو کیا ایسا کرنا قرآن وسنت کی روشنی میں درست ہے؟

سائل: رانا محمد توحید قادری (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر وہ رشتے دار، دوست یا محلے والے حاجت مند اور زکوۃ کے اہل ہوں اور انہیں بِنِیَّتِ زکوۃ خرچہ دے کر اس کا مالک کردیا جائے تو زکوۃ ادا ہوجائے گی۔ اس طرح سال پورا ہونے سے پہلے متفرق طور پر زکوۃ ادا کرنا اور سال کے آخر میں حساب کرکے جتنی کم پڑے وہ ادا کرکے پوری کردینا درست ہے بلکہ ایک سے زائد سالوں کی زکوۃ بھی پیشگی

ادا کی جاسکتی ہے۔ ہاں سال پورا ہو گیا تو اب تاخیر کرنا روا نہیں بلکہ اب یکمشت بلا تاخیر پوری زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی ورنہ گنہگار ہوں گے۔

چنانچہ صَدرُ الشَّریعَه، بَدرُ الطَّرِیقَه علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْه ارشاد فرماتے ہیں: ''مالکِ نصاب پیشتر سے چند سال کی بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ لہٰذا مناسب ہے کہ تھوڑا تھوڑا زکوٰۃ میں دیتا رہے، ختم سال پر حساب کرے، اگر زکوٰۃ پوری ہوگئی فبہا اور کچھ کمی ہو تو اب فوراً دے دے، تاخیر جائز نہیں کہ نہ اس کی اجازت کہ اب تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کرے، بلکہ جو کچھ باقی ہے کُل فوراً ادا کر دے اور زیادہ دے دیا ہے تو سالِ آئندہ میں مُجرا کر دے۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 891، جلد 1، مکتبة المدینه)

اور یہ بھی ضروری ہے کہ بنیتِ زکوٰۃ جو مال مُستحِق زکوٰۃ کو دے اسے مالک بنا کر دے، اِباحت کافی نہیں۔ اگر کسی کو مالک نہیں بنایا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

چنانچہ صَدرُ الشَّریعَه، بَدرُ الطَّرِیقَه علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْه ارشاد فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ ادا کرنے میں یہ ضرور ہے کہ جسے دیں مالک بنا دیں، اِباحت کافی نہیں لہٰذا مالِ زکوٰۃ مسجد میں صَرف کرنا یا اُس سے میّت کو کفن دینا یا میّت کا دَین ادا کرنا یا غلام آزاد کرنا، پُل، سرا، سقایہ، سڑک بنوا دینا، نہر یا کنواں کھدوا دینا ان افعال میں خرچ کرنا یا کتاب وغیرہ کوئی چیز خرید کر وقف کر دینا ناکافی ہے۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 927، جلد 1، مکتبة المدینه)

شَیْخُ الْاِسْلَام وَ الْمُسْلِمِیْن امامِ اہلسنّت اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْهِ رَحْمَةُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''اگر زکوٰۃ پیشگی ادا کرتا ہے یعنی ہَنوز حَولانِ حَول (یعنی سال کا گزرنا) نہ ہوا...... تو جب تک انتہائے سال نہ ہو بلاشبہ تفریق و تدریج کا اختیارِ کامل رکھتا ہے جس میں اصلاً کوئی نقصان نہیں۔'' (ملخصاً)

(فتاویٰ رضویه، صفحہ 75، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید فرماتے ہیں: ''اور اگر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجِبُ الْاَدا ہو چکی تو اب تفریق و تدریج ممنوع ہوگی بلکہ فوراً تمام و کمال زرِ واجِبُ الْاَدا، ادا کرے کہ مذہبِ صحیح و مُعْتَمَد و مُفْتیٰ بِہٖ پر ادائے زکوٰۃ کا وُجوب فوری ہے جس میں تاخیر باعث گناہ۔ ہمارے اَئِمّهٔ ثَلٰثَه رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْهُم سے اسکی تصریح ثابت۔ فتاویٰ عالمگیریہ میں ہے: ''تجب

علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتاخیرہ من غیر عذر" یعنی سال پورا ہونے پر زکوٰۃ فِی الْفَوْر لازم ہوجاتی ہے حتی کہ بغیر عذر تاخیر سے گناہگار ہوگا۔ (ملتقطاً)

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 76 ، 77 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

مگر یہ واضح رہے کہ پیشگی دینے والی یہ رعایت اسی صورت میں ہے کہ دیتے وقت نیتِ زکوٰۃ سے دی ہو یا قبضۂ فقیر میں ہوتے ہوئے زکوٰۃ کی نیت کی ہو اور اگر صورت یہ ہے کہ پہلے سے صدقہ دیئے ہوئے مال کو زکوٰۃ کرنا چاہتے ہوں تو اب یہ نہیں ہوسکتا۔

چنانچہ صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ القَوِی ارشاد فرماتے ہیں: ''سال بھر تک خیرات کرتا رہا، اب نیت کی کہ جو کچھ دیا ہے زکوٰۃ ہے تو ادا نہ ہوئی۔''

(بہار شریعت ، صفحہ 886 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

ہاں زکوٰۃ دیتے ہوئے فقط دل میں اس کی نیت ہونا کافی ہے اور یہ کہنے کی حاجت نہیں کہ یہ زکوٰۃ ہے بلکہ بعض صورتوں میں بہتر یہی ہے کہ حاجت مند کو زکوٰۃ کہہ کر نہ دی جائے تاکہ اس کی دل آزاری نہ ہو۔

بہارِ شریعت میں صَدرُ الشَّریعَہ عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ دینے میں اس کی ضرورت نہیں کہ فقیر کو زکوٰۃ کہہ کر دے بلکہ صرف نیتِ زکوٰۃ کافی ہے۔ یہاں تک کہ اگر ہِبَہ یا قرض کہہ کر دے اور نیت زکوٰۃ کی ہو ادا ہوگئی۔ یونہی نَذر یا ہدِیّہ یا پان کھانے یا بچوں کے مٹھائی کھانے یا عیدی کے نام سے دی ادا ہوگئی۔ بعض محتاج ضرورت مند زکوٰۃ کا روپیہ نہیں لینا چاہتے انہیں زکوٰۃ کہہ کر دیا جائے گا تو نہیں لیں گے لہٰذا زکوٰۃ کا لفظ نہ کہے۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 890 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

زکوٰۃ کے مسائل تفصیل سے جاننے کے لئے بہارِ شریعت حصہ 5 سے زکوٰۃ کا بیان پڑھ لیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

اَبُو الصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

27 ربیع النور 1429ھ 5 اپریل 2008ء

بینک چارجز وغیرہ زکوٰۃ میں شمار نہیں کرسکتے

فتویٰ 106

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی رقم پاکستان بھیجتے وقت بینک چارجز لیتا ہے کیا زکوٰۃ کی رقم سے چارجز دے سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر زکوٰۃ دینے والے نے کسی کو وکیل کیا ہے تو وکیل کو اجازت نہیں کہ وہ زکوٰۃ کے پیسوں سے چارجز دے البتہ اگر کوئی شخص خود بینک کے ذریعے زکوٰۃ بھیجتا ہے تو وہ چارجز دے سکتا ہے مگر اس صورت میں چارجز دینے کے بعد جو رقم بچے گی وہ زکوٰۃ کی ہوگی چارجز دینے میں جو خرچہ ہوگا وہ زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوگا۔

سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دِین وملّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ”زکوٰۃ میں روپے وغیرہ کے عوض بازار کے بھاؤ سے اس قیمت کا غلّہ مکّا وغیرہ محتاج کو دے کر بہ نیتِ زکوٰۃ مالک کردینا جائز وکافی ہے، زکوٰۃ ادا ہوجائیگی، مگر جس قدر چیز محتاج کی مِلک میں گئی بازار کے بھاؤ سے جو قیمت اس کی ہے وہی مُجرا ہوگی بالائی خرچ مَحسُوب نہ ہوں گے، مثلاً آج کل مکّا کا نرخ نُو سیر ہے نُو من مکّا مول لے کر محتاجوں کو بانٹی تو صرف چالیس روپیہ زکوٰۃ میں ہوں گے، اُس پر جو پلّہ داری یا باربرداری دی ہے حساب میں نہ لگائی جائیگی، یا گاؤں سے منگا کر تقسیم کی تو کرایہ گھاٹ چونگی وضع نہ کریں گے، یا غلّہ پکا کر دیا تو پکوائی کی اُجرت، لکڑیوں کی قیمت مُجرا نہ دینگے، اس کی پکی ہوئی چیز کی جو قیمت بازار میں ہو وہی مَحسُوب ہوگی۔“

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 69، 70، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّرِیعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: ”روپے

کے عوض کھانا غلہ کپڑا وغیرہ فقیر کو دے کر مالک کر دیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، مگر اس چیز کی قیمت جو بازار بھاؤ سے ہو گی وہ زکوٰۃ میں سمجھی جائے، بالائی مصارف مثلاً بازار سے لانے میں جو مزدور کو دیا ہے یا گاؤں سے منگوایا تو کرایہ اور چونگی وضع نہ کریں گے یا پکوا کر دیا تو پکوائی یا لکڑیوں کی قیمت مُجرا نہ کریں، بلکہ اس پکی ہوئی چیز کی جو قیمت بازار میں ہو، اس کا اعتبار ہے۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 909، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح

عَبۡدُہُ الۡمُذۡنِب فُضَیل رَضَا الۡعَطَّارِی عَفَا عَنۡہُ الۡبَارِی

کتبـــــــــــــــــــه

المتخصص فی الفقه الاسلامی

عابد نديم العطاری المدنی

5 صفر المظفر 1432ھ 10 جنوری 2010ء

جو رقم اکاؤنٹ چارجز کی مد میں کٹے اُسے زکوٰۃ شمار نہیں کر سکتے

فتوی 107

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک اکاؤنٹ سے دوسرے اکاؤنٹ میں رقم ٹرانسفر کرنے میں ٹیکس اور دیگر چند کٹوتیاں ہوتی ہیں اگر میں اپنے اکاؤنٹ سے زکوٰۃ اکاؤنٹ میں اپنی زکوٰۃ کی رقم ٹرانسفر کروں تو وہ کٹ کر زکوٰۃ کے اکاؤنٹ میں پہنچے گی۔ ایسی صورت میں میری زکوٰۃ کتنی ادا ہو گی؟ جو میں نے ٹرانسفر کی ہے وہ یا وہ جو کٹ کر زکوٰۃ اکاؤنٹ پہنچی ہے؟

سائل: محمود عطاری (بشیر اینڈ سنز کمیشن ایجنٹ اینڈ فروٹ مرچنٹ، سبزی منڈی، حیدر آباد)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

آپ کی زکوٰۃ وہ ادا ہو گی جو کٹ کر زکوٰۃ اکاؤنٹ میں پہنچی ہے۔

سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ الرَّحۡمٰن فرماتے ہیں: "جتنا روپیہ زکوٰۃ گیرندہ (یعنی زکوٰۃ لینے

والے) کو ملے گا اُتنا زکوٰۃ میں محسوب ہوگا، بھیجنے کی اُجرت وغیرہ اس پر جو خرچ ہو شامل نہ کی جائے گی۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 203، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِیّ

کتبہ
محمد نوید رضا العطاری المدنی
24 رمضان المبارک 1432ھ 25 اگست 2011ء

بینک سے کاٹی گئی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی

فتویٰ 108

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بینک جمع شدہ رقم پر جو سالانہ زکوٰۃ کاٹتے ہیں اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے یا نہیں۔ سائل: گل حسن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

ادائیگیٔ زکوٰۃ کے لئے یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ دینے کی نیت پائی جائے اور یہ بھی لازم ہے کہ زکوٰۃ شرعی تقاضے کے مطابق اپنے مَصرف پر خرچ ہو۔ بینک سے زکوٰۃ کٹنے پر نہ تو مالک کی نیت کی شرط پائی جاتی ہے اور نہ ہی حکومت شرعی مَصرف کے مطابق زکوٰۃ خرچ کرتی ہے لہٰذا پوچھی گئی صورت میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

حضرت قبلہ مولانا مفتی وقار الدین عَلَیْہِ الرَّحْمَہ اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "حکومت مالِ زکوٰۃ وصول کر کے جس طرح خرچ کرتی ہے وہ صحیح نہیں ہے۔ زیادہ روپیہ ایسی جگہ خرچ کیا جاتا ہے جہاں کوئی مالک نہیں ہوتا ہے لہٰذا زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔"

(وقار الفتاویٰ، صفحہ 414، جلد 2، بزم وقار الدین کراچی)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ
محمد فاروق العطاری المدنی
01 رجب المرجب 1425ھ 18 اگست 2004ء

درمیانِ سال میں نیا مال مِلکیّت میں آئے تو؟

فتویٰ 109

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی نے پچھلے سال 30,000 روپے کی زکوٰۃ ادا کی ہو اور اس سال اس کے پاس مزید 20,000 روپے آگئے ہوں تو وہ اس 20,000 روپے کی زکوٰۃ ادا کرے گا یا کُل رقم جو اس وقت اس کے پاس 50,000 روپے ہے اس کی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

مالِ زکوٰۃ یعنی سونا چاندی یا مالِ تجارت، حاجتِ اَصلیہ سے زائد پر جبکہ نصاب کی مقدار ہو اور سال گزر جائے تو زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوتی ہے اور درمیانِ سال میں مزید مال مِلک میں آجائے تو اس کا نیا سال شمار نہیں ہوتا بلکہ وہی پچھلے نصاب بھر مال کے ساتھ ملا کر سال پورا ہونے پر کُل مال کی زکوٰۃ نکالی جاتی ہے اور یہ سال بہ سال واجب ہوتی رہتی ہے جب تک مال نصاب سے کم نہ ہوجائے۔ لہٰذا صورتِ مَسئُولہ میں پچاس ہزار کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

سیّدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: دس برس رکھا رہے، ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی جب تک نصاب سے کم نہ رہ جائے۔

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 144، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد طارق رضا عطاری المدنی

3 شعبان المعظم 1430ھ 26 جولائی 2009ء

الجواب صحیح

عبدہٗ المذنب فُضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاویٰ رضویہ میں ارشاد فرماتے ہیں: ''ہر اس شخص پر اس کی حالت موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرض عین ہے اور انھیں میں سے ہیں مسائل حلال وحرام کہ ہر فرد بشر ان کا محتاج ہے اور مسائل علم قلب یعنی فرائض قلبیہ مثل تواضع واخلاص وتوکل وغیرہ۔'' (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 624، جلد 23، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

قرض زکوٰۃ میں شمار نہیں ہوسکتا

فتویٰ 110

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنے پڑوسی کو تقریباً دو سال قبل کچھ رقم قرض دی تھی لیکن وہ اس کو ادا کرنے سے قاصر ہے اور وہ بہت ہی تنگدست ہو چکا ہے حتیٰ کہ اس کے گھر کا خرچہ بھی اس کے سسرال والے چلاتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ وہ شرعی فقیر ہے تو کیا میں وہ رقم جو میں نے قرض کے طور پر اسے دی تھی بطورِ زکوٰۃ شمار کرسکتا ہوں؟ سائل: محمد قاسم (گرومندر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اس طرح قرض میں دی ہوئی رقم کو زکوٰۃ میں محسوب کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی اس کے لئے یہ صورت اپنائی جاسکتی ہے کہ آپ اپنے مال کی زکوٰۃ اپنے شرعی فقیر پڑوسی کو دے دیں جبکہ وہ غیر سیّد اور مُستحق ہو، جب وہ مالِ زکوٰۃ پر قبضہ کرلے تو اس سے اپنے سابقہ قرض کا مطالبہ کریں اس صورت میں آپ اس مال سے اپنے قرض کی وصولی کرسکتے ہیں۔ اس طرح سے زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور جو آپ کا مقصود ہے وہ بھی حاصل ہوجائے گا۔

جیسا کہ صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا محمد امجد علی اعظمی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی **بہارِ شریعت** میں فرماتے ہیں: ”فقیر پر قرض ہے اس قرض کو اپنے مال کی زکوٰۃ میں دینا چاہتا ہے یعنی یہ چاہتا ہے کہ معاف کردے اور وہ میرے مال کی زکوٰۃ ہوجائے یہ نہیں ہوسکتا البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ اُسے زکوٰۃ کا مال دے اور اپنے آتے ہوئے میں لے لے اگر وہ دینے سے انکار کرے تو ہاتھ پکڑ کر چھین سکتا ہے اور یوں بھی نہ ملے تو قاضی کے پاس مقدمہ پیش کرے کہ اُس کے پاس ہے اور میرا نہیں دیتا۔“ (بہارِ شریعت، صفحہ 890، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

دُرِّمُختَار میں ہے: ”وحیلۃ الجواز أن یعطی مدیونہ الفقیر زکاتہ ثمّ یأخذھا عن دَینہ،

ولو امتنع المدیون مدّ یده و أخذها لکونه ظفر بجنس حقّه، فإن مانعه رفعه للقاضی“
(در مختار، صفحه 226، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــه

عبدہٗ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

23 جمادی الاولی 1429ھ 29 مئی 2008ء

علاج میں خرچ کی ہوئی رقم زکوٰۃ میں شمار کرنا؟

فتوی 111

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری کمپنی میں کام کرتے ہوئے ایک مزدور حادثے میں زخمی ہوگیا، ہم نے اس کا علاج کروانا شروع کردیا، ہمارے ذہن میں تھا کہ دس بارہ ہزار خرچہ آئے گا، ہم بطورِ امداد اپنی طرف سے ادا کردیں گے، لیکن علاج کا خرچہ تقریباً پچاس ہزار روپے ہوگیا، ہم نے تمام رقم ہسپتال انتظامیہ کو ادا کردی، بعد میں ہم نے ارادہ کیا کہ پندرہ ہزار سے زیادہ رقم کو زکوٰۃ کی مد میں شمار کرلیتے ہیں، اب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ پندرہ ہزار سے زائد رقم کو ہم زکوٰۃ کی مد میں شمار کرسکتے ہیں یا نہیں؟

سائل: محمد طاہر (کھارادر، کراچی)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

علاج کی مد میں جو رقم خرچ ہوچکی ہے بعد میں اس پر زکوٰۃ کی نیت نہیں ہوسکتی۔ دریافت کردہ صورت میں جو کچھ خرچ کیا گیا وہ بھی صدقہ اور نیکی کا کام تھا اس کا ضرور ثواب ملے گا البتہ زکوٰۃ الگ سے ادا کی جائے۔

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّمُخْتَار میں ہے:”(وشرط صحّة أدائها نيّة مقارنة له) أی للأداء (ولو) کانت المقارنة (حکمًا) کما لو دفع بلا نيّة ثمّ نوی والمال قائمٌ فی ید الفقیر“

ترجمہ: زکوٰۃ کی ادائیگی کے صحیح ہونے کی شرط یہ ہے کہ نیت ادائیگی کے ساتھ ملی ہوا گرچہ حُکماً ہو جیسا کہ اگر کسی نے فقیر کو مال دے دیا اور بعد میں نیت کی تو یہ درست ہے جبکہ وہ مال فقیر کی مِلکیَّت میں ہو۔

(در مختار، صفحہ 222، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں: ''دیتے وقت نیت نہیں تھی بعد کو کی تو اگر مال فقیر کے پاس موجود ہے یعنی اسکی مِلک میں ہے تو یہ نیت کافی ہے ورنہ نہیں۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 886، جلد 1، مکتبة المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ

اَبُو مُحَمَّد علی اصغر العطاری المدنی

15 شوال المکرم 1429ھ 15 اکتوبر 2008ء

فتویٰ 112

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ رَمَضان المبارک کے علاوہ ہم پورے سال میں جو پیسے غریبوں کو دیتے ہیں کیا وہ زکوٰۃ میں شمار ہوتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صاحبِ نصاب سال پورا ہونے سے پہلے بھی جو رقم مُستحِق افراد کو زکوٰۃ کی نیت سے دیتا رہا تو اس کو زکوٰۃ میں شُمار کریں گے اور اگر زکوٰۃ کی نیت سے نہ دی یا مالکِ نصاب ہونے سے پہلے دی تو زکوٰۃ شُمار نہ ہوگی۔

فَتَاویٰ عَالَمگِیری میں ہے: ''ویجوز تعجیل الزّکاة بعد ملك النّصاب، ولا یجوز قبله كذا فی الخلاصة'' ترجمہ: مالکِ نصاب پیشتر سے چند سال کی بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے اور مالکِ نصاب نہ ہو تو

نہیں دے سکتا جیسا کہ خلاصہ میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 176، جلد 1، دار الفکر بیروت)

خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ تعالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ”مالکِ نصاب پیشتر سے چند سال کی بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے لہٰذا مناسب یہ ہے کہ تھوڑا تھوڑا زکوٰۃ میں دیتا رہے ختمِ سال پر حساب کرے اگر زکوٰۃ پوری ہوگئی فبہا اور کچھ کمی ہو تو اب فوراً دے دے تاخیر جائز نہیں کہ نہ اس کی اجازت کہ اب تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کرے بلکہ جو کچھ باقی ہے کُل فوراً ادا کر دے اور زیادہ دے دیا ہے تو سالِ آئندہ میں مُجرا کر دے۔“

(بہارِ شریعت، صفحہ 891، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

15 رمضان المبارک 1427ھ 9 اکتوبر 2006ء

گھریلو اَشیاء بطورِ زکوٰۃ دینا؟

فتویٰ 113

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ گھریلو اَشیاء زکوٰۃ کی مد میں دے سکتے ہیں یا نہیں؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

گھریلو اَشیاء زکوٰۃ کی مد میں دینا جائز ہے بشرطیکہ فقیرِ شرعی کو مالک بنا دیا جائے۔ زکوٰۃ کی مد میں سونا، چاندی، روپیہ پیسہ یا کسی قسم کی کرنسی دینا ضروری نہیں بلکہ ہر وہ چیز جو مال کے قبیل سے تعلق رکھتی ہے چاہے وہ کسی جنس یا گھریلو مال واَسباب کی صورت میں ہو بطورِ زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، کیونکہ زکوٰۃ کا مقصد فقیر کی حاجت کو پورا کرنا ہے، فقیر کو نقدی کیساتھ روٹی، کپڑے، مکان اور ضروریاتِ زندگی کی دیگر اَشیاء کی بھی ضرورت ہوتی ہے، لہٰذا مذکورہ تمام

اَشیاء جب فقیر کی مِلک میں دے دی جائیں گی تو ان کی مارکیٹ ویلیو کے بقدر زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

چنانچہ تَنوِیرُ الْاَبْصَار میں زکوٰۃ کی شرعی تعریف ان الفاظ سے کی گئی ہے:"تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير غير هاشمی و لا مولاه مع قطع المنفعة عن الملك من كل وجه لله تعالیٰ" ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے شارع کی طرف سے مقرر کردہ مال کے ایک جزء کا مسلمان فقیر کو مالک کر دینا، جبکہ وہ فقیر نہ ہاشمی ہو اور نہ ہاشمی کا آزاد کردہ غلام اور اپنا نفع اس سے بالکل جدا کر لیا جائے۔

(تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 203 تا 206، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

تَنوِیرُ الْاَبْصَار کی عبارت "تَملِیک" پر دُرِّ مُختَار میں ہے:"خرج الاباحة فلو أطعم يتيمًا ناويًا الزكاة لا يجزيه الا اذا دفع اليه المطعوم كما لو كساه بشرط ان يعقل القبض "ترجمہ: تملیک کی قید سے اِباحت خارج ہو گئی، تو اگر کسی نے یتیم کو کھانا کھلا دیا تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی مگر یہ کہ اس کھانے کا اس کو مالک کر دے، اسی طرح اگر اس کو لباس پہنا دیا تو بھی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بشرطیکہ وہ قبضے کا شعور رکھتا ہو۔

"جُزءِ مَال" کے تحت فرمایا:"خرج المنفعة فلو اسكنى فقيرًا داره سنةً ناويًا لا يجزيه" ترجمہ: مال کی قید سے منفعت خارج ہو گئی لہٰذا اگر کسی نے فقیر کو زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت سے ایک سال تک اپنے گھر میں قیام دیا تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو گی۔ (درمختار، صفحہ 204، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

حَاشِیَةُ الطَّحطَاوِی میں مال کی تعریف یوں بیان فرمائی گئی ہے:"والمال ما يتموّل أو يدّخر للحاجة وهو خاص بالأعيان و خرج بالمال المنفعة"

(حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، صفحہ 714، مطبوعہ کراچی)

صَدرُ الشَّرِیعَه، بَدرُ الطَّرِیقَه مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ ارشاد فرماتے ہیں:"روپے کے عوض کھانا غلّہ کپڑا وغیرہ فقیر کو دے کر مالک کر دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مگر اس چیز کی قیمت جو بازار بھاؤ سے ہو گی وہ زکوٰۃ میں سمجھی جائے، بالائی مصارف مثلاً بازار سے لانے میں جو مزدور کو دیا ہے یا گاؤں سے منگوایا تو کرایہ اور چونگی وضع نہ کریں گے یا پکوا کر دیا تو پکوائی یا لکڑیوں کی قیمت مُجرا نہ کریں، بلکہ اس پکی ہوئی چیز کی جو قیمت بازار میں ہو، اس کا اعتبار

ہے۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 909 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــہ
محمد سجاد العطاری المدنی

راشن بطورِ زکوٰۃ دینا؟

فتوٰی 114

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی رقم سے راشن وغیرہ لے کر کسی بیوہ یا مسکین وغیرہ کو دے سکتے ہیں؟ سائل: محمد وسیم قریشی عطاری (لیاقت آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر بیوہ یا مسکین زکوٰۃ کا مَصرَف ہیں تو دے سکتے ہیں، اس راشن کی جتنی قیمت بازار میں ہے اتنی ہی زکوٰۃ میں شمار ہوگی۔

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ لکھتے ہیں: "روپے کے عوض کھانا غلّہ کپڑا وغیرہ فقیر کو دے کر مالک کر دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مگر اس چیز کی قیمت جو بازار بھاؤ سے ہوگی وہ زکوٰۃ میں سمجھی جائے، بالائی مصارِف مثلاً بازار سے لانے میں جو مزدور کو دیا ہے یا گاؤں سے منگوایا تو کرایہ اور چونگی وضع نہ کریں گے یا پکوا کر دیا تو پکوائی یا لکڑیوں کی قیمت مُجرا نہ کریں، بلکہ اس پکی ہوئی چیز کی جو قیمت بازار میں ہو، اس کا اعتبار ہے۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 909 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــہ
اَبُوالصَّالِح محمد قاسم القادری
18 رمضان المبارک 1427ھ 12 اکتوبر 2006ء

عیب دار کپڑے زکوٰۃ میں دینا؟

فتویٰ 115

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا کپڑوں کا کاروبار ہے بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ کچھ کپڑے خراب نکل آتے ہیں جو فروخت نہیں کئے جاتے ہم ان کو ایک جگہ جمع کرتے ہیں جب وہ کافی مقدار کو پہنچ جاتے ہیں تو ہم ان کپڑوں کو بطورِ زکوٰۃ غریبوں میں تقسیم کردیتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا زکوٰۃ میں کپڑے دیئے جاسکتے ہیں؟ نیز زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے وقت ان کپڑوں کی کون سی قیمت کا اعتبار کریں؟ قیمتِ خرید کا جس پر ہم نے خریدا تھا یا اس وقت جو اِن کی قیمت ہے اس کا؟

سائل: محمد جنید (کھارادر، باب المدینہ کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ کی مد میں روپے پیسے دینا ہی ضروری نہیں بلکہ ساز وسامان بھی زکوٰۃ میں دیئے جاسکتے ہیں، زکوٰۃ کی مد میں دی جانے والی چیز کی قیمتِ خرید کا اعتبار نہیں ہوگا بلکہ اس چیز کے بازاری بھاؤ کا اعتبار ہوگا۔

امامِ اہلسنّت اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن اپنے فتاویٰ میں اسی نوعیت کے ایک سوال (جس میں ایک طبیب بنیتِ زکوٰۃ گولیاں دیا کرتا تھا) کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ”زکوٰۃ وغیرہا صدقاتِ واجبہ میں جہاں واجب شئے کی جگہ اس کی غیر کوئی چیز دی جائے تو صرف بلحاظِ قیمت ہی دی جاسکتی ہے۔

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 184، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ حضرت مفتی محمد امجد علی اعظمی قُدِّسَ سِرُّہُ القَوِی بہارِ شریعت میں فتاویٰ عالمگیری اور دُرِّ مُختار کے حوالے سے فرماتے ہیں: ”روپے کے عوض (بجائے) کھانا غلّہ کپڑا وغیرہ فقیر کو دے کر مالک کردیا تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی مگر اس چیز کی قیمت جو بازار بھاؤ سے ہوگی وہ زکوٰۃ میں سمجھی جائے، بالائی مصارف مثلاً بازار سے

لانے میں جو مزدور کو دیا ہے یا گاؤں سے منگوایا تو کرایہ اور چونگی وضع نہ کریں گے یا پکوا کر دیا تو پکوائی یا لکڑیوں کی قیمت مُجرانہ کریں، بلکہ اس پکی ہوئی چیز کی جو قیمت بازار میں ہو، اس کا اعتبار ہے۔“

(بہارِ شریعت ، صفحہ 909 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

سائل نے زکوٰۃ ادا کرنے کا جو طریقہ اپنایا ہے اس پر غور کرنے کی ضرورت ہے۔ فی زمانہ ضروریات کو پورا کرنے کے لئے رقم سے بڑھ کر کوئی اور چیز نہیں، کپڑے ملنے سے فقرا اتنے خوش نہیں ہوں گے جتنا رقم ملنے سے، اور پورا نظامِ زکوٰۃ فقرا کی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے ہی قائم کیا گیا ہے اور تمام صدقات میں اصل یہی ہے کہ جس چیز کی ضرورت زیادہ ہو وہ مُستَحِقِّین کو دی جائے، دوسری بات یہ ہے کہ صدقات کی ادائیگی میں بہتر یہ ہے کہ پسندیدہ اور عمدہ عمدہ چیزیں دی جائیں اس کے برخلاف جو مال فیشن بدل جانے کی وجہ سے یا عیب دار ہونے کی وجہ سے کسی نے نہیں خریدا اس کو زکوٰۃ کے لئے رکھ دینا ایک معیوب بات ہے جس کی تحسین نہیں کی جاسکتی اگرچہ اس طرح زکوٰۃ تو ادا ہو جائے گی لیکن اس طریقے کو مستقل عادت نہ بنایا جائے۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــه
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
جمیل احمد غوری العطاری المدنی
8 ربیع الآخر 1430ھ 05 اپریل 2009ء

الجواب صحیح
اَبُومُحَمَّد عَلی اَصغَر العَطّارِی المَدَنی

زکوٰۃ کی مد میں میڈیسن دینا؟

فتویٰ 116

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا بیٹا میڈیسن کا کام کرتا تھا، اب وہ کام بند کر دیا ہے، بہت ساری میڈیسن گھر میں رکھی ہوئی ہیں، بہت ساری ایکسپائر ہو گئی ہیں جنہیں پھینکنا پڑا، اب جو باقی ہیں ان کے ایکسپائر ہونے میں چھ ماہ رہ گئے ہیں تو کیا ہم یہ میڈیسن زکوٰۃ کی مد میں دے سکتے ہیں؟ اور

جس وقت وہ دوائیاں خریدی گئی تھیں اس وقت وہ ایک لاکھ کی تھیں، اب ان کی قیمت ستّر ہزار رہ گئی ہے۔ تو زکوٰۃ ایک لاکھ کے حساب سے نکالیں گے یا ستّر ہزار کے حساب سے؟

سائل: شبیر احمد (جمشید روڈ، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جو قابلِ استعمال میڈیسن ہیں انہیں زکوٰۃ کی مد میں دے سکتے ہیں اور جتنی ان کی موجودہ قیمت ہے اسی کے حساب سے زکوٰۃ ادا ہوگی، اور یہ میڈیسن اسی کو دے سکتے ہیں جو زکوٰۃ کا مستحق ہو، اور مالک بنا کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہوگی صرف اِباحت کافی نہیں۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی ارشاد فرماتے ہیں: ”زکوٰۃ میں روپے وغیرہ کے عوض بازار کے بھاؤ سے اس قیمت کا غلّہ مکّا وغیرہ محتاج کو دے کر بہ نیت زکوٰۃ مالک کر دینا جائز وکافی ہے، زکوٰۃ ادا ہوجائیگی، مگر جس قدر چیز محتاج کی مِلک میں گئی بازار کے بھاؤ سے جو قیمت اس کی ہے وہی مُجرا ہوگی بالائی خرچ محسُوب نہ ہوں گے، مثلاً آج کل مکّا کا نرخ نُو سیر ہے نُو من مکّا مول لے کر محتاجوں کو بانٹی تو صرف چالیس روپیہ زکوٰۃ میں ہوں گے، اُس پر جو پلّہ داری یا بار برداری دی ہے حساب میں نہ لگائی جائیگی، یا گاؤں سے منگا کر تقسیم کی تو کرایہ گھاٹ چونگی وضع نہ کریں گے، یا غلّہ پکا کر دیا تو پکوائی کی اُجرت، لکڑیوں کی قیمت مُجرا نہ دینگے، اس کی پکی ہوئی چیز کی جو قیمت بازار میں ہو وہی محسُوب ہوگی۔ لانّ رکنها التّمليك من فقير مسلم لوجه اللّٰه تعالٰى من دون عوض (ترجمہ: کیونکہ اس کا رکن یہ ہے کہ کسی فقیر کو اللّٰہ کی رضا کی خاطر اس کا مالک بنایا جائے اور بطور معاوضہ نہ ہو۔)

دُرِّ مُختَار میں ہے: لو أطعم يتيمًا ناويًا الزّكاة لا يجزيه إلّا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه (ترجمہ: جب کسی نے یتیم کو نیتِ زکوٰۃ سے کھانا کھلایا زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جب تک کھانا اس کے حوالے نہ کردے، ایسے ہی لباس کا معاملہ ہے۔) عَالَمگِیری میں ہے: ما سواه من الحبوب لا يجوز إلا بالقيمة (ترجمہ: یہ

دانوں کے علاوہ میں ہے کیونکہ وہاں قیمت ہی ضروری ہے۔) اسی میں ہے: الخبز لا یجوز الا باعتبار القیمة (ترجمہ: روٹی کا اعتبار قیمت کے بغیر جائز نہیں۔)''

(فتاوی رضویہ، صفحہ 69 تا 70، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''روپے کے عوض کھانا غلّہ کپڑا وغیرہ فقیر کو دے کر مالک کر دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی مگر اس چیز کی قیمت جو بازار بھاؤ سے ہوگی وہ زکوٰۃ میں سمجھی جائے، بالائی مصارِف مثلاً بازار سے لانے میں جو مزدور کو دیا ہے یا گاؤں سے منگوایا تو کرایہ اور چونگی وضع نہ کریں گے یا پکوا کر دیا تو پکوائی یا لکڑیوں کی قیمت مُجرا نہ کریں، بلکہ اس پکی ہوئی چیز کی جو قیمت بازار میں ہو، اس کا اعتبار ہے۔''

(بہارشریعت، صفحہ 909، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

ایک بات غور طلب یاد رہے کہ فقیرِ شرعی جسے مالک بنا کر یہ میڈیسن دی جائیں گی اسے ان دواؤں کی ضرورت تو نہ ہوگی وہ بھی قبضہ کرنے کے بعد بیچے گا آپ خود کاروباری آدمی ہیں اس طرح کا پرانا مال صحیح طریقہ سے بیچ سکتے ہیں لہٰذا بیچ کر جو رقم آئے وہ رقم زکوٰۃ میں دے دیں فقیر کو دوائیں دیں گے تو ہوسکتا ہے اس کے تعلقات نہ ہونے کی وجہ سے دوائیں نہ بکیں اور باقی چھ ماہ بھی گزر جائیں پھر ان دواؤں کی قیمت ایک ٹکا بھی نہ ہوگی۔ یوں سَر سے زکوٰۃ اتارنے اور جو مال بیکار ہوتا نظر آرہا ہے اسے زکوٰۃ کی مد میں شمار کرنے کی خواہش پسندیدہ نہیں، زکوٰۃ میں تو اچھا اور عمدہ مال خوش دلی سے دینا چاہئے کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی جانب سے لازم ہونے والے فرض کی ادائیگی فرمانبردار بندے خوش دلی سے ہی کرتے ہیں۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد حسان رضا العطاری المدنی

22 ربیع الآخر 1430ھ 19 اپریل 2009ء

الجواب صحیح

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

مستحقِ زکوٰۃ کو سامان خرید کر دینا؟

فتویٰ 117

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کسی مُستَحِق کو کپڑے، کتابیں، دوائیں یا گھریلو راشن وغیرہ بھی دیا جاسکتا ہے یا نہیں؟

سائل: محمد خالد (ناظم آباد نمبر 4، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اگر کسی مُستَحِقِ زکوٰۃ کو بنیتِ زکوٰۃ کپڑے، کتابیں، دوائیں یا گھریلو راشن وغیرہ لے کر دے دیا اور اسے ان اشیاء کا مالک بھی کر دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

جیسا کہ علامہ علاؤالدین حَصْکَفِی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ”لو أطعم يتيمًا ناويًا الزّكاة لا يجزيه إلّا إذا دفع إليه المطعوم كما لو كساه... الخ“ یعنی اگر کسی شخص نے کسی یتیم (مُستَحِقِ زکوٰۃ) کو زکوٰۃ کی نیت سے کھانا کھلا دیا تو یہ اس کے لئے جائز نہیں اور اگر اس کھانے کا اسے مالک کر دیا تو جائز ہے جیسا کہ اگر وہ اسے کپڑے پہنا دے تو جائز ہے۔ (در مختار، صفحہ 204، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

سیّدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن زکوٰۃ کا پیسہ مُستَحِق طلبہ کو دینے کے بارے میں فرماتے ہیں: ”جن طلبہ کا وظیفہ نہ اُجرۃً بلکہ محض بطورِ امداد ہے ان کے وظیفے میں دیں یا کتابیں خرید کر طلبہ کو ان کا مالک کر دیں۔“ (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 255، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

یونہی صَدْرُ الشَّرِیعَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ”مباح کر دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی مثلاً فقیر کو بہ نیّتِ زکوٰۃ کھانا کھلا دیا زکوٰۃ ادا نہ ہوئی کہ مالک کر دینا نہیں پایا گیا، ہاں اگر کھانا دے دیا

کہ چاہے کھائے یا لے جائے تو ادا ہوگئی یونہی بہ نیّتِ زکوٰۃ فقیر کو کپڑا دے دیا یا پہنا دیا ادا ہوگئی۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 874، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَ اٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

5 شوال المکرم 1427ھ 29 اکتوبر 2006ء

زکوٰۃ کی مد میں مکان دلوانا؟

فتویٰ 118

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری خالہ کا اپنا مکان نہیں وہ اپنے شوہر کے ساتھ ان کے بھائی کے مکان میں رہتی ہیں وہ مکان میری خالہ نے اپنے شوہر کے نام کروانا ہے۔ ان کے گھر میں ٹی وی ہے وہ بھی کسی نے لے کر دیا ہے۔ میری والدہ اپنی زکوٰۃ کی رقم سے یہ مکان میرے خالو کے نام کرواسکتی ہیں؟

سائل: عبدالوحید (ساہیوال، پنجاب)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

ٹی وی کا عام طور پر استعمال جس طرح کا ہوتا ہے سب جانتے ہیں اس اعتبار سے ٹی وی حاجتِ اصلیہ میں شامل نہیں اس کی قیمت دیکھ لی جائے اس کے علاوہ بھی حاجت سے زائد جو مال ہو اس کی قیمت بھی شامل کر کے صحیح حساب لگایا جائے اگر مِلکِیّت میں نصاب کی مقدار مال ہو تو ایسے شخص کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی کہ وہ مُستحقِ زکوٰۃ نہیں۔ لہٰذا آپ کی والدہ آپ کی خالہ یا ان کے شوہر جسے بھی زکوٰۃ کی رقم سے مکان دلانا چاہتی ہیں اگر وہ شرعی فقیر ہیں تو انہیں زکوٰۃ کی رقم سے مکان دلایا جاسکتا ہے اور زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی، اور جتنی رقم میں مکان خرید کر دیں گی اتنی ہی زکوٰۃ ادا ہوگی۔ لیکن اگر شرعی فقیر نہیں تو انہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اگر دی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ ایک سوال ”صاحبِ نصاب نے 500 روپے کی زکوٰۃ ساڑھے بارہ روپے نکالی اور ان روپیوں کا ایک دیگ کھانا پکا کر ایک مسکین کو اس کا مالک کر دیا یا ان روپیوں کا کپڑا خرید کر ایک مسکین کو دیا یا دس مسکین کو دیدیا تو اس کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں“ کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ”اگر مسکین کو مالک کر دیا ہے تو جس قیمت کا وہ کھانا یا کپڑا ہے اتنی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ کھانا پکوانے میں جو خرچ ہوا ہے اس کا اعتبار نہیں۔ دُرِّ مُختَار میں ہے: ”و جاز دفع القیمۃ فی زکاۃ “ زکوٰۃ میں قیمت دینا بھی جائز ہے۔ نیز اسی میں ہے: ”فلو أطعم یتیمًا ناویًا الزّکاۃ لا یجزیہ إلّا إذا دفع إلیہ المطعوم کما لو کساہ “ اگر کسی یتیم کو بہ نیّتِ زکوٰۃ کھانا کھلایا تو یہ کافی نہیں مگر جبکہ وہ کھانا اسے دے دیا تو ہوسکتا ہے جس طرح کپڑا دے دے تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی۔“

(فتاویٰ امجدیہ، صفحہ 369، جلد 1، مکتبہ رضویہ کراچی)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبـــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد طارق رضا العطاری المدنی

28 شعبان المعظم 1429ھ 31 اگست 2008ء

صدقے سے مال میں برکت کے عجب نظارے

حضرتِ سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ شہنشاہِ مدینہ، قرارِ قلب وسینہ، صاحبِ معطر پسینہ، باعثِ نُزولِ سکینہ، فیض گنجینہ صلَّی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ”ایک شخص کسی ویران جگہ سے گزر رہا تھا تو اس نے بادل میں سے ایک آواز سنی کہ فلاں کے باغ کو سیراب کرو تو وہ بادل جھک گیا اور اس نے اپنا پانی ایک پتھریلی زمین میں برسا دیا تو وہاں کے نالوں میں سے ایک نالے میں وہ سارا پانی جمع ہوگیا اور ایک سمت بہنے لگا تو وہ شخص اس نالی کے ساتھ چل دیا تو اس نے دیکھا کہ وہ پانی ایک باغ میں داخل ہوا جہاں ایک کسان کھڑا تھا تو اس نے اس کسان سے پوچھا ”اے اللہ تعالیٰ کے بندے! تیرا نام کیا ہے؟“ اس نے کہا، ”فلاں“ یہ وہی نام تھا جو اس نے بادل سے آنے والی آواز سے سنا تھا۔ اس کسان نے کہا، ”اے اللہ کے بندے! تو نے میرا نام کیوں پوچھا؟“ تو اس شخص نے کہا، ”جس بادل سے یہ بارش برس رہی ہے تیرا نام میں نے اس سے سنا ہے، یہ بادل کہہ رہا تھا کہ فلاں کے باغ کو سیراب کرو، تُو اپنے کھیت میں ایسا کیا کرتا ہے (کہ تیری زمین کو بادل نے سیراب کیا)؟“ تو اس نے جواب میں کہا، ”جب تو نے یہ بات پوچھ ہی لی ہے تو سن لے کہ جو کچھ میرے اس باغ سے نکلتا ہے تو میں اس کے تین حصے کرلیتا ہوں ایک حصہ صدقہ کر دیتا ہوں اور ایک حصہ خود کھاتا ہوں اور اپنے عیال کو کھلاتا ہوں اور تیسرے حصے کو اسی زمین میں کاشت کرلیتا ہوں۔“

(مسلم، کتاب الزہد والرقائق، الصدقۃ فی المساکین، ص 1593، دار ابن حزم بیروت)

باب ثانی: زکوٰۃ نکالتے وقت پیش آنے والے مسائل

فصل/عنوان 7

نصاب ملانے کی صورتیں

مقدار سے کم نصاب کو باہم ملایا جائے گا

فتویٰ 119

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کتنا سونا ہو تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟ اور کتنی رقم ہو تو زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ ہے جبکہ چاندی کا نصاب ساڑھے باون تولہ ہے، روپے پیسے اور مالِ تجارت حاجتِ اصلیہ سے زائد تنہا یا سب ملکر اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہوں تو ان پر زکوٰۃ ہوگی جبکہ دیگر شرائط بھی پائی جائیں۔

فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”تجب فی کل مائتی درهم خمسة دراهم و فی کل عشرين مثقال ذهب نصف مثقال“ ترجمہ: ہر دوسو درہم میں سے پانچ درہم اور ہر بیس مثقال سونے میں سے آدھا مثقال زکوٰۃ واجب ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 178، جلد 1، دار الفکر بیروت)

اگر کسی شخص کے پاس صرف سونا ہے اس کے علاوہ کوئی اور مالِ نامی مثلاً چاندی، روپے پیسے یا مالِ تجارت نہیں تو اس صورت میں وہ سونے کا حساب لگائے، اگر سونا ساڑھے سات تولہ یا اس سے زائد ہوگا تو وہ زکوٰۃ دے گا ورنہ

نہیں۔ اور اگر اس کے پاس کچھ چاندی ہے اور کچھ سونا یا اس کے ساتھ کچھ رقم بھی ہے مگر سونا یا چاندی اور رقم میں سے کوئی بھی نصاب کی مقدار نہیں تو اس صورت میں چاندی کے حساب سے زکوٰۃ دیں گے یعنی اس سونے کو چاندی شُمار کریں گے وہ اس طرح کہ ان دونوں کی قیمت کا تَعَیُّن کریں گے پھر دیکھیں گے کہ یہ سونا اس چاندی یا رقم سے مِلکر چاندی کی نصاب ساڑھے باون تولہ کی مقدار ہے یا نہیں، اگر نہ ہو تو زکوٰۃ نہیں اور اگر ہو تو زکوٰۃ ہے۔

چنانچہ ہِدَایَہ میں ہے: "وتضم قيمة العروض إلى الذهب والفضة حتى يتم النصاب...... ويضم الذهب إلى الفضة للمجانسة من حيث الثمنية ومن هذا الوجه صار سببا" یعنی سامان کی قیمت کو سونے اور چاندی کی قیمت سے ملایا جائے گا تاکہ نصاب مکمل ہو جائے اور ثَمَن کی بنا پر ہم جِنس ہونے کی وجہ سے سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا اور اسی وجہ سے یہ سببِ وُجُوب ہوگا۔

(هدايه اوّلين، صفحه 213، مطبوعه لاهور)

علامہ ابنِ ہُمام صاحبِ فَتْحُ الْقَدِیْر رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "و النقدان يضم أحدهما إلى الآخر في تكميل النصاب عندنا" یعنی ہمارے نزدیک تکمیلِ نصاب کے لئے دونوں نقدوں (سونے اور چاندی) کو ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا۔　(فتح القدير، صفحه 169، جلد 2، مطبوعه كوئٹه)

شَیْخُ الْاِسْلَام وَ الْمُسْلِمِیْن شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: "جو (مال) راساً نصاب کو نہیں پہنچا بنفسہٖ سببیتِ وُجُوب کی صلاحیت نہیں رکھتا مگر جب اس نوع کے ساتھ دوسری نوع بھی ہو یعنی زر وسیم مُختلط ہوں تو اَزْ اَنجا کہ وجہِ سَبَبِیَّت ثَمَنِیَّت تھی اور وہ دونوں میں یکساں، تو اس حیثیت سے ذہب وفِضّہ جِنسِ واحد ہیں لہٰذا ہمارے نزدیک جو ایک نوع میں مُوجِبِ زکوٰۃ نہ ہو سکتا تھا خواہ اس لئے کہ نصاب ہی نہ تھا یا اس لئے کہ نصاب کے بعد عفو تھا اس مقدار کو دوسری نوع سے تَقْوِیم کر کے ملا دیں گے کہ شاید اب اس کا مُوجِبِ زکوٰۃ ہونا ظاہر ہو۔ پس اگر اس ضَم سے کچھ مقدارِ زکوٰۃ بڑھے گی (بایں معنی کہ نوعِ ثانی قبلِ ضَم نصاب نہ تھی اس کے ملنے سے نصاب ہو گئی یا اگلی نصاب پر نصابِ خُمس کی تکمیل ہو گئی) تو اسی قدر زکوٰۃ بڑھا دیں گے اور اب اگر کچھ عفو بچا تو وہ حقیقۃً عفو ہوگا ورنہ کچھ نہیں اور اگر ضَم

کے بعد بھی کوئی مقدارِ زکوٰۃ زائد نہ ہو تو ظاہر ہو جائے گا کہ یہ اصلاً موجبِ زکوٰۃ نہ تھا۔"

(فتاوی رضویہ، صفحہ 113، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد کفیل رضا عطاری المدنی
27 محرم الحرام 1431ھ 14 جنوری 2010ء

مقدار سے کم مختلف اموال کے جمع کرنے میں چاندی کا اعتبار ہے

فتویٰ 120

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس ضرورتِ زندگی اور قرض کو نکال کر 6 تولے سونا ہے اور اس کے علاوہ 5,000 روپے بھی ہیں تو کیا مجھ پر زکوٰۃ ہے یا نہیں کیونکہ سونا ساڑھے سات تولے تو نہیں ہے جو کہ زکوٰۃ کا نصاب بنتا ہے لیکن اگر ان کو ملایا جائے تو چاندی کے نصاب سے زیادہ رقم بنتی ہے تو کیا ملا کر زکوٰۃ دی جائے گی؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جب سونا تنہا ہو اور کوئی مالِ زکوٰۃ موجود نہ ہو تو حاجتِ اصلیہ اور قرض کو نکال کر ضروری ہے کہ سونے کی مقدار ساڑھے سات تولہ ہو تبھی اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی ورنہ نہ ہوگی لیکن جب سونے کا اپنا نصاب کم ہو لیکن دیگر مالِ زکوٰۃ مثلاً مالِ تجارت، رقم وغیرہ تو ایسے میں دونوں کی قیمت کو ملا کر دیکھا جائے گا چنانچہ بیان کی گئی صورت میں سونے اور رقم کے علاوہ اموالِ زکوٰۃ میں سے کچھ اور نہ بھی ہو تو نقدی کو سونے کی قیمت کے ساتھ ملائیں گے اگر یہ ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائے تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دینا ہوگا اور چونکہ آپ کے پاس 6 تولے سونا اور

5,000 روپے موجود ہیں جن کو ملایا جائے تو چاندی کی کئی نصابیں بن جائیں گی لہٰذا اگر ان پر سال گزر چکا ہے تو آپ پر زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

8 شوال المکرم 1427ھ 01 نومبر 2006ء

جب چاندی اور سونا دونوں نصاب سے کم ہوں؟

فتویٰ 121

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک عورت جس کی تنخواہ 10 ہزار سے 15 ہزار روپے تک ہے کرایہ کے گھر میں رہتی ہے شوہر الگ کماتا ہے لیکن اس کے پاس نہ تو بینک بیلنس ہے اور نہ ہی ساڑھے سات تولہ سونا اور نہ ہی ساڑھے باون تولہ چاندی، بس کچھ چاندی ہے اور کچھ سونا ہے کچھ زیور اپنی بیٹی کو دے دیا ہے یعنی مالک بنا چکی ہے۔ عرض یہ ہے کہ اس عورت پر زکوٰۃ فرض ہوئی یا نہیں؟ اگر ہوئی تو کتنی؟

سائل: سید صہیب علی اشرفی (شاہ فیصل کالونی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

مذکورہ صورت میں چاندی اور سونے کو ملانے سے اگر ان کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی تک پہنچتی ہے تو عورت پر اس مال کی زکوٰۃ دیگر شرائط کی موجودگی میں فرض ہوجائے گی اور جو زیور بیٹی کے قبضے میں دے کر مالک بنا چکی اس کی زکوٰۃ اس عورت پر نہیں۔ ہاں لڑکی کو جو زیور دیا اس پر زکوٰۃ اس صورت میں لازم ہوگی کہ وہ زیور خود یا اس کے ساتھ لڑکی کے پاس موجود زائد از حاجت چاندی یا رقم کو ملائیں تو چاندی کا نصاب بن جائے۔
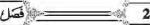
فَتَاویٰ رَضَوِیّہ شریف میں ہے: ''(اگر نصاب میں کمی) دونوں جانب ہے تو البتہ یہ امر غور طلب ہوگا کہ اب ان میں کس کو کس سے تَقْوِیم کریں کہ دونوں صلاحیتِ ضَم رکھتے ہیں، اس میں کثرت وقِلّت کی وجہ سے ترجیح نہ ہوگی...... بلکہ حکم یہ ہوگا کہ جو تَقْوِیم فقیروں کے لیے اَنفع ہو اُسے اِختیار کریں۔''

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 116 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

اگر تنخواہ سے حاجتِ اَصلیہ پر خرچ ہونے کے بعد کچھ رقم بچ بھی جاتی ہو تو اس کو بھی شامل کیا جائے گا۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِمُ الْقَادِرِی

25 شعبان المعظم 1427ھ 19 ستمبر 2006ء

دو تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی ہو تو؟

فتویٰ 122

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس کے پاس دو تولے سونا اور ایک تولہ چاندی ہو اور اس پر سال گزر گیا ہو تو کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟

سائل: عبدالماجد عطاری (دیو خورد، مرکز الاولیاء لاہور)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جی ہاں! جس کے پاس حاجتِ اَصلیہ سے زائد دو تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی ہو اور اس پر سال گزر گیا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی کیونکہ دونوں کو ملائیں اور چاندی کے حساب سے دیکھیں تو نصاب بن جاتا ہے۔ اگرچہ علیحدہ علیحدہ دیکھیں تو سونا چاندی میں سے کسی کا نصاب پورا نہیں ہے۔

تَبْیِیْنُ الْحَقَائِق میں ہے: ''یضم الذھب إلی الفضۃ بالقیمۃ فیکمل بہ النصاب لأن الکل

جنس واحد" ترجمہ: سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا تا کہ نصاب مکمل ہو جائے کیونکہ یہ آپس میں ہم جنس ہیں۔ (تبیین الحقائق، صفحہ 281، جلد 1، مطبوعہ ملتان)

خُلاصَةُ الْفَتَاوىٰ میں ہے: "أصل هذا أن الذهب يضم إلى الفضة لتكميل النصاب عندنا استحساناً" ترجمہ: ہمارے نزدیک تکمیلِ نصاب کی خاطر سونے کو چاندی کے ساتھ ملانا یہ اصل ہے اور یہ بطورِ اِستحسان ہے۔ (خلاصة الفتاوىٰ، صفحہ 237، جلد 1، مطبوعہ کوئٹہ)

دُرِّمُختَار میں ہے: "ولو بلغ بأحدهما نصابًا دون الآخر تعين ما يبلغ به، ولو بلغ بأحدهما نصابًا و خمساً و بالآخر أقل قوّمه بالأنفع للفقير"
(در مختار، صفحہ 272، جلد 3، دار المعرفة بيروت)

امامِ اہلسنّت مُجَدِّدِ دِین ومِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: "جو تَقوِیم فقیروں کے لئے اَنفع ہو اُسے اِختیار کریں، اگر سونے کو چاندی کرنے میں فقراء کا نفع زیادہ ہے تو وہی طریقہ برتیں۔"
(فتاوىٰ رضويه، صفحہ 116، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم القَادِرِی

کتبہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد ہاشم خان العطاری المدنی
جمادی الثانی 1430ھ جون 2009ء

سونا، چاندی اور مالِ تجارت کو ملانے کی صورت

فتویٰ 123

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے پاس ساڑھے سات تولہ سے کم سونا، ساڑھے باون تولہ سے کم چاندی اور مالِ تجارت بھی شرعی مقدار سے کم ہے اس صورت میں اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

سائل: نوید رضا (لیاقت آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں تینوں اَشیاء کو قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا اگر ان تینوں کی قیمت حاجتِ اَصلیہ سے فارغ ہوکر ساڑھے باون تولہ چاندی کی رقم کے مُساوی یا اس سے زائد ہوجائے تو تینوں کی مجموعی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی جومقدار ان تینوں کی لکھی ہے ان کی قیمت اگر چاندی کے نصاب سے زائد ہے تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔

فَتَاویٰ عَالَمْگِیْرِی میں ہے:" و تضم قیمة العروض إلی الثمنین والذھب إلی الفضة قیمةً کذا فی الکنز" ترجمہ: اور سامان کی قیمت سونا چاندی کے ساتھ ملائی جائے گی اور سونا قیمت کے اعتبار سے چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا، اسی طرح کَنْزُ الدَّقَائِق میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 179 ، جلد 1 ، دار الفکر بیروت)

صَدْرُ الشَّرِیْعَہ ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی ارشاد فرماتے ہیں: "اگر دونوں میں سے کوئی بقدرِ نصاب نہیں تو سونے کی قیمت کی چاندی یا چاندی کی قیمت کا سونا فرض کر کے ملائیں پھر اگر ملانے پر بھی نصاب نہیں ہوتی تو کچھ نہیں اور اگر سونے کی قیمت کی چاندی چاندی میں ملائیں تو نصاب ہوجاتی ہے اور چاندی کی قیمت کا سونا سونے میں ملائیں تو نہیں ہوتی یا بِالعکس تو واجب ہے کہ جس میں نصاب پوری ہو وہ کریں۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 904 ، جلد 1 ، مکتبة المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــــہ

عَبْدُہُ الْمُذْنِبْ فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَا عَنْہُ الْبَارِی

6 رمضان المبارک 1429ھ 07 ستمبر 2008ء

سونے اور مالِ تجارت کو ملا کر نصاب کا مکمل ہونا

فتویٰ 124

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس ساڑھے

پانچ تولہ سونا ہے اور تقریباً 75,000 روپے کا مالِ تجارت بھی ہے تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہے؟

سائل: محمد سلمان (لانڈھی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

دریافت کی گئی صورت میں زکوٰۃ واجب ہے جبکہ کوئی مانعِ شرعی نہ ہو کیونکہ سونے اور مالِ تجارت کا مجموعہ چاندی کے نصاب کے برابر ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے: ''سونے چاندی کے علاوہ تجارت کی کوئی چیز ہو، جس کی قیمت سونے چاندی کی نصاب کو پہنچے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے یعنی قیمت کا چالیسواں حصہ اور اگر اَسباب کی قیمت تو نصاب کو نہیں پہنچتی مگر اس کے پاس ان کے علاوہ سونا چاندی بھی ہے تو ان کی قیمت سونے چاندی کے ساتھ ملا کر مجموعہ کریں، اگر مجموعہ نصاب کو پہنچا زکوٰۃ واجب ہے۔'' (بہارِ شریعت، صفحہ 903، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد سعید العطاری المدنی

20 رمضان المبارک 1429ھ 21 ستمبر 2008ء

الجواب صحیح

ابوالصالح محمد قاسم القادری

ایک نصاب مکمل اور ایک کم ہو تو؟

فتویٰ 125

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مالِ تجارت نصاب کو پہنچ جائے اور اس کے علاوہ سونا نصاب سے کم ہو مثلاً پانچ تولے ہو اس کے علاوہ کچھ نہیں تو کیا اس سونے کو مالِ تجارت کے ساتھ ملائیں گے؟

سائل: لیاقت علی (مرکز الاولیاء لاہور)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جی ہاں! ان کو ملایا جائے گا۔

چنانچہ مُحَقِّق شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی ماتن کے قول:"من جنسه" کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:"سيأتي: أن أحد النقدين يضم إلى الآخر، وأن عروض التجارة تضم إلى النقدين للجنسية باعتبار قيمتها" ترجمہ: عنقریب بحث ہوگی کہ نقدین یعنی سونے و چاندی کو تکمیلِ نصاب کی خاطر ایک دوسرے کے ساتھ ملایا جائے گا اور سامانِ تجارت کو بھی سونے چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا کیونکہ اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں قیمت کو ہی ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ (رد المحتار على الدر المختار، صفحه 254، جلد 3، دار المعرفة بيروت)

سیّدی امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں:"سونا چاندی تو مطلقاً ایک ہی جنس ہیں خواہ ان کی کوئی چیز ہو اور مالِ تجارت بھی اُنہی کی جنس سے گنا جائیگا اگرچہ کسی قسم کا ہو کہ آخر اس پر زکوٰۃ یوں ہی آتی ہے کہ اس کی قیمت سونے یا چاندی سے لگا کر اُنہی کی نصاب دیکھی جاتی ہے تو یہ سب مال زر و سیم ہی کی جنس سے ہیں۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 86، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

9 جمادی الثانی 1430ھ 03 جون 2009ء

نصاب میں چاندی کا اعتبار کریں یا سونے کا؟

فتویٰ 126

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس کچھ زیور چاندی کا اور کچھ زیور سونے کا ہے۔ چاندی کے زیور کا وزن ساڑھے باون تولے ہے جو کہ نصاب کے مطابق ہے

اور سونے کا زیور سوا تولہ ہے تو سونے کو چاندی میں ملائیں گے یا چاندی کو سونے میں؟ اور ملانے کے لئے سونا چاندی کے وزن کا اعتبار ہوگا یا ان کی کاریگری کے ساتھ قیمت کا؟ سائل: غلام سرور عطاری (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

صورتِ مسئولہ میں سونے کو چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا اور سونے کے زیور کی قیمت لگائی جائے گی کہ وہ زیور کتنے وزن کا ہے اور اس کی کیا قیمت ہے پھر ملا کر جو قیمت دونوں کی بنے گی اس کی زکوٰۃ ادا کی جائیگی قیمت سے ادائیگی کریں گے تو دونوں کو ملانے سے جو مجموعی قیمت بنے گی اس میں سے چالیسواں حصہ ادا کر دیا جائے اگر چاندی کے نصاب کی زکوٰۃ چاندی سے دینا چاہیں تو وزن کر کے جو پورا چالیسواں حصہ بنے گا اتنی چاندی دینی ہوگی۔ جہاں تک سوال ہے کاریگری کے ساتھ قیمت کے بارے میں تو کاریگر کے معاوضہ کو تو شمار نہیں کریں گے البتہ اس صورت میں اس کے ڈیزائن کی بنا پر قیمت میں جو اضافہ ہوا وہ ضرور شمار ہوگا۔ اگر چہ وزن کے حساب سے دیکھیں تو قیمت کم بنتی ہو اور صنعت اور بناوٹ کی وجہ سے قیمت زیادہ بنتی ہو تو یہ اضافہ بھی شمار کریں گے۔

سیّدی اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''اگر ایک جانب نصابِ تام بلا عفو ہے اور دوسری طرف نصاب سے کم، تو یہاں یہی طریقہ ضم متعیّن ہوگا کہ اس غیرِ نصاب کو اس نصاب سے تقویم کر کے ملا دیں، یہ نہ ہوگا کہ نصاب کو تقویم کر کے غیرِ نصاب سے ملائیں۔ مثلاً چاندی نصاب ہے اور سونا غیرِ نصاب، تو اس سونے کو چاندی کریں گے چاندی کو سونا نہ کریں گے، اور عکس ہے تو عکس۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 115، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی ارشاد فرماتے ہیں: ''یونہی سونے کی زکوٰۃ میں سونے اور چاندی کی زکوٰۃ میں چاندی کی کوئی چیز دی تو اس کی قیمت کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ وزن کا اگر چہ اس میں بہت کچھ صنعت ہو جس کی وجہ سے قیمت بڑھ گئی۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 902، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

اسی میں ہے: ''یہ جو کہا گیا کہ ادائے زکوٰۃ میں قیمت کا اعتبار نہیں یہ اسی صورت میں ہے کہ اس کی جنس کی

زکوٰۃ اسی جنس سے ادا کی جائے اور اگر سونے کی زکوٰۃ چاندی سے یا چاندی کی سونے سے ادا کی تو قیمت کا اعتبار ہوگا، مثلاً سونے کی زکوٰۃ میں چاندی کی کوئی چیز دی جس کی قیمت ایک اشرفی ہے تو ایک اشرفی دینا قرار پائے گا، اگرچہ وزن میں اس کی چاندی پندرہ روپے بھر بھی نہ ہو۔" (بہارِ شریعت، صفحہ 902، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــہ
عَبْدُہُ الْمُذْنِبْ فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَاعَنْہُ الْبَارِی
29 شعبان المعظم 1427ھ 14 ستمبر 2006ء

سونے چاندی اور کمیٹی کی رقم ملا کر نصاب مکمل ہونے کی صورت

فتویٰ 127

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے پاس سات تولہ سونا ہے لیکن ساڑھے باون تولہ چاندی کی رقم سے زائد ہے کیا اس سونے پر زکوٰۃ ہوگی؟ نیز ہم نے کمیٹی ڈال رکھی ہے جس میں تقریباً پچاس ہزار روپے ادا کر چکے ہیں اس کی زکوٰۃ کا حکم بیان فرمادیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سونا جب ساڑھے سات تولہ سے کم ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی اگرچہ اس کی رقم ساڑھے باون تولہ چاندی کی رقم کے مُساوی یا اس سے زائد ہو۔ یہ اس صورت میں ہے جب سونے کے علاوہ دوسرا کوئی مالِ زکوٰۃ موجود نہ ہو، لیکن چونکہ آپ نے کمیٹی ڈال رکھی ہے تو اس رقم کے ساتھ سونے کو ملائیں یعنی سونے کی جو موجودہ قیمت ہے اس قیمت کو پچاس ہزار میں شامل کردیں اور مجموعی رقم پر زکوٰۃ ادا کریں۔ (البتہ جو رقم کمیٹی میں دی ہوئی ہے اس کی زکوٰۃ دینا اگرچہ فِی الْفَوْر واجب نہیں لیکن بہتر یہی ہے کہ جیسے ہی سال پورا ہو مکمل رقم پر زکوٰۃ نکال دیں)

فَتَاوٰی عَالَمْگِیرِی میں ہے:"و تضم قیمة العروض الی الثمنین والذھب الی الفضة

قیمۃً کذا فی الکنز" ترجمہ:اورسامان کی قیمت سونا چاندی کے ساتھ ملائی جائے گی اور سونا قیمت کے اعتبار سے چاندی کے ساتھ ملایا جائے گا،اسی طرح کَنزُ الدَّقائِق میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 179 ، جلد 1 ، دار الفکر بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ حضرت علامہ امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی ارشادفرماتے ہیں: ''اگر دونوں میں سے کوئی بقدرِ نصاب نہیں تو سونے کی قیمت کی چاندی یا چاندی کی قیمت کا سونا فرض کر کے ملائیں پھر اگر ملانے پر بھی نصاب نہیں ہوتی تو کچھ نہیں اور اگر سونے کی قیمت کی چاندی چاندی میں ملائیں تو نصاب ہو جاتی ہے اور چاندی کی قیمت کا سونا سونے میں ملائیں تو نہیں ہوتی یا بالعکس تو واجب ہے کہ جس میں نصاب پوری ہو وہ کریں۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 904 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

مزید اِرشادفرماتے ہیں: ''سونے چاندی کی زکوٰۃ میں وزن کا اعتبار ہے قیمت کا لحاظ نہیں۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 902 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

28 شعبان المعظم 1428ھ 11ستمبر 2007ء

نصاب سے اوپر خُمُس سے کم معاف ہے

فتویٰ 128

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ساڑھے سات تولے سونے سے جو زائد سونا ہوگا اس پر زکوٰۃ ہوگی یا ساڑھے سات تولہ سونے پر زکوٰۃ ہوگی؟ جبکہ سونے کے علاوہ کچھ نہیں۔

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

ساڑھے سات تولہ سونے پر اگر سال گزر گیا تو اس پر بھی زکوٰۃ ہوگی اور اس سے زائد اگر ساڑھے سات تولہ کے

پانچویں حصہ یعنی ڈیڑھ تولہ سے کم ہے تو اس زائد سونے پر زکوٰۃ نہ ہوگی کیونکہ نصاب سے زائد نصاب کے پانچویں حصہ سے کم پر زکوٰۃ نہیں ہوتی وہ معاف ہوتا ہے۔ یعنی اگر کسی کے پاس 9 تولہ سونا سے کچھ کم ہو تو اس پر فقط ساڑھے سات تولہ سونے کی زکوٰۃ ہوگی اور بقیہ سونے پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔ اور اگر 9 تولہ سونا ہوگا تو مکمل 9 تولہ ہی کی زکوٰۃ دینا ہوگی۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

چاندی کے نصاب کا خُمس ساڑھے دس تولہ ہے

فتویٰ 129

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ علما کی طرف سے مختلف اَموالِ زکوٰۃ کا جو نصاب بیان کیا جاتا ہے کیا اس نصاب کو الگ کر کے جو زائد مال ہو اس پر زکوٰۃ دی جائے گی یا اس نصاب سمیت کُل مال پر زکوٰۃ دیں گے؟ سائل: محمد نواز عطاری (نیو کراچی)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ نصاب سمیت کُل مال کی دی جائے گی کیونکہ چاندی کا نصاب 200 درہم ہے اور سرکار صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس نصاب میں سے پانچ درہم لینے کا حکم فرمایا۔

جیسا کہ حدیث پاک میں ہے: "فَإِذَا بَلَغَتْ مِائَتَيْنِ فَفِيهَا خَمْسَةُ الدَّرَاهِمِ" ترجمہ: جب دوسو درہم ہو جائیں تو ان میں پانچ درہم ہیں۔

(سنن الترمذی ، صفحہ 122 ، الحدیث: 620 ، جلد 2 ، دار الفکر بیروت)

اس حدیث میں حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے چاندی کے نصاب میں سے ہی زکوٰۃ کا حکم ارشاد فرمایا تو معلوم ہوا کہ نصاب میں بھی زکوٰۃ ہے۔ لیکن اگر نصاب سے اوپر کچھ مال زائد ہے تو وہ جب تک نصاب کے

پانچویں حصے تک نہ پہنچے تب تک اس زائد مال میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، جب وہ زائد مال پانچویں حصے تک پہنچ جائے تو پھر اس میں زکوٰۃ واجب ہوگی۔

جیسا کہ رَدُّ الْمُحْتَار میں ہے: ”ما زاد علی النصاب عفو إلی أن یبلغ خمس نصاب، ثم کل ما زاد علی الخمس عفو إلی أنْ یبلغ خمسًا آخر“ ترجمہ: نصاب پر جو مال زائد ہے اس کی چھوٹ ہے یہاں تک وہ نصاب کے پانچویں حصہ تک پہنچ جائے، پھر پانچویں حصے سے جو زائد ہے اس کی چھوٹ ہے یہاں تک کہ وہ دوسرے پانچویں حصے تک پہنچ جائے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، صفحہ 272، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

فَتَاوٰی فَیْضُ الرَّسُوْل میں ہے: ”ساڑھے باون تولہ کے اوپر ہر ساڑھے دس تولے چاندی کی بھی زکوٰۃ واجب ہوئی اور اخیر میں جو ساڑھے دس تولہ چاندی سے کم بچے اس کی زکوٰۃ معاف رہے گی۔“

(فتاویٰ فیض الرسول، صفحہ 478، جلد 1، شبیر برادرز لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــہ

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغر العَطَّارِیُّ المَدَنی

01 محرم الحرام 1431ھ 19 دسمبر 2009ء

شریعت کا مدار عقل پر نہیں وحی پر ہے

شارح بخاری مفتی شریف الحق امجدی علیہ رحمۃ اللہ القوی ”نزہۃ القاری“ میں لکھتے ہیں: ”حضرت امام کے اساتذہ میں حضرت امام باقر رضی اللہ تعالی عنہ بھی ہیں، ایک بار مدینہ طیبہ کی حاضری میں جب حضرت امام باقر کی خدمت میں حاضر ہوئے تو ان کے ایک ساتھی نے تعارف کرایا کہ یہ ابوحنیفہ ہیں! امام باقر نے امام اعظم رضی اللہ تعالی عنہ سے کہا: وہ تمہیں ہو جو قیاس سے میرے جد کریم کی احادیث رد کرتے ہو، امام اعظم نے عرض کیا: معاذ اللہ حدیث کو کون رد کرسکتا ہے؟ حضور اجازت دیں تو کچھ عرض کروں۔ اجازت کے بعد امام اعظم نے عرض کیا: حضور! مرد ضعیف ہے یا عورت؟ ارشاد فرمایا: عورت۔ عرض کیا وراثت میں مرد کا حصہ زیادہ ہے یا عورت کا؟ فرمایا: مرد کا۔ عرض کیا میں قیاس سے حکم کرتا تو عورت کو مرد کا دونا حصہ دینے کا حکم کرتا۔ پھر عرض کیا: نماز افضل ہے کہ روزہ؟ ارشاد فرمایا: نماز۔ عرض کیا قیاس یہ چاہتا ہے کہ جب نماز روزہ سے افضل ہے تو حائضہ پر نماز کی قضا بدرجہ اولی ہونی چاہیے اگر احادیث کے خلاف قیاس سے حکم کرتا تو یہ حکم دیتا کہ حائضہ نماز کی قضا ضرور کرے۔ اس پر امام باقر اتنا خوش ہوئے کہ اٹھ کر ان کی پیشانی چوم لی۔

(نزہۃ القاری، صفحہ 178، جلد 1، مطبوعہ لاہور)

باب ثانی: زکوۃ نکالتے وقت پیش آنے والے مسائل

فصل/عنوان 8

گزشتہ سالوں کی زکوۃ

پچھلے پندرہ سالوں کی زکوۃ نکالنے کا طریقہ

فتویٰ 130

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ پندرہ تولہ سونے کی زکوۃ 1970ء تا 1985ء ادا نہیں کی گئی تھی 1985ء میں سونا فروخت کر دیا گیا۔ اب اس پندرہ سال کی پندرہ تولے سونے کی زکوۃ دینے کا کیا طریقہ ہوگا؟ مہربانی فرما کر شریعت کے مطابق طریقہ کار بتا دیں۔

سائل: عبدالرحمٰن (جہانگیر روڈ، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

آپ پر فرض ہے کہ فوراً فوراً جتنی زکوۃ آپ کے ذِمّہ ہے اس کو ادا کریں۔ اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے ابتدائی سال کی زکوۃ اس سونے کا چالیسواں حصہ یا اس وقت سونے کی جتنی قیمت تھی اس کی وہ قیمت لگا کر اس کا چالیسواں حصہ ادائیگی کیلئے شمار کر لیں اور پھر جتنا ادا کیا ہے اسے نکال کر جو سونا باقی بچے یا جتنی مالیت کا باقی بچے اس میں سے بعد والے سال کی زکوۃ نکالیں پھر ابتدائی تیسرے سال کا حساب لگاتے وقت پچھلے دو سالوں کی واجبُ الادا زکوۃ منہا کر کے جو باقی بچے اس پر چالیسواں حصہ زکوۃ ادا کریں اسی ترتیب سے ہر سال کی زکوۃ ادا کرتے رہیں

یہاں تک کہ آپ کے ذِمّے واجبُ الاداز کوٰۃ باقی نہ رہے۔ ہر سال کی زکوٰۃ کی ادائیگی کرتے وقت اتنی سہولت حاصل ہوگی کہ تمام نصاب مکمل ہو کر خُمس سے کم جو سونا ہو گا یونہی ایک خُمس سے دوسرے خُمس تک کا سونا بھی معاف ہو گا اس کی زکوٰۃ دینا لازم نہیں۔ یہ بھی واضح رہے کہ پہلے نصاب کے سال، تاریخ، مہینے، دن اور وقت کا تعین کریں پھر اسلامی سال کے اعتبار سے سارا حساب کریں۔

گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نکالتے وقت اسی سال کے اس دن کے سونے کا بھاؤ لگایا جائے گا جس دن سال تمام ہو رہا ہے۔ سونے کا بھاؤ دریافت کرنے میں دِقّت ہو تو احتیاطاً زیادہ سے زیادہ نِرخ لگالیں کہ زکوٰۃ کچھ رہ نہ جائے۔ اور اب تک جو اَدا میں تاخیر کی ہے اس کے بارے میں صدقِ دل سے توبہ واستغفار کریں اور اب بھی اگر صاحبِ نصاب ہیں تو آئندہ ہر سال فوراً ادا کر دیا کریں۔

سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ”بیانِ سائل سے معلوم ہوا کہ زیور ہر سال اتنا ہی رہا کم وبیش نہ ہوا تو ہر سال جو سونے کا نِرخ تھا...... اس سے قیمت لگا کر زیور نُقرہ کے وزن میں شامل کی جائے گی اور ہر ساڑھے باون تولے چاندی پر اس کا چالیسواں حصہ، پھر ہر ساڑھے دس تولے چاندی پر اس کا چالیسواں حصہ واجب آئے گا، اَخیر میں جو ساڑھے دس تولے چاندی سے کم بچے معاف رہے گی، ہر دوسرے سال اگلے (گزرے ہوئے) برسوں کی جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی آئی مالِ موجود میں سے اتنا کم ہو کر باقی پر زکوٰۃ آئے گی...... یوں تین سال کا مجموعی حساب کر کے جس قدر زکوٰۃ فرض نکلے سب فوراً فوراً ادا کر دینی ہوگی اور اب تک جو اَدا میں تاخیر کی، بہت زاری کے ساتھ اس سے توبہ فرض ہے اور آئندہ ہر سالِ تمام پر فوراً ادا کی جائے۔ یہ اگلے تین برسوں میں اس کے سال تمام ہونے کے دن سونے کا بھاؤ دریافت کرنے میں دِقّت ہو تو احتیاطاً زیادہ سے زیادہ نِرخ لگالے کہ زکوٰۃ کچھ رہ نہ جائے۔“ (ملتقطاً)

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 128، 129، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ”کوئی شخص صرف ایک نصاب کا مالک ہے اور دو سال گزر گئے کہ زکوٰۃ نہیں دی تو صرف پہلے سال کی زکوٰۃ واجب ہے، دوسرے سال کی نہیں کہ پہلے سال کی زکوٰۃ اس پر دَین ہے اس کے نکالنے کے بعد نصاب باقی نہیں رہتا لہٰذا دوسرے سال کی زکوٰۃ

واجب نہیں، یونہی اگر تین سال گزر گئے مگر تیسرے میں ایک دن باقی تھا کہ پانچ درہم اور حاصل ہوئے، جب بھی پہلے سال کی زکوۃ واجب ہے کہ دوسرے اور تیسرے سال میں زکوۃ نکالنے کے بعد نصاب باقی نہیں۔ ہاں جس دن کہ وہ پانچ درہم حاصل ہوئے، اس دن سے ایک سال تک اگر نصاب باقی رہ جائے تو اب اس سال کے پورے ہونے پر زکوۃ واجب ہوگی۔" (بہارِ شریعت، صفحہ 878، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

17 ربیع النور 1429ھ 26 مارچ 2008ء

تیس سالوں میں ایک سال زکوۃ دی اب کیا ہو؟

فتوی 131

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کے پاس آج سے تیس سال قبل ساڑھے سات تولہ سونا آیا اور اس نے اس کی زکوۃ نہ دی تھی، ان تیس سالوں میں اس کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد اس سونے کے علاوہ کچھ نہ تھا۔ اب دریافت طلب اُمور یہ ہیں کہ

﴿1﴾ اس شخص پر گزشتہ تمام سالوں کی زکوۃ واجب ہے یا فقط ایک سال کی؟

﴿2﴾ تیس سال پہلے سونے کی جو قیمت تھی اس کا اعتبار ہوگا یا اب کی قیمت کا؟

سائل: محمد خضر حیات

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ دریافت کی گئی صورت میں فقط ایک سال کی زکوۃ واجب ہے، البتہ زکوۃ کی ادائیگی میں تاخیر کی وجہ سے

شخصِ مذکور گناہگار ہوا۔

اعلیٰ حضرت، عَظِیمُ البَرَکَتْ، عَظِیمُ المَرْتَبَتْ، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ الرَّحْمَہ اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی جب تک نصاب سے کم نہ رہ جائے یہ اس لئے کہ جب پہلے سال کی زکوٰۃ نہ دی دوسرے سال اس قدر کا مدیون ہے تو اتنا کم کرکے باقی پر زکوٰۃ ہوگی تیسرے سال اگلے دونوں برسوں کی زکوٰۃ اس پر دَین ہے تو مجموع کم کرکے باقی پر ہوگی یوں ہی اگلے سب برسوں کی زکوٰۃ مِنہا کرکے جو بچے اگر خود یا اس کے اور مالِ زکوٰۃ سے مل کر نصاب ہے تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔''
(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 144، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''مذہبِ صحیح ومُعْتَمَد پر زکوٰۃ کا وُجوب فوری ہے تو جو اس سال کی زکوٰۃ نہ دے یہاں تک کہ دوسرا سال گزر جائے گنہگار رہے۔''
(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 559، جلد 16، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

﴿2﴾ تیس سال قبل جب اس شخص کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا آیا اس کے ٹھیک ایک قمری سال کے بعد اس سونے کی جو قیمت تھی اس کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ''سونے کے عوض سونا، چاندی کے عوض چاندی زکوٰۃ میں دی جائے جب تو نرخ کی کوئی حاجت ہی نہیں وزن کا چالیسواں حصہ دیا جائے گا ہاں اگر سونے کے بدلے چاندی یا چاندی کے بدلے سونا دینا چاہیں تو نرخ کی ضرورت ہوگی، نرخ نہ بنوانے کے وقت کا معتبر ہو نہ وقتِ ادا کا، اگر ادا سالِ تمام کے پہلے یا بعد ہو جس وقت یہ مالکِ نصاب ہوا تھا وہ ماہِ عربی و تاریخ و وقت جب عَود کریں گے اس پر زکوٰۃ کا سال تمام ہوگا اس وقت کا نرخ لیا جائے گا۔''
(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 133، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عَبْدُہُ الْمُذْنِبْ فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَا عَنْہُ الْبَارِی

کتبــــــــہ
اَبُو مُحَمَّد عَلِی اَصْغَر الْعَطَّارِی الْمَدَنِی
7 جمادی الاولی 1428ھ 24 مئی 2007ء

دس سال بعد قرض واپس ہوا، زکوٰۃ کیسے ادا ہو؟

فتویٰ 132

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

﴿1﴾ شوہر نے عورت سے بطورِ قرض زیور لیا کہ ابھی کاروبار میں لگاتا ہوں بعد میں بنوا کر دے دوں گا لیکن کاروبار میں نقصان ہوگیا۔10 سال بعد شوہر وہ زیور عورت کو بنوا کر دیتا ہے تو کیا گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ عورت پر لازم ہوگی؟

﴿2﴾ اگر عورت کا انتقال ہوگیا ہو تو ایسی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کس پر لازم ہوگی وُرثاء پر یا کس پر؟

سائل: افضل حسین (نیو کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

﴿1﴾ صورتِ مَسْئُولہ میں اس عورت پر گزشتہ سالوں کی بھی زکوٰۃ لازم آئے گی کہ قرض دَینِ قوی ہے اور اس کا حکم یہی ہے۔اس کے علاوہ جو رقم اپنے پاس موجود ہو اور وہ بذاتِ خود نصاب ہو یا قرض میں دیئے گئے سونے کے ساتھ مل کر نصاب ہو اُس پر بھی زکوٰۃ لازم ہوگی۔البتہ جو رقم اس کے پاس ہو تو اس کی زکوٰۃ نصاب کا عمومی سال پورا ہونے پر فوراً دینا واجب ہے جبکہ قرض میں دیئے ہوئے مال کا حکم یہ ہے کہ زکوٰۃ قرض دینے والے پر سالہا سال لازم ہوتی رہتی ہے البتہ ادائیگی اس وقت لازم ہوگی جب سارا مال یا نصاب کا کم از کم پانچواں حصہ اسے وصول ہو جائے تو جو وصول ہو اس کی زکوٰۃ دینی ہوگی اور گزشتہ تمام سالوں کی دینی ہوگی۔

چنانچہ فَتاویٰ قَاضِی خَان میں ہے:"دین قوی وھو بدل مال التجارۃ والقرض..... ففی الدین القوی تجب الزکاۃ اذا حال الحول ویتراخی الاداء إلی أن یقبض أربعین درھمًا وکلما قبض أربعین درھمًا یلزمہ درھم"(ملتقطاً)

(فتاویٰ قاضی خان، صفحہ 253، جلد 1، دار الفکر بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: ''اگر دَین ایسے پر ہے جو اس کا اقرار کرتا ہے مگر ادا میں دیر کرتا ہے یا نادار ہے یا قاضی کے یہاں اُس کے مُفلِس ہونے کا حکم ہو چکا یا وہ مُنکِر ہے مگر اس کے پاس گواہ موجود ہیں تو جب مال ملے گا سالہائے گزشتہ کی بھی زکوٰۃ واجب ہے۔''
(بہارِ شریعت، صفحہ 877، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

﴿2﴾ اگر عورت کا اپنے مال پر قبضہ سے پہلے انتقال ہو گیا تو اس کیلئے حکم تھا کہ موت سے پہلے وُرَثاء کو اس مال کی زکوٰۃ کی ادائیگی کی وصیت کرتی اور اگر وصیت نہیں کی تو وُرَثاء پر اس مال کی زکوٰۃ کی ادائیگی لازم نہیں البتہ اگر کوئی وارِث عورت کی آخرت کی نجات کیلئے اُس سے محبت کی بنا پر اپنے مال سے ادا کرے تو یہ ایصالِ ثواب ہوگا۔

چنانچہ فَتَاویٰ قَاضِی خَان میں ہے: ''مات من علیه الزکاة تسقط الزکاة ولا تصیر دینًا فی الترکة إلا أنه لو أوصی بأداء الزکاة یجب تنفیذ الوصیة من ثلث ماله''
(فتاویٰ قاضی خان، صفحہ 256، جلد 1، دار الفکر بیروت)

فَتَاویٰ عَالَمگِیرِی میں ہے: ''والوصیة مستحبة هذا إذا لم یکن علیه حق مستحق للّٰه تعالٰی وإن کان علیه حق مستحق للّٰه تعالٰی کالزکاة أو الصیام أو الحج أو الصلاة التی فرط فیها فهی واجبة''
(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 90، جلد 6، دار الفکر بیروت)

وَاللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبــــــــــہ
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد کفیل رضا عطاری المدنی
9 شوال المکرم 1430ھ 29 ستمبر 2009ء

جو رقم دوسرے پر قرض ہے اس کی زکوٰۃ بھی فرض ہے

فتویٰ 133

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں صاحبِ نصاب ہوں دیگر اَموال پر زکوٰۃ نکالتا ہوں لیکن میں نے بکر کو 20,000 روپے کا اُدھار مال بیچا تھا دس سال کے بعد مجھے 10,000

روپے ملے ہیں تو کیا مجھے گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ دینی ہوگی یا نہیں؟ اس کی ادائیگی کا کیا طریقہ ہے؟ بکر مجھے اب ہر مہینے 1,000 روپے دے گا تو کیا اس ہزار روپے کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی؟ سائل: عارف (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جو مال اُدھار بیچا اس کی مد میں حاصل ہونے والی رقم پر زکوٰۃ ہوگی مگر ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہو جائے۔

اعلیٰ حضرت، عَظِیْمُ الْبَرَکَتْ، پروانۂ شمعِ رِسالت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ الرَّحْمَہ ارشاد فرماتے ہیں: ’’دو قسمِ سابق (قوی ومتوسط) میں تجارت دَین ہی سال بسال زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی مگر اس کا ادا کرنا اسی وقت لازم ہوگا جبکہ اس کے قبضہ میں دَینِ قوی سے بقدرِ خُمس نصاب یا متوسط سے بقدرِ کامل نصاب آئیگا۔‘‘

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 162، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

لہٰذا صورتِ مُستَفسَرہ میں زید پر ان دس سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا فرض ہے دس سال بعد جو 10,000 وصول ہوئے ہیں ان کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ زید دس سالوں میں سے پہلے سال کی زکوٰۃ دس ہزار کا ڈھائی فیصد یعنی 250 روپے ادا کرے، اب باقی 9,750 روپے بچے لہٰذا دوسرے سال کی زکوٰۃ اس باقی ماندہ رقم کا ڈھائی فیصد یعنی 243.75 روپے ادا کرے، اب باقی 9,506.25 روپے بچے لہٰذا تیسرے سال کی زکوٰۃ اس باقی ماندہ رقم کا ڈھائی فیصد یعنی 237.656 روپے ادا کرے، اسی طرح ہر سال کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔ اب جو ہزار روپے ہر مہینے وصول ہوں گے ان کی زکوٰۃ بھی اسی طرح ادا کی جائے جو پہلے طریقہ مذکور ہوا۔ (گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ نکالنے کا یہی طریقہ فتاویٰ رضویہ، صفحہ 130، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور میں مذکور ہے)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبـــــــــــہ
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی
	20 صفر المظفر 1427ھ 21 مارچ 2006ء

کاروباری قرضہ پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا حکم؟

فتویٰ 134

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید سُنار ہے، اس کی رقم لوگوں کے ذِمّہ باقی ہے جس کی مقدار تقریباً دو لاکھ ہے، کسی پر بیس پچیس ہزار تو کسی پر اس سے زائد، یہ رقم مختلف اوقات میں لوگوں نے لوٹانی ہے۔ اگر کوئی شخص زید کو یہ رقم سال یا دو سال بعد دے تو کیا زید پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں ہر قمری سال مکمل ہونے پر وُجُوبِ زکوٰۃ کی تمام تر شرائط مُتحقَّق ہوئیں تو زید پر سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ بھی واجب ہوتی رہے گی۔ مگر ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب وہ قرض اسے موصول ہوگا یعنی کم از کم نصاب کا پانچواں حصہ موصول ہونے پر اس کے اڑھائی فیصد زکوٰۃ کی ادائیگی فوری واجب ہو جائے گی۔

جیسا کہ مَرَاقِی الْفَلاح میں ہے: "وھو بدل القرض ومال التجارة اذا قبضه وكان على مقر ولو مفلسًا او على جاحد عليه بينة زكاة لما مضى و يتراخى وجوب الأداء إلى أن يقبض أربعين درهمًا ففيها درهم لأن ما دون الخمس من النصاب عفو لا زكاة فيه" ترجمہ: دَینِ قوی وہ جو قرض یا مالِ تجارت کا بدَل ہو جب اس پر قبضہ کر لے اور وہ ایسے پر ہو جو دَین کا اقرار کرتا ہو اگرچہ مُفلِس ہو یا ایسے پر ہو جو انکار کرتا ہو مگر اس کے پاس گواہ موجود ہوں تو اس دَین پر سالہائے گزشتہ کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور ادائیگی مُتأخّر ہوگی جب تک کہ چالیس درہم وصول نہ کر لے کیونکہ خُمس سے کم معاف ہے، اس میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

(مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، صفحہ 715 تا 716، مطبوعہ کراچی)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

26 رمضان المبارک 1426ھ 31 اکتوبر 2005ء

جو رقم زکوٰۃ کی مد میں بنی اس پر آئندہ سال زکوٰۃ نہیں

فتویٰ 135

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ پچھلے سالوں کی زکوٰۃ میں اگر کچھ ادا کرنا باقی رہ گیا ہو اور نیا سال شروع ہو جائے تو پچھلے سال کے بقایا پر زکوٰۃ ادا کرنا پڑے گی یا نہیں؟

سائل: محمد مختار (سولجر بازار، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسئُولہ میں پچھلے سالوں کی جتنی زکوٰۃ آپ کے ذمہ ادا کرنا باقی رہ گئی تھی اس کو نکالنے کے بعد جو مالِ زکوٰۃ باقی بچے اور وہ نصابِ زکوٰۃ کو پہنچتا ہو تو اُس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

لیکن یہ بھی خیال رہے کہ اگر زکوٰۃ کی ادائیگی میں بلا وجہ تاخیر کی ہے تو اس کی وجہ سے گناہگار ہوئے لہٰذا زکوٰۃ ادا کرنے کے ساتھ توبہ بھی کرنا ہوگی۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبــــــــــه

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلقَادِرِی

27 شعبان المعظم 1427ھ 21 ستمبر 2006ء

بانڈز پر پچھلے سالوں کی زکوٰۃ نکالنے کے مسائل

فتویٰ 136

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک خاتون جو کہ بہت غریب

تھیں حتی کہ انہوں نے اپنی دونوں بچیاں اپنی بہن کو دے دیں پھر ہوا یوں کہ اس خاتون کو اپنی والدہ کا ترکہ ملا جو کہ سوا چار لاکھ تھا اس رقم کے انہوں نے بانڈز خریدے اور اپنی بہن کے پاس رکھوادیئے لیکن لاعلمی کے باعث انکی زکوٰۃ نہیں نکالی اس نیت سے بھی وہ بانڈز رکھے رہے کہ بچیوں کے کام آئیں گے اگر اس میں ان کا انعام نکلتا تو وہ بچیوں کی تعلیم اور روزمرہ کے اخراجات پر لگ جاتا کچھ سالوں سے علم ہوا کہ ترکہ کی مد میں ملنے والی رقم پر بھی زکوٰۃ ہے اب جب پچھلے سالوں کی زکوٰۃ کا اندازہ لگایا گیا تو بہت زیادہ بن رہی ہے جبکہ ہماری برادری میں الگ گھر لے کر دینے کا رواج ہے جس کے باعث اخراجات کافی درکار ہوا کرتے ہیں؟ لہٰذا آپ بتایئے کہ وہ خاتون اپنے گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کس طرح ادا کرے؟

سائل: فیصل غلام حسین (کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَالصَّوَابِ

گزشتہ سال کی زکوٰۃ جو بسببِ لاعلمی ادا نہ کی گئی اس کی ادائیگی ان کے ذِمّہ باقی ہے، حساب لگا کر جتنے سالوں کی زکوٰۃ بنے وہ اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ مصارِف میں سے جسے مناسب خیال ہو دی جائے۔ اگر چہ اس کے سبب مال میں کتنی ہی کمی واقع ہو اس کا خوف مسلمان کو روا نہیں، زکوٰۃ کی ادائیگی شریعت کی جانب سے واجب ہے جبکہ رسم ورواج کی ادائیگی شرعاً واجب نہیں۔

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

19 رمضان المبارک 1426ھ 24 اکتوبر 2005ء

پچھلے سالوں کی زکوٰۃ میں سونے کی کونسی قیمت کا اعتبار ہوگا؟

فتویٰ 137

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ اگر کسی شخص کے پاس کافی عرصہ سے قابلِ زکوٰۃ

مال موجود ہے لیکن اس نے کافی عرصہ سے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اب اس کا کیا طریقہ ہوگا؟ کیونکہ سالِ گزشتہ میں جب سونے کی قیمت کم تھی تو زکوٰۃ بھی کم بنے گی اور اب جب سونے کی قیمت زیادہ ہے تو زکوٰۃ بھی زیادہ بنے گی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ موجودہ ریٹ کے اعتبار سے ادا کی جائیگی یا گزشتہ سالوں کے ریٹ کے اعتبار سے؟ سائلہ: طیبہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جس کے پاس کئی سالوں سے مالِ زکوٰۃ موجود ہے اور اس نے زکوٰۃ ادا نہیں کی تو اس پر سالِ گزشتہ کی زکوٰۃ نکالنا لازم ہے۔ زکوٰۃ نکالنے میں گزشتہ سالوں کے ریٹ کا اعتبار کیا جائے گا یعنی ہر قمری سال کے مکمل ہونے پر مقدارِ نصاب اور کُل مال کا تعیُّن کر کے ہر سال کی جتنی زکوٰۃ بنتی ہے اس کو ادا کر دیا جائے، ہر سال نکلنے والی زکوٰۃ آئندہ سال کے کُل مال پر دَین ہوگی اس کو مِنہا کرنے کے بعد جتنی رقم باقی بچے گی اس پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی اور یہ سلسلہ اسی طرح کرتے رہیں گے تا آنکہ مال نصاب سے کم رہ جائے۔ اگر کوئی شخص موجودہ ریٹ کے اعتبار سے زکوٰۃ نکالنا چاہتا ہے تو اس کی کوئی ممانعت بھی نہیں جبکہ قیمت پہلے کے مقابلے میں زیادہ ہوئی ہو، اور موجودہ ریٹ کے اعتبار سے زکوٰۃ نکالنے کی صورت میں گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں رہے گا۔

چنانچہ فتاویٰ رضویہ شریف میں ہے: ''(مالِ زکوٰۃ) دس برس رکھا رہے، ہر سال زکوٰۃ واجب ہوگی جب تک نصاب سے کم نہ رہ جائے، یہ اس لئے کہ جب پہلے سال کی زکوٰۃ نہ دی دوسرے سال اس قدر کا مَدیُون ہے تو اتنا کم کر کے باقی پر زکوٰۃ ہوگی، تیسرے سال اگلے دونوں برسوں کی زکوٰۃ اس پر دَین ہے تو مجموع کم کر کے باقی پر ہوگی، یوں ہی اگلے سب برسوں کی زکوٰۃ مِنہا کر کے جو بچے اگر خود یا اس کے اور مالِ زکوٰۃ سے مل کر نصاب ہے تو زکوٰۃ ہوگی ورنہ نہیں۔'' (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 144، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــہ

محمد سجاد العطاری المدنی

20 شوال المکرم 1431ھ 30 ستمبر 2010ء

الجواب صحیح

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

گزشتہ سالوں میں کتنی زکوٰۃ بنی یاد نہیں؟

فتویٰ 138

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہندہ کی عمر تقریباً 65 سال ہے ان کی اولاد وغیرہ بھی ہے جو اُن کے ساتھ رہتی ہے اور صاحبِ روزگار ہے، ہندہ کے بیٹوں میں سے کچھ انہیں ماہوار تنخواہ سے حصہ دیتے رہے جس سے ہندہ نے رقم جمع کی اور اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کی شادیاں کیں اسی طرح انہوں نے مختلف کمیٹیاں بھی ڈالیں، اس کے علاوہ ان کے پاس اپنا زیور بھی ہے۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ ہندہ کے پاس سالانہ ہزاروں روپے آتے رہے کمیٹیاں بھی ڈالیں لیکن کبھی بھی انہوں نے اپنے مال کی زکوٰۃ نہیں نکالی لیکن اب سمجھانے پر خوفِ خدا عَزَّوَجَلَّ کی بنا پر وہ سابقہ سالوں کی زکوٰۃ نکالنا چاہتی ہیں مگر انہیں کچھ یاد نہیں کہ ان کے پاس فلاں سال کتنی کتنی رقم موجود تھی، لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ اب وہ گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کیسے ادا کریں گی؟ اس کا طریقہ ارشاد فرمائیں تا کہ وہ قبر وحشر کے عذاب سے محفوظ رہ سکیں۔

سائل: محمد عابد عطاری (لانڈھی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جن واجبُ الاَدا اُمور میں حساب وشمار یاد نہ رہے ہوں جیسے قضا نمازیں، سابقہ روزے، ان اُمور میں شریعت یہ حکم دیتی ہے کہ تخمینے اور ظنِ غالب پر بنیاد رکھی جائے یعنی مذکورہ خاتون یہ اندازہ لگائیں کہ ہر سال عموماً ان کے پاس جن چیزوں پر زکوٰۃ لازم ہوتی تھی مثلاً سونا، کیش رقم، پرائز بانڈ وغیرہ کتنی مالیت کی رہتی ہوں گی؟ مثلاً ایسی اَشیاء ان کے پاس زیادہ سے زیادہ دس لاکھ کی ہوں گی تو دس لاکھ پر، اور کم مالیت ہو تو اسی حساب سے زکوٰۃ نکالی جائے۔ البتہ اس میں ایک آسانی یہ ہے کہ جو رقم پچھلے سالوں کی زکوٰۃ کی مد میں نکال دی جائے تو اگلے سال کے کُل مال میں اسے شامل نہیں کریں گے۔ مثال کے طور پر دس سال کی زکوٰۃ ادا کرنی ہے اور یہ ظنِ غالب ہو جاتا ہے کہ ہر

سال دس لاکھ روپے ہی رہے ہیں جس کی پچیس ہزار زکوٰۃ بنتی ہے تو اب اگلے سال کی رقم دس لاکھ نہیں بلکہ نو لاکھ پچھتر ہزار شمار کی جائے کہ پچیس ہزار تو زکوٰۃ کی مد میں نکال دیئے گئے یوں سابقہ سالوں کی زکوٰۃ نکالنے میں ہر سال کی زکوٰۃ کی رقم آئندہ کے لئے کُل مال سے کم کرلی جائے۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی
23 شعبان المعظم 1429ھ 26 اگست 2008ء

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

مرحوم باپ پر واجب الاداز کوٰۃ کیسے ادا ہو؟

فتویٰ 139

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر والد صاحب نے اپنی ساری زندگی میں اپنے مال سے زکوٰۃ ادا نہ کی تھی تو کیا اب بیٹا وِراثت میں اپنا حصہ لینے کے بعد اپنے اس حصے سے ان تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

ان کی طرف سے زکوٰۃ جتنی بنتی تھی وہ اب ادا نہیں ہوسکتی، وارث صدقہ وخیرات ہی کرسکتا ہے کہ یہ ایصالِ ثواب ہے اور ایسا کرنا مستحب ہے۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ
ابو الصالح محمد قاسم القادری
17 جمادی الاولی 1428ھ 03 جون 2007ء

ترکہ تقسیم نہ ہوا، وُرَثاء زکوٰۃ کیسے دیں؟

فتویٰ 140

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے مرنے کے تین سال بعد زید کا ترکہ تقسیم کیا گیا تمام وُرَثاء بالغ تھے اور وُرَثاء کے حصے میں جتنا جو کچھ آیا کیا وہ اس ترکہ پر والد کے مرنے کے بعد سے ترکہ ملنے تک کے عرصے کی زکوٰۃ دیں گے؟

سائل: محمد اقبال صالح محمد ویانی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

مسئلے کے جواب سے پہلے چند باتوں کا جاننا ضروری ہے:

﴿1﴾ زکوٰۃ مالِ نامی پر فرض ہوتی ہے۔ مالِ نامی یہ ہیں: سونا چاندی، کرنسی نوٹ، پرائز بانڈ، مالِ تجارت، چَرائی پر چھوڑے جانور۔

﴿2﴾ مالِ نامی میں سے ہر مال پر زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے ہر مال کی مقدار (Quantity) کا حساب الگ الگ ہے سونے کی مقدار ساڑھے سات تولہ ہو تو سونے کا نصاب مکمل قرار پاتا ہے، چاندی کی مقدار ساڑھے باون تولہ ہو تو چاندی کا نصاب مکمل قرار پاتا ہے، روپیہ کا نصاب ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے حساب سے پورا ہوتا ہے اور مالِ تجارت کا نصاب بھی وہی ہے جو روپیہ کا ہے۔

﴿3﴾ اَموالِ نامیہ میں سے اگر کوئی بھی مال نصاب کو نہ پہنچتا ہو مثلاً سونا بھی ساڑھے سات تولہ سے کم ہو یونہی روپیہ تو ہو مگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو نہ پہنچتا ہو تو اب ان دونوں یا جتنے بھی اَموالِ نامیہ نصاب سے کم ہوں تمام کی موجودہ (Current) قیمت (Prise) کو جمع کیا جائے گا اگر یہ مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچ جائے تو بھی نصاب کی تکمیل ہو جائے گی اور اس کا مالک صاحبِ نصاب قرار پائے گا۔

﴿4﴾ قرض اور حاجتِ اَصلیہ کو نکالنے کے بعد نصاب کے مکمل ہونے یا نہ ہونے کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

خاص پوچھے گئے مسئلے کا جواب:

﴿5﴾ مرنے والا جو ترکہ اپنے پیچھے چھوڑتا ہے اس میں اَموالِ نامی اور غیر نامی دونوں طرح کے اَموال ہو سکتے ہیں۔

﴿6﴾ اگر ترکے میں کوئی مالِ نامی ہو ہی نہیں تو آپ کے سوال پوچھنے کا مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے، ظاہر ہے ترکے میں اگر ایسی چیز موجود ہو جس پر زکوٰۃ بنتی ہو تو پھر یہ سوال قائم ہوگا کہ ترکہ میں ملنے والی چیز پر کب سے زکوٰۃ ہوگی؟

﴿7﴾ ترکے میں جو جو اَموالِ نامی ہوں ان کی مالِیّت نکال کر وُرَثاء کے پاس جتنا حصہ بنتا ہے ہر ایک کا حصہ بحسابِ مقدار (Figure) معلوم کر لیا جائے اب یہ بات طے ہے کہ جس کے حصے میں اَموالِ نامی میں سے جتنا حصہ بنتا ہے پوچھے گئے سوال کا دائرۂ کار صرف اسی حصے سے مُتَعَلِّق ہوگا۔

﴿8﴾ اب یہ دیکھا جائے گا کہ جس وارِث نے زکوٰۃ کے حوالے سے مذکورہ سوال پوچھا ترکہ ملنے سے پہلے یا تو وہ صاحبِ نصاب ہوگا یا صاحبِ نصاب نہیں ہوگا۔

﴿9﴾ اگر وہ صاحبِ نصاب تھا اور حاجتِ اَصلیہ اور قرض نکال کر اب تک صاحبِ نصاب ہی ہے تو اس کے حصے میں جتنا اور جو بھی مالِ نامی نکلتا ہو اس کے حساب سے پچھلی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی جو اس کی مِلکِیَّت میں آنے کے بعد کے عرصے کی ہو ورنہ جتنے سال تک نصاب کامل رہا اس کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

﴿10﴾ اگر مُورِث کے انتقال سے پہلے صاحبِ نصاب نہیں تھا تو اب جو مالِ نامی اس کے حصے میں نکلتا ہے وہ اتنا ہے جو نصاب کی مقدار کو پہنچ جائے اور حاجتِ اَصلیہ اور قرض کو نکال کر بھی نصاب باقی رہتا ہو تو تینوں سالوں کی زکوٰۃ فرض ہوگی۔

﴿11﴾ یونہی اگر ترکے میں نکلنے والا مال نصاب کو نہ پہنچتا ہو مگر اس کے پاس پہلے سے موجود اَموالِ نامیہ کے ساتھ ملا کر نصاب مکمل ہو جاتا ہو اور حاجتِ اَصلیہ اور قرض کو نکال کر نصاب اب تک باقی رہا تو تمام سالوں کی زکوٰۃ نکالنا ہوگی۔

نوٹ: تقسیمِ ترکہ کے وقت ہمارے یہاں مُصالَحت کی جاتی ہے یعنی کوئی ایک یا دو افراد گھر لے لیتے ہیں، کوئی ایک فرد نقد رقم (Cash) لے لیتا ہے وعلٰی ھٰذا القِیاس۔ آپس میں مُصالَحت کے بعد ملنے والی چیز پر ہر گز زکوٰۃ کی

ادائیگی کی بنیاد نہیں رکھی جائے گی بلکہ ترکہ چونکہ تمام ورثاء کے مابین مُشاع ہوتا ہے اس لئے تمام وُرثاء میں چیزیں بانٹ کر ترکہ تقسیم کیا جاتا ہے مثلاً اگر میت نے گھر اور نقد رقم دو چیزیں چھوڑیں اور دو وارث چھوڑے، بعد میں یعنی کئی سال بعد ایک وارث نے گھر اور ایک نے نقد رقم لے لی تو اس کا اعتبار نہیں کیا جائے گا کہ جس نے گھر کا انتخاب کیا اس پر زکوٰۃ نہ بنے ایسا نہیں ہوگا بلکہ اوّلاً نقد رقم اور گھر میں دونوں باہم شریک تھے اور تقسیم سے قبل دونوں نقد رقم اور گھر پر اپنے حصے کے مطابق حق رکھتے تھے اگر بغیر تقسیم کیے کئی سال گزر گئے ہیں تو نقد روپے پر اس زمانے کی زکوٰۃ دونوں اپنے اپنے حصے کے اعتبار سے ادا کریں گے۔

وَ اللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبــــــــه
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی
14 ذیقعدہ 1428ھ 25 نومبر 2007ء

غلط مصرف کی بنا پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ضائع ہو جائے تو؟

فتویٰ 141

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں پچھلے بیس پچیس سال سے زکوٰۃ اور فطرہ اپنے غریب بیٹے کو دے رہی ہوں اب معلوم ہوا کہ بیٹے کو زکوٰۃ اور فطرہ نہیں دے سکتے، تو جو دے دیا ہے اس کا کیا کریں؟ ادا ہو گیا یا اس کا کوئی کفارہ ہے؟ سائلہ: اُم فرحان (کراچی)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

مذکورہ صورت میں آپ کی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی لہٰذا گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ اور فطرہ اَز سرِ نَو ادا کیا جائے۔ کیونکہ اپنی اصل یعنی ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی وغیرہ جن کی اولاد میں یہ ہے اور اپنی اولاد یعنی بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسا، نواسی وغیرہ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ یونہی صدقۂ فطر، نذر اور کفارہ بھی انہیں نہیں دے سکتے۔

جیسا کہ رَدُّ الْمُحتَار میں ہے:"(ولا إلى من بينهما ولاد) أى: بينه وبين المدفوع إليه، لأن منافع الأملاك بينهم متصلة فلا يتحقق التمليك على الكمال هداية. والولاد بالكسر مصدر ولدت المرأة ولادة و ولادًا مغرب . أى: أصله و إن علا كأبويه و أجداده وجداته من قبلهما وفرعه وإن سفل بفتح الفاء من باب طلب، والضم خطأ لأنه من السفالة وهى الخساسة مغرب كأولاد الأولاد وشمل الولاد بالنكاح والسفاح فلا يدفع إلى ولده من الزنا ولا إلى من نفاه كما سيأتى، وكذا كل صدقة واجبة كالفطرة والنذور والكفارات "

عبارت کامفہوم اوپر گزرا۔ (رد المحتار على الدرالمختار، صفحه 344، جلد 3، دار المعرفة بيروت)

لہٰذا ان سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــه

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

17 جمادی الاولی 1428ھ 03 جون 2007ء

دس تولے پر سترہ سالوں کی زکوٰۃ کیسے نکلے گی؟

فتویٰ 142

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والدین نے میری شادی پر مجھے دس تولے سونا دیا لیکن شوہر کی کمائی کم ہونے کی وجہ سے میں زکوٰۃ ادا نہ کرسکی اب شوہر کا انتقال ہو چکا ہے، 1973ء سے لے کر 1990ء تک دس تولے سونا میرے پاس رہا لیکن میں اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرسکی۔ آپ ارشاد فرمائیں کہ میں اتنے سالوں کی زکوٰۃ کیسے ادا کروں کیا مجھ پر یہ زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے نیز اتنے سالوں کی مجھ پر کتنی زکوٰۃ بنتی ہے؟

سائلہ: قمر جہاں (حسن اسکوائر گلشن اقبال، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

سونے کے نصاب کی مقدار ساڑھے سات تولے ہے۔ صورتِ مَسئُولہ میں تقریباً سترہ سال کی زکوٰۃ آپ پر واجب ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ ہر قمری سال پر جو سونے کی قیمت رہی اس کے حساب سے اس میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے گا۔ ہر دوسرے سال پچھلے سال کی زکوٰۃ مِنْہا کر کے جو باقی رہے گا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ پہلی زکوٰۃ صرف نُو تولے پر ہوگی دسواں تولہ معاف ہے، کیونکہ زکوٰۃ میں یہ قاعدہ ہے کہ اگر نصاب سے زائد سونا ہو اور وہ اتنا ہو کہ نصاب کے خُمس (پانچویں حصے) تک پہنچ جائے تو اس کا بھی چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دیا جائے گا، اور ساڑھے سات تولے سونے کا خُمس (پانچواں حصہ) ڈیڑھ تولہ ہے اس طرح ساڑھے سات میں اسے ملانے سے نُو تولے ہو گئے لہٰذا صورتِ مسئولہ میں پہلے سال نُو تولے کی زکوٰۃ ہوگی جو کہ دسویں تولے میں سے نکالی جائے اس طرح اگر نُو تولے کی زکوٰۃ ایک یا دو سال دسویں تولے سے نکل جائے اس کے بعد ہر سال کی زکوٰۃ نُو تولے سے مِنْہا ہوگی یہاں تک کہ اگر سونا نصاب سے کم ہو جائے تو بقیہ سالوں کی زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

جیسا کہ سیّدی اعلیٰ حضرت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ صرف نصاب میں واجب ہوتی ہے، نہ عفو میں، مثلاً ایک شخص آٹھ تولے سونے کا مالک ہے تو دو ماشے سونا کہ اس پر واجب ہوا، وہ صرف ساڑھے سات تولے کے مقابل ہے نہ پورے آٹھ تولے کے، کہ یہ چھ ماشہ جو نصاب سے زائد ہے عفو ہے۔ یوں ہی اگر دس تولے کا مالک ہو تو زکوٰۃ صرف نُو تولہ یعنی ایک نصاب کامل اور ایک نصاب خُمس کے مقابل ہے، دسواں تولہ معاف۔''

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 88 ، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

اور فرماتے ہیں: ''ہر دوسرے سال اگلے برسوں کی جتنی زکوٰۃ واجب ہوتی آئی مالِ موجود میں سے اتنا کم ہو کر باقی پر زکوٰۃ آئے گی..... (گزشتہ سالوں کی) جس قدر زکوٰۃ فرض نکلے سب فوراً فوراً ادا کر دینی ہوگی اور اب تک جو ادا میں تاخیر کی، بہت زاری کے ساتھ اس سے توبہ فرض ہے اور آئندہ ہر سال تمام پر فوراً ادا کی جائے۔ یہ اگلے..... برسوں میں اس کے سال تمام ہونے کے دن سونے کا بھاؤ دریافت کرنے میں دِقّت ہو تو احتیاطاً زیادہ سے زیادہ نِرخ

لگالے کہ زکوٰۃ کچھ رہ نہ جائے۔" (ملتقطاً)

(فتاوی رضویہ ، صفحہ 128 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابوالصالح محمد قاسم القادری

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــــــہ
محمد نوازش علی العطاری المدنی
7 شعبا ن المعظم 1426ھ 12ستمبر 2005ء

قرض میں پھنسی رقم نا اُمیدی کے باجود واپس آ گئی تو؟

فتویٰ 143

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین کَثَّرَھُمُ اللّٰہُ الْمُبِیْن اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے پاس میرے دس لاکھ روپے مالِ تجارت کے واجبُ الْاَداء تھے،قرض کی ادائیگی سے پہلے ہی زید کا سارا کاروبار بالکل ختم ہوگیا اور وہ میرا قرض ادا کرنے کے قابل نہ رہا اس وجہ سے میں اس سے قرض وصول پانے سے حال، ماضی دونوں کے اعتبار سے بالکل مایوس ہوگیا، یہاں تک کہ اس معاملے کو دس سال گزر گئے، پھر دس سال بعد زید آیا اور اس نے ماہانہ پانچ ہزار روپے دینے شروع کر دیئے، تو اب یہ دریافت کرنا ہے کہ کیا مجھ پر ان پچھلے دس سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟ شرعی رہنمائی فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ سائل: محمد اقبال (نیو کلاتھ مارکیٹ، حیدرآباد)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں آپ کا مقروض زید جو کہ مُفلِس ہوگیا تھا جس کی وجہ سے آپ کو اس سے قرض ملنے کی کوئی امید نہیں تھی، لیکن چونکہ زید نے باوجود مُفلِس ہونے کے آپ کا قرض دینے سے انکار نہیں کیا تھا، بلکہ وہ قرض کا مُقِر تھا صرف اِفلاس کی وجہ سے قرض نہیں دے سکا تھا تو ایسی صورت میں آپ پر ان گزشتہ دس سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی، مگر اس کی ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب مقدارِ نصاب سے کم از کم پانچواں حصہ آپ کو وصول ہو جائے، جب

نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہوا تو اس پانچویں حصہ کی زکوۃ واجب ہوگی، مثلاً پانچواں حصہ بارہ ہزار روپے بنتا ہے تو آپ ان بارہ ہزار ہی کی زکوۃ ادا کریں گے، اور اگر ملنے والی رقم پانچویں حصے سے کم ہو، مثلاً گیارہ ہزار روپے ملے تو ان میں زکوۃ کی ادائیگی واجب نہ ہوگی، ہاں جب مزید ایک ہزار روپے ملیں گے تو نصاب کا پانچواں حصہ پورا ہو گیا تو اب اس کی زکوۃ ادا کرنے کا حکم ہے۔ اور نصاب کے پانچویں حصہ سے مراد ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا پانچواں حصہ ہے یعنی اگر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت 60,000 روپے ہے تو اس کا پانچواں حصہ 12,000 ہوگا۔

بَدَائِعُ الصَّنَائِع میں ہے: "و ان کان المدیون مقرا بالدین لکنه مفلس، فان لم یکن مقضیا علیه بالافلاس تجب الزکوۃ فیه فی قولهم جمیعاً...... و ان کان مقضیاً علیه بالافلاس، فکذلك فی قول أبی حنیفة و أبی یوسف" اور اگر مدیون دَین کا اقرار کرتا ہو لیکن وہ مُفلِس ہو، تو اگر قاضی نے اس پر اِفلاس کا حکم نہیں لگایا، تو تمام علما کے نزدیک قرض خواہ پر زکوۃ واجب ہوگی۔ اور اگر اس پر اِفلاس کا حکم لگا دیا گیا ہے، تو یہی حکم ہے امامِ اعظم ابوحنیفہ اور امام ابو یوسف رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا کے نزدیک۔

(بدائع الصنائع، صفحہ 391، جلد 2، دار الکتب العلمیة بیروت)

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّمُخْتَار میں ہے: "و اعلم أن الدیون عند الأمام ثلثة: قوی و متوسط و ضعیف فتجب زکاتها اذا تم نصابًا و حال الحول لکن لا فوراً بل عند قبض أربعین درهمًا من الدین القوی کقرض وبدل مال تجارة فکلما قبض أربعین درهماً یلزمه درهم" ترجمہ: جان لے کہ دیون امامِ اعظم ابوحنیفہ رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے نزدیک تین ہیں: ﴿1﴾ دَینِ قوی ﴿2﴾ مُتَوَسِّط اور ﴿3﴾ دَینِ ضعیف، پس دَینِ قوی کا جب نصاب پورا ہو اور اس پر سال گزر جائے تو اس کی زکوۃ واجب ہوگی، لیکن فوراً نہیں بلکہ جب چالیس دراہم پر قبضہ کرلے گا، دَینِ قوی جیسے قرض اور مالِ تجارت کا بدَل، پس جب کبھی چالیس دراہم پر قبضہ کرے گا تو ایک درہم لازم ہوگا۔

دُرِّمُخْتَار کی عبارت: "عند قبض أربعین درهمًا" کے تحت علامہ شامی رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "لأن الزکاة لا تجب فی الکسور من النصاب الثانی عنده ما لم یبلغ أربعین للحرج

فکذلك لا يجب الأداء مالم يبلغ أربعين للحرج" ترجمہ: اس لئے کہ زکوٰۃ نصابِ ثانی کی کسر میں واجب نہیں ہوگی حرج کی وجہ سے امامِ اعظم رَضِیَ اللہُ تَعَالٰی عَنْہُ کے نزدیک، جب تک نصابِ ثانی چالیس تک نہ پہنچے، اسی طرح سے زکوٰۃ کی ادائیگی واجب نہیں ہوگی جب تک چالیس درہموں کی مقدار کو نہ پہنچ جائیں، حرج کی وجہ سے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، صفحہ 281، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

شَیْخُ الْاِسْلَام وَ الْمُسْلِمِیْن شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: "قرض جسے عرف میں دست گرداں بھی کہتے ہیں...... اس میں سال بسال زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی مگر اس کا ادا کرنا اسی وقت لازم ہوگا جبکہ اس کے قبضہ میں بقدرِ خُمس نصاب آئے گا۔" (ملخصاً)

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 162، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

20 صفر المظفر 1433ھ 15 جنوری 2012ء

امامِ اعظم کا ذوقِ عبادت

بہارِ شریعت میں ہے: "صاحب درمختار علامہ علاؤالدین الحصکفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ سیدنا امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ تعالیٰ کا اعلیٰ علیین میں ہونا قطعاً تعجب کی بات نہیں ہے کیونکہ آپ اس درجہ عابد وزاہد، متقی اور صاحب ورع تھے کہ چالیس سال تک آپ نے عشاء کے وضو سے فجر کی نماز ادا فرمائی اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنے رب عزوجل کا سو بار خواب میں دیدار فرمایا، آپ نے اپنے آخری بار حج میں حجبۃ الکعبہ (محافظین کعبہ) سے کعبہ کے اندر داخل ہو کر اندرون عمارت کعبہ نماز ادا کرنے کی اجازت چاہی آپ اندر داخل ہوئے اور دو ستونوں کے درمیان عالم شوق میں صرف داہنے پیر پر کھڑے ہو کر بایاں پیر سیدھے پیر کے اوپر رکھ لیا یہاں تک کہ اسی حالت میں قرآنِ پاک نصف پڑھ لیا پھر رکوع وسجدہ کیا دوسری رکعت میں بائیں پیر پر کھڑے ہو کر داہنا پیر اٹھا کر بائیں پیر پر رکھا اور نصف آخر قرآن پاک ختم فرمایا، جب سلام پھیر کر نماز سے فارغ ہوئے تو بے ساختہ روتے ہوئے اپنے رب (عزوجل) سے مناجات کی اور عرض کیا: اے میرے معبود! اس کمزور وضعیف بندے نے تیرا کچھ بھی حق عبادت ادا نہیں کیا لیکن تیری معرفت حاصل کرنے میں حق معرفت ادا کیا پس تو اس کے حق عبادت کی ادائیگی میں نقصان کو اس کے کمال معرفت کے بدلے بخش دے، اس وقت خانہ کعبہ کے ایک گوشہ سے یہ غیبی آواز آئی: اے ابوحنیفہ! بے شک تو نے حق معرفت ادا کیا اور ہماری عبادت کی اور بہترین عبادت کی یقیناً ہم نے تیری مغفرت فرمادی اور اس کی بھی جس نے تیری اتباع کی اور جس نے تیرا مسلک اختیار کیا یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

(درمختار، ج 1، ص 120 تا 127)

باب ثانی: زکوٰۃ نکالتے وقت پیش آنے والے مسائل

فصل/عنوان 9

دوسروں کے پاس جمع شدہ مال پر زکوٰۃ

کمیٹی میں جمع رقم پر ادائیگی زکوٰۃ فوری واجب نہیں

فتوی 144

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عام طور پر گھروں میں ڈالی جانے والی کمیٹی پر زکوٰۃ کب اور کس رقم پر ہوگی جبکہ ابھی کمیٹی نکلنے میں کافی وقت ہو؟

سائل: محمد سلیمان رضا (مرکز الاولیاء لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

پوچھی گئی صورت میں جتنی رقم کمیٹی میں جمع کروادی ہے اگر نصاب جتنی ہے یا دوسرے مال کے ساتھ مل کر نصاب تک پہنچ جاتی ہے تو اس پر سال پورا ہونے پر زکوٰۃ فرض ہو جائے گی اور شرائط پائے جانے پر سال بسال واجب ہوتی رہے گی۔

امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ”روپیہ کہیں جمع ہو کسی کے پاس امانت ہو مطلقاً اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔“ (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 141، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مگر واجبُ الاَدا اُس وقت ہے جب رقم وصول ہو جائے اس وقت ہر سال کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ”دَینِ قوی کی زکوٰۃ بحالتِ دَین ہی سال بہ سال واجب

ہوتی رہے گی مگر واجِبُ الاَدا اُس وقت ہے جب پانچواں حصہ نصاب کا وصول ہو جائے مگر جتنا وصول ہوا اُتنے ہی کی واجِبُ الاَدا ہے یعنی چالیس درہم وصول ہونے سے ایک درہم دینا واجب ہوگا اور اَسّی (80) وصول ہوئے تو دو، وعلٰی ھٰذا القیاس۔" (بہارشریعت، صفحہ 906، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابوالصالح محمد قاسم القادری

کتبــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابواحمد محمد انس رضا عطاری
3 رمضان المبارک 1430ھ 25 اگست 2009ء

کمیٹی کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ

فتوی 145

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے بی سی ڈالی ہے جس کو دس ماہ کا عرصہ ہو چکا ہے ساٹھ ہزار (60,000) روپے کی رقم ادا ہو چکی ہے، بی سی ابھی تک نکلی نہیں ہے۔ بی سی ڈالنے سے پہلے کا میں صاحبِ نصاب ہوں اور ہر سال زکوٰۃ ادا کرتا ہوں، اس کی زکوٰۃ کس طرح ادا ہوگی؟

سائل: محمد طاہر عطاری (لیاقت آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

آپ کے صاحبِ نصاب ہونے کے بعد جب سال پورا ہوا تو آپ پر زکوٰۃ فرض ہوگئی اب جوں ہی اس پہلی رقم پر سال پورا ہوگا اس کے ساتھ ہی اس رقم پر بھی زکوٰۃ فرض ہو جائے گی جو آپ بی سی میں بھر چکے ہیں اگرچہ اس کو بھرے ہوئے سال پورا نہ ہوا ہو، دونوں کا الگ الگ سال شمار نہیں ہوگا۔ البتہ اب سال پورا ہونے پر بی سی کے علاوہ جتنی رقم آپ کے پاس ہوگی سب پر زکوٰۃ کی ادائیگی فوراً فرض ہوگی اور بی سی کی رقم پر فی الحال زکوٰۃ کی ادائیگی فرض

نہیں ہوگی لیکن جوں ہی کم از کم نصاب کا پانچواں حصہ آپ کو بی سی میں سے وصول ہوگا اس پر بھی ادائیگی فرض ہو جائے گی اور جتنے سال کے بعد یہ رقم وصول ہوگی ان سالوں میں سے ہر سال کی زکوٰۃ اس میں سے ادا کی جائے گی۔

صَدْرُ الشَّرِیعَہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: دَینِ قوی کی زکوٰۃ بحالتِ دَین ہی سال بہ سال واجب ہوتی رہے گی مگر واجِبُ الْاَدا اس وقت ہے جب پانچواں حصہ نصاب کا وصول ہو جائے مگر جتنا وصول ہوا اُتنے ہی کی واجِبُ الْاَدا ہے یعنی چالیس درہم وصول ہونے سے ایک درہم دینا واجب ہوگا اور اسی (80) وصول ہوئے تو دو، وعلٰی ھٰذا القِیاس۔ (بہارِ شریعت، صفحہ 906، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

23 رمضان المبارک 1429ھ 24 ستمبر 2008ء

بی سی کھلنے پر بقیہ رقم قرضہ ہے

فتویٰ 146

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں پہلے سے صاحبِ نصاب ہوں، میں نے کمیٹی ایک لاکھ روپے والی ڈالی ہے اور ٹوٹل رقم وصول بھی کر چکا ہوں لیکن ابھی بیس ہزار روپے مزید ادا کرنے ہیں تو اس روپے پر زکوٰۃ کس طرح ہوگی؟ سائل: محمد فیصل قادری (لائٹ ہاؤس، کراچی)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

آپ کے پاس پہلے سے موجود نصاب پر جب سال پورا ہو جائے گا اس وقت آپ کی مِلک میں جو بھی رقم ہوگی چاہے وہ کمیٹی والی ہو یا کوئی رقم ہو اس میں سے بیس ہزار قرض والے نکال کر باقی تمام رقم پر زکوٰۃ فرض ہوگی کہ بیس ہزار قرض کے علاوہ بی سی میں جتنی رقم آپ کو وصول ہوئی اتنی ہی آپ پہلے جمع کرا چکے تھے وہ گویا آپ ہی کی جمع

کروائی گئی رقم آپ کو وصول ہوگئی جو مزید جمع کروائی ہے وہ آپ پر قرض ہے۔ یہ تو موجودہ صورتِ حال میں جو شرعی حکم تھا وہ بیان ہوا۔ ایک ضروری قابلِ توجُّہ بات یہ ہے کہ کمیٹی کھلنے سے پہلے جتنی رقم آپ نے جمع کروائی تھی سال بسال جب زکوٰۃ آپ پر فرض ہوتی رہی تو اس کے ساتھ ہی جمع کروائی گئی رقم پر بھی زکوٰۃ فرض ہوتی رہی اس کا حساب آپ لگالیں۔ جو مال نصاب کی مقدار آپ کے پاس موجود تھا اگر اس کے ساتھ جمع کروائی گئی رقم کی بھی زکوٰۃ آپ ادا کرتے رہے تو فبہا ورنہ جمع کروائی گئی رقم کی زکوٰۃ جتنے سالوں کی ادا نہیں کی تو اب وصول ہونے کے بعد حساب لگا کر تمام پچھلے سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّمُخْتَار میں ہے: ”(وسببه) أی سبب افتراضها (ملك نصاب حولی)..... (فارغ عن دين)“ یعنی زکوٰۃ فرض ہونے کا سبب نصاب حولی تام کا مالک ہونا ہے جو کہ دَین سے فارِغ ہو۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحه 208 تا 210، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

بَدَائِعُ الصَّنَائِع میں زکوٰۃ فرض ہونے کی شرائط کے ذکر میں ہے: ”ومنها أن لا يكون عليه دين مطالب به من جهة العباد عندنا فإن كان فإنه يمنع وجوب الزكاة بقدره حالًا كان أو مؤجلا ..... (ولنا) ما روى عن عثمان أنه خطب فی شهر رمضان وقال فی خطبته: ألا إن شهر زكاتكم قد حضر فمن كان له مال و عليه دين فليحسب ماله بما عليه ثم ليزك بقية ماله، وكان بمحضر من الصحابة ولم ينكر عليه أحد منهم فكان ذلك إجماعا منهم على أنه لا تجب الزكاة فی القدر المشغول بالدين، و به تبين أن مال المديون خارج عن عمومات الزكاة؛ و لأنه محتاج إلى هذا المال حاجة أصلية؛ لأن قضاء الدين من الحوائج الأصلية. والمال المحتاج إليه حاجة أصلية لا يكون مال الزكاة؛ لأنه لا يتحقق به الغنى“

ترجمہ: اوران شرائط میں سے ایک یہ ہے کہ اس شخص پر ایسا دَین نہ ہو جس کا مطالبہ بندوں کی طرف سے ہو، اگر ایسا دَین ہوا تو اس کی مقدار کے مطابق وُجوبِ زکوٰۃ سے مانع ہوگا، دَین مُعَجَّل ہو یا مُؤَجَّل۔ ہماری دلیل حضرت عثمانِ غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی وہ روایت ہے کہ انہوں نے رَمَضانُ المبارک کے مہینے میں خطبہ ارشاد فرمایا اور اس میں فرمایا: خبردار ہو جاؤ، کہ تمہارے مالوں کی زکوٰۃ کا مہینہ آگیا ہے، جس کے پاس مال ہو اور اس پر قرض بھی ہو تو اپنے مال میں

سے وہ قرض نکال لے پھر اپنے باقی مال کی زکوۃ ادا کرے، یہ واقعہ صحابہ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن کی موجودگی میں ہوا اور اس پر کسی نے انکار نہیں فرمایا، تو یہ ان کی طرف سے اس بات پر اجماع ہو گیا کہ جو مال دَین میں مشغول ہو اس پر زکوۃ واجب نہیں، اور اسی سے واضح ہو گیا کہ مَدْیُون کا مال زکوۃ کے عُمُومات سے خارج ہے، اور اس کی وجہ یہ بھی ہے کہ وہ شخص اس مال کا حاجتِ اَصلیہ میں سے ہونے کی وجہ سے محتاج ہے، کیونکہ دَین کی ادائیگی حاجتِ اُصلیہ میں سے ہے، اور وہ مال جس کی طرف حاجتِ اَصلیہ ہونے کی وجہ سے محتاج ہو، مالِ زکوۃ نہیں ہوتا، کیونکہ اس کے سبب سے غنا کا تحقّق نہیں ہوتا۔ (بدائع الصنائع، صفحہ 9، جلد 2، داراحیاء التراث العربی بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ”دَینِ قوی کی زکوۃ بحالتِ دَین ہی سال بہ سال واجب ہوتی رہے گی مگر واجبُ الْاَدا اس وقت ہے جب پانچواں حصہ نصاب کا وصول ہو جائے مگر جتنا وصول ہوا اُتنے ہی کی واجبُ الْاَدا ہے یعنی چالیس درہم وصول ہونے سے ایک درہم دینا واجب ہو گا اور اسّی (80) وصول ہوئے تو دو، وعلٰی ھٰذا القِیاس۔“ (بہارشریعت، صفحہ 906، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَاللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

7 شوال المکرم 1430ھ 27 ستمبر 2009ء

بی سی میں گزشتہ سالوں کی زکوۃ بھی دینی ہوگی

فتویٰ 147

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کمیٹی میں جو رقم جمع ہوتی ہے اور دو تین سال کے بعد جب کھلتی ہے تو اس رقم کی مقدار کئی نصاب تک ہوتی ہے تو کیا گزشتہ سالوں کی بھی زکوۃ دینی ہوگی؟

سائلہ: اُمِّ منور (لائنز ایریا، باب المدینہ کراچی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جو رقم کمیٹی کے لئے جمع کروائی جاتی ہے اس کی حیثیت قرض کی ہے لہٰذا جب اتنی رقم جمع ہوئی کہ نصاب تک پہنچ جائے تو سال بسال اسکی زکوٰۃ فرض ہوگی، ہاں فوراً ادا کرنا ضروری نہیں بلکہ جب رقم ملے اور وہ نصاب کا پانچواں حصہ ہو تو زکوٰۃ دی جائے اور پچھلے تمام سالوں کی زکوٰۃ دی جائے گی۔ یہ بھی یاد رہے کہ جمع کروائی گئی رقم اگر نصاب کی مقدار کو نہ پہنچی ہو تو جو مال پاس موجود ہے مثلاً سونا، چاندی، کرنسی، مالِ تجارت اس کے ساتھ مل کر اگر نصاب کی مقدار بنتی ہو تب بھی زکوٰۃ سال گزرنے پر فرض ہو جائے گی، پاس موجود رقم کی زکوٰۃ فوراً دینی فرض ہوگی اور جو بی سی میں جمع کروائی گئی ہے اس میں سے جب نصاب کا خُمس وصول ہوگا اس کی دینی ہوگی اور کُل وصول ہو جائے تو کُل کی پچھلے تمام سالوں کا حساب لگا کر ادا کریں۔

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْبَارِی فرماتے ہیں: ”دَین قوی کی زکوٰۃ بحالتِ دَین (قرض) ہی سال بہ سال واجب ہوتی رہے گی مگر واجِبُ الْاَدا اُس وقت ہے جب پانچواں حصہ نصاب کا وصول ہو جائے مگر جتنا وصول ہوا اُتنے ہی کی واجِبُ الْاَدا ہے یعنی چالیس درہم وصول ہونے سے ایک درہم دینا واجب ہوگا اور اسّی وصول ہوئے تو دو، وعلٰی ھٰذا القِیاس۔“

(بہار شریعت، صفحہ 906، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد شاہد العطاری المدنی
7 ذی الحجۃ الحرام 1424ھ 30 جنوری 2004ء

الجواب صحیح
محمد فاروق العطاری المدنی

خُمس سے کیا مراد ہے؟

فتوی 148

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو رقم قرض میں دی گئی ہو اس

پر فوری زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی بلکہ خُمس وصول ہونے پر ادائیگی لازم آتی ہے، خُمس سے کیا مراد ہے؟ اگر خُمس سے کم وصول ہو رہی ہو اور خرچ ہو جاتی ہے کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟ اور یہ جو کہا جاتا ہے: "خُمس سے کم معاف ہے" اس سے کیا مراد ہے؟ کیا اس پر زکوٰۃ معاف ہے؟ نیز سونے چاندی اور کرنسی کا خُمس کیا بنے گا تفصیل سے بیان فرمادیں۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

خُمس یعنی بیس فیصد سے مراد نصاب کا پانچواں حصہ یا کُل نصاب کا بیس فیصد ہے۔ شریعتِ مُطَہَّرہ نے چاندی کا نصاب دو سو درہم مقرر کیا ہے، دو سو درہم کا خُمس یعنی پانچواں حصہ یا بیس فیصد، چالیس درہم ہیں۔ مُرَوَّجہ اَوزان کے اعتبار سے دو سو درہم کی چاندی ساڑھے باون تولے بنتی ہے، اب اس کا پانچواں جو بنتا ہے وہ نکال لیں۔

نقدی یا کیش میں نصاب کا معیار چونکہ ساڑھے باون تولے چاندی کے حساب سے ہے، لہٰذا نقدی کا خُمس نکالنے کا بھی وہی طریقہ ہے جو اُوپر بیان کیا گیا، آسانی کیلئے یوں مثال بیان کی جاسکتی ہے کہ زید نے بکر کو مثلاً ایک لاکھ روپے قرض دیا ہوا ہے اس پر وُجوبِ زکوٰۃ کی تمام تر شرائط مُتحقِّق ہو چکی ہیں، چونکہ یہ رقم قرض ہے اس لئے اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی فوری لازم نہیں بلکہ زید 63,000 کے خُمس یعنی 12,600 روپے تک جب رقم وصول کرے گا اس کی زکوٰۃ ادا کرنا اس پر لازم ہوگی۔ خُمس نکالنے کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مُرَوَّجہ قیمت کو 5 پر تقسیم کر دیا جائے تو خُمس نکل آئے گا۔

سونے کا نصاب بیس مثقال ہے اور مُرَوَّجہ اَوزان کے اعتبار سے بیس مثقال ساڑھے سات تولے کے برابر ہے، ساڑھے سات تولہ کا اڑھائی فیصد 2.25 ماشے ہے اور ساڑھے سات تولے کا خُمس یعنی پانچواں حصہ یا بیس فیصد ایک تولہ چھ ماشے ہے۔

خُمس سے کم وصول ہونے والی رقم پر زکوٰۃ ہے اگرچہ وہ خرچ ہو جائے لیکن وُجوبِ ادا خُمس وصول ہو جانے پر ہوگا، کیونکہ امامِ اعظم رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے نزدیک نصابِ کامل پر زیادتی جب خُمس تک پہنچے گی تو زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر خُمس سے کم ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں۔ چونکہ خُمس سے کم پر زکوٰۃ نہیں اسی لئے خُمس سے کم وصول ہونے والے

دَین پر زکوٰۃ کی ادائیگی کو حرج کی وجہ سے مُؤخَّر کر دیا گیا۔ جب بھی خُمس کامل ہو گا اس پر بننے والی زکوٰۃ ادا کر دی جائے گی۔ خُمس سے کم وصول ہوتا رہا اور خرچ ہوتا رہا تو اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی کا طریقہ یہ ہے کہ جتنا مل گیا اس کا حساب لگا لیا جائے جب خُمس وصول ہو جائے اگرچہ بعض خرچ ہو چکا ہو تو اس کی زکوٰۃ ادا کر دی جائے کہ اب تاخیر جائز نہیں۔

چنانچہ **تَنوِیرُ الْاَبْصار و دُرِّمُخْتار** میں ہے: "واعلم ان الدیون عند الامام ثلاثة قوی و متوسط و ضعیف فتجب زکاتها اذا تم نصابًا و حال الحول لکن لا فورا بل عند قبض اربعین درهمًا من الدین القوی کقرض وبدل مال تجارة فکلما قبض اربعین درهمًا یلزمه درهم"

"عند قبض اربعین درهمًا" کے تحت **رَدُّ الْمُحْتَار** میں ہے: "قال فی المحیط لأن الزکاة لاتجب فی الکسور من النصاب الثانی عنده مالم یبلغ أربعین للحرج فکذلك لا یجب الأداء مالم یبلغ اربعین للحرج"

"فکلما قبض اربعین درهما یلزمه درهم" کے تحت **رَدُّ الْمُحْتَار** میں ہے: "هو معنی قول الفتح و البحر ویتراخی الاداء الی ان یقبض اربعین درهمًا ففیها درهم و کذا فیما زاد فبحسابه أی فیما زاد علی الأربعین من أربعین ثانیة و ثالثة الی أن یبلغ مائتین ففیها خمسة دراهم" (در مختار مع رد المحتار، صفحہ 281، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

علامہ شامی نے **بَحْرُ الرَّائِق** کے حاشیہ **مِنْحَةُ الْخَالِق** میں **شُرُنبلالی** کے حوالے سے فرمایا: "أی الأداء بالتراخی الی قبض النصاب قوله: (ففیها درهم) لأن مادون الخمس من النصاب عفو لا زکاة فیه" (منحة الخالق علی بحر الرائق، صفحہ 363، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

ماقبل گفتگو تو دوسروں کے پاس موجود اَموال کے وصول ہو جانے کے اعتبار سے تھی لیکن خُمس کی ایک بحث نصاب سے زائد کسی مال کے خُمس سے کم ہونے یا زیادہ ہونے پر کی جاتی ہے۔ پس ایسے موقع پر جو مال نصاب سے زائد ہو لیکن خُمس سے کم ہو تو امامِ اعظم ابوحنیفہ رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے نزدیک اس پر زکوٰۃ واجب نہیں، جبکہ صاحبین کے نزدیک نصاب پر زیادتی اگرچہ خُمس سے کم ہو تمام مال پر زکوٰۃ لازم ہو گی، اس میں آسانی بھی ہے اور فقراء کے لئے

بھی اس میں نفع زیادہ ہے۔

تَنوِیرُ الْاَبْصَار و دُرِّ مُختَار میں ہے:"وفی کل خمس بضم الخاء بحسابه ففی کل أربعین درهمًا درهم، وفی کل أربعة مثاقیل قیراطان وما بین الخمس الی الخمس عفو، وقالا ما زاد بحسابه وهی مسألة الکسور"

(در مختار مع رد المحتار، صفحه 272، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبـــــــــــه
اَبُو مُحَمَّد علی اصغر العَطَّاری المَدَنی	محمد سجاد عطاری المدنی
	5 رمضان المبارك 1433ھ 6 اگست 2011ء

پراویڈنٹ فنڈز پر زکوٰۃ کا حکم؟

فتویٰ 149

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ زید سرکاری محکمہ (پاکستان نیوی) میں ملازِم ہے اسے اپنی تنخواہ کا مثلاً دس فیصد لازماً کٹوانا پڑتا ہے اس جبری کٹوتی کو پراویڈنٹ فنڈ کہا جاتا ہے۔ یہ رقم زید کے حساب میں ماہ بماہ جمع ہوتی رہتی ہے اور سالانہ سود بھی اس پر لگ کر زید کے حساب میں جمع ہوتا رہتا ہے اختتامِ ملازمت پر یہ رقم مع سود ملازِم کو مل جاتی ہے۔ قابلِ دریافت یہ ہے کہ

﴿1﴾ رقمِ مذکور پر جو سود ملتا ہے اس کا وصول کرنا اور اپنے استعمال میں لانا جائز ہوگا یا نہیں؟

﴿2﴾ اصل رقم جو کُل اس کو ملے گی بعد اَز وصولی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

سائل: محمد خرم عطاری قادری (کورنگی نمبر3، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ پراویڈنٹ فنڈ میں جو اضافی رقم سود کے طور پر ملتی ہے، وہ مالِ خبیث ہے اور حرام آمدنی ہے اُسے

استعمال میں لانا جائز نہیں بلکہ اس کا حکم یہ ہے کہ بغیر ثواب کی نیت کیے کسی شرعی فقیر کو دے دے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اگر خود بیت المال کا مُستَحِق ہو تو خود اپنے لئے ورنہ بیت المال کے مُستَحِقِّین کے لئے لے کر انہیں دے دے۔

﴿2﴾ ملازِم چونکہ پراویڈنٹ فنڈ کی اصل رقم کا مالک ہوتا ہے، اگر ملازم مالکِ نصاب ہے تو دیگر زکاتی مالوں کے ساتھ اس رقم پر بھی زکوٰۃ ہر سال فرض ہوتی رہے گی جبکہ زکوٰۃ کی دیگر شرطیں پائی جائیں، لٰہذا یہ رقم وصول ہونے کے بعد گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی۔

مفتی جلال الدین احمد امجدی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ پراویڈنٹ فنڈ پر زکوٰۃ کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:
''ملازِم اگر مالکِ نصاب ہے تو دیگر زکاتی مالوں کے ساتھ فنڈ مذکور میں جب سے رقم جمع ہونی شروع ہوئی ہے اسی وقت سے اس رقم کی بھی زکوٰۃ ہر سال واجب ہوگی اور اگر مالکِ نصاب نہیں ہے تو جب فنڈ کی رقم زکوٰۃ کے دوسرے مالوں کے ساتھ جوڑنے سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار کو پہنچ جائے اور حوائجِ اصلیہ سے بچ کر اس پر سال گزر جائے اس وقت فنڈ کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور پھر سال بسال واجب ہوتی رہے گی۔''
(فتاویٰ فیض الرسول ، صفحہ 479 ، جلد 1 ، مطبوعہ لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابوالصالح محمد قاسم القادری

کتبــــــــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد سعید العطاری المدنی
25 محرم الحرام 1432ھ 01 جنوری 2011ء

فتویٰ 150
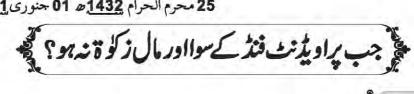
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا جی پی فنڈ پر زکوٰۃ ہوگی جبکہ اس شخص کے پاس اس کے علاوہ اور کوئی رقم حاجت سے زائد یا مالِ تجارت وغیرہ کچھ نہ ہو؟

سائل: عبدالرحمٰن چشتی سہروردی (کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

صورتِ مَسْئُولہ میں چونکہ اس کے پاس جی پی فنڈ کی رقم کے علاوہ حاجت سے زیادہ مال نہیں رکھا ہوا لہذا اس پر اس وقت زکوٰۃ واجب ہوگی جب جی پی فنڈ کی اصل رقم ساڑھے باون تولہ چاندی کے مُساوی ہو جائے اور یہ رقم اس کی حاجتِ اَصلیہ کے علاوہ ہو اور اس پر سال گزر جائے، پھر اس کے بعد ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ جب رقم حاصل ہوگی تو تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہوگا۔

چنانچہ حضرت قبلہ مفتی جلال الدین امجدی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ لکھتے ہیں: ’’ملازِم اگر مالکِ نصاب ہے تو دیگر زکاتی مالوں کے ساتھ فنڈ مذکور میں جب سے رقم جمع ہونی شروع ہوئی ہے اسی وقت سے اس رقم کی بھی زکوٰۃ ہر سال واجب ہوگی اور مالکِ نصاب نہیں ہے تو جب فنڈ کی رقم زکوٰۃ کے دوسرے مالوں کے ساتھ جوڑنے سے ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار کو پہنچ جائے اور حوائجِ اَصلیہ سے بچ کر اس پر سال گزر جائے اس وقت فنڈ کی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور پھر سال بسال واجب ہوتی رہے گی۔‘‘

(فتاویٰ فیض الرسول، صفحہ 479، جلد 1، مطبوعہ لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

27 شعبان المعظم 1428ھ 10 ستمبر 2007ء

فتویٰ 151
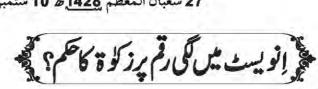
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی کچھ رقم دو سال پہلے کسی کو کاروبار میں لگانے کیلئے دی، ہر ماہ نفع ملتا رہا اب کچھ مہینوں سے نفع نہیں مل رہا کیا اس رقم پر زکوٰۃ ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

کاروبار کی نوعیت کیا ہے وضاحت سے بیان کریں۔کیا کسی کے ساتھ بطورِ شراکت یا مُضاربَت (پارٹنرشپ کے طور پر) کام شروع کیا اور نفع فیصد کے اعتبار سے مُتعیَّن کرلیا یا محض کسی کو رقم دے دی کہ وہ اس سے کچھ کام کرے اور آپ کو ہر ماہ مخصوص منافع ملتا رہے؟ اگر ایسا ہی ہے تو یہ خالص سود ہے جو کہ ناجائز وحرام ہے۔

قرآن پاک میں ہے:

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَیْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓىٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ یَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ یُرْبِی الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا یُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِیْمٍ ﴿۲۷۶﴾

ترجمۂ کنز الایمان: وہ جو سُود کھاتے ہیں قیامت کے دن نہ کھڑے ہوں گے مگر جیسے کھڑا ہوتا ہے وہ جسے آسیب نے چھو کر مخبوط بنا دیا ہو یہ اس لئے کہ انہوں نے کہا بیع بھی تو سُود ہی کے مانند ہے اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود تو جسے اس کے رب کے پاس سے نصیحت آئی اور وہ باز رہا تو اسے حلال ہے جو پہلے لے چکا اور اس کا کام خدا کے سپرد ہے اور جو اب ایسی حرکت کرے گا وہ دوزخی ہے وہ اس میں مدتوں رہیں گے اللہ ہلاک کرتا ہے سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ کو پسند نہیں آتا کوئی ناشکر بڑا گنہگار۔

(پارہ 3، البقرۃ: 275-276)

رسولُ اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ”مَنْ أَكَلَ دِرْهَمًا مِنْ رِبًا فَهُوَ مِثْلُ ثَلٰثٍ وَّثَلٰثِيْنَ زَنْيَةٍ، وَمَنْ نَبَتَ لَحْمُهٗ مِنَ السُّحْتِ، فَالنَّارُ أَوْلٰى بِهٖ رَوَاهُ الطَّبَرَانِيُّ فِي الْأَوْسَطِ وَالصَّغِيْرِ وَصَدْرُهٗ ابْنُ عَسَاكِرَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما“ یعنی سود کا ایک درہم کھانا تینتیس زنا کے برابر ہے اور جس کا گوشت حرام سے بڑھے تو نارِ جہنم اس کی زیادہ مستحق ہے۔اس کو طَبَرانی نے مُعجَم اَوسط اور صغیر میں اور ابن عساکر نے ابن عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمَا سے روایت کیا۔

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 293، جلد 17، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

تاہم کاروبار میں لگائی گئی اصل رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبــــــــه

عبدہٗ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

16 رمضان المبارك 1430ھ 18 ستمبر 2009ء

قرض میں دی گئی رقم پر زکوٰۃ کا حکم؟

فتویٰ 152

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنے رشتہ داروں کو تقریباً آٹھ لاکھ روپے قرض دیا ہوا ہے جب ان کے حالات ٹھیک ہوں گے اس وقت وہ مجھے واپس کریں گے تو اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مسئولہ میں آپ پر اس قرض کی رقم کی زکوٰۃ واجب ہوگی مگر اس کی ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب مقدارِ نصاب سے کم از کم پانچواں حصہ آپ کو وصول ہوجائے، جب پانچواں حصہ وصول ہوجائے گا تو اس پانچویں حصہ کی زکوٰۃ واجبُ الاَدا ہوگی اسی طرح مزید ملنے والے ہر پانچویں حصہ پر زکوٰۃ ہوگی اور گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی اور نصاب کے پانچویں حصہ سے مراد ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کا پانچواں حصہ ہے۔

شَیْخُ الْاِسْلَام وَالْمُسْلِمِیْن امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''قرض جسے عرف میں دست گرداں کہتے ہیں......(اس میں) سال بسال زکوٰۃ واجب ہوتی رہے گی مگر اس کا ادا کرنا اسی وقت لازم ہوگا جبکہ اس کے قبضہ میں......بقدرِ خُمس نصاب آئے گا۔'' (ملتقطاً)

(فتاوی رضویہ، صفحہ 162، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''اگر دَین ایسے پر ہے جو اس کا اقرار کرتا ہے......تو جب مال ملے گا سالہائے گزشتہ کی بھی زکوٰۃ واجب ہے۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 877، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ قرض کی رقم کی زکوٰۃ کے متعلق فرماتے ہیں: ''جو مال کسی پر دَین ہو اس کی زکوٰۃ کب واجب ہوتی ہے......اگر دَینِ قوی ہو جیسے قرض جسے عرف میں ''دستگرداں'' کہتے ہیں......(اس کی) زکوٰۃ بحالتِ دَین ہی سال بہ سال واجب ہوتی رہے گی، مگر واجبُ الْاَدا اُس وقت ہے جب پانچواں حصہ نصاب کا وصول ہو جائے، مگر جتنا وصول ہوا اُتنے ہی کی واجبُ الْاَدا ہے یعنی چالیس درہم وصول ہونے سے ایک درہم دینا واجب ہوگا اور اَسّی (80) وصول ہوئے تو دو، وعلٰی ھٰذَا القیاس۔'' (ملتقطاً)

(بہارِ شریعت، صفحہ 905، 906، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد ماجد رضا العطاری المدنی
30 شعبان المعظم 1428ھ 13 ستمبر 2007ء

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

کاروباری وصولیوں پر زکوٰۃ کا حکم؟

فتویٰ 153

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم لوگ ٹائروں کا کام کرتے ہیں ہم نے مثلاً بارہ لاکھ روپے کی ذاتی رقم سے کاروبار شروع کیا، اور زیادہ تر لوگ ہم سے ادھار پر مال لیتے ہیں تو تقریباً آٹھ لاکھ روپے لوگوں پر ہمارا قرض ہے اور چار لاکھ روپے کا ہمارے پاس مال موجود ہے تو پوچھنا یہ ہے کہ اس رقم پر زکوٰۃ ادا کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

سائل: عبد القادر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

صورتِ مُستفسَرہ میں (دیگر قابلِ زکوٰۃ اَموال مثلاً کرنسی سونا وغیرہ کے علاوہ) مالِ تجارت پر نصاب کا سال مکمل ہونے کے بعد قرض وغیرہ کو مِنہا کر کے اگر بقدرِ نصاب رقم آپ کے پاس بچتی ہے تو اس پر فوری زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی، البتہ آپ کا لوگوں پر جو قرض ہے اس کی ادائیگی فوری واجب نہیں بلکہ جب نصاب کے پانچویں حصہ پر قبضہ ہوگا تو پھر اس حصے میں تاخیر جائز نہیں ہوگی اور اگر کئی سالوں بعد وصولی ہوتی ہے تو گزشتہ تمام سالوں کی زکوٰۃ بھی لازم ہوگی۔

چنانچہ مَرَاقِی الْفَلاح میں ہے: ''فالقوی و هو بدل القرض و مال التجارة اذا قبضه و كان على مقر ولو مفلسًا أو على جاحد عليه بينة زكاة لما مضى ويتراخى وجوب الأداء إلى أن يقبض أربعين درهمًا ففيها درهم لأن ما دون الخمس من النصاب عفو لا زكاة فيه''

ترجمہ: دَینِ قوی سے مراد وہ دَین ہے جو قرض اور ایسے مالِ تجارت کا بدَل ہو کہ جس پر قبضہ کر لیا ہو اور اس دَین کا اقرار کرنے والا ہو اگرچہ مُفلِس ہو، یا ایسے پر ہو کہ جو دَین کا انکار کرتا ہو لیکن اس پر گواہی موجود ہو۔ اس طرح کے دَین میں گزشتہ ایام کی زکوٰۃ بھی واجب ہے لیکن اس کی ادائیگی خُمس نصاب پر قبضہ تک موقوف رہے گی، جب چالیس درہم (نصاب کے پانچویں حصے) پر قبضہ کرے گا تو اس میں ایک درہم کی ادائیگی واجب ہوگی کیونکہ خُمس سے کم نصاب معاف ہے اور اس پر زکوٰۃ نہیں۔ (مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، صفحہ 715، مطبوعہ کراچی)

سیِّدی اعلیٰ حضرت، مُجدِّدِ دِین و مِلّت فتاویٰ رَضَوِیّہ شریف میں فرماتے ہیں: ''جو روپیہ قرض میں پھیلا ہے اس کی بھی زکوٰۃ لازم ہے مگر جب بقدرِ نصاب یا خُمس نصاب وصول ہوا اُس وقت ادا واجب ہوگی جتنے برس گزرے ہوں سب کا حساب لگا کر۔'' (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 167، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اگر آپ پیشگی سب رقم کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتے ہیں تو شرعاً اس کی بھی اجازت ہے۔

چنانچہ سیِّدی اعلیٰ حضرت، مُجدِّدِ دِین و مِلّت فتاویٰ رَضَوِیّہ شریف میں فرماتے ہیں: ''حَولانِ حَول کے بعد ادائے زکوٰۃ میں اصلاً تاخیر جائز نہیں، جتنی دیر لگائے گا گنہگار ہوگا، ہاں پیشگی دینے میں اختیار ہے کہ بتدریج دیتا

رہے سالِ تمام پر حساب کرے اس وقت جو واجب نکلے اگر پورا دے چکا بہتر، اور کم گیا تو باقی فوراً اب دے، اور زیادہ پہنچ گیا تو اُسے آئندہ سال میں مُجرا لے۔"

(فتاوی رضویہ، صفحہ 202، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبــــــــــه
عَبْدُهُ الْمُذْنِبْ فُضَیل رَضا العطّاری عفا عنہ الباری	محمد سجاد العطاری المدنی
	24 رجب المرجب 1431ھ 6 جولائی 2010ء

قرض لینے والا زکوٰۃ دے یا دینے والا؟

فتویٰ 154

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنی بہن سے ایک لاکھ سولہ ہزار روپے بطورِ قرض لئے تھے جس کو سال گزر گیا لہٰذا میری بہن کہہ رہی ہے کہ اس کی زکوٰۃ آپ دیں۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس کی زکوٰۃ مجھے دینی ہوگی یا بہن کو؟

سائل: محمد زبیر عطاری (کورنگی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

یاد رکھئے! قرض دینے والا جو قرض دیتا ہے اس کی زکوٰۃ قرض دینے والے پر لازم ہوتی ہے جبکہ ادائیگی تب لازم ہوتی ہے جب بقدرِ نصاب یا خُمس نصاب وصول ہو جائے، لہٰذا صورتِ مسئولہ میں آپ پر قرض میں لی ہوئی رقم کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ جتنی رقم آپ کی بہن نے آپ کو قرض میں دی ہے اس کی زکوٰۃ آپ کی بہن پر لازم ہے جبکہ دیگر شرائط پائی جائیں۔ بہن کا مطالبہ ناجائز ہے کہ قرض پر مشروط نفع سود ہوتا ہے۔ جو مال قرض دیا جائے دینے والے کی طرف سے اس مال کی زکوٰۃ دینے کا مطالبہ مقروض سے کرنا قرض پر نفع مشروط کرنا ہے۔

سیدی اعلیٰ حضرت، مُجدِّدِ دِین ومِلّت، شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: "جو روپیہ قرض

میں پھیلا ہے اس کی بھی زکوٰۃ لازم ہے مگر جب بقدرِ نصاب یا خُمس نصاب وصول ہوا اُس وقت ادا واجب ہوگی جتنے برس گزرے ہوں سب کا حساب لگا کر۔" (فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 167 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید آپ عَلَیْہِ الرَّحْمَہ (جو روپے قرض میں دیئے ہیں ان کی زکوٰۃ کس پر واجب ہے؟) اس کے بارے میں فرماتے ہیں: "اُس کی زکوٰۃ اُس روپے والے پر واجب، اگرچہ واجِبُ الْاَدا اُس وقت ہوگی جب وہ قرض بقدرِ نصاب یا خُمس نصاب اُس کو وصول ہو۔" (فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 186 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــہ
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم القَادِرِی
20 رمضان المبارك 1429ھ 21 ستمبر 2008ء

قرض میں دی گئی رقم نصاب میں شمار ہوگی

فتویٰ 155
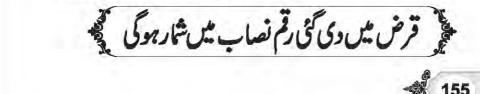
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں صاحبِ نصاب ہوں میں نے کسی کو بیس ہزار روپے قرض کے طور پر دیئے ہوئے ہیں اور اس کو سال سے زیادہ عرصہ ہوگیا ہے تو اس رقم پر زکوٰۃ لازم ہوگی یا نہیں؟ اگر ہوگی تو اس کو کس طرح ادا کریں گے؟ یہ رقم باقی نصاب پر سال پورا ہونے سے پہلے قرض کے طور پر دی تھی۔ سائل: محمد فیصل قادری (لائٹ ہاؤس، کراچی)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مُسْتَفْسَرَہ میں آپ کے پاس قرض کی رقم کے علاوہ جتنی رقم سال گزرنے پر ہوگی اس سب پر زکوٰۃ کی ادائیگی فوراً فرض ہوگی اور قرض کی رقم پر بھی سال بسال زکوٰۃ فرض ہوتی رہے گی، ہاں ادائیگی فی الحال فرض نہیں ہوگی لیکن جوں ہی کم از کم نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہوگا اس پر بھی ادائیگی فرض ہوجائے گی اور جتنے سال کے

بعد یہ رقم وصول ہوتی ہے ان سالوں میں سے ہر سال کی زکوٰۃ اس میں سے ادا کی جائے گی۔

بَدَائِعُ الصَّنَائِع میں ہے:''وتجب الزكاة في الدين مع عدم القبض، وتجب في المدفون في البيت فثبت ان الزكاة وظيفة الملك، والملك موجود فتجب الزكاة فيه إلا أنه لا يخاطب بالأداء للحال لعجزه عن الأداء لبعد يده عنه وهذا لا ينفي الوجوب كما في ابن السبيل'' ترجمہ: اور قرض پر عدمِ قبضہ کے باوجود زکوٰۃ فرض ہوگی، اور گھر میں مدفون مال پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی، تو ثابت ہوا کہ زکوٰۃ مِلک کا وظیفہ ہے اور مِلک موجود ہے تو قرض پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی مگر اس شخص سے فی الحال ادائیگی کا مطالبہ نہیں کیا جائے گا کیونکہ یہ ادائیگی سے عاجز ہے کہ مال اس کے قبضے میں نہیں ہے اور قبضہ نہ ہونا زکوٰۃ کے وُجُوب کے منافی نہیں ہے جیسا کہ ابنِ سبیل کے بارے میں ہے۔

(بدائع الصنائع، صفحہ 13، جلد 2، داراحیاء التراث العربی بیروت)

صَدرُالشَّریعَہ، بَدرُالطَّریقَہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: ''دَینِ قوی کی زکوٰۃ بحالتِ دَین ہی سال بہ سال واجب ہوتی رہے گی مگر واجِبُ الاَدا اس وقت ہے جب پانچواں حصہ نصاب کا وصول ہو جائے مگر جتنا وصول ہوا اُتنے ہی کی واجِبُ الاَدا ہے یعنی چالیس درہم وصول ہونے سے ایک درہم دینا واجب ہوگا اور اسّی (80) وصول ہوئے تو دو، وعلٰی ھٰذا القِیاس۔

(بہارشریعت، صفحہ 906، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفاعنہ الباری

7 شوال المکرم 1430ھ 27 ستمبر 2009ء

دَینِ قوی کیا ہوتا ہے؟

فتوٰی 156

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تقریباً ڈیڑھ سال ہوگیا ہے کہ

میری رقم میرا بزنس پارٹنر واپس نہیں کر رہا کیونکہ وہ رقم ادا کرنے کے قابل نہیں۔ یوں اس کے ملنے کا اب بہت کم اِمکان ہے۔ پچھلے سال میں نے اس کی زکوٰۃ ادا کر دی تھی۔ کیا اب میں اس کے ملنے تک مؤخّر کر سکتا ہوں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

آپ کا پارٹنر اگرچہ ابھی آپ کی رقم دینے کے قابل نہیں اور آپ کو اپنی رقم ملنے کا اِمکان بھی کم نظر آتا ہے لیکن اگر وہ آپ کی رقم کا اقرار کرتا ہے تو یہ دَینِ قوی ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اس پر جب جب سال گزرتا رہے گا زکوٰۃ فرض ہوتی رہے گی، اگرچہ اسے ادا کرنے کے وُجُوب میں یہ تفصیل ہوگی کہ ابھی فِی الْفَوْر اس کا ادا کرنا فرض نہیں ہوگا۔ بلکہ جب اس رقم میں سے کم از کم اتنا وصول ہو گیا جو نصابِ زکوٰۃ کا پانچواں حصہ بنتا ہو تو اس قدر کی زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگا۔

چنانچہ بہارِ شریعت میں ہے: ''جو مال کسی پر دَین ہو اس کی زکوٰۃ کب واجب ہوتی ہے اور ادا کب، اس میں تین صورتیں ہیں۔ اگر دَینِ قوی ہو جیسے قرض جسے عُرف میں دستگرداں کہتے ہیں اور مالِ تجارت کا ثَمَن مثلاً کوئی مال اُس نے بہ نیّتِ تجارت خریدا اُسے کسی کے ہاتھ اُدھار بیچ ڈالا یا مالِ تجارت کا کرایہ مثلاً کوئی مکان یا زمین بہ نیّتِ تجارت خریدی اُسے کسی کو سکونت یا زراعت کے لئے کرایہ پر دے دیا۔ یہ کرایہ اگر اُس پر دَین ہے تو دَینِ قوی ہوگا اور دَینِ قوی کی زکوٰۃ بحالتِ دَین ہی سال بہ سال واجب ہوتی رہے گی مگر واجِبُ الْاَدا اُس وقت ہے جب پانچواں حصہ نصاب کا وصول ہو جائے، مگر جتنا وصول ہوا اُتنے ہی کی واجِبُ الْاَدا ہے یعنی چالیس درہم وصول ہونے سے ایک درہم دینا واجب ہوگا اور اَسّی (80) وصول ہوئے تو دو، وعلٰی ھٰذا القِیاس۔''

(بہارشریعت، صفحہ 905، 906، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رضا العطّاری عفا عنہ الباری

30 ذی الحجۃ 1430ھ 16 فروری 2009ء

گروی رکھی چیز پر زکوۃ نہیں

فتویٰ 157

کیا فرماتے علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ دولاکھ روپے کسی کو قرض دیا گیا اور گروی میں اس کی کوئی چیز رکھی گئی تو جب وہ رقم دوسال کے بعد واپس ملے گی تو کیا اس پر زکوۃ ہوگی؟

سائلہ: بنتِ نصیر (مرکز الاولیاء لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جی ہاں! اور گزشتہ دوسالوں کی دینی ہوگی۔

(ماخوذ از بہارِ شریعت، صفحہ 906، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

البتہ گروی رکھوانے والے اور گروی رکھنے والے پر اس چیز کی زکوۃ نہیں ہوگی جو بطور گروی رکھوائی گئی۔ اگرچہ وہ چیز اَموالِ زکوۃ میں سے ہو۔

چنانچہ صَدْرُ الشَّرِیْعَہ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الْبَارِی فرماتے ہیں: ”شے مرہون (یعنی گروی) کی زکوۃ نہ مُرتَہِن (گروی رکھنے والا) پر ہے نہ رَاہِن (گروی رکھوانے والا) پر، مُرتَہِن تو مالک ہی نہیں اور رَاہِن کی مِلک تام نہیں کہ اس کے قبضہ میں نہیں اور بعد رَہن چھڑانے کے بھی ان برسوں کی زکوۃ واجب نہیں۔“

(بہارِ شریعت، صفحہ 877، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبــــــــــــہ
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری	ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی
	26 جمادی الاولیٰ 1426ھ 19 اپریل 2006ء

مکان اور حج کے واسطے جمع شدہ رقم پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

فتوٰی 158

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

﴿1﴾ میرے پاس اپنا مکان لینے کے لئے کچھ رقم رکھی ہے، مکان کی تلاش جاری ہے مگر ابھی تک کوئی مناسب مکان نہیں ملا۔ کیا مکان کیلئے رکھی ہوئی اس رقم پر بھی زکوٰۃ لازم ہوگی؟

﴿2﴾ حج کے لئے رقم جمع کر کے بینک میں رکھی ہے کیا سالِ تمام پر اس رقم کی زکوٰۃ دینا بھی فرض ہوگی؟

سائل: غلام مصطفیٰ (کراچی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ دریافت کردہ صورت میں اگر آپ نصابِ شرعی کے مالک ہیں اور اس پر قمری سال گزر چکا ہے اور آپ پر قرض ہو تو اسے مِنہا کرنے کے بعد حاجاتِ اصلیہ سے فارغ جو رقم بچے اگر وہ نصابِ شرعی کی قدر ہے یا اس سے زائد ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے خواہ وہ رقم مکان لینے کیلئے رکھی ہو یا دیگر اُمور کے لئے۔ یونہی زیورات و مالِ تجارت کا بھی حکم ہے۔

امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیۡہِ الرَّحۡمَہ فَتَاوىٰ رَضَوِیَّہ شریف میں فرماتے ہیں: ”جس دن وہ مالکِ نصاب ہوا تھا جب اس پر سال پورا گزرے گا اس وقت جتنا سونا چاندی یا تجارت کا مال میز کرسی وغیرہ جو کچھ بھی ہو بقدرِ نصاب اس کے پاس تمام حاجاتِ اصلیہ سے فارغ موجود ہوگا اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی، روزمرّہ کے خرچ میں جو خرچ ہوگیا ہوگیا۔“

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 186، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

﴿2﴾ جی ہاں! جو رقم حج کے لئے بینک میں رکھی ہے اگر نصاب کا مالک ہے تو سالِ تمام پر دیگر اُموال کے ساتھ اس رقم کی زکوٰۃ نکالنا بھی فرض ہے۔

چنانچہ فَتَاوىٰ رَضَوِیَّہ شریف میں ایک سوال کے جواب میں ہے: ”روپیہ کہیں جمع ہو کسی کے پاس امانت

ہومطلقاً اس پرزکوٰۃ واجب ہے۔'' (فتاوی رضویہ ، صفحہ 141 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَاعَنْہُ الْبَارِی

کتبــــــــــہ
اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصْغَر الْعَطَّارِی الْمَدَنِی
13 رجب المرجب 1426ھ 09 اگست 2006ء

حاجتِ اَصلیہ میں صَرف کے لئے رکھی گئی رقم پرزکوٰۃ؟

فتوٰی 159

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اپنا مکان بنانے کے لئے دوسال سے پیسے جمع کررہاہوں جو بینک میں جمع ہیں، کیا ان پرزکوٰۃ واجب ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگروہ رقم نصاب تک پہنچ گئی اور نصاب تک پہنچنے کے بعد اس پرسال گزرچکاہے تو اس پرزکوٰۃ واجب ہوگی۔

صَدرُالشَّریعَہ، بَدرُالطَّریقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ لکھتے ہیں:

''حاجتِ اَصلیہ میں خرچ کرنے کے روپے رکھے ہیں تو سال میں جوکچھ خرچ کیا کیا اور جو باقی رہے اگر بقدرِ نصاب ہیں توان کی زکوٰۃ واجب ہے اگرچہ اسی نیّت سے رکھے ہیں کہ آئندہ حاجتِ اَصلیہ میں صَرف ہوں گے اور اگر سالِ تمام کے وقت حاجتِ اَصلیہ میں خرچ کرنے کی ضرورت ہے تو زکوٰۃ واجب نہیں۔''

(بہارشریعت ، صفحہ 881 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

کتبــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد حسان رضا العطاری المدنی
21 رمضان المبارک 1428ھ 04 اکتوبر 2007ء

ایڈوانس رکھوائی گئی رقم کا حکم؟

فتویٰ 160

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کرایہ کے مکان کے لئے **50,000** روپے ایڈوانس مالک مکان کے پاس رکھوائے ہیں تو کیا ان پر زکوٰۃ ہوگی؟

سائلہ: صابرہ خاتون (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

کرایہ کے مکان پر ایڈوانس کی مد میں دی جانے والی رقم بظاہر امانت ہوتی ہے لیکن حقیقتاً قرض کی حیثیت رکھتی ہے کیونکہ مَعْرُوْف ومَعْهُوْد بَيْنَ النَّاس یہی ہے کہ مالک مکان اس رقم کو استعمال کرے گا اور مکان خالی کرنے پر ادا کردے گا اور یہی قرض کا مفہوم ہے۔ قاعدۂ مُسَلَّمہ ہے: "اَلْمَعْرُوْف كَالْمَشْرُوْط" یعنی جو معروف ہے وہ مشروط کی طرح ہے۔ لہٰذا اگر کرایہ دار پہلے سے مالکِ نصاب ہو یا اب ایڈوانس کی رقم تنہا طور پر یا دیگر اَموالِ زکوٰۃ سے ملانے پر نصاب مکمل ہو جاتا ہو تو نصاب کا سال پورا ہونے پر حاجتِ اَصلیہ اور قرض کو مِنہا کرنے کے بعد بقیہ رقم حدِ نصاب کو پہنچتی ہو تو سال کے اختتام پر جو رقم موجود ہو خواہ یہی ایڈوانس کی مد میں دی جانے والی رقم اور دیگر اَموالِ زکوٰۃ ان سب پر زکوٰۃ دینا فرض ہوگی۔ ہاں اس ایڈوانس والی رقم پر زکوٰۃ کی ادائیگی کا مطالبہ اس وقت ہوگا جب اسے اس رقم میں سے کم ازکم نصاب کا خُمس یعنی پانچواں حصہ وصول ہو جائے۔

مَرَاقِی الْفَلَاح شَرْحُ نُوْرِ الْاِيْضَاح میں ہے: "ويتراخى وجوب الأداء إلى أن يقبض أربعين درهمًا ففيها درهم لان ما دون الخمس من النصاب عفو لا زكاة فيه صح" ترجمہ: دَینِ قوی میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا وُجوب چالیس درہم (خُمس نصاب) کی وصولی تک مُؤَخَّر رہے گا پھر وصول ہونے پر ان چالیس

درہموں میں ایک درہم دینا فرض ہوگا کیونکہ جو خُمس نصاب سے کم ہے وہ معاف ہے اس پر زکوٰۃ نہیں۔
(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی ، صفحه 716 ، مطبوعه کراچی)

امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ''جو روپیہ قرض میں پھیلا ہے اس کی بھی زکوٰۃ لازم ہے مگر جب بقدرِ نصاب یا خُمس نصاب وصول ہو اُس وقت ادا واجب ہوگی۔''
(فتاویٰ رضویه ، صفحه 167 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا العَطَّارِی عَفَا عَنْہُ الْبَارِی

کتبـــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصْغَر العَطَّارِی المَدَنِی
8 رمضان المبارک 1427ھ 20 ستمبر 2006ء

بیمہ پالیسی کی رقم پر زکوٰۃ کا حکم؟

فتویٰ 161

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ میں نے بیمہ پالیسی میں ہر سال 5,774 روپے جمع کروائے یہ سلسلہ سات سال سے جاری ہے اور دس سال تک رقم دینی ہوگی ، بعد میں واپس ملے گی لیکن دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس رقم کی زکوٰۃ میں ابھی ادا کروں یا رقم حاصل ہو جانے کے بعد؟

سائل: محمد اکرم صدیقی (بورڈ آفس، نارتھ ناظم آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

شریعت کی رُو سے بیمہ (Insurance) ایک ایسا عقد ہے جو سود اور جوئے پر مشتمل ہے اور یہ ناجائز و حرام ہے۔ بہر حال سائل کے مسئلہ کے متعلق وضاحت یہ ہے کہ جو رقم جمع کرائی ہے وہ دَینِ قوی کے حکم میں ہے۔ دَینِ قوی سے مراد وہ قرض جو رقم یا مالِ تجارت وغیرہ اُدھار دینے کی صورت میں مقروض پر لازم ہوتا ہے۔ دَینِ قوی کے متعلق

زکوٰۃ کا حکم یہ ہے کہ نصاب کو پہنچنے اور اس پر سال گزرنے کی صورت میں زکوٰۃ واجب ہوگی اور پھر اس کی ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب نصاب کی رقم کا پانچواں حصہ وصول کرے گا۔

تَنْوِیرُ الْاَبْصَار و دُرِّ مُخْتَار میں ہے:"(فتجب) زكاتها إذا تم نصابًا وحال الحول، لكن لا فورًا بل (عند قبض أربعين درهمًا من الدين) القوی "ترجمہ: جب نصاب کامل ہوا اور سال گزر گیا تو زکوٰۃ واجب ہوگی لیکن (ادائیگی) فوراً نہیں بلکہ (ادائیگی) دَینِ قوی کی صورت میں دوسو درہم میں سے چالیس درہم وصول ہونے پر واجب ہے۔ (تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 281، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

بہارِ شریعت میں ہے:"دَینِ قوی کی زکوٰۃ بحالتِ دَین ہی سال بہ سال واجب ہوتی رہے گی مگر واجِبُ الْاَدا اس وقت ہے جب پانچواں حصہ نصاب کا وصول ہو جائے مگر جتنا وصول ہوا اُتنے ہی کی واجِبُ الْاَدا ہے یعنی چالیس درہم وصول ہونے سے ایک درہم دینا واجب ہوگا اور اسّی (80) وصول ہوئے تو دو، وعلٰی ھٰذا القِیاس۔"

(بہارشریعت، صفحہ 906، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

پس بیمہ پالیسی میں آپ کی اصل رقم جتنی جمع ہو چکی، نصاب کو پہنچنے کی صورت میں جب سال گزر جائے گا تو اس پر زکوٰۃ ہوگی اس طرح جتنے بھی سال گزریں گے ان سب کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور جب رقم وصول ہوگی تو اس کی ادائیگی واجب ہو جائے گی۔ اگر ساری رقم اکٹھی وصول ہوتی ہے تو ساری رقم کی کُل زکوٰۃ فوراً ادا کرنا ہوگی بصورتِ دیگر جب نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہوگا تو اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ کی مد میں ادا کرنا ہوگا۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

20 ذی الحجہ 1425ھ 31 جنوری 2005ء

انشورنس پالیسی میں جمع رقم پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

فتویٰ 162

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک اسلامی بھائی نے بینک

سے ڈھائی لاکھ روپے لون لے کر بہن کی شادی کی ہے اور انشورنس میں ایک لاکھ روپے جمع ہیں لیکن اسے ابھی نکال نہیں سکتے اس پیسے پر ایک سال گزر چکا ہے۔ تو کیا قرض دار ہونے کے باوجود زکوٰۃ نکالنا ہوگی؟ جبکہ لون کی رقم پانچ سال میں پوری ہوگی۔

سائل: ناظم ذہین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں اصل قرض اور دیگر حاجتِ اَصلیہ کو مِنْہا کرنے کے بعد بھی اگر ساڑھے سات تولہ سونا، یا ساڑھے باون تولہ چاندی، یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت (جو کہ آج کل کے حساب سے تقریباً ساڑھے اُنتیس ہزار بنتی ہے) کے برابر روپیہ پیسہ، مالِ تجارت یا پرائز بانڈز ہوں تو زکوٰۃ لازم ہے۔ نیز اگر ایسا ہو کہ مذکورہ اَموالِ زکوٰۃ میں سے کوئی ایک چیز بھی بیان کردہ نصاب کے برابر نہیں ہے یعنی نہ تو سونا ساڑھے سات تولہ ہے، نہ ہی چاندی ساڑھے باون تولہ ہے اور نہ ہی روپیہ پیسہ، مالِ تجارت، پرائز بانڈز وغیرہ اتنے ہیں کہ تنہا چاندی کے نصاب کو پہنچیں۔ لیکن یہ سب چیزیں مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی رقم کے برابر پہنچ جاتی ہیں تو اس صورت میں بھی زکوٰۃ لازم ہوگی۔ مثلاً قرضہ نکال کر ایک تولہ سونا اور پانچ ہزار روپے ہیں دونوں کی قیمت ملائیں تو چالیس ہزار سے بھی اوپر بن جائے گی اور یہ مالیت یقینی طور پر چاندی کے نصاب سے زائد ہے تو اب زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

جو رقم اِنشورنس میں جمع کروائی ہے اس پر بھی زکوٰۃ لازم ہوگی کہ وہ آپ کی مِلکیّت ہے البتہ اس پر جو نفع ہوا اس پر زکوٰۃ نہیں کہ زکوٰۃ پاک رقم پر ہوتی ہے۔ واضح رہے کہ انشورنس کروانا اور سود پر رقم لینا ناجائز وحرام کام ہیں اور شریعت ان کاموں سے منع کرتی ہے لہٰذا جس شخص سے متعلق سوال ہے اس پر لازم ہے کہ وہ فوری طور پر ان دونوں کاموں سے چھٹکارا حاصل کرے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سچی توبہ بھی کرے اور سود کی رقم صدقہ بھی کرے۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

1 رمضان المبارک 1431ھ 12 اگست 2010ء

سیکورٹی ڈپازٹ میں رکھی رقم پر زکوٰۃ کا حکم؟

فتویٰ 163

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید ریلوے کارگو کا کام کرتا ہے جس کے لئے ریلوے کو 5 لاکھ روپے دینے پڑتے ہیں۔ مقررہ مدت کے بعد ریلوے وہ پیسے واپس دے دیتی ہے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ کیا ان پیسوں پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی؟

سائل: بابا محمد جمیل قادری (بابا کارگو گروپ، مرکز الاولیاء لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

مذکورہ پیسوں پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی۔ البتہ زکوٰۃ کی ادائیگی اسی صورت میں لازم ہوگی جب نصاب کا خُمس یعنی پانچواں حصہ وصول ہوگا۔ شرعاً یہ دَینِ قوی بنتا ہے۔

دیون کی تفصیلات بیان کرتے ہوئے امام علاؤالدین ابی بکر بن مسعود کاسانی حنفی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ارشاد فرماتے ہیں: "جملة الكلام فی الديون أنها على ثلاث مراتب فی قول أبی حنيفة: دين قوی ودين ضعيف ودين وسط كذا قال عامة المشايخنا- اما القوی : فهو الذی وجب بدلا عن مال التجارة كثمن عرض التجارة من ثياب التجارة وعبيد التجارة أو غلة مال التجارة و لا خلاف فی وجوب الزكاة فيه الا أنه لا يخاطب بأداء شئ من زكاة ما مضى ما لم يقبض أربعين درهما فكلما قبض أربعين درهما أدى درهما واحدا..... و أما الدين الضعيف: فهو الذی وجب له بدلا عن شئ سواء وجب له بغير صنعه كالميراث أو بصنعه كالوصية أو وجب بدلا عما ليس بمال كالمهر و بدل الخلع

والصلح عن القصاص وبدل الكتابة ولا زكاة فيه ما لم يقبض كله ويحول عليه الحول بعد القبض۔ وأما الدين الوسط: فما وجب له بدلا عن مال ليس للتجارة كثمن عبد الخدمة وثمن ثياب البذلة والمهنة وفيه روايتان عنه ذكرفی "الاصل" أنه تجب فيه الزكاة قبل القبض لكن لا يخاطب بالأداء مالم يقبض مائتی درهم فاذا قبض مائتی درهم زكی لمامضی وروی ابن سماعة عن أبی يوسف عن أبی حنيفة أنه لازكوة فيه حتی يقبض المائتين ويحول عليه الحول من وقت القبض وهوأصح الروايتين عنه" یعنی: امامِ اعظم ابوحنیفہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے نزدیک دیون تین طرح کے ہیں دَینِ قوی، دَینِ ضعیف، دَینِ متوسط جیسا کہ ہمارے عامۂ مشائخ نے فرمایا: دَینِ قوی وہ ہے جو مالِ تجارت کے بدلے میں واجب ہو جیسا کہ سامانِ تجارت کا ثَمَن یعنی تجارت کے کپڑے، غلام اور مالِ تجارت کا غلہ۔ ان میں زکوۃ واجب ہونے کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں مگر یہ کہ اس پر گزشتہ سالوں کی زکوۃ کی ادائیگی اس وقت تک واجب نہیں جب تک اس کے قبضے میں چالیس درہم نہ آجائیں۔ تو جب چالیس درہم پر قابض ہوگا ان میں سے ایک درہم زکوۃ میں ادا کرنا ہوگا۔ دَینِ ضعیف وہ ہے جو کسی چیز کے بدلے میں واجب ہوا ہو چاہے وہ اسے بغیر کسی صنعت کے ملی جیسے میراث یا صنعت کے ذریعے ملی جیسے وصیت یا وہ ایسی چیز کے بدلے میں واجب ہوا جو مال نہ ہو جیسے مہر، بدل خلع، صُلْحُ عَنِ الْقِصَاص اور بدلِ کتابت اس میں اس وقت تک زکوۃ واجب نہیں جب تک کُل مال پر قابض نہ ہو جائے اور بعدِ قبضہ سال نہ گزر جائے۔ دَین متوسط وہ ہے جو غیر تجارتی مال کے بدلے میں واجب ہوا جیسے خدمت کے غلام کا ثَمَن، پہننے کے کپڑوں کا ثَمَن۔ اس میں زکوۃ واجب ہونے کے بارے میں دو روایات ہیں جو کتابُ الاصل میں مذکور ہیں کہ اس پر قبضے سے پہلے ہی زکوۃ واجب ہے لیکن ادائیگی اس وقت تک واجب نہیں جب تک دوسو درہم پر قبضہ نہ ہو جائے۔ تو جب دوسو درہم پر قابض ہوا گزشتہ سالوں کی زکوۃ واجب ہوگئی اور اِبنِ سماعہ نے امام ابو یوسف سے اور انہوں نے امام ابوحنیفہ سے روایت کیا کہ اس میں اس وقت تک زکوۃ واجب نہیں جب تک دوسو درہم پر قبضہ نہ ہو جائے اور قبضے کے وقت سے سال بھی گزر جائے اور یہی دونوں روایتوں میں زیادہ صحیح ہے۔ (بدائع الصنائع، صفحہ 90، جلد 2، داراحیاء التراث العربی بیروت)

ایڈوانس کی رقم بطورِ سیکیورٹی دی جاتی ہے اس رقم کی حیثیت قرض کی ہے۔ لہٰذا اس کی زکوٰۃ ایڈوانس دینے والے پر لازم ہوگی۔ صحیفہ مجلس شرعی کے فیصل بورڈ کے فیصلہ میں ہے: ''زرِضمانت قرضِ محض ہے اور زرِ ضمانت دینے والے پر اس کی زکوٰۃ واجب ہے۔'' (صحیفۂ مجلسِ شرعی، صفحہ 46، جلد 2، دارالنعمان کراچی)

سیّدی امامِ اہلسنّت، مُجدّدِ دِین ومِلّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''جو روپیہ قرض میں پھیلا ہے اس کی بھی زکوٰۃ لازم ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 167، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ایک اور مقام پر امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''روپیہ کہیں جمع ہو کسی کے پاس امانت ہو مطلقاً اس پر زکوٰۃ واجب ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 141، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

زکوٰۃ اسی وقت واجِبُ الْاَدا ہوگی جب نصاب کے پانچویں حصے کے برابر رقم وصول ہو جائے اس وقت ہر سال کا حساب لگا کر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللہِ تعالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''دَینِ قوی کی زکوٰۃ بحالتِ دَین ہی سال بہ سال واجب ہوتی رہے گی مگر واجِبُ الْاَدا اُس وقت ہے جب پانچواں حصہ نصاب کا وصول ہو جائے مگر جتنا وصول ہوا اُتنے ہی کی واجِبُ الْاَدا ہے یعنی چالیس درہم وصول ہونے سے ایک درہم دینا واجب ہوگا اور اَسّی (80) وصول ہوئے تو دو، وَعَلٰی ھٰذَا الْقِیَاس۔'' (بہارشریعت، صفحہ 906، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

11 شوال المکرم 1432ھ 12 ستمبر 2011ء

امام برہان الدین ابراہیم زرنوجی اپنی کتاب ''تَعْلِیْمُ الْمُتَعَلِّم طَرِیْقَ التَّعَلُّم'' میں فرماتے ہیں کسی نے امام محمد علیہ الرحمہ کو خواب میں دیکھ کر پوچھا کَیْفَ کُنْتَ فِیْ حَالِ النَّزْعِ۔ آپ نے حالت نزع کو کیسا پایا؟۔ آپ علیہ الرحمۃ نے ارشاد فرمایا کہ میں اس وقت مکاتب غلام کے متعلق فکر و تامل میں کھویا ہوا تھا مجھے تو پتا ہی نہیں چلا کہ میری روح کب نکلی۔ (راہ علم مترجم، ص 77، مکتبۃ المدینہ)

باب ثانی: زکوٰۃ نکالتے وقت پیش آنے والے مسائل

فصل/عنوان 10

ادائیگی زکوٰۃ کون کرے؟

زکوٰۃ کی نکالی ہوئی رقم گم ہو جائے تو؟

فتویٰ 164

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ والد صاحب نے اپنی زکوٰۃ کی رقم مجھے دی۔ میں نے قمیص کی جیب میں رکھ لی۔ غلطی سے قمیص دھوبی کو دے دی۔ بھائی نے بعد میں دھوبی کے پاس جا کر قمیص چیک کرلی مگر پیسے نہیں ملے۔ والد صاحب کی زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا اب یہ پیسے مجھے اپنے پاس سے دینے ہوں گے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سائل کا بیان سچائی پر مشتمل ہونے کی صورت میں آپ کے والد صاحب کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔ انہیں بتائیں تاکہ وہ اپنی زکوٰۃ دوبارہ ادا کریں۔ اور اگر آپ کی طرف سے تعدّی پائی گئی تھی تو آپ پر تاوان لازم ہے۔ والد صاحب چاہیں تو آپ سے تاوان نہ لیں، لیکن زکوٰۃ انہیں دوبارہ دینی ہوگی۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح

عبدہٗ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد طارق رضا العطاری المدنی

29 شوال 1429ھ

زکوٰۃ مالکِ نصاب پر ہے

فتویٰ 165

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر والدین نے سونا اور جائیداد اپنے بچوں کے نام کردی ہو تو زکوٰۃ کون ادا کرے گا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر والدین نے سونا اور جائیداد بچوں میں تقسیم کردی اور ان کو مالک بھی بنادیا تو ہر ایک اپنے اپنے مال سے قابلِ زکوٰۃ اَموال کی زکوٰۃ ادا کرے گا کیونکہ اب ہر ایک اپنے مال کا مالک ہے بشرطیکہ وہ نابالغ نہ ہوں کیونکہ نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی۔

جیسا کہ فَتاوٰی عَالَمگِیری میں ہے: ''ومنها العقل والبلوغ فليس الزكاة على صبىّ ومجنون'' ترجمہ: زکوٰۃ کی شرائط میں سے عاقل وبالغ ہونا ہے، پس بچے اور پاگل پر زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔
(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 172، جلد 1، دار الفکر بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ زکوٰۃ کی شرائط بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: '' نابالغ پر زکوٰۃ واجب نہیں۔''
(بہارِشریعت، صفحہ 875، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

اور اگر والدین نے اپنی بالغ اولاد کو پورے طور پر مالک نہیں کیا یعنی قبضہ نہیں دیا تو ہبہ مکمل نہ ہوا اور یہ چیزیں والدین کی ملکیت ہی شمار ہوں گی البتہ نابالغ کا مسئلہ جدا ہے۔

فتاویٰ رضویہ میں ہے: ''باپ جو چیز اپنے نابالغ بچہ کو ہبہ کرے اس میں موہوب لہ کو قبضہ دینا شرط نہیں باپ ہی کا قبضہ اس کا قبضہ قرار پاتا ہے۔''
(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 217، جلد 19، رضافاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

20 رمضان المبارک 1427ھ 14 اکتوبر 2006ء

گفٹ کئے گئے سونے کی زکوٰۃ کس پر؟

فتویٰ 166

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے تین تولے سونے کی چین والدہ کو گفٹ کردی ہے اب زکوٰۃ کس پر ہوگی مجھ پر یا والدہ پر؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

آپ کی والدہ کے پاس اس سونے کے علاوہ حاجتِ اَصلیہ سے فارغ کوئی اور مالِ زکوٰۃ مثلاً چاندی یا مالِ تجارت یا جمع شدہ رقم وغیرہ بھی ہو اور اس مال کی قیمت سونے کی قیمت کے ساتھ ملا کر ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر پہنچ جائے اور اس پر سال گزر جائے تو اس کے چالیسویں حصہ پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری
18 رمضان المبارک 1430ھ

فتویٰ 167

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید شرعی فقیر ہے اس نے بکر سے کہا کہ مجھے اپنی زکوٰۃ دے دو میں نے اپنی بہن کی شادی کرنی ہے بکر نے اپنی زکوٰۃ زید کو دے دی اور زید نے وہ رقم اپنی بہن کو دے دی لیکن اس کی بہن نے وہ رقم اپنی شادی میں استعمال نہیں کی بلکہ یہ رقم ابھی زید کی بہن کے پاس

ہی ہے۔تو کیا اس صورت میں بکر کی زکوٰۃ ادا ہوگئی؟اور اب سال گزرنے پر کس پر زکوٰۃ ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں جبکہ زید شرعی فقیر تھا تو بکر کی زکوٰۃ ادا ہوگئی کیونکہ زکوٰۃ فقیرِ شرعی کو مالک بنادینے سے ادا ہوجاتی ہے۔

جیسا کہ تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار میں ہے:"ھی تملیك جزء مال عیّنه الشّارع من مسلم فقیر"

ترجمہ: وہ مال کے ایک حصے کا مسلمان فقیر کو مالک کرنا ہے جس کو شارع عَلَیْہِ السَّلام نے مُعَیَّن فرمایا ہے۔

(تنویر الابصار، صفحہ 203 تا 206، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

اور جب زید نے اس رقم کا مالک اپنی بہن کو بنادیا تو بہن مالک ہوگئی،اس کی بہن پہلے سے صاحبِ نصاب تھی یا اس رقم کے آنے سے صاحبِ نصاب ہوگئی تو دیگر شرائط کے پائے جانے پر اب اگر نصاب کا سال گزر جائے گا تو اسی پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔مگر یہ یاد رہے کہ شرعی فقیر کے لئے بلا حاجت سوال کرنا جائز نہیں،لہٰذا اس سے توبہ کرنا جداگانہ لازم ہے۔نیز شادی کے عُمُومی اَخراجات وہی ہوتے ہیں جو حاجت میں نہیں آتے،لہٰذا اگر ایسی ہی صورت تھی تو اس طرح کے کام کیلئے حیلہ کرنا بھی جائز نہیں۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد ماجد رضا العطاری المدنی
4 محرم الحرام 1428ھ 14 جنوری 2008ء

الجواب صحیح
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

مالکِ نصاب اگر اپنی زکوٰۃ ادا نہ کرے؟

فتوٰی 168

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری زوجہ اور بیٹے کے پاس

جو زیورات ہیں ان کی زکوٰۃ کئی سالوں سے میں ادا کر رہا ہوں اب اس سال ادا نہیں کر سکتا۔ اگر یہ ادا نہ کریں تو کیا میں گناہگار ہوں گا جبکہ میں خود مقروض ہوں؟

سائل: محمد رفیق عطاری (حیدرآباد)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زوجہ اور بیٹے کے زیورات جن کے وہ خود مالک ہیں ان کی زکوٰۃ ادا کرنا آپ پر واجب نہیں، بلکہ خود اُن پر واجب ہے اگر وہ نہ دیں گے تو آپ گنہگار نہیں ہونگے۔

وَ اللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبـــــــــــــہ

المتخصص فی الفقه الاسلامی

محمد طارق رضا العطاری المدنی

6 ذو الحجہ 1428ھ 17 دسمبر 2007ء

والد کے لئے مختص کی گئی رقم پر زکوٰۃ؟

فتوی 169

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے شوہر اپنے والد کے لئے کچھ یورو (Euro) نکالتے ہیں تا کہ سال پورا ہونے پر پاکستان میں والد صاحب کو بھیج دیں، جب والد صاحب کو پاکستان بھیجنے لگے تو والد صاحب نے یہ کہہ کر منع کر دیا کہ جب مجھے ضرورت ہوگی تو میں خود ہی منگوالوں گا تم ابھی رہنے دو، اب میرا سوال یہ ہے کہ ان پیسوں پر ہمیں زکوٰۃ دینا لازمی ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

بلاشبہ ان پیسوں کی زکوٰۃ دینا آپ کے شوہر پر لازم ہے جبکہ وہ صاحبِ نصاب ہوں، کہ یہ رقم والد صاحب

کے لئے مختص تو کی ہے لیکن جب تک وہ یا ان کی طرف سے کوئی وکیل قبضہ نہ کرلے ان کی ملکیت نہیں بلکہ اس کے مالک آپ کے شوہر ہیں، لہٰذا زکوٰۃ بھی وہی ادا کریں گے۔

وَ اللهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد رضوان العطاری المدنی
13 شعبان المعظم 1430ھ

الجواب صحیح
ابوالصالح محمد قاسم القادری

مالِ مُضاربت کی زکوٰۃ کس پر؟

فتویٰ 170

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے بکر کو پچاس لاکھ (50,00,000) روپے دیئے کہ تم اس رقم سے کام کرو اس رقم سے جو نفع ہوگا اس میں سے پچیس فیصد (25%) تمہارا ہوگا اور پچھتر فیصد (75%) میرا ہوگا، بکر نے اس رقم سے تقریباً 22 ماہ تک کام کیا اور کُل نفع پانچ لاکھ (5,00,000) روپے ہوا، اب زید کا کہنا ہے کہ میری دو سال کی زکوٰۃ اس میں سے منہا کرنے کے بعد یہ نفع تقسیم ہوگا۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ اس صورت میں مالِ مُضاربت کی زکوٰۃ کس پر ہوگی اور جو نفع ہوا ہے اس میں زکوٰۃ کے وُجُوب کی کیا صورت ہوگی اس کی زکوٰۃ کون ادا کرے گا؟

سائل: محمد جاوید (کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مسئولہ میں زید کی اصل رقم اور اس کو جتنا نفع ملا ہے اس کی زکوٰۃ زید ہی پر لازم ہے اور نفع میں سے جو حصہ بکر کا ہے اس میں سے زید اپنی رقم کی زکوٰۃ ادا نہیں کرسکتا، کیونکہ بکر اپنے حصہ کے نفع کا مالک ہے اور زید کا اس طرح کرنا غیر کے مال میں تصرُّف کرنا ہے جو کہ ناجائز وحرام ہے۔

اللہ جَلَّ مَجْدُہٗ قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ترجمۂ کنزالایمان: اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق نہ کھاؤ۔ (پارہ 5، سورۃ النساء، آیت: 29)

اور جہاں تک مُضَارِب یعنی بکر کو جو نفع ملا ہے اس کی زکوٰۃ کا تعلق ہے تو اس کی زکوٰۃ اسی پر ہوگی۔

فَتَاوٰی عَالَمْگِیرِی میں ہے: ''وکذا المضاربة إلّا أن یکون فی المال ربح یبلغ نصیبه نصابًا فیؤخذ منه لأنّه مالك له کذا فی الهدایة'' **ترجمہ:** اگر کسی کے پاس مُضَارَبَت کا مال ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی، ہاں اگر اس میں نفع ہوا اور مُضَارِب کا حصہ نصاب کو پہنچ گیا تو شرائط کے ساتھ اس پر زکوٰۃ لازم ہوگی کیونکہ اب یہ اس مال کا مالک ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 184، جلد 1، دارالفکر بیروت)

رَدُّ الْمُحْتَار میں ہے: ''أو قال: لیس هذا المال لی بل هو ودیعة أو بضاعة أو مضاربة'' **ترجمہ:** اگر کسی نے کہا کہ یہ مال میرا نہیں ہے بلکہ امانت ہے یا تجارتی مال ہے یا مُضَارَبَت کے طور پر کسی کا میرے پاس ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔'' (رد المحتار علی الدر المختار، صفحہ 290، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

لہٰذا اب اگر بکر کے پاس پہلے سے نصاب کی مقدار رقم یا سونا یا چاندی یا مالِ تجارت وغیرہ میں سے کچھ موجود ہے اور اس پر زکوٰۃ کا سال گزر رہا ہے تو مُضَارَبَت میں جو اس کو نفع حاصل ہوا ہے اس کا بھی وہی سال شمار ہوگا اور اسی سال کے ختم پر اس رقم کی بھی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی کیونکہ یہ سب ایک ہی جنس ہیں۔

چنانچہ شَیْخُ الْاِسْلَام وَ الْمُسْلِمِیْن شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''پھر جو شخص مالکِ نصاب ہے اور ہنوز حَولانِ حَول نہ ہوا (ابھی تک سال نہ گزرا) کہ سال کے اندر ہی کچھ اور مال اسی نصاب کی جنس سے خواہ بذریعہ ہِبہ، میراث یا شرا (خریدنا) یا وصیت یا کسی طرح اس کی مِلک میں آیا تو وہ مال بھی اصلِ نصاب میں شامل کر کے اصل پر سال گزرنا اس سب پر حَولانِ حَول قرار پائے گا اور یہاں سونا چاندی تو مطلقاً ایک ہی جنس ہیں خواہ ان کی کوئی چیز ہو اور مالِ تجارت بھی ان ہی کی جنس سے گنا جائے گا اگرچہ کسی قسم کا ہو کہ آخر اس پر زکوٰۃ یونہی آتی ہے کہ اس کی قیمت سونے یا چاندی سے لگا کر ان ہی کی نصاب دیکھی جاتی ہے تو یہ سب مالِ زر و سیم ہی کی جنس سے ہے اور وسط میں حاصل ہوئے

تو ذہب وفضّہ (سونا اور چاندی) کے ساتھ شامل کر دیئے جائیں گے۔"

(فتاویٰ رضویه، صفحه 86، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

اور اگر بکر کے پاس پہلے سے نصاب کی مقدار رقم یا سونا یا چاندی یا مالِ تجارت میں سے کچھ موجود نہ تھا تو اب سے اس رقم کا نیا سال شمار کریں گے اور سال کے ختم پر بکر کو اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی کیونکہ زکوٰۃ کے وُجوبِ ادا کیلئے نصاب پر سال گزرنا ضروری ہے۔

جیسا کہ تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار میں ہے:"سببه ملك نصاب حوليّ تام....نامٍ" یعنی زکوٰۃ فرض ہونے کا سبب ایسے نصاب کا مکمل مالک ہونا ہے جس پر سال گزر چکا ہو اور یہ مال مالِ نامی (بڑھنے والا) ہو۔(ملتقطاً)

(تنویر الابصار، صفحه 208 تا 214، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابوالصالح محمد قاسم القادری

کتبــــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد ماجد رضا العطاری المدنی
18 ربیع الأول 1428ھ 28 مارچ 2008ء
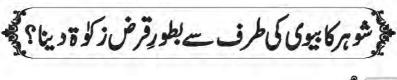
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر شوہر بیوی کے زیورات کی زکوٰۃ ادا کر دے تو کیا اسے بیوی پر قرض سمجھا جاسکتا ہے؟

سائل: اطہر ندیم قادری (اسلامک آرکیڈ گلشن اقبال، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

قوانینِ شَرعِیّہ کی رُو سے اگر شوہر اس شرط پر بیوی کی طرف سے زکوٰۃ ادا کرے کہ وہ اس کو بعد میں یہ رقم

دے دے گی تو شوہر اس رقم کا مُستحِق ہے اور بیوی سے بعد میں طلب کر سکتا ہے اور اگر یہ شرط نہیں رکھی تو اب شوہر یہ رقم بیوی سے لینے کا مُستحق نہیں۔

خَانِیَه میں ہے: ”رجل أمر رجلا بان یودی عنه الزکاۃ من مال نفسه فادی المأمور فانه لایرجع علی الآمر مالم یشترط الرجوع“ ترجمہ: ایک شخص نے دوسرے کو کہا کہ وہ میری طرف سے زکوٰۃ اپنے مال سے ادا کر دے دوسرے شخص نے ادا کر دی تو وہ پہلے شخص سے اس مال کو نہیں لے سکتا جب تک رجوع کی شرط نہ لگالے۔ (فتاویٰ خانیه، صفحه 262، جلد 1، دار الفکر بیروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عَبْدُهُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَاعَنْهُ الْبَارِی

کتبـــــــــــــه
اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغَر العَطَّارِی المَدَنِی
4 ذیقعدہ 1427ھ 6 جنوری 2006ء

اجازت سے دوسرا زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

فتویٰ 172

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب اپنی آمدنی (Income) کا کچھ حصہ اپنے پاس رکھتے ہیں اور کچھ جمع کرنے کیلئے اپنی بیوی یعنی ہماری والدہ کو دے دیتے ہیں۔ لیکن ابو کے پاس اتنے پیسے نہیں جن پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہو جبکہ امی کے پاس اتنی رقم ہے کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو جاتی ہے۔ میری بہن نے امی سے زکوٰۃ ادا کرنے کیلئے کہا تو وہ کہتی ہیں کہ اس کی زکوٰۃ میں نے ادا نہیں کرنی بلکہ اس کی زکوٰۃ تمہارے والد ادا کریں گے۔ میری بہن نے ابو کی اجازت سے ان پیسوں کی زکوٰۃ ادا کر دی جو امی کے پاس تھے مگر امی کو معلوم نہیں، تو زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں؟ اور بہن نے جو کیا تو کیا اس پر کوئی گناہ ہوگا یا یہ چوری کے زمرے میں آئے گا؟ جبکہ مِلکیّت ابو اور امی دونوں کی ہے۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

شوہر اپنی بیوی کو جو رقم جمع کرنے کیلئے دیتا رہا اگر وہ صرف جمع کرنے کیلئے ہی دی تھی ان پیسوں کا بیوی کو مالک نہیں بنایا تھا تو ان پیسوں کا مالک وہی شخص ہے اور زکوٰۃ بھی اسی پر فرض ہوگی اور بیٹی نے والد کی اجازت سے ان پیسوں کی زکوٰۃ ادا کردی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی چاہے بیوی کو معلوم ہو یا نہ ہو اور نہ ہی اس صورت میں اس پر کوئی گناہ ہے، کہ جس کا مال تھا اس کی اجازت سے اس میں تصرُّف کیا۔ ہاں اگر شوہر اپنی بیوی کو یہ پیسے بطورِ تملیک دیتا رہا تو ان پیسوں کی مالک بیوی ہے اور اس کی زکوٰۃ بھی اسی پر واجب ہوگی اور بغیر اس کی اجازت کے بیٹی کے ادا کرنے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوئی اور اس صورت میں مِلکِ غیر میں اس کی اجازت کے بغیر تصرُّف کرنے کی وجہ سے بیٹی گناہگار ہوگی اور جتنی رقم نکال کر زکوٰۃ میں دی وہ اپنے پاس سے واپس دینا ہوگی یا معاف کرانا ہوگی۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دِین و ملّت علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاویٰ رضویّہ شریف میں فرماتے ہیں: ''دوسرے کی طرف سے کوئی فرض و واجبِ مالی ادا کرنے کے لئے اس کی اجازت کی حاجت ہے، اگر بالغ اولاد کی طرف سے صدقۂ فطر یا اس کی زکوٰۃ ماں باپ نے اپنے مال سے ادا کردی یا ماں باپ کی طرف سے اولاد نے اور اصل جس پر حکم ہے اس کی اجازت نہ ہوئی تو ادا نہ ہوئی۔'' (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 139، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد سجا د العطاری المدنی
22 رمضان المبارك 1426ھ 27 اکتوبر 2005ء

الجواب صحیح
ابوالصالح محمد قاسم القادری

دو افراد کا ایک شخص کی طرف سے زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 173

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوی کے پاس تیرہ تولے

سونا ہے شادی کے بعد پچھلے چھ سال سے میں اس کی زکوٰۃ ادا کر رہا ہوں بعد میں پتا چلا کہ میرے والد نے بھی بہو کی طرف سے زکوٰۃ ادا کر دی ہے اب کس کی زکوٰۃ ادا ہوئی اور کیا یہ زکوٰۃ بعد والے سالوں کی بھی ادا ہوگئی یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

آپ کی دی ہوئی زکوٰۃ ادا ہوگئی، کہ بیوی کی اجازت سے آپ نے دی تھی۔ اور والد صاحب نے چونکہ بلا اجازت دی لہٰذا وہ نفلی صدقہ ہوگیا اور اب آئندہ سالوں کی زکوٰۃ میں اسے شمار نہیں کیا جاسکتا۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبـــــــــــــہ
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری	محمد نوید رضا العطاری المدنی
	18 رمضان المبارک 1430ھ

فتویٰ 174

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بیوی کو کچھ سونا اپنے سسرال سے اور کچھ اپنے میکے سے ملا ہے اور بیوی صاحبِ نصاب بھی ہے اس کی زکوٰۃ بیوی کے ذمّے ہے یا شوہر کے؟

سائل: منور حسین عارف (جی ٹی آئی ریلوے روڈ، ڈیرہ غازی خان)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

قوانینِ شریعت کی رُو سے ہر آدمی پر اس کے اپنے مال کی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے نہ کہ دوسرے کے مال کی۔ جو سونا سسرال سے ملتا ہے اس میں دو صورتیں ہوسکتی ہیں کہ سسرال والوں نے صراحتاً یہ کہہ کر دیا کہ یہ سونا تمہاری مِلک

ہے یا پھر وہاں کا عُرف ہی یہ ہو کہ سسرال کی طرف سے ملنے والا سونا بیوی کی مِلک سمجھا جاتا ہو اور طلاق ہونے کے بعد سسرال والے سونا واپس بھی نہ مانگتے ہوں اور ایسا بہت کم ہوتا ہے تو یقیناً بیوی اس سونے کی مالک ہوگی اور اگر سونا سسرال والوں ہی کی مِلک سمجھا جاتا ہو تو اب اس سونے کی زکوٰۃ اسی پر ہوگی جو اس کا مالک ہے۔

واضح رہے کہ سسرال کا سونا نکال کر بھی بیوی صاحبِ نصاب رہتی ہے تو اپنے پاس موجود اَموالِ نامیہ پر زکوٰۃ نکالنا اس پر ضروری ہوگا جبکہ شرائط پائی جاتی ہوں، کیونکہ ضروری نہیں کہ ہر صاحبِ نصاب پر زکوٰۃ بھی فرض ہو، زکوٰۃ کے لئے نصاب کی مقدار، دو یا زائد نصابوں سے مل کر ایک نصاب بننا، قرض سے فارغ ہونا وغیرہ مختلف چیزوں کو سامنے رکھنے کے بعد زکوٰۃ فرض ہونے یا نہ ہونے کا حکم دینا ممکن ہوتا ہے لہٰذا جس کے مال پر زکوٰۃ کا حکم پوچھنا مقصود ہو اس کے مال اور قرض وغیرہ کی تفصیل بتا کر اپنے شہر کے کسی ماہر اور قابلِ اعتماد سُنّی عالمِ دین سے مسئلہ پوچھ لیا جائے یا پھر تفصیل دارُ الافتاء اہلسنت اِرسال کر کے حکم معلوم کر لیا جائے۔ بہارِ شریعت حصہ 5 کا مطالعہ کر کے بھی زکوٰۃ کے بارے میں کثیر معلومات حاصل کی جاسکتی ہیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبہ
ابوالصالح محمد قاسم القادری	ابومحمد علی اصغر العطاری المدنی
	2 محرم الحرام 1429ھ 2 جنوری 2008ء

رَہن رکھے ہوئے مال کی زکوٰۃ کسی پر نہیں

فتویٰ 175
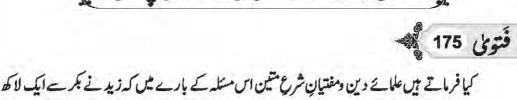
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے بکر سے ایک لاکھ (1,00,000) روپے قرض لیا اور اپنا زیور بکر کے پاس گروی رکھوا دیا۔ اس زیور کی زکوٰۃ زید کو ادا کرنا ہوگی یا بکر کو؟

سائل: ارشد علی عطاری (ڈرگ روڈ، باب المدینہ کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اگر زید نے وہ زیور بکر کے قبضہ میں دے دیا تو اس زیور کی زکوۃ زید و بکر کسی پر واجب نہیں کہ رَہن رکھی ہوئی چیز کی زکوۃ نہ راہِن پر ہوتی ہے اور نہ ہی مُرتَہِن پر۔ مُرتَہِن (جس کے پاس چیز گروی رکھی گئی) تو مالک ہی نہیں اور راہِن (گروی رکھوانے والے) کی مِلک کامل نہیں کہ اس کے قبضہ میں نہیں اور رَہن چھڑانے کے بعد بھی ان برسوں کی زکوۃ واجب نہیں۔

دُرِّمُختار میں ہے: "ولافی مرهون بعد قبضه" ترجمہ: شے مَرہونہ پر اسکے قبضہ کرنے کے بعد زکوۃ نہیں۔ (در مختار، صفحہ 214، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

خَاتَمُ الْمُحَقِّقِین علامہ ابنِ عابدین شامی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی "ولا فی مرهون" کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: "أی لا علی المرتهن لعدم ملك الرّقبة ولا علی الرّاهن لعدم الید، وإذا استردّه الرّاهن لا یزکّی عن السّنین الماضیة" ترجمہ: شے مرہونہ کی زکوۃ مُرتَہِن پر اس کے مالک نہ ہونے کے سبب نہیں اور راہِن پر رَہن رکھی ہوئی چیز کی زکوۃ اس پر مِلکِ تام نہ ہونے کی وجہ سے نہیں۔ اور جب راہِن رَہن کو واپس لے گا تو گزشتہ سالوں کی زکوۃ ادا نہیں کرے گا۔

(رد المحتار علی الدر المختار، صفحہ 214، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبــــــــــــه
عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا العطّاری عَفَا عَنْہُ الْبَارِی	المتخصص فی الفقه الاسلامی محمد طارق رضا العطاری المدنی 7 شوال المکرم 1429ھ 7 اکتوبر 2008ء

حضرت امام ابوحنیفہ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) سے کسی نے سوال کیا کہ آپ اس بلند مقام پر کیسے پہنچے آپ (رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ) نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے علم سے دوسروں کو فائدہ پہنچانے میں کبھی بخل نہیں کیا اور جو مجھے نہیں آتا تھا اس میں دوسروں سے استفادہ کرنے سے میں کبھی نہیں رکا۔"
(بہارِ شریعت، ج 3، ص 1040، مطبوعہ مکتبۃ المدینہ)

باب ثانی: زکوۃ نکالتے وقت پیش آنے والے مسائل

فصل/عنوان 11

مُتفرِّق مسائل

پیارے آقا عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر زکوٰۃ فرض نہیں

فتویٰ 176

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سرکار عَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام پر زکوۃ دینا فرض تھا یا نہیں؟

سائل: اسحاق خان عطاری (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سرکارِ دوعالم نورِ مجسم شاہِ بنی آدم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم پر زکوۃ فرض نہیں۔

جیسا کہ دُرِّ مُختار و شامی میں ہے: "لا تجب على الانبياء اجماعا لأن الزكوة طهرة لمن عساه أن يتدنس والأنبياء مبرؤون منه" ترجمہ: انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام پر زکوۃ واجب نہیں کیونکہ زکوۃ اس کے لئے پاکیزگی ہے جو گندگی سے پاک ہونا چاہتا ہے اور انبیائے کرام عَلَیْہِمُ السَّلَام اس سے بری ہیں۔ یعنی وہ پہلے ہی پاک ہیں۔

(رد المحتار على الدر المختار، صفحه 202، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

كتبه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد عقیل رضا العطاری المدنی
29 ذیقعدہ 1426ھ 01 جنوری 2005ء

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

زکوۃ کی تعریف

فتوی 177

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوۃ کی تعریف کیا ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار وغیرہا میں زکوۃ کی تعریف اس طرح بیان کی گئی ہے: "هی تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي و لا مولاه مع قطع المنفعة عن الملك من كل وجه لله تعالى" ترجمہ: زکوۃ شریعت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے مال کے ایک حصہ کا جو شرع نے مُقَرّر کیا ہے مسلمان فقیر کو مالک کردینا ہے اور وہ فقیر نہ ہاشمی ہو نہ ہاشمی کا آزاد کردہ غلام اور اپنا نفع اُس سے بالکل جدا کرلیا جائے۔

(تنویر الابصار ، صفحہ 203 تا 206 ، جلد 3 ، دار المعرفة بیروت)

صَدرُ الشَّرِیعَہ عَلَیْہِ الرَّحْمَہ زکوۃ کی تعریف کے بارے میں فرماتے ہیں: "زکوۃ شریعت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے مال کے ایک حصہ کا جو شرع نے مُقَرّر کیا ہے مسلمان فقیر کو مالک کردینا ہے اور وہ فقیر نہ ہاشمی ہو نہ ہاشمی کا آزاد کردہ غلام اور اپنا نفع اُس سے بالکل جدا کرلے۔"

(بہارشریعت ، صفحہ 874 ، جلد 1 ، مکتبة المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

17 جمادی الاولی 1427ھ 14 جون 2006ء
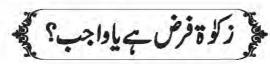
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوۃ فرض ہے یا واجب؟ اگر

فرض ہے تو اسے واجب کیوں کہتے ہیں؟ سائل: محمد شفیق عطاری (چیچہ وطنی، ضلع ساہیوال)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ فرض ہے۔

جیسا کہ فَتَاوٰی عَالَمگِیرِی میں ہے: "فهي فريضة محكمة يكفر جاحدها و يقتل مانعها" ترجمہ: زکوٰۃ فرض ہے اس کا مُنکِر کافِر اور نہ دینے والا فاسِق اور قتل کا مُستَحِق ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 170، جلد 1، دارالفکر بیروت)

اور کبھی مجازاً زکوٰۃ کیلئے واجب کا لفظ بھی استعمال ہوتا ہے لیکن اس سے مراد فرض ہی ہوتا ہے۔

جیسا کہ ھِدَایَہ شریف میں: "الزكاة واجبة" (زکوٰۃ واجب ہے) کے تحت فرمایا: "المراد بالواجب الفرض" یعنی واجب سے مراد فرض ہے۔ (ھدایہ اوّلین، صفحہ 200، مطبوعہ لاھور)

اور فَتحُ الْقَدِیْر میں ہے: "و المراد بالواجب الفرض لقطعيّة الدّليل إمّا مجاز في العرف بعلاقة المشترك من لزوم استحقاق العقاب بتركه عدل عن الحقيقة و هو الفرض إليه بسبب أن بعض مقاديرها و كيفيّاتها ثبتت بأخبار الاحاد"

(فتح القدیر، صفحہ 113، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

اَبُو الصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم القَادِرِی

12 ذیقعدہ 1426ھ 15 دسمبر 2005ء

ایک سال کی زکوٰۃ منہا کرکے اگلے سال کا نصاب دیکھا جائے

فتویٰ 179

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر زکوٰۃ نہ نکالی اور وہ زکوٰۃ کی

رقم اتنی تھی کہ خود اس پر زکوٰۃ واجب ہوجاتی ہے تو کیا اس پر زکوٰۃ نکالیں گے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

مَعَاذَ اللہ عَزَّوَجَلَّ اگر زکوٰۃ ادا نہیں کی اور دوسرا سال آگیا تو پہلے پچھلے سال کی جتنی زکوٰۃ واجب تھی وہ نکالیں گے پھر جتنا مال باقی ہے اس سال اس کی زکوٰۃ نکالیں گے۔ مثلاً پچھلے سال دس لاکھ (10,00,000) روپے تھے جن پر پچیس ہزار (25,000) روپے زکوٰۃ بنتی تھی وہ نہیں نکالی اس سال یہ رقم دس لاکھ یا اس سے زائد ہے تو پہلے پچھلے سال کے پچیس ہزار روپے نکالیں اب جتنی رقم باقی ہے اس کا حساب لگا کر اس پر زکوٰۃ نکالیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبــــــــــــــــــــــــــــــــہ
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری	محمد حسان رضا العطاری المدنی
	9 رمضان المبارک 1430ھ

ٹیکس زکوٰۃ کے قائم مقام نہیں ہوسکتا

فتویٰ 180

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے شوہر U.K میں رہتے ہیں اور ان سے گورنمنٹ اپنی مرضی سے ٹیکس لیتی ہے تو ہم جو ٹیکس دیتے ہیں کیا وہ زکوٰۃ نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

ٹیکس زکوٰۃ کیونکر ہوسکتا ہے۔ کیونکہ زکوٰۃ اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے مال کے ایک حصہ کو جو شرع نے مُقرّر کیا ہے مسلمان فقیر کو مالک کردینے کا نام ہے جبکہ ٹیکس نہ ہی اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے دیا جاتا ہے اور نہ ہی مسلمان فقیر کو دیا جاتا ہے لہٰذا یہ زکوٰۃ نہیں۔

جیسا کہ فَتَاوٰی عَالَمگِیرِی میں ہے:"فھی تملیك المال من فقیر مسلم غیر هاشمیّ ولا مولاہ بشرط قطع المنفعة عن المملّك من كل وجه للّٰه تعالى هذا فی الشّرع" ترجمہ: زکوۃ شریعت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے مال کے ایک حصہ کا جو شرع نے مُقرَّر کیا ہے مسلمان فقیر کو مالک کر دینا ہے اور وہ فقیر نہ ہاشمی ہو نہ ہاشمی کا آزاد کردہ غلام اور اپنا نفع اُس سے بالکل جدا کر لیا جائے۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 170 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

3 رمضان المبارک 1428ھ 16 ستمبر 2007ء

نصاب کا ابتدائی ماہ یاد نہ ہو تو؟

فَتویٰ 181

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے یہ معلوم نہیں کہ میں سال کے کس مہینے میں صاحبِ نصاب ہوا تھا تو اس صورت میں زکوۃ کب ادا کروں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں آپ کے لئے حکم یہ ہے کہ جس ماہ میں صاحبِ نصاب ہونے کا غالِب گُمان ہو اُس ماہ میں زکوۃ ادا کریں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقه الاسلامی

محمد کفیل رضا عطاری المدنی

29 ذو القعدة 1428ھ 10 دسمبر 2007ء

الجواب صحیح

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

اکاؤنٹ میں موجود رقم پر زکوٰۃ؟

فتویٰ 182

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین ان مسائل کے بارے میں کہ

﴿1﴾ کرنٹ اکاؤنٹ میں جو رقم جمع ہے اس پر زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟ اگر اکاؤنٹ ایک سال پرانا ہے مگر رقم نئی جمع کروائی ہے جس کو سال نہیں گزرا تو اس پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

﴿2﴾ اپنی سواری کے لئے موجود گاڑی پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ نیز اپنے گھر والوں کی کفالت کے لئے موجود مال بردار ٹرک پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

﴿3﴾ اپنے غریب دوست یا رشتہ دار کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟ نیز کیا ایک ہی بندے کو پوری زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

﴿4﴾ اگر زمین فروخت کی نیت سے خریدی ہو اور غیر آباد ہو مگر فروخت نہیں ہو سکی اور سال پورا ہو گیا تو کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟

﴿5﴾ اگر میں نے اپنی والدہ اور غیر شادی شدہ بہنوں کو کچھ سونا بنا کر دیا اور اس سونے سے میرا کوئی واسطہ نہیں تو کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟

﴿6﴾ زکوٰۃ کتنے فیصد نکالنا ہوگی؟

سائل: محمد بلال عطاری ولد خیر محمد (سی ون ایریا، الیاس گوٹھ، لیاقت آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

﴿1﴾ قرض اور حاجتِ اَصلیہ سے زائد جو رقم آپ کی بینک میں جمع ہے وہ خود یا دوسرے اَموالِ زکوٰۃ سے ملانے پر اگر آپ صاحبِ نصاب ہو گئے تھے تو نصاب کا سال پورا ہونے پر اگر قرض اور حاجتِ اَصلیہ کو نکال کر نصاب برقرار رہتا ہے تو بلاشبہ زکوٰۃ فرض ہوگی۔ زکوٰۃ نکالنے میں سال کے اختتام کا اعتبار ہوگا اور سال کے دوران جو نئی رقم جمع کی

گئی وہ بھی اسی میں شامل کی جائے گی۔اور جو رقم نصاب کا سال ختم ہونے کے بعد جمع کرائی گئی وہ سابقہ سال میں شامل نہیں ہوگی۔

چنانچہ صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ بہارِ شریعت میں نقل فرماتے ہیں: ''جو شخص مالکِ نصاب ہے اگر درمیانِ سال میں کچھ اور مال اسی جنس کا حاصل کیا تو اُس نئے مال کا جدا سال نہیں بلکہ پہلے مال کا ختمِ سال اُس کے لئے بھی سالِ تمام ہے اگرچہ سالِ تمام سے ایک ہی منٹ پہلے حاصل کیا ہو خواہ وہ مال اُس کے پہلے مال سے حاصل ہوا یا میراث و ہبہ یا اور کسی جائز ذریعہ سے ملا ہو اور اگر دوسری جنس کا ہے مثلاً پہلے اُس کے پاس اُونٹ تھے اور اب بکریاں ملیں تو اس کے لئے جدید سال شمار ہوگا۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 884، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

﴿2﴾ اپنی گاڑی اور ٹرک پر زکوۃ نہیں کیونکہ گاڑی چاہے استعمال میں ہو یا نہ ہو اس پر زکوۃ اس وقت واجب ہوتی ہے جب اس کو بیچنے کے لئے خریدا ہو۔

چنانچہ قُدُوْرِی شریف میں ہے: ''الزّکاۃ واجبۃ فی عروض التجارۃ کائنۃ ما کانت إذا بلغت قیمتھا نصابًا من الورق أو الذّھب''

(المختصر القدوری، صفحہ 85، مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی)

بہارِ شریعت میں ہے: ''سونے چاندی میں مطلقاً زکوۃ واجب ہے جب کہ بقدرِ نصاب ہوں اگرچہ دفن کر کے رکھے ہوں تجارت کرے یا نہ کرے اور ان کے علاوہ باقی چیزوں پر زکوۃ اس وقت واجب ہے کہ تجارت کی نیّت ہو یا چَرائی پر چُھوٹے جانور۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 882، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

﴿3﴾ اپنے اُصول وفروع کو زکوۃ نہیں دے سکتے یعنی اپنے ماں، باپ، دادا، دادی، نانا، نانی اور اپنی اولاد مثلاً بیٹا، بیٹی، پوتا، پوتی، نواسہ، نواسی اور یونہی بیوی شوہر کو اور شوہر بیوی کو زکوۃ نہیں دے سکتے، ان کے علاوہ اور رشتہ داروں اور دوستوں کو زکوۃ دے سکتے ہیں جبکہ وہ غیر سید ہوں اور زکوۃ کے مُستحق بھی ہوں۔

اور ایک ہی بندے کو پوری زکوۃ دینا جائز ہے بلکہ اگر مالِ زکوۃ بقدرِ نصاب (ساڑھے باون تولہ چاندی) نہ ہو تو ایک کو دینا افضل ہے اور اگر مالِ زکوۃ بقدرِ نصاب ہو تو ایک شخص کو دینا مکروہ ہے جبکہ وہ مقروض نہ ہو، اگر مقروض ہو تو

قرض نکالنے کے بعد اس کے پاس مالِ نصاب سے کم بچے یا وہ شخص بال بچوں والا ہے کہ اہل وعیال پر تقسیم کریں تو سب کو نصاب سے کم ملتا ہے تو ان صورتوں میں اس کو مالِ زکوٰۃ بقدرِ نصاب دینے میں کوئی حرج نہیں۔

چنانچہ **فَتَاویٰ عَالَمگِیرِی** میں ہے:"والدّفع إلى الواحد أفضل إذالم يكن المدفوع نصابًا كذا فى الزاهدى ويكره أن يدفع إلى رجل مائتى درهم فصاعدًا، وإن دفعه جاز كذا فى الهداية. هذا إذالم يكن الفقير مديونا فإن كان مديونا فدفع إليه مقدار مالوقضى به دينه لايبقى له شىء أويبقى دون المائتين لابأس به، وكذالوكان معيلًا جاز أن يعطى له مقدار مالووزّع على عياله يصيب كلّ واحد منهم دون المائتين كذا فى فتاوى قاضى خان" عبارت کا مفہوم اوپر گزرا۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 188، جلد 1، دارالفکر بیروت)

﴿4﴾ مذکورہ زمین پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

﴿5﴾ صورتِ مَسْئُولہ میں جب آپ نے سونا بنا کر کسی کو دیا اور اُس کی مِلک کر دیا تو پھر اس سونے کی زکوٰۃ آپ پر واجب نہیں کیونکہ اب وہ سونا آپ کی مِلکیّت میں نہیں اور جس کی مِلک میں سونا ہوگا اس پر شرائطِ زکوٰۃ پائے جانے کی صورت میں زکوٰۃ لازم ہوگی۔

﴿6﴾ زکوٰۃ ڈھائی فیصد یعنی چالیسواں حصہ دینا ہوگی۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

24 رمضان المبارك 1427ھ 18 اکتوبر 2006ء

مقروض سے رقم ملنے کی اُمید ہے بھی اور نہیں بھی، زکوٰۃ کا کیا حکم ہوگا؟

فتویٰ 183

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین ان مسائل کے بارے میں کہ

﴿1﴾ اگر تین سال سے کسی کے پاس ہماری رقم ہو اس کے ملنے کی اُمید ہے بھی اور نہیں بھی تو کیا اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟ جبکہ وہ قرض کا اقرار بھی کر رہا ہے اور مُفلِس بھی نہیں تقریباً 15 سے 20 ہزار روپے کی ماہانہ آمدنی ہے۔

﴿2﴾ اگر کسی کے پاس میرے پیسے ہیں اور وہاں سے ملنے کی اُمید بھی ہے کہ میں جب چاہوں لے سکتا ہوں مگر پچھلے دو سال سے میں نے مطالبہ نہیں کیا تو کیا اس رقم کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی؟ **سائل: محمد محبوب (بابری چوک، کراچی)**

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

پوچھی گئی دونوں صورتوں میں جتنے سال تک قرض کی رقم قبضہ میں نہ آئی اس رقم کے ملنے پر تمام گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ فرض ہے البتہ اس کی ادائیگی اُسی وقت واجب ہوگی جب یہ رقم آپ کے پاس آجائیگی، نصاب کی مقدار کا پانچواں حصہ وصول ہو جائے تو اس کے حساب سے زکوٰۃ دینا ہوگی۔

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''اگر دَین ایسے پر ہے جو اس کا اِقرار کرتا ہے مگر ادا میں دیر کرتا ہے یا نادار ہے یا قاضی کے یہاں اس کے مُفلِس ہونے کا حکم ہو چکا یا وہ مُنکِر ہے مگر اس کے پاس گواہ موجود ہیں تو جب مال ملے گا سالہائے گزشتہ کی بھی زکوٰۃ واجب ہے۔''

(بہارشریعت، صفحہ 877، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبــــــــــه
عبدہٗ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری	ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی
	30 شعبان المعظم 1428ھ 13 ستمبر 2007ء

زکوٰۃ کی نیت ضروری ہے

فتویٰ 184

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے حساب کے مطابق ہم

پر پانچ ہزار سے زائد زکوۃ بنتی ہے ہم سارا سال تھوڑا بہت مثلاً 100 ، 50 روپے خیرات کرتے ہی رہتے ہیں اور زکوۃ کے پیسے خاص طور پر رَمَضان میں نکالتے ہیں تو کیا ہم جو سارا سال خرچ کرتے آئے ہیں وہ زکوۃ میں شامل ہو جائے گا اور زکوۃ میں کمی اس خیرات سے پوری ہو جائے گی؟ کیونکہ ایک ساتھ پانچ ہزار نکالنا مشکل ہے آپ اس بارے میں حکم ارشاد فرمائیں۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں جو بھی رقم پورا سال خیرات کی ہے اگر وہ دیتے وقت زکوۃ کی نیت تھی اور یہ رقم بھی کسی مُستحق کو دی تھی یا زکوۃ کی نیت سے کچھ مال جدا کر دیا ہو اور اس سے کسی شرعی فقیر کو دیتے رہے تو وہ رقم زکوۃ میں شمار ہوگی ، اور اگر زکوۃ کی نیت نہ تھی بلکہ ویسے ہی دیتے رہے تو اس صورت میں وہ رقم زکوۃ میں شمار نہیں کی جائے گی۔ (لیکن جس صورت میں تھوڑی تھوڑی کر کے دینے سے زکوۃ ادا ہو جائے گی وہ اس صورت میں ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی لازم ہونے سے پہلے تھوڑی تھوڑی کر کے زکوۃ دے۔ ادائیگی لازم ہونے کے بعد ساری رقم ہی فوراً دینا ہوگی)

فُقَہائے کرام رَحِمَهُمُ اللہ فَتَاوىٰ عَالَمگِیری میں فرماتے ہیں: ”و أمّا شرط أدائها فنيّة مقارنة للأداء أو لعزل ما وجب هكذا في الكنز فإذا نوى أن يؤدّي الزّكاة و لم يعزل شيئًا فجعل يتصدق شيئًا فشيئًا إلى آخر السنة و لم تحضره النية لم يجز عن الزكاة كذا في التبيين“

(فتاوىٰ عالمگیری ، صفحہ 170 ، جلد 1 ، دار الفکر بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ ، بَدرُ الطَّریقَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ”زکوۃ دیتے وقت یا زکوۃ کے لئے مال علیحدہ کرتے وقت نیّتِ زکوۃ شرط ہے نیّت کے یہ معنی ہیں کہ اگر پوچھا جائے تو بلا تأمُّل بتا سکے کہ زکوۃ ہے۔“ مزید فرماتے ہیں: ”سال بھر تک خیرات کرتا رہا اب نیّت کی کہ جو کچھ دیا ہے زکوۃ ہے تو ادا نہ ہوئی۔“

(بہارِ شریعت ، صفحہ 886 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعۡلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــہ

اَبُو الصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلقَادِرِی

10 رمضان المبارک 1428ھ 23 ستمبر 2007ء

''بہارِ شریعت'' کے ایک دلچسپ مسئلہ کی وضاحت

فتویٰ 185

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ بہارِ شریعت حصہ 5، صفحہ 12، پر مسئلہ نمبر 14 ہے کہ

''ایک نے دوسرے کے 1000 روپے غَصْب کر لئے پھر وہی روپے اس سے کسی اور نے غَصْب کر کے خرچ کر ڈالے اور ان دونوں غاصبوں کے پاس ''1000''، ''1000'' روپے اپنی مِلک کے ہیں تو غاصِبِ اوّل پر زکوٰۃ واجب ہے دوسرے پر نہیں۔''

یہ مسئلہ سمجھ نہیں آرہا کہ غاصِبِ اوّل پر ہی کیوں زکوٰۃ واجب ہے دوسرے پر کیوں نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

پہلے غاصِب پر زکوٰۃ اس وجہ سے ہے کہ وہ اگرچہ ایک ہزار روپے کا ضامن ہے یعنی جس سے اس نے غَصْب کئے ہیں اس کو واپس کرنے ہیں لیکن وہ اس ہزار روپے کے لئے غاصِبِ ثانی سے رُجوع کر سکتا ہے، اس کا اپنا ہزار روپیہ دَین میں مشغول نہیں ہے بلکہ یہ اس کی اپنی مِلک ہے اور اس پر سال گزر چکا ہے۔ اور غاصِبِ ثانی بھی مَغْصُوب مِنْہ کے لئے ایک ہزار کا ضامن ہے لیکن اس کا اپنا یہ ہزار روپیہ دَین میں مشغول ہے وہ کسی اور سے اس ہزار کے لئے رُجوع نہیں کر سکتا یعنی وہ ہزار روپیہ اس کی مِلکِ کامل نہیں ہے۔ اس وجہ سے اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

بہارِ شریعت کا یہ مسئلہ عَالَمْگِیْرِی کے حوالے سے ہے، عَالَمْگِیْرِی میں اس طرح ہے: ''لو اغتصب رجل ألفًا من رجل فجاء آخر و اغتصب الألف من الغاصب و استهلكها و لكل واحد منها ألف فحال الحول على مال الغاصبين كان على الغاصب الأول زكاة ألفه و لا زكاة على الغاصب الثاني كذا في فتاوى قاضي خان'' ترجمہ: اگر ایک شخص نے دوسرے کے ہزار روپے غَصْب کر لئے پھر اس غاصِب سے کسی اور نے وہی ہزار روپے غَصْب کر کے ہلاک کر دیئے اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے پاس اپنے

ہزار روپے موجود ہیں اور ان پر ایک سال بھی گزر چکا ہے تو غاصبِ اوّل پر اپنے ہزار روپے کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور غاصبِ ثانی پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔فتاویٰ قاضی خان میں اسی طرح ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 173 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

یہی مسئلہ فَتَاویٰ قَاضِی خَان میں کچھ وضاحت کے ساتھ اس طرح مذکور ہے:"رجل له ألف درهم فاغتصب من رجل ألفًا و اغتصب منه رجل آخر هذه الألف و للغاصب الثانی أيضًا ألف درهم فاستهلك الثانی الغصب و حال الحول علی مال الغاصبين ثم أبرأهما المغصوب منه كان علی الغاصب الأول زكاة ألفه ولا زكاة علی الغاصب الثانی لأن الأول إن ضمن الغصب للمغصوب منه كان لی أن يرجع علی الغاصب الثانی فلم يكن ماله مشغولا بالدين أما الثانی ضمن الغصب فليس له أن يرجع بذلك علی غيره فصار ماله مشغولا بالدين قبل الإبراء فلا يكون سببًا للزكاة"

ترجمہ:ایک شخص کے پاس ہزار درہم ہیں اس نے دوسرے شخص کے ہزار روپے غَصب کر لئے پھر اس غاصِب سے کسی اور نے وہی ہزار روپے غَصب کر لئے دوسرے غاصِب کے پاس بھی ہزار درہم ہیں، غاصِبِ ثانی نے وہ غَصب شدہ روپے ہلاک کر دیئے ،اور ان دونوں غاصِبوں کے روپوں پر ایک سال بھی گزر چکا پھر ان دونوں کو مَغْصُوب مِنْہ (جس سے وہ ہزار روپے غصب کئے گئے تھے اس) نے بَری کر دیا، تو غاصِبِ اوّل پر اپنے ہزار روپے کی زکوٰۃ واجب ہوگی اور غاصِبِ ثانی پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔اس وجہ سے کہ اگر چہ غاصِبِ اوّل غصب کئے ہوئے ہزار روپے کا مَغْصُوب مِنْہ کے لئے ضامن ہے لیکن اس کے لئے یہ جائز ہے کہ غاصِبِ ثانی سے رُجوع کر لے تو اس کا مال دَین میں مشغول نہ ہوا۔اور غاصِبِ ثانی بھی غَصب کئے ہوئے ہزار روپے کا ضامن ہے لیکن اس کی کوئی سبیل نہیں کہ وہ اس ہزار روپے کے لئے اپنے علاوہ کسی اور سے رُجوع کرے، تو بَری کرنے سے پہلے اس کا مال دَین میں مشغول ہوا تو یہ زکوٰۃ کا سبب نہیں ہوگا۔

(فتاویٰ قاضی خان ، صفحہ 256 ، 257 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبــــــــہ

المتخصص فی الفقه الاسلامی

محمد نوید رضا العطاری المدنی

21 جمادی الثانی 1430ھ

باب ثالث

اَموالِ زکوٰۃ

باب ثالث: اموالِ زکوٰۃ

فصل/عنوان 12

سونا چاندی سے متعلق مسائلِ زکوٰۃ

زیرِ استعمال زیورات پر بھی زکوٰۃ ہے

فتوی 186

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ استعمال کے زیورات پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟

سائل: غیاث احمد فاروقی مجدّدی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سونا چاندی کے زیورات پر زکوٰۃ ہے اگرچہ وہ استعمال میں ہوں۔

نُوْرُ الْاِیْضَاح میں ہے: "فرضت على حرّ مسلم مكلّف مالك لنصاب من نقد ولو تبرًا أو حلياً أو انيةً " ترجمہ: زکوٰۃ ہر اُس آزاد مسلمان مکلّف پر فرض ہے جو نقدی (سونے چاندی) میں سے نصاب کا مالک ہو اگرچہ وہ سونا چاندی ڈلی کی صورت میں ہو، زیورات کی صورت میں ہو یا برتنوں کی صورت میں۔

(نورالایضاح ، صفحہ 165 ، مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی)

حَاشِيَةُ الطَّحْطَاوِی میں ہے: "فی الدرّ أفاد وجوب الزّكاة فی النّقدين ولو كانا للتّجمل أو للنفقة قال: لأنّهما خلقا أثمانًا فيز كّيهما كيف كانا " ترجمہ: دُر میں سونا چاندی میں وُجوبِ زکوٰۃ کا افادہ کیا اگرچہ وہ پہننے یا نفقہ کے لئے ہوں، فرماتے ہیں: چونکہ وہ دونوں ثمنِ اصلی ہیں لہٰذا وہ کسی بھی صورت میں ہوں

ان کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ (حاشیۃ الطحطاوی علی مراقی الفلاح، صفحہ 714، مطبوعہ کراچی)

امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''اگرچہ پہننے کا زیور ہو، زیور پہننا کوئی حاجتِ اَصلیہ نہیں۔'' (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 129، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

کتبــــــــــہ
محمد ہاشم خان العطاری المدنی
12 جمادی الثانی 1427ھ 09 جولائی 2006ء

کھوٹ ملے ہوئے سونے پر زکوٰۃ کیسے نکالی جائیگی؟

فتویٰ 187

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہندہ کی کزن کا کہنا ہے کہ اگر بالفرض میرے پاس چھ تولے سونے کی چوڑیاں ہیں تو مجھے پانچ تولے سونے کی زکوٰۃ دینی چاہیے کیونکہ بیچ میں کافی ملاوٹ اور تانبا ہوتا ہے جبکہ زکوٰۃ سونے پر ہوتی ہے تانبے پر نہیں۔ اس بارے میں شرعاً کیا حکم ہے؟ نیز مدارس میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

سائلہ: از منڈی بہاؤالدین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اس میں شک نہیں کہ دھاتوں میں سونا، چاندی ہی اَموالِ زکوٰۃ میں سے ہیں تانبا وغیرہ دوسری دھاتیں بغرضِ تجارت نہ ہوں تو ان پر اصلاً زکوٰۃ واجب نہ ہوگی، لیکن اگر دھاتوں میں سے کوئی دھات سونے یا چاندی کے ساتھ مل چکی ہو جیسا کہ زیورات میں ہوتا ہے تو اس صورت میں قواعدِ شَرعِیّہ کی رُو سے جو دھات غالب ہوگی اسی کا اعتبار ہوگا، پس بالفرض چھ تولے میں سے ایک تولہ کھوٹ ہو تو اس کھوٹ کو سونا ہی فرض کریں گے اور جملہ شرائط کے ساتھ اسی کُل وزن پر ہی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

چنانچہ ہِدَایَہ شریف میں ہے: ''وإذا كان الغالب على الورق الفضة فهو في حكم الفضة،

وإذا كان الغالب عليها الغشّ فهو في حكم العروض يعتبر أن تبلغ قيمته نصابًا "یعنی اگر سونے پر چاندی غالب آجائے تو وہ چاندی کے حکم میں ہے اور اگر چاندی یا سونے میں سے کسی ایک پر کھوٹ غالب آجائے تو اب وہ سامان کی مثل ہے اور اس پر زکوٰۃ واجب ہونے میں اس کی قیمت کے نصاب تک پہنچنے کا اعتبار ہوگا۔"

(ھدایہ اوّلین، صفحہ 211، مطبوعہ لاھور)

صَدرُ الشَّریعہ، بَدرُ الطَّریقہ مولانا امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی بہارِ شریعت میں تحریر فرماتے ہیں: "اگر سونے چاندی میں کھوٹ ہو اور غالب سونا چاندی ہے تو سونا چاندی قرار دیں اور کُل پر زکوٰۃ واجب ہے یوہیں اگر کھوٹ سونے چاندی کے برابر ہو تو زکوٰۃ واجب اور اگر کھوٹ غالب ہو تو سونا چاندی نہیں۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 904، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے تملیکِ فقیر شرط ہے، مدارس میں چونکہ یہ شرط نہیں پائی جاتی لہٰذا بغیر حیلۂ شرعیہ زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی، ہاں اگر دینا چاہیں تو اس کیلئے علمائے کرام نے مختلف حیلے بیان فرمائے ہیں جن میں سے دو کو بیان کیا جاتا ہے۔

اوّل: یہ کہ زکوٰۃ دینے والا متولّیٔ مدرسہ کو زکوٰۃ دے اور اس کو مُطّلع کردے کہ یہ مال زکوٰۃ کا ہے اسے خاص مصارفِ زکوٰۃ میں صَرف کرنا۔ متولّی اس مال کو جدا رکھے، دیگر اَموال میں نہ ملائے اور اس سے غریب طلبہ کے کپڑے بنائے، کتابیں خرید کردے یا ان کو وظیفہ میں دے جو محض بنظرِ امداد ہو نہ کہ کسی کام کی اُجرت۔

دوم: یہ کہ زکوٰۃ دینے والا کسی فقیر مَصرَفِ زکوٰۃ کو بنیتِ زکوٰۃ دے اور وہ فقیر اپنی طرف سے کُل یا بعض مدرسے کی نَذر کردے تو دونوں ثواب کے حقدار ہوں گے۔ مذکورہ طریقے سے زکوٰۃ ان مدارس کو دی جاسکتی ہے جو صحیح العقیدہ سُنّی مسلمانوں کے مدارس ہوں۔ فی زمانہ دنیاوی علوم کیلئے نت نئی یونیورسٹیاں اور بہت بڑی گرانٹیں مُختص کرکے ان کی ترقی کیلئے جتنی کوششیں کی جارہی ہیں، اس کے مقابلے میں دینی علوم و درسگاہوں کو اسی قدر پستی کی طرف دھکیلا جارہا ہے، لہٰذا فی زمانہ مذکورہ طریقے سے دینی مدارس زکوٰۃ کے بہترین مَصرَف ہیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبـــــــــــــــــہ
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری	محمد سجاد العطاری المدنی
	28 رجب المرجب 1428ھ 03 اگست 2007ء

سترہ تولہ سونے میں دو تولہ کھوٹ ہوتو؟

فتوی 188

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سترہ تولہ سونے میں تقریباً دوتولہ کھوٹ شامل ہوتو کیا سترہ تولہ کی زکوۃ دی جائے گی یا دوتولہ نکال کر پندرہ تولہ کی زکوۃ ہوگی؟

سائلہ: ملیحہ عطاریہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مسئولہ میں پورے سترہ تولہ سونے پر زکوۃ واجب ہوگی۔

چنانچہ دُرِّمُختار میں ہے: ”وغالب الفضّة والذّهب فضّة وذهب“ ترجمہ: اور سونا چاندی جب غالب ہوں تو کھوٹ کو بھی سونا ہی قرار دیں گے۔ اس کے تحت علامہ شامی لکھتے ہیں: ”أي فتجب زكاتهما“ یعنی ان دونوں پر زکوۃ واجب ہوگی۔

(رد المحتار على الدر المختار، صفحه 273 تا 274، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

اسی طرح صَدرُ الشَّریعہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: ”اگر سونے چاندی میں کھوٹ ہو اور غالب سونا چاندی ہے تو سونا چاندی قرار دیں اور کُل پر زکوۃ واجب ہے۔“

(بہارِ شریعت، صفحہ 904، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغر العَطَّارِی المَدَنِی

18 رجب المرجب 1431ھ 01 جولائی 2010ء

سونے کی زکوٰۃ دینے کا طریقہ

فتویٰ 189

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

﴿1﴾ سونے کی زکوٰۃ اس کی قیمتِ خرید پر ہوگی یا موجودہ قیمت پر؟ میں نے جب سونا خریدا تھا تو کافی سستا تھا اوراب بہت مہنگا ہوگیا ہے میں کس حساب سے زکوٰۃ ادا کروں گا؟ میرے پاس نصاب سے زائد سونا موجود ہے۔

﴿2﴾ ٹی وی پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

سائل: محمد حسان رضا (دھوراجی کالونی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ زکوٰۃ کا سال قمری مہینوں کے اعتبار سے جس مہینے اور جس دن پورا ہوگا اس وقت جو قیمت ہوگی اس کے مطابق زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ جیسے کوئی شخص پچھلے سال 15 شعبان المعظم کو صاحبِ نصاب ہوا تو اِس سال جونہی 15 شعبان المعظم آئے گی زکوٰۃ واجب ہوجائے گی اور 15 شعبان المعظم کو سونے کی جو قیمت ہوگی اُس کے مطابق زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ”وتعتبر القيمة عند حولان الحول بعد أن تكون قيمتها في ابتداء الحول مائتي درهم من الدراهم “ترجمہ: قیمت کا اعتبار سال پورا ہونے کے وقت کیا جائے گا جبکہ ابتدائے سال میں اس کی قیمت دوسو درہم ہو۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 179، جلد 1، دارالفکر بیروت)

صدرُ الشَّریعہ، بدرُ الطَّریقہ علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ”مالِ تجارت میں سال گزرنے پر جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار ہے، مگر شرط یہ ہے کہ شروع سال میں اس کی قیمت دوسو درہم سے کم نہ ہو اور اگر مختلف قسم کے اسباب ہوں تو سب کی قیمتوں کا مجموعہ ساڑھے باون تولے چاندی یا ساڑھے سات

تولے سونے کی قدر ہو یعنی جبکہ اس کے پاس یہی مال ہو اور اگر اس کے پاس سونا چاندی اس کے علاوہ ہو تو اسے ملا لیں گے۔'' (بہارِ شریعت، صفحہ 907، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

﴿2﴾ گھر میں استعمال کئے جانے والے ٹی وی پر زکوٰۃ نہ ہوگی۔ ہاں اگر یہ مالِ تجارت ہے یعنی بیچنے کے لئے خریدا تھا تو خود اس کی قیمت یا دیگر مال سے مل کر مقدارِ نصاب کو پہنچ جائے تو سال گزرنے پر زکوٰۃ واجب ہو جائے گی۔

چنانچہ فتاویٰ عالمگیری میں ہے: ''الزکاۃ واجبۃ فی عروض التجارۃ کائنۃ ما کانت إذا بلغت قیمتھا نصابا من الورق والذھب'' ترجمہ: سامانِ تجارت میں زکوٰۃ واجب ہوگی جب اس کی قیمت سونے/چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 179، جلد 1، دارالفکر بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

12 شعبان المعظم 1427ھ 6 ستمبر 2006ء

موتیوں پر زکوٰۃ کب نہیں ہوتی؟

فتویٰ 190

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ موتیوں پر اس لئے زکوٰۃ نہیں ہے کیونکہ وہ حاجتِ اصلیہ میں شامل ہیں تو پھر زیورات پر زکوٰۃ کا حکم کیوں ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ تین قسم کے اَموال پر ہوتی ہے۔ ﴿1﴾ ثمن: سونا، چاندی ﴿2﴾ مالِ تجارت ﴿3﴾ سائمہ یعنی چَرائی پر چھوٹے جانور۔ سونا، چاندی میں اپنی اَصل کے اعتبار سے ثَمَنِیَّت ہے لہٰذا جس نیت سے بھی خریدیں پہننے کے لئے، بیچنے کے لئے یا رکھنے کے لئے، اگر وہ تنہا یا کسی اور مالِ زکوٰۃ کے ساتھ مل کر نصاب کی مُقرّر شدہ مقدار تک پہنچ جاتے

ہیں تو ان پر بہر صورت زکوٰۃ واجب ہوگی۔

دُرِّمُختَار میں ہے:''ثمنية المال كالدراهم والدنانير لتعينهما للتجارة بأصل الخلقة فتلزم الزكاة كيفما أمسكهما ولو للنفقة''

(درمختار ، صفحہ 221 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بيروت)

اور موتیوں پر زکوٰۃ نہ ہونے کی وجہ یہ نہیں کہ وہ حاجتِ اَصلیہ میں شمار ہوتے ہیں بلکہ وجہ یہ ہے کہ موتی اور جواہر وغیرہ اپنی اَصل کے اعتبار سے مالِ نامی نہیں، جبکہ زکوٰۃ صرف اَموالِ نامیہ پر لازم ہوتی ہے، ہاں اگر کسی نے موتی وجواہر وغیرہ تجارت کی نیت سے خریدے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوجائے گی مالِ تجارت میں داخل ہونے کی وجہ سے۔

اسی **دُرِّمُختَار** میں ہے:''لا زكاة في اللآلىء والجواهر وإن ساوت ألفا اتفاقا إلا أن تكون للتجارة''

(درمختار ، صفحہ 230 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بيروت)

سونا چاندی اگرچہ پہننے کے لئے ہوں، ان پر زکوٰۃ فرض ہونے کے دلائل ملاحظہ فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ؕ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ﴿۳۵﴾

(پارہ 10، التوبة: 35-34)

ترجمۂ کنز الایمان: اور وہ کہ جوڑ کر رکھتے ہیں سونا اور چاندی اور اسے اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں خوشخبری سناؤ دردناک عذاب کی جس دن وہ تپایا جائے گا جہنّم کی آگ میں پھر اس سے داغیں گے ان کی پیشانیاں اور کروٹیں اور پیٹھیں یہ ہے وہ جو تم نے اپنے لئے جوڑ کر رکھا تھا اب چکھو مزا اس جوڑنے کا۔

امام مالک وابوداؤد، ام المومنین ام سلمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا سے روایت کرتے ہیں، فرماتی ہیں کہ میں سونے کے زیور پہنا کرتی تھی میں نے عرض کی: يَارَسُولَ اللّٰه! أَكَنْزٌ هُوَ؟ یارسول اللہ کیا یہ کنز ہے؟ (یعنی جس کے بارے میں قرآن مجید میں وعید آئی) ارشاد فرمایا:''مَا بَلَغَ أَنْ تُؤَدَّى زَكَاتُهُ فَزُكِّيَ فَلَيْسَ بِكَنْزٍ ''جو اس حد کو پہنچے کہ اس کی زکوٰۃ ادا کی جائے اور ادا کردی گئی تو کنز نہیں۔ (ابوداود، صفحہ ۱۳۷، جلد ۲، حدیث ۱۵٦٤، داراحياء التراث العربي بيروت)

دوسری روایت ترمذی شریف میں بروایتِ عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ مروی کہ دو عورتیں حاضرِ خدمتِ اقدس ہوئیں اُن کے ہاتھوں میں سونے کے کنگن تھے۔ ارشاد فرمایا: أ تُؤدِّیانِ زکاتہ ''کیا تم ان کی زکوٰۃ ادا کرتی ہو؟ انہوں نے عرض کی: نہیں۔ فرمایا: ''أ تُحِبَّانِ أنْ یُسوِّرَکُما اللّٰہُ بِسُوارَیْنِ مِنْ نارٍ؟'' کیا تم یہ پسند کرتی ہو کہ اللہ تعالیٰ تمہیں آگ کے کنگن پہنائے؟ عرض کی: نہیں۔ فرمایا: '' فأدِّیا زکاتہ ''تم اُن کی زکوٰۃ ادا کرو۔

(ترمذی، صفحہ ۱۳۲، جلد ۲، حدیث ۶۳۷، دار الفکر بیروت)

امام علاؤ الدین ابوبکر بن مسعود کاسانی حنفی رَحْمَۃُ اللہِ تعالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ''وقولہ تعالی: ﴿ وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَ الْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۳۴﴾﴾ الآیۃ ألحق الوعید الشدید بکنز الذهب والفضة وترك إنفاقها فی سبیل اللّٰہ من غیر فصل بین الحلی وغیرہ ((وکل مال لم تؤد زکاتہ فهو کنز)) بالحدیث الذی روینا فکان تارك اداء الزکاۃ منه کانزا فیدخل تحت الوعید، ولا یلحق الوعید الا بترك الواجب ''یعنی اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان (کہ جو لوگ سونا، چاندی جمع کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا نہیں کرتے ان کے لئے دردناک عذاب ہے) اس میں شدید وعید کو مُلحق کیا ہے سونا، چاندی کو جمع کرنے اور اس کی زکوٰۃ نہ دینے کے ساتھ اور اس آیتِ مبارکہ میں پہننے کے لئے زیور اور اس کے علاوہ کے درمیان فرق بھی بیان نہیں فرمایا۔ اور ہر وہ مال جس کی زکوٰۃ نہ ادا کی جائے وہ کنز ہے اور اس کا تارِک کانِز (جمع کرنے والا) ہوگا اور اسی وعید کا مُستَحِق ہوگا اور وعید نہیں ہوتی مگر واجب کے ترک سے، پس معلوم ہوا کہ سونا، چاندی پر مطلقاً زکوٰۃ واجب ہے۔

مزید فرماتے ہیں: ''ولأن الحلی مال فاضل عن الحاجة الأصلیة إذ الإعداد للتجمل والتزین دلیل الفضل عن الحاجة الأصلیة فکان نعمة لحصول التنعم به فیلزمه شکرها بإخراج جزء منها للفقراء ''یعنی سونا چاندی کا زیور ایسا مال ہے جو حاجتِ اَصلیہ سے زائد ہے کیونکہ اس کا زَیب و زِینت میں شمار کیا جانا دلیل ہے اس کے حاجتِ اَصلیہ سے زائد ہونے پر۔ پس یہ نعمت ہوا زَیب و زِینت کے حصول کی وجہ سے، تو اسی نعمت کا شکر بجالانا کچھ حصہ فقیر کو دے کر، یہ واجب ہے۔

(بدائع الصنائع، صفحہ 102، جلد 2، دار احیاء التراث العربی بیروت)

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''(سونا، چاندی) ان میں سے

جو اس کے پاس ہو اور سال پورا اُس پر گزر جائے اور کھانے پہننے مکان وغیرہ ضروریات سے بچے اور قرض اسے نصاب سے کم نہ کردے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اگرچہ پہننے کا زیور ہو۔ زیور پہننا حاجتِ اَصلیہ نہیں، گھر میں جو آدمی کھانے والے ہوں اس کا لحاظ شریعتِ مُطَہَّرہ نے پہلے ہی فرمالیا۔

(فتاوی رضویه، صفحه 129، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

9 رجب المرجب 1427ھ 05 اگست 2006ء

تحفۃً ملے ہوئے زیور پر زکوٰۃ کا حکم؟

فتویٰ 191

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی غریب عورت کو سونا تحفے کے طور پر ملے تو کیا اس پر بھی زکوٰۃ ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر سونے کی مقدار اتنی ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے اور اس کی مِلکیّت میں اس سونے پر یا دیگر جس مال کے ساتھ یہ سونا ملا اس پر ایک سال بھی گزر گیا ہے تو اس پر بھی زکوٰۃ فرض ہوگی ورنہ نہ ہوگی۔

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار میں ہے: ''وسببه ملك نصاب حولی'' ترجمہ: زکوٰۃ فرض ہونے کا سبب نصاب کی مِلکیّت اور اس پر ایک سال کا گزرنا ہے۔ (تنویر الابصار، صفحه 208، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

25 ذو الحجه 1426ھ 26 جنوری 2006ء

سونے چاندی کی زکوٰۃ سے متعلق اہم سوالات

فتویٰ 192

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین ان مسائل کے بارے میں کہ

﴿1﴾ اگر کسی کے پاس ایک یا ڈیڑھ تولہ سونا نصاب سے کم موجود ہے لیکن اس کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی رقم سے زیادہ ہے تو کیا اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

﴿2﴾ سونے چاندی کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائیگی؟ مثلاً ساڑھے سات تولے سونا ہے اور اس کی قیمت فی تولہ سولہ ہزار روپے کے حساب سے ایک لاکھ بیس ہزار روپے بنتی ہے تو ایک لاکھ بیس ہزار پر جتنی زکوٰۃ واجب ہوگی وہ دینا ضروری ہے یا بہارِ شریعت میں لکھے ہوئے طریقے کے مطابق دو ماشہ دو رتّی سونا زکوٰۃ دینا ہوگی؟

﴿3﴾ سونے چاندی کے علاوہ کتنے روپے پیسے پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟ سائل: جاوید اقبال

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ اگر کسی کے پاس فقط ڈیڑھ تولہ سونا ہے اور اس کے علاوہ سونا، چاندی، روپیہ پیسہ یا مالِ تجارت وغیرہ اَموالِ زکوٰۃ میں سے کچھ بھی اس کے پاس نہیں ہے تو اس صورت میں فقط ڈیڑھ تولہ سونے پر زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی اگرچہ اس کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی سے زائد ہوجائے کہ سونے پر زکوٰۃ واجب ہونے کا شرعی نصاب ساڑھے سات تولہ ہے اس سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔ ہاں اگر اس کے ساتھ چاندی یا روپے پیسے یا مالِ تجارت میں سے کچھ ہو تو ملا کر دیکھا جائے گا کہ ساڑھے باون تولے چاندی کے مُساوی یا زائد ہے یا نہیں اگر ہو تو زکوٰۃ فرض ہوگی ورنہ نہیں، اور موجودہ دَور میں ڈیڑھ تولہ کی قیمت ہی چاندی کے نصاب سے زیادہ ہے اس لئے چاندی، روپیہ پیسہ یا مالِ تجارت تھوڑا بھی ہو اس کے ساتھ تو زکوٰۃ فرض ہوگی۔

چنانچہ حضرت علامہ جلال الدین امجدی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''اگرکسی کے پاس سونا، چاندی یا اَسبابِ تجارت وغیرہ ہوں جو خود تنہا یا ایک دوسرے سے مل کر نصاب کی قیمت کو پہنچتے ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو زکوٰۃ فرض ہے، ورنہ نہیں۔ دُرِّ مُختار جلد دوم صفحہ 31 میں ہے: نصاب الذهب عشرون مثقالا والفضة مائتا درهم اس کے تحت شامی میں ہے: فما دون ذلك لا زكاة فيه۔ پھر دُرِّ مُختار جلد دوم صفحہ 33 پر ہے: اللازم فی عرض تجارة قيمته نصاب من ذهب أو ورق مقوّما بأحدهما ربع عشر (ملخصًا)''
(فتاویٰ فقیہِ ملت، صفحہ 300، جلد 1، شبیر برادرز لاہور)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''اگر اس میں سونا چاندی اتنی مقدار میں ہو کہ جدا کریں تو نصاب کو پہنچ جائے یا وہ نصاب کو نہیں پہنچتا مگر اس کے پاس اور مال ہے کہ اس سے مل کر نصاب ہو جائے گا یا وہ ثمن میں چلتا ہے اور اس کی قیمت نصاب کو پہنچتی ہے تو ان سب صورتوں میں زکوٰۃ واجب ہے۔'' (بہارِ شریعت، صفحہ 904، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

﴿2﴾ اس میں اختیار ہے کہ ساڑھے سات تولے سونے کی قیمت لگا کر جتنی رقم ہو اُس کا چالیسواں حصہ ادا کر دے یا دو ماشہ دو رَتّی ادا کر دے بلکہ اگر روپے پیسے سے زکوٰۃ ادا کرنے کا ارادہ ہے تو قیمت ہی کا اعتبار کرتے ہوئے زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔

چنانچہ علامہ ابنِ عابدین شامی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی نقل فرماتے ہیں: ''ولو كان له إبريق فضة وزنه مائتان وقيمته ثلثمائة إن أدى خمسة من عينه فلا كلام أو من غيره جاز عندهما خلافا لمحمد وزفر إلا أن يؤدي الفضل وأجمعوا أنه لو أدى من خلاف جنسه اعتبرت القيمة، حتى لو أدى من الذهب ما تبلغ قيمته خمسة دراهم من غير الإناء لم يجز في قولهم لتقوم الجودة عند المقابلة بخلاف الجنس، فإن أدى القيمة وقعت عن القدر المستحق، كذا في المعراج نهر'' **یعنی**: اگر کسی کے پاس دو سو درہم وزنی چاندی کا کُوزہ ہو جس کی قیمت تین سو درہم ہے اب وہ اس میں سے یا اس کے غیر سے پانچ درہم بطورِ زکوٰۃ نکالتا ہے تو جائز ہے اور اس بات پر سب کا اجماع ہے کہ اگر خلافِ جنس سے زکوٰۃ

ادا کرے تو قیمت کا اعتبار کرتے ہوئے ادا کرے گا یہاں تک کہ اگر اتنا سونا جس کی قیمت پانچ غیر مصنوعہ دراہم کے برابر ہو زکوٰۃ میں ادا کیا تو سب کے نزدیک زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، کیونکہ خلافِ جنس میں مقابلہ کے وقت جودت کا اعتبار کیا جاتا ہے۔

(رد المحتار علی الدر المختار، صفحہ 270، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

﴿3﴾ اگر کسی کے پاس اتنی رقم ہے جس سے کم از کم ساڑھے باون تولہ چاندی خریدی جاسکتی ہو اور وہ روپیہ حاجتِ اَصلیہ سے زائد ہو تو اس تمام رقم کا چالیسواں حصہ بطورِ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگا۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــه

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

26 رمضان المبارک 1428ھ 12 اکتوبر 2007ء

کم کیرٹ کے سونے پر زکوٰۃ کے مسائل

فتوی 193
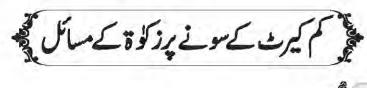
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سونے کی زکوٰۃ خالص سونے کے حساب سے نکلے گی یا کھوٹ کے ساتھ؟ مثلاً اٹھارہ کیرٹ دس تولے سونا میں خالص سونا چھ تولے ہی نکلے گا جبکہ زکوٰۃ تو ساڑھے سات تولے پر ہی فرض ہوتی ہے، اب بتائیں زکوٰۃ چھ تولے پر دینی ہوگی یا دس تولے پر؟ نیز اس کے علاوہ اگر کسی شخص کے پاس سوزوکی ہے جس کو وہ گھریلو کام کاج کیلئے استعمال کرتا ہے، آگے بیچنے یا کرائے وغیرہ پر چلانے کیلئے نہیں تو کیا اس پر زکوٰۃ ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

فی زمانہ مارکیٹ میں سونے کے عمدہ اور ردّی ہونے کے اعتبار سے مختلف درجات ہیں جن کو کیرٹ سے تعبیر

کیا جاتا ہے، عام طور پر چوبیس کیرٹ سونا خالص سونا سمجھا جاتا ہے، جبکہ اس سے نیچے جوں جوں درجات میں کمی آتی جاتی ہے، سونے کے معیار میں فرق آتا رہتا ہے، تاہم سونا اٹھارہ کیرٹ کا ہو یا چوبیس کا سب سونا ہی کہلاتا ہے، کم درجے کا اعلیٰ درجے کے ساتھ تقابل کر کے اس کے خالص یا کھوٹے ہونے کا تقابل نہیں کریں گے، ہاں البتہ اتنا ضرور ہے کہ اگر قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ ادا کریں گے تو ہر کیرٹ کے زیورات کی جو مارکیٹ ویلیو ہوگی اس کے مطابق زکوٰۃ ادا کریں گے۔

لہٰذا سائل کا اعلیٰ وادنیٰ کا تقابل کرتے ہوئے اٹھارہ کیرٹ کے سونے کو چھ تولے سونا قرار دینا درست نہیں، دس تولے میں اگر چھ تولے خالص سونا ہے تو خالص کے غلبہ کے بِنا پر یہ دس تولے سونا ہی قرار پائے گا، اور زکوٰۃ چھ تولے نہیں بلکہ صرف دس تولے سونا ہونے کی صورت میں نو تولے سونے پر زکوٰۃ دینا لازم ہوگی۔

چنانچہ تَنوِیرُ الْاَبصَار وَ دُرِّمُختَار میں ہے: ”وغالب الفضة والذهب فضة و ذهب وما غلب غشه منهما يقوم كالعروض“ ترجمہ: سونے اور چاندی اگر غالب ہوں تو یہ سونا اور چاندی قرار پائیں گے اور اگر سونے اور چاندی پر کھوٹ غالب ہے تو اس کی حیثیت سامان کی طرح ہے۔

مذکورہ عبارت کے تحت رَدُّالْمُحتَار میں ہے: ”لان الدراهم لا تخلو عن قليل غش لا نها لا تنطبع الا به فجعلت الغلبة فاصلة، ومثلها الذهب،...... فتجب زكاتهما لا زكاة العروض“

دَراہم تھوڑی بہت ملاوٹ سے خالی نہیں ہوتے کیونکہ اس کے بغیر ان کو دراہم کی صورت میں نہیں ڈھالا جاسکتا لہٰذا غلبہ کو معیار قرار دیا گیا، یہی صورت سونے میں بھی ہے، سونے اور چاندی کے غالب ہونے کی صورت میں سونے اور چاندی کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی نہ کہ سامان کی۔

(رد المحتار على الدر المختار، صفحه 273 تا 274، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

دس تولے سونے کی زکوٰۃ نکالنے کا طریقہ:

دس تولے سونا موجود ہونے کی صورت میں نو تولے سونے پر زکوٰۃ لازم ہوگی، کیونکہ سونے کا نصاب ساڑھے سات تولے ہے اور پھر ساڑھے سات تولے سے خُمس نصاب تک عفو ہے۔ ساڑھے سات تولے کا خُمس ڈیڑھ

تولہ ہے لہٰذا ساڑھے سات تولے سے زائد ہونے کی صورت میں جب تک اس کی مقدار نَو تولے تک نہیں پہنچے گی اس وقت تک اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی اور نَو تولے ہونے کی صورت میں اس کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ دینا فرض ہوگی پھر نَو تولے سے زائد مقدار جب تک ساڑھے دس تولے تک نہیں پہنچتی معاف ہے یعنی اس زائد مقدار پر زکوٰۃ نہیں ہوگی کیونکہ یہ مقدار خُمُس نصاب سے کم ہے۔ ہاں اگر خُمُس سے کم مقدار کسی اور مالِ زکوٰۃ سے مل کر چاندی کے مکمل یا خُمُس نصاب کے برابر ہو جائے تو اس صورت میں اس زائد مقدار پر بھی زکوٰۃ ہوگی۔

چنانچہ **مَرَاقِی الْفَلاح** میں ہے: "نصاب الذهب عشرون مثقالا و نصاب الفضة مائتا درهم من الدراهم التى كل عشرة منها وزن سبعة مثاقيل و ما زاد على نصاب و بلغ خمسا زكاه بحسابه و ما غلب على الغش فكالخالص من النقدين "**یعنی** سونے کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کا نصاب دو سو درہم کہ جن میں سے ہر دس درہم کا وزن سات مثقال کے برابر ہو اور نصاب سے زائد معاف ہے جب تک کہ وہ نصاب کے خُمُس (پانچویں حصے) تک نہ پہنچ جائے اور اگر زیادتی خُمُس تک پہنچ گئی تو اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی، سونا اور چاندی اگر کھوٹ پر غالب ہیں تو یہ خالص سونا اور چاندی شمار ہوگا۔

(مراقی الفلاح مع حاشیة الطحطاوی ، صفحه 717، مطبوعه کراچی)

یادرہے زکوٰۃ تین طرح کے اَموال پر ہوتی ہے:

﴿1﴾ سونا، چاندی، نقدی (چاہے کسی بھی صورت میں ہو)

﴿2﴾ مالِ تجارت

﴿3﴾ چَرائی کے جانور۔

گھریلو استعمال کیلئے سوزوکی مذکورہ اَموال میں سے کسی میں بھی داخل نہیں ہے لہٰذا اُس پر زکوٰۃ نہیں۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــه

محمد سجاد العطاری المدنی

3 شوال المکرم 1432ھ 12 ستمبر 2011ء

الجواب صحیح

عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عُفِیَ عَنْہُ الْبَارِی

باب ثالث: اموالِ زکوٰۃ

فصل/عنوان 13

کرنسی پرائز بانڈ سے متعلق مسائلِ زکوٰۃ

اکاؤنٹ میں موجود رقم پر زکوٰۃ کا حکم

فتویٰ 194

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ابوظہبی میں کام کرتا ہوں اور میری ماہانہ تنخواہ براہِ راست میرے اکاؤنٹ میں چلی جاتی ہے کیا مجھے زکوٰۃ دیتے ہوئے اس رقم کو بھی شمار کرنا ضروری ہے؟ سائل: شفیق احمد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جی ہاں! جو رقم آپ کے اکاؤنٹ میں آچکی ہے آپ اس کے مالک ہیں لہٰذا حاجتِ اَصلیہ اور قرض سے زائد جو بھی رقم نصاب کا سال پورا ہونے کے دن اکاؤنٹ میں موجود ہوگی اس کو زکوٰۃ کے حساب میں شمار کیا جائے گا اور اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ بلکہ حاجتِ اَصلیہ سے زائد جو قابلِ زکوٰۃ مال نصاب کا سال پورا ہونے سے ایک لمحہ پہلے بھی مِلکیّت میں آجائے اس پر بھی زکوٰۃ لازم ہوجاتی ہے۔

اَلْجَوْهَرَةُ النَّيِّرَه میں ہے: ”ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالا من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه سواء كان المستفاد من نمائه أو لا وبأي وجه استفاده ضمه سواء كان بميراث أو هبة أو غير ذلك“ ترجمہ: جو شخص مالکِ نصاب ہے اگر درمیانِ سال میں کچھ اور مال اسی جنس کا حاصل کیا تو اُسے اسی مال کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ادا کرے خواہ وہ مال اُس کے پہلے مال سے حاصل ہوا ہو یا میراث یا ہبہ یا اور کسی

جائز ذریعے سے ملا ہو۔ (الجوھرۃ النیرۃ، صفحہ 145، جلد 1، مطبوعہ کراچی)

بہارِ شریعت میں ہے: ''جو شخص مالکِ نصاب ہے اگر درمیانِ سال میں کچھ اور مال اسی جنس کا حاصل کیا تو اُس نئے مال کا جدا سال نہیں بلکہ پہلے مال کا ختمِ سال اُس کے لئے بھی سالِ تمام ہے اگرچہ سالِ تمام سے ایک ہی منٹ پہلے حاصل کیا ہو۔'' (بہارِ شریعت، صفحہ 884، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

اَبُو مُحَمَّد علی اصغر العطاری المدنی

23 رمضان المبارک 1428ھ 6 اکتوبر 2007ء

عبادات میں نماز کے بعد زکوٰۃ افضل ہے

فتوٰی 195

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کے پاس دو لاکھ روپیہ تھا جس دن اس پر سال پورا ہوا اُسی دن زکوٰۃ واجب ہونے کے بعد اس رقم کو حج کرنے کے لئے جمع کروا دیا۔ کیا اس پر زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟ نیز یہ بھی ارشاد فرمائیں کہ حج مقدم ہے یا زکوٰۃ؟

سائل: قاری شہباز (مرکز الاولیاء لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں اس رقم پر زکوٰۃ دینا پڑے گی کیونکہ زکوٰۃ کا سال پورا ہونے پر مکمل طور پر وہ رقم آپ کی مِلکِیَّت میں تھی جو کہ وُجُوبِ زکوٰۃ کا سبب ہے۔

فَتَاوٰی عَالَمْگِیْرِی میں ہے: ''تجب الزکاۃ عند تمام الحول الأول کذا فی فتح القدیر وھکذا فی الکافی وکل دین لا مطالب لہ من جھۃ العباد کدیون اللّٰہ تعالی من النذور والکفارات وصدقۃ الفطر و وجوب الحج لا یمنع کذا فی محیط السرخسی'' ترجمہ: زکوٰۃ سال

پورا گزرنے پر واجب ہو جاتی ہے جیسا کہ فتح القدیر میں ہے اور ایسا ہی کافی میں ہے۔ ہر وہ دَین جس کا مطالبہ لوگوں کی طرف سے نہ ہو جیسے دَینِ اللہ نذور، کفارات، صدقۂ فطر، حج کا واجب ہونا یہ سب زکوٰۃ سے مانع نہیں جیسا کہ محیط سرخسی میں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 173، جلد 1، دارالفکر بیروت)

امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن سے سوال ہوا کہ زید بشوقِ زیارتِ حرمینِ طیبین کچھ پس انداز کرتا جاتا ہے، اس طرح پر اب وہ صاحبِ نصاب عرصہ ڈیڑھ سال سے ہو گیا تو اس کو صدقۂ فطر وزکوٰۃ قربانی عیدالاضحیٰ کرنا چاہئے یا نہیں؟ آپ رَحْمَۃُ اللہِ عَلَیْہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ''اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور صدقہ وقربانی واجب۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 140، جلد 10، رضافاؤنڈیشن لاهور)

نماز کے بعد زکوٰۃ کا مرتبہ روزہ اور حج سے بڑا ہے۔

چنانچہ علامہ شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی فرماتے ہیں: ''وحاصله ان القياس ذكر الصوم عقب الصلاة كما فعل قاضي خان لأنه بدني محض مثلها، إلا أن أكثرهم قدموا الزكاة عليه اقتداء بكتاب الله تعالى .نوح. ولأنها أفضل العبادات بعد الصلاة.قهستاني.قلت:وهو موافق لما فى التحرير وشرحه أوائل الفصل الثانى من الباب الأول من أن ترتيبها فى الأشرفية بعد الإيمان هكذا: الصلاة، ثم الزكاة، ثم الصيام، ثم الحج، ثم العمرة والجهاد، والاعتكاف''

اس عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ نماز اور روزے کو اس لئے اکٹھا ذکر کیا جاتا ہے کہ یہ بدَنی عبادات ہیں جبکہ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے اپنی کتاب میں زکوٰۃ کو روزوں سے مُقدّم رکھا ہے اس لئے کہ یہ نماز کے بعد افضل عبادت ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہ بات موافق ہے اس کے جو تحریر اور اس کی شرح بابِ اوّل فصلِ ثانی کے شروع میں ہے کہ اس میں ایمان کے بعد جس کا مقام زیادہ ہے اسے اس طرح ترتیب دیا ہے کہ نماز، پھر زکوٰۃ، پھر روزے، پھر حج، پھر عمرہ اور جہاد اور اعتکاف۔

(ردالمحتار على الدرالمختار، صفحه 202، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

كتبه
المتخصص فى الفقه الاسلامى
ابو احمد محمد انس رضا عطارى
5 شعبان المعظم 1430ھ 28 جولائی 2009ء

الجواب صحيح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

باون تولہ چاندی کی مالیّت کے برابر رقم ہوتو؟

فتویٰ 196

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر صرف باون تولہ چاندی کی قیمت موجود ہوتو کیا اس کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر واقعی فقط باون تولہ چاندی کی رقم ہے اور اس کے علاوہ حاجتِ اَصلیہ سے زائد کوئی ایسا قابلِ زکوٰۃ مال (مثلاً مالِ تجارت پرائز بانڈ وغیرہ) نہیں ہے جو اس کے ساتھ مل کر ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچے تو اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

18 شعبان المعظم سنہ 1428ھ 1 ستمبر سنہ 2007ء

زکوٰۃ کی ادائیگی کیسے ہو، آسان انداز میں تفہیم

فتویٰ 197

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے انڈین کرنسی کے چالیس ہزار روپے تنخواہ ملتی ہے تو مجھے ہر مہینے کتنا فیصد زکوٰۃ نکالنا ہوگی؟ سائل: محسن خان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ ہر مہینے فرض نہیں ہوتی بلکہ صاحبِ نصاب پر سال پورا ہونے پر سال میں صرف ایک دفعہ نکالنا ضروری

ہے۔زکوٰۃ نکالنے میں سال کب پورا ہوتا ہے اس کے نصاب کی تفصیل یہ ہے کہ بالغ ہونے کے بعد جس روز آپ کی آمدنی بڑھتے بڑھتے اتنی ہوئی کہ آپ کے پاس موجود مالِ نامی کی مالیت نصابِ زکوٰۃ تک پہنچ گئی۔مثلاً اگر کسی کے پاس سونا چاندی نہ ہو،صرف رقم ہی ہو تو رقم کی مقدار ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کے برابر ہو جانا نصابِ زکوٰۃ پورا ہو جانا کہلائے گا۔لہٰذا اس دن سے وہ شخص صاحبِ نصاب کہلائے گا اور مثال کے طور پر یہ دن یکم رجب کا تھا تو آئندہ جب یکم رجب آئے گی تو دیکھیں گے کہ اب بھی نصاب کے برابر رقم وغیرہ موجود ہے یا نہیں۔اگر موجود ہو تو سال کے آخری دن جتنی رقم ہے اس کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ میں ادا کرنا ضروری ہے۔سال کے دوران جو کچھ کھایا پیا یا خرچ کیا وہ شمار نہیں کیا جائے گا۔

آسان انداز میں سمجھانے کے لئے ہم نے صرف رقم ہی کی مثال دینے پر اکتفا کیا ہے لیکن یہ ضرور جان لیجئے کہ زکوٰۃ چھ چیزوں پر فرض ہے یعنی نصاب کا اعتبار کرنے میں ان چھ چیزوں کو ہی دیکھیں گے۔سونا، چاندی، مالِ تجارت، کسی بھی ملک کی کرنسی، پرائز بانڈ اور چرائی کے جانور۔مزید مسائل کی بنیاد سمجھنے کے لئے چند اور باتیں سمجھ لیں۔

سونے کا نصاب ساڑھے سات تولہ اور چاندی کا ساڑھے باون تولہ ہے۔جبکہ کرنسی اور پرائز بانڈ کے نصاب میں چاندی کا اعتبار کیا جاتا ہے۔اور اگر سونا یا چاندی وغیرہ اَموالِ زکوٰۃ میں سے کوئی قابلِ زکوٰۃ مال خود نصاب سے کم موجود ہو تو پھر ان کو آپس میں ملایا جائے گا چنانچہ ان کو ملانے کے بعد اگر وہ مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر پہنچ جائے تب بھی نصاب مکمل ہونا پایا جائے گا اور زکوٰۃ فرض ہوگی۔مثلاً کسی کے پاس دو تولہ سونا اور دس ہزار روپے ہیں۔اب اس سونے کی مالیت حالیہ پاکستان کی کرنسی میں 75 ہزار کے قریب ہے اور اس میں دس ہزار کیش جمع کریں تو 85 ہزار ہو گئے اور یہ رقم فی زمانہ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مقدار کو پہنچ جاتی ہے لہٰذا ایسی صورت میں زکوٰۃ فرض ہوگی۔

اوپر مختلف اَموال کو ملا کر زکوٰۃ دینے کی بات ہوئی ہے یہ یاد رکھیں کہ چرائی کے جانور اس میں شامل نہیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

17 رجب المرجب 1431ھ 30 جون 2010ء

پرائز بانڈز کی زکوٰۃ کا طریقہ

فتوی 198

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ پرائز بانڈز کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے گی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جس طرح روپوں کی زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے اسی طرح پرائز بانڈز کی زکوٰۃ ادا کی جائے گی۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

ابُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم القَادِرِی

24 صفر المظفر 1427ھ 25 مارچ 2006ء

بانڈز کے انعام پر زکوٰۃ کا حکم

فتوی 199

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے کچھ عرصہ پہلے انعامی بانڈز خریدے تھے اور ان بانڈز پر انعامات نکلتے رہے مگر چونکہ میں نے انعامی لسٹ وغیرہ چیک نہیں کی تھی اس لئے یہ بات میرے علم میں نہ آسکی اب جب مجھے معلوم ہوا تو میں نے یہ انعامی رقم وصول کرلی ہے اب معلوم یہ کرنا ہے کہ اس رقم پر گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ کا کیا حکم ہوگا کیا مجھے گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی؟

سائل: محمد امین (پٹیل پاڑہ، کراچی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

ان بانڈز کی انعامی رقم کی گزشتہ سالوں کی زکوٰۃ آپ پر واجب نہیں ہے کیونکہ گزشتہ سالوں میں یہ رقم آپ کی مِلکیّت میں نہ تھی اور زکوٰۃ واجب ہونے کیلئے مال کا مالک ہونا ضروری ہے۔

جیسا کہ تَنوِیرُ الاَبصَار میں ہے: ''سببه ملك نصاب حوليّ تام...... نام ''یعنی زکوٰۃ فرض ہونے کا سبب ایسے نصاب کا مکمل مالک ہونا ہے جس پر سال گزر چکا ہو اور یہ مال مالِ نامی (بڑھنے والا) ہو۔ (ملتقطاً)

(تنویر الابصار، صفحہ 208 تا 214، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعۡلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد طارق رضا عطاری المدنی

5 جمادی الأولی 1427ھ 22 مئی 2007ء

الجواب صحیح

ابوالصالح محمد قاسم القادری

ایک مسلمان کے لئے علم شریعت کی اہمیت

سیدی اعلیٰ حضرت رضی اللہ تعالیٰ عنہ فتاویٰ رضویہ شریف میں فرماتے ہیں: ''شریعت کی حاجت ہر مسلمان کو ایک ایک سانس ایک ایک پل ایک ایک لمحہ پر مرتے دم تک ہے، اور طریقت میں قدم رکھنے والوں کو اور زیادہ کہ راہ جس قدر باریک اس قدر ہادی کی زیادہ حاجت، ولہذا حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے فرمایا: ''المتعبد بغير فقه كالحمار في الطاحون رواه ابونعيم في الحلية عن واثلة بن الاسقع رضي الله تعالى عنه ''بغیر فقہ کے عبادت میں پڑنے والا ایسا ہے جیسا کہ چکی کھینچنے والا گدھا کہ مشقت جھیلے اور نفع کچھ نہیں۔ (اسے ابونعیم نے حلیہ میں واثلہ بن الاسقع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا)

امیر المومنین مولا علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں: ''قصم ظهري اثنان جهل متنسك وعالم متهتك ''دو شخصوں نے میری پیٹھ توڑ دی (یعنی وہ بلائے بے درماں ہیں) جاہل عابد اور عالم جو علانیہ بیباکانہ گناہوں کا ارتکاب کرے۔

اے عزیز! شریعت عمارت ہے اس کا اعتقاد بنیاد اور عمل چنائی، پھر اعمال ظاہرہ دیوار ہیں کہ اُس بنیاد پر ہوا میں چنے گئے، اور جب تعمیر اوپر بڑھ کر آسمانوں تک پہنچی وہ طریقت ہے، دیوار جتنی اونچی ہوگی نیو کی زیادہ محتاج ہوگی، اور نہ صرف نیو کی بلکہ اعلیٰ حصہ اسفل کا بھی محتاج ہے، اگر دیوار نیچے سے خالی کردی جائی اوپر سے بھی گر پڑے گی۔ احمق وہ جس پر شیطان نے نظر بندی کر کے اس کی چنائی آسمانوں تک دکھائی اور دل میں ڈالا کہ اب ہم تو زمین کے دائرے سے اونچے گزر گئے ہمیں اس سے تعلق کی کیا حاجت ہے، نیو سے دیوار جدا کرلی اور نتیجہ وہ ہوا جو قرآن مجید نے فرمایا کہ: ''فانهار به في نار جهنم ''اس کی عمارت اسے لے کر جہنم میں ڈھے پڑی، والعیاذ باللہ رب العالمین، اسی لئے اولیائے کرام فرماتے ہیں: صوفی جاہل شیطان کا مسخرہ ہے۔ اس لیے حدیث میں آیا حضور سید عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: ''فقيه واحد اشد على الشيطان من الف عابد. رواه الترمذي وابن ماجة عن ابن عباس رضي الله تعالىٰ عنهما ''ایک فقیہ، شیطان پر ہزاروں عابدوں سے زیادہ بھاری ہے (اسے ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت کیا۔ ت)

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 527,528، جلد 21، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

باب ثالث: اَموالِ زکوٰۃ

فصل/عنوان 14

مالِ تجارت سے متعلق مسائلِ زکوٰۃ

مالِ تجارت کسے کہتے ہیں؟

فتویٰ 200

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مالِ تجارت کس کو کہتے ہیں؟ اور مالِ تجارت پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ اگر کوئی شخص ایک کروڑ روپے میڈیکل اسٹور، جیولری یا کسی بھی کاروبار میں لگادے تو کیا اس مال پر زکوٰۃ ہوگی؟ سائل: احمد علی عطاری (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

مالِ تجارت اس مال کو کہتے ہیں جو بیچنے یا دکانداری کرنے کے لئے لیا گیا ہو اور اس مال پر بھی زکوٰۃ ہوتی ہے بشرطیکہ وہ مالِ تجارت خود بقدرِ نصاب ہو یا کسی اور مالِ زکوٰۃ کے ساتھ مل کر بقدرِ نصاب ہو اور اس مال پر سال بھی گزر چکا ہو۔

چنانچہ سیّدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ صرف تین چیزوں پر ہے: سونا، چاندی، کیسے ہی ہوں پہننے کے ہوں یا برتنے کے یا رکھنے کے، سکّہ ہو یا ورق۔ دوسرے چَرائی پر چھوٹے جانور۔ تیسرے تجارت کا مال۔ باقی کسی چیز پر نہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 161، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور جو مال کسی بھی کاروبار خواہ میڈیکل اسٹور یا جیولری وغیرہ میں لگایا جائے تو قمری سال گزرنے پر کاروبار میں جو بھی قابلِ زکوٰۃ اَشیاء مثلاً مالِ تجارت، رقم وغیرہ ہوں گی ان کا چالیسواں حصہ بطورِ زکوٰۃ دینا واجب ہوگا۔

سیّدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''تجارت کی نہ لاگت پر زکوٰۃ ہے نہ صرف منافع پر، بلکہ سالِ تمام کے وقت جو زرِ منافع ہے اور باقی مالِ تجارت کی جو قیمت اس وقت بازار کے بھاؤ سے ہے اس پر زکوٰۃ ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 158، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

14 رمضان المبارک 1428ھ 27 ستمبر 2007ء

چھ ماہ سے کاروبار میں لگی رقم پر زکوٰۃ کا حکم

فتویٰ 201

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کاروبار میں جو عرصہ چھ (6) ماہ سے پیسہ لگا ہوا ہے کیا اس پر زکوٰۃ ادا کرنی ہوتی ہے یا نہیں؟ سائل: عبداللہ (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جس شخص نے پیسہ چھ ماہ سے کاروبار میں لگایا ہے اگر وہ مالکِ نصاب ہے تو نصاب کا سال پورا ہونے پر حاجتِ اَصلیہ سے زائد جو بھی مالِ زکوٰۃ ہے بشمول کاروبار کے، اس پر زکوٰۃ نکالنا فرض ہوگی۔ جبکہ سال کے آخر میں بھی وہ صاحبِ نصاب ہو۔ اسی طرح جب تک وہ صاحبِ نصاب ہے ہر سال اس پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ اس کا باقی مال بھی اس کاروبار کے مال کے ساتھ نصاب میں شامل کیا جائے گا۔ اور اگر صاحبِ نصاب نہیں تو پھر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی جب تک نصاب پورا ہونے کے بعد سال نہ ہو جائے۔ بیس مثقال یعنی ساڑھے سات تولے سونا یا دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولے چاندی یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت کا روپیہ پیسہ ہو تو وہ صاحبِ نصاب ہوگا۔

تَنْوِیْرُالْاَبْصَار میں ہے:"اللازم فی عرض تجارة قیمته نصاب من ذهب أو ورق مقوما بأحدهما ربع عشر "یعنی تجارت کا وہ سامان جس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب یا ان دونوں میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر ہو اُس میں چالیسواں حصہ زکوٰۃ لازم ہے۔(ملخصاً)

(تنویر الابصار، صفحه 270 تا 272، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

تَنْوِیْرُالْاَبْصَار وَدُرِّمُخْتَار میں ہی ہے:"(وقیمة العرض) للتجارة (تضم إلى الثمنين) لأن الكل للتجارة وضعا وجعلا (و) يضم (الذهب إلى الفضة) وعكسه بجامع الثمنية (قيمة)" یعنی تجارت کے سامان کی قیمت سونے اور چاندی کے ساتھ ملائی جائے گی کیونکہ یہ سارے وضعاً اور جعلاً تجارت کے لئے ہیں اور سونے کو چاندی کے ساتھ اور چاندی کو سونے کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا۔

(تنویرالابصار مع الدرالمختار، صفحه 278 تا 279، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

اسی میں ہے:"(وشرط كمال النصاب فی طرفی الحول) فی الابتداء للانعقاد وفی الانتهاء للوجوب (فلا یضر نقصانه بینهما) فلو هلك كله بطل الحول "یعنی سال کی دونوں طرفوں (اوّل وآخر) میں نصاب پورا ہونا شرط ہے۔ابتدا میں انعقاد کے لئے اور انتہا میں وُجُوب کے لئے۔ان دونوں کے درمیان میں نصاب میں کمی اس کو ضرر نہیں دیتی۔ہاں اگر سارا مال ہلاک ہوگیا تو پھر سال باطل ہوجائے گا۔

(تنویرالابصار مع الدرالمختار، صفحه 278، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

وَاللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــه

عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا العَطَّارِی عَفَاعَنْہُ البَارِی

5 رجب المرجب 1427ھ 01 اگست 2006ء

گارمنٹس کا کام کرنے والا زکوٰۃ کیسے نکالے؟

فتویٰ 202

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا کام گارمنٹس کا ہے میں

زکوٰۃ کس طرح نکالوں گا؟ کیا زکوٰۃ میں سوٹ بھی دے سکتا ہوں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ کا نصاب ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کے مُساوی رقم یا اتنی قیمت کا مالِ تجارت ہے اور اس پر ایک قمری سال گزر جائے تو اس پر ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کی جاتی ہے۔ آپ کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی کے مُساوی مالِ تجارت ہے یعنی گارمنٹس کا سامان رکھا ہے تو اس کا حساب لگا کر اس کی زکوٰۃ ڈھائی فیصد سے ادا کر دیجئے۔ اگر اتنا سامان نہیں لیکن اس کے علاوہ رقم یا سونا چاندی ہے جس کے ساتھ ملا کر رقم نصاب تک پہنچ جائے گی تو بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اس کا حساب لگا کر نصاب کا سال پورا ہونے کے دن ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کر دیجئے۔

صَدرُ الشَّریعہ، بَدرُ الطَّریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: ''سونے چاندی کے علاوہ تجارت کی کوئی چیز ہو جس کی قیمت سونے چاندی کے نصاب کو پہنچے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے یعنی قیمت کا چالیسواں حصہ اور اگر اَسباب کی قیمت تو نصاب کو نہیں پہنچتی مگر اس کے پاس ان کے علاوہ سونا چاندی بھی ہے تو اُن کی قیمت سونے چاندی کے ساتھ ملا کر مجموعہ کریں اگر مجموعہ نصاب کو پہنچا زکوٰۃ واجب ہے۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 903، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

زکوٰۃ میں سوٹ بھی دے سکتے ہیں جتنی مالیّت کا وہ سوٹ بازار میں اس وقت ہوگا اتنی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

29 جمادی الاخری 1427ھ 26 جولائی 2006ء

کپڑا فروخت کرنے والا اپنے مال کا اندازہ کیسے لگائے؟

فتویٰ 203

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم صاحبِ نصاب ہیں اور

ہر سال زکوٰۃ ادا کرتے ہیں ہمارا کٹ پیس کپڑے کا کاروبار ہے اور دکان پر بہت زیادہ مال ہے جس کی پیمائش نہیں کر سکتے تو اس کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟ اگر زکوٰۃ اندازے سے ادا کی جائے تو کیا ایسا کرنا درست ہے؟

سائل: محمد ہارون (کھارادر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

شرعاً جن اَموال پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے ان میں مالِ تجارت بھی ہے اور اس مالِ تجارت پر زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے اس مال کی مالیّت کا علم ہونا ضروری ہے اور کسی بھی تاجر کیلئے اپنے مالِ تجارت کی مالیّت کا حساب لگانا کوئی مشکل اَمر نہیں۔ ظنِّ غالب سے اس کا حساب لگائیں اور اندازے سے تھوڑا زیادہ ہی لگالیں تاکہ فرض کی ادائیگی میں کوتاہی نہ رہ جائے پس آپ کی دکان میں جتنا بھی مالِ تجارت (یعنی کپڑا وغیرہ) ہے اس کی مالیّت کا حساب لگائیں اور اگر آپ پر کچھ دَین (قرض) ہو تو وہ اس میں سے مِنْہا کرکے جو باقی بچے اس پر آپ کو زکوٰۃ ادا کرنا ضروری ہے۔

مَرَاقِی الْفَلَاح میں ہے: "فرضت علی حر مسلم مکلف مالك لنصاب من نقد ...... أو ما يساوی قيمته من عروض تجارة فارغ عن الدين وعن حاجته الاصلية" یعنی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے ہر اس مکلّف آزاد مسلمان پر جو دَین (قرض) اور حاجتِ اَصلیہ سے باقی بچنے والے سونے، چاندی کے نصاب کا مالک ہو یا جس مالِ تجارت کی قیمت اس نصاب کے مُساوی ہو۔ (ملتقطاً)

(مراقی الفلاح مع حاشیۃ الطحطاوی، صفحہ 713، مطبوعہ کراچی)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

ابُو محمّد علی اصغر العطاری المدنی

29 شعبان المعظم 1426ھ 14 اکتوبر 2005ء

الجواب صحیح

ابو الصالح محمد قاسم القادری

پرچون والا کیسے زکوٰۃ نکالے؟

فتویٰ 204

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص پرچون کی دکان چلاتا ہے دکان پر رکھا ہوا مال ہزاروں روپے کی قیمت پر مشتمل ہوتا ہے اس کی زکوٰۃ مال پر ہوگی یا اس سے حاصل ہونے والے منافع پر؟ سائل: محمد فاروق (سلطان آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

مالِ تجارت قابلِ زکوٰۃ اَموال میں خود ایک مُسْتَقِل حیثیت رکھتا ہے۔ صرف نفع پر نہیں بلکہ تمام ہی مالِ تجارت پر ضروری شرائط پائے جانے پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔ چنانچہ نصاب کا سال پورا ہونے پر جتنا مالِ تجارت دکان میں موجود ہو اُس پر زکوٰۃ نکالنا لازم ہوگا۔ جبکہ وہ مال بذاتِ خود یا دیگر اَموالِ زکوٰۃ سے مل کر نصاب کو پہنچتا ہو اور قرض اور حاجتِ اَصلیہ سے فارِغ ہو۔

امامِ اہلسنّت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت، امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ”تجارت کی نہ لاگت پر زکوٰۃ ہے نہ صرف منافع پر، بلکہ سال تمام کے وقت جو زرِ منافع ہے اور باقی مالِ تجارت کی جو قیمت اس وقت بازار کے بھاؤ سے ہے اس پر زکوٰۃ ہے۔“ (فتاوی رضویہ، صفحہ 158، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــہ

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغر العَطَارِیُّ المَدَنِی

6 رجب المرجب 1430ھ 30 جون 2009ء

زکوٰۃ نفع نکال کر دی جائے یا شامل کر کے؟

فتویٰ 205

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص دس لاکھ روپے کا کاروبار کئے ہوئے ہے جس میں تقریباً آٹھ لاکھ روپے کا مال اس کی دکان میں پڑا ہوا ہے اور اس شخص کی سالانہ آمدنی تقریباً ایک لاکھ روپے سے بڑھ کر ہے تو اس کی زکوٰۃ کس طرح ادا کرنا ہوگی یعنی اس دس لاکھ روپے کے حساب سے یا موجودہ آٹھ لاکھ کے حساب سے یا پھر سالانہ آمدنی پر زکوٰۃ ہوگی؟

سائل: محمد علی رضا عطاری (راجن پور، پنجاب)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

صورتِ مَسْئُولہ میں بقیہ شرائطِ زکوٰۃ پائی جانے کی صورت میں سال گزرنے کے بعد جتنا مالِ تجارت ہو اُس پر اور آمدنی کی وہ رقم جو حاجت سے زائد ہو اُس پر زکوٰۃ واجب ہوگی بشرطیکہ اس پر اتنا قرض نہ ہو کہ ادا کرنے کے بعد نصاب کی مقدار کے مطابق قابلِ زکوٰۃ مال نہ بچے۔

اَلْاِخْتِیَار لِتَعْلِیْلِ الْمُخْتَار میں ہے: ”ولا زکوۃ فی العروض الا ان تکون للتجارۃ وتبلغ قیمتھا نصابا من احد النقدین وتضم قیمتھا إلیھما“

(الاختیار لتعلیل المختار، صفحہ 119، جلد 1، دارالکتب العلمیہ بیروت)

بَدَائِعُ الصَّنَائِع میں ہے: ”أما أموال التجارۃ فتقدیر النصاب فیھا بقیمتھا من الدنانیر والدراھم فلا شیء فیھا ما لم تبلغ قیمتھا مائتی درھم أو عشرین مثقالا من ذھب فتجب فیھا الزکاۃ“ (بدائع الصنائع، صفحہ 109، جلد 2، داراحیاء التراث العربی بیروت)

شَیْخُ الْاِسْلَامِ وَ الْمُسْلِمِیْن، اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ”مالِ تجارت جب

تک خود یا دوسرے مالِ زکوٰۃ سے مل کر قدرِ نصاب اور حاجتِ اصلیہ مثل دَین زکوٰۃ وغیرہ سے فاضل رہے گا ہر سال اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔" (فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 155 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "سونے اور چاندی کے علاوہ تجارت کی کوئی چیز ہو جس کی قیمت سونے چاندی کے نصاب کو پہنچے تو اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔"
(بہارِ شریعت ، صفحہ 903 ، جلد 1 ، مکتبة المدينه)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــه

ابو الصالح محمد قاسم القادری

01 ذی الحجہ 1427ھ 23 دسمبر 2007ء

کیا خام مال پر بھی زکوٰۃ ہے؟

فتویٰ 206

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری سَریا کی مل ہے، کیا اس میں جتنا خام مال (Raw Material) ہے اور جتنا تیار مال (Finished Goods) ہے اس پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟ نیز خام مال خریدنے کیلئے جتنی رقم بینک میں موجود ہے اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

سائل: علی احمد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

پوچھی گئی صورت میں خام مال اور سَریا دونوں مالِ تجارت ہیں لہٰذا نصاب پر سال مکمل ہونے سے ایک لمحہ قبل تک ان ہی کی جنس سے جو مال بھی آئے گا چاہے وہ خام ہو یا پھر تیار شدہ، اختتامِ سال پر سب پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

چنانچہ فَتَاوٰی عَالَمْگِیْرِی میں ہے: "ومن كان له نصاب فاستفاد فی أثناء الحول مالا

من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه المستفاد من نمائه أو لا وبأى وجه استفاد ضمه سواء كان بميراث أو هبة أو غير ذلك "یعنی جس کے پاس زکوٰۃ کانصاب موجود ہے اوراس کواسی مال کی جنس سے کوئی اور مال مل گیا تو اس مال کو پہلے سے موجود نصاب کے ساتھ ملائے گا اوراس کی زکوٰۃ ادا کرے گا چاہے وہ حاصل شدہ مال اسی نصاب کے پھلنے پھولنے سے حاصل ہوا ہو یا اس کے علاوہ کسی اور ذریعے مثلاً میراث، ہبہ یا اس کے علاوہ کسی اور چیز سے۔ (فتاوی عالمگیری، صفحہ 175، جلد 1، دارالفکر بیروت)

نیز خام مال خریدنے کیلئے جو رقم بینک میں رکھی ہوئی ہے سال مکمل ہونے پر اس کو بھی کُل مال یعنی نقدی، زیورات، مالِ تجارت وغیرہ کے ساتھ شمار کر کے اس پر بھی زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہے۔

وَ اللهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبــــــه
محمد سجاد العطاری المدنی
25 شعبان المعظم 1428ھ 08 ستمبر 2007ء

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

تجارتی پلاٹ کی قیمتِ خرید پر زکوٰۃ ہے یا موجودہ قیمت پر؟

فتویٰ 207

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک آدمی نے کاروبار کی نیت سے پلاٹ لیا تھا اب اس کی قیمت بڑھ گئی تو کیا اس پر زکوٰۃ دینی ہوگی؟ اگر دینی ہوگی تو موجودہ مالیّت سے دینی ہوگی یا جب خریدا تھا اس وقت کی قیمت کا اعتبار ہے؟ یہ شخص صاحبِ نصاب ہے اور ہر سال زکوٰۃ ادا کرتا ہے۔

سائل: عبداللہ

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

مذکورہ شخص نے اگر یہ پلاٹ تجارت کی نیت سے خریدا ہے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے اور اس کے نصاب کا سال

جس تاریخ کو پورا ہوتا ہے اس دن کی قیمت کا اعتبار کیا جائے گا۔

صَدرُالشَّریعَہ مولانا امجد علی اعظمی عَلَیہِ رَحمَۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: ''مالِ تجارت میں سال گزرنے پر جو قیمت ہوگی اس کا اعتبار ہے۔'' (بہارِ شریعت، صفحہ 907، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

25 شعبان المعظم 1425ھ 11 اکتوبر 2004ء

کس پراپرٹی پر زکوٰۃ ہے اور کس پر نہیں؟

فتویٰ 208

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ پراپرٹی پر ہے یا اس سے حاصل ہونے والی آمدنی پر ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ صرف تین طرح کی چیزوں پر ہے: ﴿1﴾ سونا، چاندی ﴿2﴾ چَرائی پر چھوٹے جانور ﴿3﴾ تجارت کا مال۔ باقی کسی چیز پر نہیں۔

جیسا کہ سیّدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ صرف تین چیزوں پر ہے: سونا، چاندی، کیسے ہی ہوں پہننے کے ہوں یا برتنے کے یا رکھنے کے، سکّہ ہو یا ورق۔ دوسرے چَرائی پر چھوٹے جانور۔ تیسرے تجارت کا مال۔ باقی کسی چیز پر نہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 161، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

پراپرٹی (دوکان، مکان، پلاٹ وغیرہ) تجارت یعنی بیچنے کی نیت سے خریدی گئی ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی

ورنہ نہیں اور اگر ایسے مکانات دوکانیں وغیرہ کرائے پر دیئے جاتے ہوں تو جو کرایہ اُن مکانات وغیرہ سے وصول ہوگا اگر وہ سال گزرنے پر بقدرِ نصاب ہو تو اس نصاب پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا یہ کہ کرایہ میں وصول کردہ رقم سال گزرنے پر بقدرِ نصاب تو نہ ہو مگر کسی بھی دوسرے مال سے مل کر نصاب کو پہنچ جائے تو بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

جیسا کہ سیّدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''مکانات پر زکوٰۃ نہیں اگرچہ پچاس کروڑ کے ہوں، کرایہ سے جو سالِ تمام پر پس انداز ہوگا اس پر زکوٰۃ آئے گی اگر خود یا اور مال سے مل کر قدرِ نصاب ہو۔'' (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 161، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

11 شوال المکرم 1427ھ 04 نومبر 2006ء

قسطوں پر لئے گئے تجارتی مکان پر زکوٰۃ کا مسئلہ

فتویٰ 209

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے ایک مکان اِنویسٹمنٹ کے لئے قسطوں پر خریدا ہے تو اس کی زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے گی؟ اور کوئی ایسا حیلہ بتائیں جس سے اس مکان کی زکوٰۃ نہ ادا کرنا پڑے۔

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اِنویسٹمنٹ سے مراد اگر بیچنا ہے تو صورتِ مسئولہ میں یہ مکان مالِ تجارت ہے اور اس پر زکوٰۃ بھی ہے۔

چنانچہ مفتیٔ اعظم پاکستان مفتی وقارالدین علیہ رحمۃ اللہ المعین فرماتے ہیں: ''کسی چیز کو خریدنے کے وقت اگر یہ ارادہ ہے کہ اس کو فروخت کرے گا تو وہ مالِ تجارت ہو جاتا ہے اس کی قیمت پر زکوٰۃ ہوتی ہے۔''

(وقارالفتاویٰ، صفحہ 388، جلد 2، بزم وقارالدین کراچی)

صورتِ مسئولہ میں سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ واجب ہوگی، البتہ وہ تمام اَقساط جو ادا کرنا باقی ہیں ان کو منہا کیا جائے گا اور ان پر زکوٰۃ نہیں ہوگی۔

اِسقاطِ زکوٰۃ کے لئے حیلہ ناجائز ہے۔

چنانچہ سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجدّدِ دِین ومِلّت، شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''خزانۃُ المُفتِین میں فتاویٰ کُبریٰ سے ہے: ''الحیلة فی منع وجوب الزکاۃ تکرہ بالاجماع '' (ترجمہ: وُجُوبِ زکوٰۃ میں رکاوٹ کے لئے حیلہ کرنا بالاجماع مکروہ ہے۔) یہاں سے ثابت ہوا کہ ہمارے تمام ائمہ کا اس کے عدمِ جواز پر اجماع ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 190 تا 191، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

23 رجب المرجب 1428ھ 08 اگست 2007ء

دورانِ سال گردش کرتے ہر ہر مال پر زکوٰۃ نہیں

فتویٰ 210

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا سونے کا کاروبار ہے اس میں سے کچھ مال تو ہمارے پاس موجود ہوتا ہے اور کچھ گردش میں رہتا ہے یعنی آج خرید لیا کل بیچ دیا۔ پوچھنا یہ ہے کہ زکوٰۃ صرف رکھے ہوئے مال پر ہوگی یا سال میں جتنا لیا دیا سب پر ہوگی؟

سائل: اخلاق خان (صدر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

آپ کے مال پر جس دن نصاب کا سال مکمل ہوگا اس دن آپ کی مِلکیّت میں جس قدر قابلِ زکوٰۃ اَموال

مثلاً سونا، چاندی، مالِ تجارت، کیش وغیرہ ہوگا ان تمام پر اس دن کی مالیّت کے حساب سے زکوٰۃ فرض ہوگی اور حاجتِ اَصلیہ اور قرض کو نکال کر بقیہ اَموال پر زکوٰۃ دی جائے گی جبکہ وہ نصاب کے برابر یا اس سے زائد ہو، ہاں البتہ وہ سونا جو درمیانِ سال میں خرید کر بیچ دیا اور اس کی رقم بھی خرچ ہوگئی تو اس سونے پر زکوٰۃ نہیں اور جو رقم بچی ہو اس پر ضرور زکوٰۃ فرض ہوگی۔

چنانچہ فَتاویٰ عَالَمگیری میں ہے: ''ومن كان له نصاب فاستفاد في أثناء الحول مالا من جنسه ضمه إلى ماله وزكاه'' **یعنی** جس کے پاس نصاب ہو اور سال کے اندر ہی اسی جنس سے کوئی مال اس کے پاس آیا تو اس کو اسی جنس کے ساتھ ملا کر زکوٰۃ ادا کردی جائے گی۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 175، جلد 1، دارالفکر بیروت)

فَتاویٰ رَضَوِیّہ میں ہے: ''نصاب جبکہ باقی ہو تو سال کے اندر اندر جس قدر مال بڑھے اسی پہلے نصاب کے سالِ تمام پر اس کُل کی زکوٰۃ فرض ہوگی، مثلاً یکم رَمَضان کو سال تمام ہوگا اور اس کے پاس صرف سو روپے تھے تیس شعبان کو دس ہزار اور آئے کہ سالِ تمام سے چند گھنٹے بعد جب یکم رَمَضان آئے گی اس پورے دس ہزار ایک سو پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 144، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ

محمد سجاد عطاری المدنی

28 رمضان المبارک 1431ھ 8 نومبر 2010ء

الجواب صحیح

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفاعنہ الباری

زکوٰۃ سے متعلق چند اہم سوالات

فَتویٰ 211

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا درج ذیل اَشیاء پر زکوٰۃ واجب ہے؟

﴿1﴾ رہائش کا مکان، اپنی سواری کیلئے جو گاڑیاں ہیں۔

﴿2﴾ کثیر تعداد میں بھینسیں اور گائے جن کا چارہ ہم خرید کر لاتے ہیں اور مزدوروں کی مزدوری اور بجلی پانی کا سب خرچ خود کرتے ہیں۔

﴿3﴾ دوکان جس پر دودھ فروخت کرتے ہیں، کاروبار میں مال لے کر آنے جانے والی گاڑیاں، ایک ذاتی عمارت جس میں اسکول چلاتے ہیں۔

﴿4﴾ مکان سے جو کرایہ ملتا ہے، اسکول سے جو نفع ہوتا ہے، دودھ بیچ کر جو نفع ہوتا ہے۔

﴿5﴾ ہم نے کسی کو قرض دیا ہوا ہے اور وہ کہتا ہے کہ میں تین سال میں واپس کردوں گا اس پر زکوٰۃ کی کیا صورت ہوگی؟

﴿6﴾ زمین جس پر کوئی ٹیکس نہیں نہ ماہانہ نہ سالانہ۔

﴿7﴾ وہ مکان جو کرایہ پر دیا ہوا ہے۔　　سائل: محمد اسلم رضا (بھینس کالونی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

﴿1﴾ مکان اور گاڑیاں وغیرہ جو مالِ تجارت نہیں یعنی جنہیں بیچنے کی نیت سے نہیں خریدا گیا ان پر زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

﴿2﴾ ان جانوروں پر بھی زکوٰۃ نہ ہوگی کیونکہ زکوٰۃ ان جانوروں پر ہوتی ہے جو سال کا اکثر حصہ باہر چرتے ہوں۔

جیسا کہ تَنوِیرُ الْاَبْصَار و دُرِّمُختَار میں ہے: ''المكتفية بالرعي المباح فی أكثر العام لقصد الدر والنسل والزيادة'' ترجمہ: سائمہ وہ جانور ہے جو سال کا اکثر حصہ چَر کر گزر کرتا ہے اور اس سے مقصود صرف دودھ اور بچے لینا ہے۔

(تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 232 تا 233، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

﴿3﴾ ان پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

﴿4﴾ مکان سے جو کرایہ ملتا ہے اور دودھ کی دوکان اور اسکول سے جو نفع ہوتا ہے ان سب کی مالیّت اگر نصاب تک پہنچتی ہو یا پھر دیگر اَموالِ زکوٰۃ کے ساتھ مل کر نصاب پورا ہوجاتا ہو تو نصاب کا سال پورا ہونے پر ان پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔

جیسا کہ فَتَاوٰی عَالَمگِیرِی میں ہے:"ومنها حولان الحول على المال "ترجمہ: زکوٰۃ کی شرائط میں سے یہ بھی ہے کہ مال پر سال گزر جائے۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 175 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

﴿5﴾ جو قرض دیا ہے اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے مگر اس کی زکوٰۃ دینا اس وقت لازم ہوگا جب نصاب کا پانچواں حصہ آپ کے پاس آئے گا۔

جیسا کہ تَنوِیرُ الْاَبصَار و دُرِّمُختَار میں ہے:"فتجب زكاتها إذا تم نصابا وحال الحول، لكن لا فورا بل عند قبض أربعين درهما من الدين القوى كقرض "عبارت کا مفہوم اوپر گزرا۔

(تنویر الابصار مع الدرالمختار ، صفحہ 281 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بیروت)

﴿6﴾ پلاٹ پر زکوٰۃ اس صورت میں ہوگی جب یہ تجارت کی نیت سے خریدا ہو یعنی خریدتے وقت یہ نیت ہو کہ بیچ دوں گا، بعد میں نیت کی تو زکوٰۃ واجب نہ ہوگی۔

جیسا کہ فَتَاوٰی عَالَمگِیرِی میں ہے:"فالصريح أن ينوى عند عقد التجارة "عبارت کا مفہوم اوپر گزرا۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 174 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

﴿7﴾ وہ مکان جو کرایہ پر دیا ہوا ہے اس مکان پر بھی زکوٰۃ نہیں۔

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں:"کرایہ پر اٹھانے کے لئے دیگیں ہوں ان کی زکوٰۃ نہیں یوہیں کرائے کے مکان پر۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 908 ، جلد 1 ، مکتبة المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلقَادِرِی

20 جمادی الثانی 1427ھ 17 جولائی 2006ء

پرنٹنگ لائن میں ویسٹیج پر زکوٰۃ کا ایک مسئلہ

فتویٰ 212

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا پرنٹنگ پریس اور اِسٹیشنری کا کاروبار ہے تو اس میں مشین، کاغذات، اور دوسرا اِسٹیشنری کا چھوٹا چھوٹا سامان جو کہ بیچنے کے لئے رکھا ہے ان میں کن کن چیزوں پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟ بعض کاغذات ایسے ہیں جن کے پرنٹ نہیں نکل سکتے بلکہ وہ بیکار ہو چکے ہیں تو کیا ان پر بھی زکوٰۃ ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں مشین پر زکوٰۃ فرض نہیں۔ کیونکہ یہ پیشہ وروں کے آلات ہیں اور آلاتِ مُحْتَرِفِیْن (پیشہ وروں کے آلات) میں زکوٰۃ نہیں ہوتی۔

دُرِّ مُخْتَار میں ہے: ''لا زكاة فی آلات المحترفين إلا ما يبقى أثر عينه كالعصفر لدبغ الجلد ففيه الزكاة، بخلاف مالا يبقى كصابون يساوی نصبا و إن حال الحول'' ترجمہ: پیشہ وروں کے اَوزار میں زکوٰۃ نہیں ہے مگر ایسی چیز خریدی جس سے کوئی کام کرے گا اور کام میں اس کا اثر باقی رہے گا جیسے چمڑا پکانے کے لئے مازو اور تیل وغیرہ اگر اس پر سال گزر گیا تو زکوٰۃ واجب ہے اور اگر وہ ایسی چیز ہے جس کا اثر باقی نہیں رہے گا جیسے صابون تو اگرچہ بقدرِ نصاب ہو اور سال گزر جائے زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔

(درمختار، صفحہ 218، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

اور مشین کے علاوہ جو بھی سامان بیچنے کی نیت سے خریدا تھا اس پر زکوٰۃ ہوگی۔ لہٰذا کاغذات، اِسٹیشنری کا سامان ان سب پر زکوٰۃ ہے۔

جیسا کہ علامہ علاؤالدین حَصْکَفِی فرماتے ہیں: ''وشرطه...... نية التجارة فی العروض، إما صريحا

ولا بد من مقارنتها لعقد التجارة ...... أو دلالة بأن يشتري عينا بعرض التجارة "ترجمہ: سامان میں زکوٰۃ کی شرط تجارت کی صراحتاً نیت کرنا ہے اور یہ نیت عقد کے وقت ہونا ضروری ہے یا دلالۃً اسطرح کہ سامانِ تجارت کے بدلے میں کوئی چیز خریدے۔ (در مختار، صفحہ 221، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

جو کاغذات بیکار ہوگئے ہیں کہ ان کے پرنٹ نہیں نکل سکتے لیکن وہ بکنے کے تو قابل ہیں اگرچہ رد‌ّی میں بکیں۔ تو ان کی قیمت کے حساب سے ان پر بھی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔ یونہی مشینوں میں استعمال ہونے والی روشنائی پر بھی زکوٰۃ ہے کہ اس کا اثر باقی رہنے والا ہے۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

10 رمضان المبارک 1428ھ 23 ستمبر 2007ء

ایک مالِ زکوٰۃ کو دوسرے سے بدلنا

فتویٰ 213
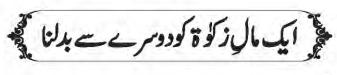
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کے پاس حاجتِ اصلیہ سے زائد 2 لاکھ روپے ہوں اور ان پر 6 ماہ گزر جانے کے بعد وہ کاروبار کی نیت سے کوئی مکان خرید لے تو سال گزرنے پر کیا اس مکان پر زکوٰۃ ہوگی؟ سائل: محمد زبیر عطاری (پی اے ایف فیصل بیس، کراچی)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سونے چاندی یا مالِ تجارت کو سال کے دوران اپنی جنس یا دوسری جنس سے بدلنے سے اس کے سال پر کوئی اثر نہیں پڑتا سال گزرنے پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوتی ہے۔ لہٰذا صورتِ مسئولہ میں تجارت کے لئے خریدے گئے مکان پر نصاب کا سال پورا ہونے پر زکوٰۃ ادا کرنا واجب ہوگی۔

فَتَاوٰی عَالَمگِیری میں ہے: "ولو استبدل مال التجارة أو النقدين بجنسها أو بغير جنسها لا يقطع حكم الحول ولو استبدل السائمة بجنسها أو بغير جنسها يقطع حكم الحول كذا في محيط السرخسي "ترجمہ: مالِ تجارت یا سونے چاندی کو درمیانِ سال میں اپنی جنس یا غیر جنس سے بدل لیا تو اس کی وجہ سے سال گزرنے میں نقصان نہ آیا اور اگر چرائی کے جانور اپنی جنس یا غیر جنس سے بدلے تو سال مُنْقَطِع ہوگیا۔ اسی طرح مُحِیطِ سَرَخْسی میں ہے۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 175، جلد1، دارالفکر بیروت)

وَ اللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحيح
عَبْدُہُ الْمُذْنِبْ فُضَیل رَضَا العطاری عَفَا عَنْہُ الْبَارِی

كتبه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد طارق رضا عطاری المدنی
19 شعبان المعظم 1428ء 02 ستمبر 2007ء

شیئرز پر زکوٰۃ کا حکم؟

فتویٰ 214

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس Engro Fertilizer Plant کے شیئرز ہیں جن کو میں نے بیچنے اور انویسٹ کی نیت سے خریدا تھا ان کی زکوٰۃ کس طرح ادا کی جائے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

کمپنی کے مال میں جس قدر آپ کا حصہ ہے اس مال کی موجودہ قیمت پر زکوٰۃ لازم ہوگی۔

امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن شیئرز کی زکوٰۃ کے متعلق فرماتے ہیں: "حصص کی قیمت شرعاً کوئی چیز نہیں بلکہ اصل کے روپے جتنے اس کے کمپنی میں جمع ہیں، یا مال میں اس کا جتنا حصہ ہے، یا منفعتِ جائزہ غیرِ ربا میں اس کا جتنا حصہ ہے اس پر زکوٰۃ لازم آئے گی۔" (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 362، جلد 17، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور نفع اگر حلال ہے جو عُموماً نہیں ہوتا تو اس پر بھی زکوٰۃ ہوگی اور اگر نفع حرام ہے تو مکمل رقم کو صدقہ کرنا ضروری ہے کہ وہ ملکِ خبیث ہے۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

ابُوالصالح محمد قاسم القادری

9 شعبان المعظم 1428ھ 23 اگست 2007ء

اُدھار بیچی گئی اَشیاء پر زکوٰۃ کیسے ہوگی؟

فتویٰ 215

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے ایک ٹرک چار لاکھ روپے میں تجارت کی نیت سے خریدا، اور اس کو دس لاکھ روپے میں بیچ دیا، اس کی ادائیگی دس ہزار روپے مہینہ کے اعتبار سے دس سال میں ہوگی۔ ہم پہلے سے صاحبِ نصاب بھی ہیں۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ ہمیں زکوٰۃ چار لاکھ یعنی قیمتِ خرید پر ادا کرنی ہوگی یا دس لاکھ روپے یعنی قیمتِ فروخت پر؟ نیز ادائیگی کا کیا طریقہ ہوگا دس سال بعد ادا کرنی ہوگی یا ابھی یا پھر کسی اور طریقے سے؟ سائل: عبدالقادر

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مُستفسَرہ میں آپ پر دس لاکھ روپے کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے، البتہ دیگر قابلِ زکوٰۃ اَموال کو بھی سامنے رکھتے ہوئے حاجتِ اَصلیہ اور قرض کی رقم مِنہا ہوگی۔ واضح رہے کہ پوچھی گئی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی نہ تو فوری طور پر واجب ہے اور نہ ہی دس سال کے بعد بلکہ ماہانہ قسط کی مد میں آپ کو جتنی رقم وصول ہوگی اس وقت اس پر زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوگی جب جب وہ نصاب کے خُمُس تک پہنچتی رہے۔

چنانچہ مَرَاقِی الْفَلاح میں ہے: ”فالقوی وھو بدل القرض و مال التجارۃ اذا قبضه و کان علی

مقر ولو مفلسا او على جاحد عليه بينة زكاه لما مضى ويتراخى وجوب الأداء إلى أن يقبض أربعين درهما ففيها درهم لأن ما دون الخمس من النصاب عفو لا زكاة فيه "ترجمہ: دَینِ قوی سے مراد وہ دَین ہے جو قرض اور ایسے مالِ تجارت کا بدل ہو جس پر قبضہ کرلیا ہو اور اس دَین کا اقرار کرنے والا ہو اگرچہ مُفلِس ہو، یا ایسے پر ہو جو دَین کا انکار کرتا ہو لیکن اس پر گواہی موجود ہو۔ اس طرح کے دَین میں گزشتہ ایّام کی زکوٰۃ بھی واجب ہے لیکن اس کی ادائیگی خُمُس نصاب پر قبضہ تک موقوف رہے گی، جب چالیس درہم (نصاب کے پانچویں حصے) پر قبضہ کرے گا تو اس میں ایک درہم کی ادائیگی واجب ہوگی کیونکہ خُمُس سے کم نصاب معاف ہے اور اس پر زکوٰۃ نہیں۔

(مراقی الفلاح مع حاشية الطحطاوی، صفحہ 715 تا 716، مطبوعہ کراچی)

حَاشِيَةُ الطَّحْطَاوِی میں ہے: "فی كل خمس بحسابه وما بين الخمس إلى الخمس عفو" ترجمہ: ہر خُمُس میں اس کے حساب سے زکوٰۃ ادا کی جائے گی جبکہ ہر دو خُمُسوں کے درمیان والی رقم پر معافی ہے۔

(حاشية الطحطاوی علی مراقی الفلاح، صفحہ 716، مطبوعہ کراچی)

سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دِین وملّت فَتاوٰی رَضَوِیَّہ شریف میں فرماتے ہیں: "جو روپیہ قرض میں پھیلا ہے اس کی بھی زکوٰۃ لازم ہے مگر جب بقدرِ نصاب یا خُمُس نصاب وصول ہو اُس وقت اَدا واجب ہوگی جتنے برس گزرے ہوں سب کا حساب لگا کر۔" (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 167، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اگر آپ پیشگی سب رقم کی زکوٰۃ ادا کرنا چاہتے ہیں تو شرعاً اس کی بھی اجازت ہے۔

چنانچہ سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دِین وملّت فَتاوٰی رَضَوِیَّہ شریف میں فرماتے ہیں: "حولانِ حَول کے بعد ادائے زکوٰۃ میں اصلاً تاخیر جائز نہیں، جتنی دیر لگائے گا گنہگار ہوگا، ہاں پیشگی دینے میں اختیار ہے کہ بتدریج دیتا رہے سالِ تمام پر حساب کرے اس وقت جو واجب نکلے اگر پورا دے چکا بہتر، اور کم گیا تو باقی فوراً اب دے، اور زیادہ پہنچ گیا تو اُسے آئندہ سال میں مُجرا لے۔" (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 202، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ
محمد سجاد العطاری المدنی
24 رجب المرجب 1431ھ 6 جولائی 2010ء

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کیا قرض لے کر زکوٰۃ نکال سکتے ہیں؟

فتویٰ 216

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ تجارت کی غرض سے خریدے ہوئے پلاٹ کی موجودہ قیمت پر زکوٰۃ واجب ہے یا جس قیمت پر اس نے خریدا ہے اس پر؟ نیز زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے اس کے پاس رقم موجود نہیں تو کیا کرے؟ سائل: محمد ثناء اللہ عطاری (گلستان جوہر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

نصاب کے سال کے اختتام پر پلاٹ کی جو قیمت بازار میں ہے اس کے حساب سے زکوٰۃ دینا ہوگی، اگر زکوٰۃ دینے کے لئے رقم نہیں تو اپنی کوئی شے بیچ کر یا قرض لے کر زکوٰۃ ادا کریں۔ لیکن قرض اسی صورت میں لیں جب کہ اس بات کا غالب گمان ہو کہ اسے ادا کردیں گے۔ اس لئے بہتر یہی ہے کہ اپنی کسی شے کو بیچ کر اُس پلاٹ کی زکوٰۃ نکالیں۔ یہ حکم زکوٰۃ کے ہر نصاب کے لئے ہے مثلاً سونا ہے یا چاندی ہے دونوں نصاب کو پہنچ چکے ہیں، نیز ان پر سال گزر چکا ہے، اور زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے روپیہ نہیں تو اس زیور کا چالیسواں حصہ زکوٰۃ میں دے۔ اور اگر یہ نہیں دینا چاہتا تو قرض لے کر دے۔

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن لکھتے ہیں: ”تجارت کی نہ لاگت پر زکوٰۃ ہے نہ صرف منافع پر، بلکہ سالِ تمام کے وقت جوزرِ منافع ہے اور باقی مالِ تجارت کی جو قیمت اس وقت بازار کے بھاؤ سے ہے اس پر زکوٰۃ ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 158، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّرِیعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ القَوِی لکھتے ہیں: ”زیور موجود ہے روپیہ موجود نہیں اور سال پورا ہو گیا ہے تو روپیہ آنے کا انتظار کرنا ضروری نہیں۔ خود اسی زیور کا چالیسواں

حصہ زکوٰۃ میں دے دے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔

(فتاویٰ امجدیہ ، صفحہ ، 378 ، جلد 1 ، مکتبہ رضویہ کراچی)

علامہ شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی لکھتے ہیں:"إذا أخر حتى مرض يؤدى سرا من الورثة، ولو لم يكن عنده مال فأراد أن يستقرض لأداء الزكاة إن كان أكبر رأيه أنه يقدر على قضائه فالأفضل الاستقراض وإلا فلا لأن خصومة صاحب الدين أشد"

(رد المحتار على الدر المختار ، صفحه 228 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بيروت)

صَدرُ الشَّرِیعَہ ، بَدرُ الطَّرِیقَہ رَحْمَۃُ اللہِ تَعالٰی عَلَیْہ اپنی کتابِ مُستَطاب بہارِ شریعت میں اس کا ترجمہ باین الفاظ کرتے ہیں: ”زکوٰۃ ادا نہیں کی تھی اور اب بیمار ہے تو وارثوں سے چھپا کر دے اور اگر نہ دی تھی اور اب دینا چاہتا ہے مگر مال نہیں جس سے ادا کرے اور یہ چاہتا ہے کہ قرض لے کر ادا کرے۔ تو اگر غالب گمان قرض ادا ہو جانے کا ہے تو بہتر یہ ہے کہ قرض لے کر ادا کرے ورنہ نہیں کہ حق العبد حق اللہ سے سخت تر ہے۔“

(بہارِ شریعت ، صفحہ 890 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد حسان رضا العطاری المدنی

18 رمضان المبارک 1428ھ 01 اکتوبر 2007ء

الجواب صحیح

عبدہٗ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

تجارتی مکان اگر کرایہ پر دے دیا تو؟

فَتوٰی 217

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو مکان بیچنے کی نیت سے خریدا لیکن اس کے گاہک ہی نہ لگ رہے تھے تو اب اسے کرائے پر دے دیا اور اس پر ایک سال گزر گیا ہے جبکہ نیت یہ ہے کہ جب اچھے گاہک ملیں گے بیچ دیں گے تو اب اس مکان پر زکوٰۃ دینی ہوگی یا فقط اس کے کرائے پر زکوٰۃ ہوگی؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

مکان بیچنے کے لئے خریدا تو یہ مالِ تجارت ہو گیا لیکن جب اسے کرائے پر دے دیا تو اب یہ مالِ تجارت نہ رہا لہٰذا اُس پر اس اعتبار سے کہ یہ مکان بیچنے کے لئے خریدا تھا زکوٰۃ واجب نہیں ہوگی البتہ اس سے حاصل ہونے والا کرایہ اگر بقدرِ نصابِ زکوٰۃ ہو یا کسی دوسرے مالِ زکوٰۃ سے مل کر نصاب تک پہنچتا ہو تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی اور اگر یہ کرایہ دَین ہو اور خود بقدرِ نصاب ہو یا کسی اور مالِ زکوٰۃ سے مل کر نصاب کو پہنچتا ہو تو بھی اس کرایہ کی مد میں حاصل ہونے والی رقم پر زکوٰۃ واجب ہوگی لیکن ادائیگی اس وقت واجب ہوگی جب نصاب کے برابر یا نصاب کا پانچواں حصہ وصول ہو جائے۔

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّمُخْتَار میں ہے: ''(و) اعلم أن الديون عند الامام ثلاثة قوی و متوسط وضعيف ف (تجب) زكاتها اذا تم نصابا وحال الحول لكن لا فوراً بل (عند قبض أربعين درهما من الدين) القوى كقرض (و بدل مال تجارة)'' ترجمہ: جان لو کہ امامِ اعظم عَلَيْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْأَكْرَم کے نزدیک دَین تین قسموں پر ہیں: قوی، متوسط اور ضعیف۔ تو زکوٰۃ واجب ہوگی جب یہ نصاب کو پہنچیں اور ان پر سال گزر جائے لیکن فوراً واجب نہیں ہوگی بلکہ دَینِ قوی میں جب 40 درہم پر قبضہ کرے تو اس میں ایک درہم دینا واجب ہوگا جیسے قرض اور مالِ تجارت کا بدل۔ (تنوير الابصار مع الدر المختار، صفحه 281، جلد 3، دار المعرفة بيروت)

سیِّدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَيْهِ رَحْمَةُ الرَّحْمٰن "جَدُّ الْمُمْتَار" میں رقمطراز ہیں:

''قال: أی: "الدرّ": كقرض وبدل مال تجارة...... إلخ لفظ "الخانية": (الديون ثلاثة: دين قوى وهو بدل مال التجارة و القرض...... إلخ (فالكاف للاستقصاء، أما قول الزاهدى كما نقل فى "الهندية": (قویّ: وهو ما يجب بدلا عن سلع التجارة) اهـ. فتقصير. ومن ذلك أجرة ما كان للتجارة، كدار أو عبد شراهما للتجارة، ثم آجرهما، فإنهما بالإجارة خرجا من التجارة لكن أجرتهما يكون من القوى، و يعد كثمن مال التجارة فى الصحيح، كما

فی "الخانیة"''ترجمہ:''دُر''میں فرمایا: دَینِ قوی قرض اور مالِ تجارت کا بدل ہے......الخ۔خانیہ کے الفاظ یہ ہیں: دین کی تین قسمیں ہیں: دَینِ قوی وہ قرض اور مالِ تجارت کا بدل ہے......الخ۔''کاف''اِستِقصَاء کے لئے ہے(یعنی دُرِّمُختَار کی عبارت میں جو کاف ہے یہ اس تمام کے احاطہ کے لئے ہے،جس پر یہ داخل ہے یعنی قرض اور مالِ تجارت کے بدل کے علاوہ کوئی چیز دَینِ قوی نہیں) جبکہ زاہدی کا قول جیسا کہ''ہندیہ''میں نقل کیا گیا ہے: قوی وہ ہے جو سامانِ تجارت کے بدلے واجب ہو۔تو اس میں تقصیر ہے(کیونکہ دَینِ قوی میں یہاں قرض کو ذکر نہیں کیا گیا)۔اور دَینِ قوی سے ہے اس چیز کی اُجرت جو تجارت کے لئے ہے، جیسے گھر یا غلام جسے اس نے تجارت کے لئے خریدا پھر انہیں کرایہ پر دے دیا تو یہ (مکان اور غلام) کرایہ پر دینے کی وجہ سے مالِ تجارت سے خارج ہو گئے لیکن ان کی اُجرت دَینِ قوی ہوگی اور صحیح قول کے مطابق اسے مالِ تجارت کے ثمن کی طرح شمار کیا جائے گا جیسا کہ خانیہ میں ہے۔

(جد الممتار علی رد المحتار، صفحہ 147، جلد 3، مکتبۃ المدینہ)

فَتَاوٰی قَاضِی خَان میں ہے:"و لو اشتری الرجل دارا أو عبدا للتجارة، ثم أجره يخرج من أن يكون للتجارة لأنه لما آجر فقد قصد المنفعة" ترجمہ: اگر کسی شخص نے گھر یا غلام تجارت کے لئے خریدا پھر اسے کرایہ پر دے دیا تو یہ (مکان اور غلام) مالِ تجارت ہونے سے خارج ہو جائیں گے کیونکہ جب اس نے انہیں کرایہ پر دے دیا تو منفعت کا ارادہ کیا۔

(فتاوی قاضی خان علی ہامش الہندیہ، صفحہ 351، جلد 1، دارالفکر بیروت)

فَتَاوٰی تَاتَارْ خَانِیَہ میں ہے:"ولو اشترى الرجل عبدا للتجارة، ثم آجره يخرج من أن يكون للتجارة لأنه لما آجره فقد قصد المنفعة" ترجمہ: اگر کسی شخص نے غلام تجارت کے لئے خریدا پھر اسے کرایہ پر دے دیا تو یہ (غلام) مالِ تجارت ہونے سے خارج ہو جائے گا کیونکہ جب اس نے اسے کرایہ پر دے دیا تو منفعت کا ارادہ کیا۔

(فتاوی تاتارخانیہ، صفحہ 169، جلد 3، مطبوعہ کوئٹہ)

خُلاصَةُ الْفَتَاوٰی میں ہے:"لو اشترى جارية أو عبدا للتجارة فآجره يخرج من أن يكون للتجارة و كذا فی الدار لو آجرها" ترجمہ: اگر کسی نے باندی یا غلام بیچنے کے لئے خریدا پھر اسے کرایہ پر دے دیا تو یہ مالِ تجارت سے نکل جائے گا اسی طرح گھر (جسے بیچنے کے لئے خریدا پھر) کرایہ پر دے دیا (تو مالِ

تجارت نہیں رہے گا)۔ (خلاصۃ الفتاوی، صفحہ 240، جلد 1، مطبوعہ کوئٹہ)

سیّدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: جو روپیہ قرض میں پھیلا ہے اس کی بھی زکوٰۃ لازم ہے مگر جب بقدرِ نصاب یا خُمس نصاب وصول ہوا اُس وقت ادا واجب ہوگی جتنے برس گزرے ہوں سب کا حساب لگا کر۔ (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 167، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُالشَّریعَہ، بَدرُالطَّریقَہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی فرماتے ہیں: جو مال کسی پر دَین ہو اس کی زکوٰۃ کب واجب ہوتی ہے اور ادا کب اس میں تین صورتیں ہیں۔ اگر دَینِ قوی ہو جیسے قرض جسے عرف میں دستگرداں کہتے ہیں اور مالِ تجارت کا ثمن مثلاً کوئی مال اُس نے بہ نیّتِ تجارت خریدا اُسے کسی کے ہاتھ اُدھار بیچ ڈالا یا مالِ تجارت کا کرایہ مثلاً کوئی مکان یا زمین بہ نیّتِ تجارت خریدی اُسے کسی کو سکونت یا زراعت کے لئے کرایہ پر دے دیا یہ کرایہ اگر اُس پر دَین ہے تو دَینِ قوی ہوگا اور دَینِ قوی کی زکوٰۃ بحالتِ دَین ہی سال بہ سال واجب ہوتی رہے گی مگر واجبُ الْاَدا اُس وقت ہے جب پانچواں حصہ نصاب کا وصول ہو جائے مگر جتنا وصول ہوا اُتنے ہی کی واجبُ الْاَدا ہے یعنی چالیس درہم وصول ہونے سے ایک درہم دینا واجب ہوگا اور اَسّی (80) وصول ہوئے تو دو، وَعَلٰی ھٰذَا الْقِیَاس۔ (بہارِشریعت، ص 905 تا 906، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد طارق رضا عطاری المدنی

05 رمضان المبارک 1432ھ 06 اگست 2011ء

الجواب صحیح

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

شریعت نے مالِ نامی ہی پر زکوٰۃ فرض کیوں کی؟

فتویٰ 218

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مکتبۃ المدینہ کی مطبوعہ

بہارِ شریعت جلد 1، صفحہ 882، پر مسئلہ نمبر 33 میں زکوٰۃ کے وُجُوب کی شرائط میں لکھا ہے: ''مالِ نامی ہونا یعنی بڑھنے والا خواہ حقیقتاً بڑھے یا حُکماً یعنی اگر بڑھانا چاہے تو بڑھائے۔''

مذکورہ بالا عبارت کی رُو سے تو زمین جو کہ کسی کی مِلک ہو یا ایسی جائیداد ہو جس کی قیمت بڑھتی رہتی ہے مالِ نامی کہلائیں گے اور ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہونی چاہئے اسی طرح وہ مکان جن میں سکونت اختیار کی جائے مگر ان کی قیمت بھی بڑھتی ہو یعنی ان میں حُکماً ''نمو'' ہوتا ہے ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہونی چاہئے۔ مدلل جواب مع حوالہ بیان کریں۔

سائل: حسن عطاری (گلستان جوہر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

آپ کے سوال کا جواب دینے سے پہلے ہم یہ بیان کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ شریعتِ مُطَہَّرہ نے نمو کی شرط کیوں رکھی ہے، تو اس کی وجہ یہ ہے کہ زکوٰۃ نکالنے میں آسانی اور رخصت دینے کے لئے یہ شرط بیان کی گئی ہے کہ ہر چیز کے بجائے نمو والی چیزوں پر زکوٰۃ کا حکم دینے کا مطلب ہے کہ ہزاروں لاکھوں چیزوں کو زکوٰۃ سے مستثنیٰ قرار دے دیا گیا۔ یہ یقینی طور پر شریعت کی طرف سے بندگانِ خدا پر رخصت اور آسانی ہے۔

پھر نمو والی اَشیاء کے انتخاب کی وجہ یہ ہے جیسا کہ امام ابنِ ہُمام صاحب فتح القدیر عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَدِیْر نے بیان کیا جو کہ ہم آگے ذکر کریں گے کہ بندہ صرف فاضل اور زائد چیز پر زکوٰۃ نکالے، تجارت میں ہر سال اضافہ ہوتا ہے چُرائی کے جانوروں میں ہر سال اضافہ ہوتا ہے اس اضافہ کی بنیاد پر انسان اپنی ضرورت بآسانی پوری کرنے کے ساتھ ساتھ آسانی سے زکوٰۃ بھی نکال سکتا ہے۔

اب رہا آپ کا یہ سوال کہ جائیداد جس کی قیمت روز بروز بڑھتی ہے اگرچہ وہ غیر تجارتی ہو تو وہ نمو میں شمار کیوں نہیں ہوتی اور اس پر زکوٰۃ کیوں نہیں ہوتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ نمو کے لغوی معنیٰ اگرچہ بڑھنا ہے اور بڑھنا دو طرح سے ہوتا ہے ایک یہ کہ چیز میں اضافہ ہوتا جائے، دوسرا یہ کہ اس کے ریٹ اور ویلیو میں اضافہ ہوتا چلا جائے ایک طائرانہ نظر ڈالنے پر تو انسانی عقل یہی کہتی ہے کہ دونوں صورتیں ہی نمو میں شامل کی جانی چاہیے تھیں لیکن فقہا نے نمو کی

جو حقیقت بیان کی ہے اس پر غور کیا جائے تو یہ مسئلہ واضح ہو جاتا ہے کہ فقہا نے صرف ان چیزوں کو نمو میں لیا ہے جو بذاتِ خود بڑھتی ہیں، ریٹ بڑھ جانے والی اَشیاء بھی نمو میں شمار ہوں اس کا اعتبار نہیں کیا گیا۔

شریعت کی تعلیمات اور زکوٰۃ کے جو مقاصدِ شَرعِیَّہ ہیں ان کی رُو سے صرف چند اَشیاء ہیں جن کی تعداد اور مقدار میں اضافہ مقصود ہوتا ہے یہ درج ذیل ہیں۔

﴿1﴾ مالِ تجارت

﴿2﴾ چَرائی کے جانور

﴿3﴾ نقود یعنی سونا، چاندی، کرنسی اور پرائز بانڈ

﴿4﴾ پھل اور کھیتی

﴿5﴾ زمین سے نکلنے والا خزانہ۔

یہ وہ اَشیاء ہیں جن پر زکوٰۃ یا عُشر یا پھر خُمُس لازم آتا ہے اور اس کا سبب ہے ان کا مالِ نامی ہونا۔ سوال کا تعلق چونکہ زکوٰۃ سے ہے اس لئے ہم 4 اور 5 نمبر میں شامل اَشیاء کی تفصیل بیان نہیں کریں گے صرف زکوٰۃ کے دائرے میں آنے والی اَشیاء کی وضاحت کریں گے۔ پس زکوٰۃ میں اصل تو مالِ نامی دو ہی ہیں جو خود بالفعل بڑھتے ہیں ایک مالِ تجارت اور دوسرا چَرائی کے جانور۔ یوں سمجھئے کہ ایک تاجر چھوٹی سی دکان لے کر آغاز کرتا ہے کچھ عرصہ بعد بڑی دکان میں بھی اتنا سامان ہو جاتا ہے کہ رکھنے کو جگہ نہیں ہوتی۔ تجارت کا مقصد بھی یہی ہوتا ہے تو یہ مقدار اور تعداد میں اضافہ ہونا ہے ایسی ہی کیفیت کو بالفعل اضافہ کہتے ہیں۔ یونہی چَرائی کے جانوروں کا مقصود بھی افزائش نسل ہوتا ہے چند جانوروں کو لے کر ایک چرواہا یا کسان آغاز کرتا ہے اور دیکھتے ہی دیکھتے اتنے ہو جاتے ہیں کہ رکھنے کو جگہ بھی نہیں ہوتی۔ تو نمو کی جو ماہیّت فقہا نے بیان کی وہ ان دو چیزوں میں واضح ہو کر پائی گئی۔

البتہ سونا چاندی اور آج کے دَور میں کرنسی اور پرائز بانڈ وہ اَشیاء ہیں جن سے خود نفع اٹھانا مقصود نہیں ہوتا یعنی کوئی سونا چاندی یا کرنسی جیب میں رکھ کر زندہ نہیں رہ سکتا زندگی اور معیشت ان کو خرچ کر کے اپنی ضروریات حاصل کر کے ہی گزاری جاسکتی ہے، تو گویا کہ نقود یا ثَمَن یا کرنسی وہ چیزیں ہیں جن کے ذریعے نفع بخش اَشیاء کا حصول مقصود ہے گویا کہ

ان اَشیاء کا مقصود ہی تجارت ہے اس لئے ان کو بھی مالِ تجارت کے حکم میں لیتے ہوئے باعثِ نمو قرار دیا گیا۔

امام ابن ہُمام رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فَتْحُ الْقَدِیْر میں شرطِ نمو کی حکمت کو بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

"(قوله ولأنه الممكن من الاستنماء) بيان لحكمة اشتراط الحول شرعا، وحقيقته أن المقصود من شرعية الزكاة مع المقصود الأصلى من الابتلاء مواساة الفقراء على وجه لا يصير هو فقيرا بأن يعطى من فضل ماله قليلا من كثير، والإيجاب فى المال الذى لا نماء له أصلا يؤدى إلى خلاف ذلك عند تكرر السنين خصوصا مع الحاجة إلى الإنفاق، فشرط الحول فى المعد للتجارة من العبد أو بخلق الله تعالى إياه لها ليتمكن من تحقيقها فى الوجود فيحصل النماء المانع من حصول ضد المقصود، وقولهم فى النقدين خلقا للتجارة معناه أنهما خلقا للتوسل بهما إلى تحصيل غيرهما، وهذا لأن الضرورة ماسة فى دفع الحاجة والحاجة فى المأكل والمشرب والملبس والمسكن وهذه غير نفس النقدين، وفى أخذها على التغالب من الفساد ما لا يخفى، فخلق النقدان لغرض أن يستبدل بهما ما تندفع الحاجة بعينه بعد خلق الرغبة بهما فكانا للتجارة خلقة" ترجمہ: مصنف اپنے اس قول (لأنه الممكن من الاستنماء) سے شریعت کی طرف سے لگائی گئی سال گزرنے کی شرط کی حکمت کا بیان کررہے ہیں کیونکہ زکوٰۃ کی مشروعیت کا مقصودِ اصلی فقرا کی غمخواری کرنا ہے اس طرح کہ کثیر مال میں جو اضافہ ہوتا ہے اس میں سے کچھ فقیر کو دے دیا جائے۔ تو وہ مال جس میں اصلاً نمو کی صلاحیت نہ ہو اس میں زکوٰۃ کی ادائیگی کو لازم قرار دینا اس حکمت کے خلاف ہے کیونکہ جب نمو نہیں پایا جائے گا تو کچھ سال گزرنے کے ساتھ ہی اس میں کمی واقع ہوگی (یعنی زکوٰۃ نکالنا دشوار ہو جائے گا اور اس کے مال میں مسلسل کمی واقع ہوتی رہے گی) خصوصاً اس وقت جب اسے خرچ کرنے کی حاجت ہو۔ اسی بنا پر وہ اَموال جنہیں بندوں نے تجارت کے لئے منتخب کیا ہو یا وہ مال جسے اللہ تعالیٰ نے خلقی طور پر تجارت کے لئے مختص کیا یعنی نقود، ان میں سال گزرنے کی بھی شرط زکوٰۃ نکالنے میں آسانی کے لئے ہے۔

سونا چاندی کے بارے میں فقہا کا یہ فرمانا کہ ان کی تخلیق تجارت کے لئے کی گئی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ

ان دونوں کی تخلیق اس لئے کی گئی ہے تاکہ ان کے ذریعے سے دیگر ضروری اُشیاء حاصل کی جائیں اور یہ اس لئے ہے کہ ضرورت حاجت کو دور کرنے کے لئے ہوتی ہے اور کھانے، پینے، پہننے اور رہنے کے لئے انسان کو مختلف چیزوں کی حاجت ہے اور یہ تمام حاجتیں سونا چاندی کے علاوہ چیزوں سے ہی پوری ہوتی ہیں اور ان چیزوں کو بغیر رقم کے لینا غصب اور ظلم ہے۔ اور اصل حل یہی مقرر کیا گیا کہ ضرورت کی اُشیاء نقود یعنی سونا چاندی (یا کرنسی) کے بدلے لی جائیں۔ تو ثابت یہ ہوا کہ سونا چاندی بھی اپنی وضع اور تخلیق کے اعتبار سے مالِ تجارت ہی ہیں۔

(فتح القدیر، صفحہ 113، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

حضرت علامہ علاؤالدین بن مسعود کاسانی حنفی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی بدائع الصنائع میں لکھتے ہیں: "ومنها كون المال ناميا لأن معنى الزكاة وهو النماء لا يحصل إلا من المال النامی ولسنا نعنی به حقيقة النماء لأن ذلك غير معتبر وإنما نعنی به كون المال معدا للاستنماء بالتجارة أو بالإسامة لأن الإسامة سبب لحصول الدر والنسل والسمن والتجارة سبب لحصول الربح فيقام السبب مقام المسبب وتعلق الحكم به كالسفر مع المشقة والنكاح مع الوطء والنوم مع الحدث ونحو ذلك" ترجمہ: زکوٰۃ واجب ہونے کی شرائط میں سے ایک شرط مال کا نامی ہونا بھی ہے کیونکہ زکوٰۃ کا معنی ہی بڑھنا ہے اور یہ معنی مالِ نامی میں ہی حاصل ہوتے ہیں اور نمو سے ہماری مراد حقیقی نمو نہیں کیونکہ یہ تو غیر معتبر ہے بلکہ اس سے مراد کسی مال کو تجارت یا اِسامت یعنی جانوروں کی افزائش کے ذریعے بڑھنے کے لئے رکھنا ہے کیونکہ اِسامت یعنی جانوروں کا چرنا، دودھ، افزائش نسل اور فربہ ہونے کا سبب ہے اور تجارت نفع حاصل کرنے کا سبب ہے تو یہاں اصل میں سبب کو مُسَبَّب کے قائم مقام قرار دے کر حکم کو سبب سے متعلق کر دیا جیسے سفر مشقت کا، نکاح وطی کا اور نیند وضو ٹوٹنے کا سبب ہے۔

مزید فرماتے ہیں: "أن الزكاة عبارة عن النماء وذلك من المال النامی على التفسير الذی ذكرناه وهو أن يكون معدا للاستنماء وذلك بالإعداد للإسامة فی المواشی والتجارة فی أموال التجارة إلا أن الإعداد للتجارة فی الأثمان المطلقة من الذهب والفضة ثابت بأصل

الخلقة لأنها لا تصلح للانتفاع بأعيانها فی دفع الحوائج الأصلية فلا حاجة إلى الإعداد من العبد للتجارة بالنية إذ النية للتعيين وهی متعينة للتجارة بأصل الخلقة فلا حاجة إلى التعيين بالنية فتجب الزكاة فيها نوى التجارة أو لم ينو أصلا أو نوى النفقة وأما فيما سوى الأثمان من العروض فإنما يكون الإعداد فيها للتجارة بالنية لأنها كما تصلح للتجارة تصلح للانتفاع بأعيانها بل المقصود الأصلی منها ذلك فلا بد من التعيين للتجارة وذلك بالنية وكذا فی المواشی لا بد فيها من نية الإسامة لأنها كما تصلح للدر والنسل تصلح للحمل والركوب واللحم فلا بد من النية "ترجمہ: زکوٰۃ نمو سے عبارت ہے اور یہ مالِ نامی پر نکالی جائے گی جس کی تفسیر ہم ذکر کر چکے ہیں اور یہ وہ مال ہے جو بڑھنے کے لئے ہو اور یہ بڑھنا تعداد کے طور پر چَرائی کے جانوروں میں ہوتا ہے اور تجارت کے طور پر مالِ تجارت میں، مگر اَثمانِ مطلقہ یعنی سونا چاندی میں اصل خِلقت کے اعتبار سے ہی تجارت ثابت ہے کیونکہ سونا چاندی اس بات کی صلاحیت نہیں رکھتے کہ حوائج اَصلیہ پوری کرنے کے لئے بعینہٖ ان سے نفع اٹھایا جائے تو ان دونوں چیزوں میں بندوں کی طرف سے تجارت کرنے کی نیت کرنے کی کوئی حاجت نہیں کیونکہ نیت کسی شے کو مُتعیَّن کرنے کے لئے ہوتی ہے اور سونا چاندی تو اصل خِلقت کے اعتبار سے ہی تجارت کے لئے مُتعیَّن ہیں لہٰذا انہیں نیت کے ذریعے مُتعیَّن کرنے کی کوئی حاجت نہیں بلکہ ان میں مطلقاً زکوٰۃ واجب ہے چاہے تجارت کی نیت ہو یا نہ ہو چاہے انہیں خرچ کرنے کی نیت ہو۔ جبکہ نقدی کے علاوہ دیگر چیزوں میں زکوٰۃ واجب ہونے کے لئے تجارت کی نیت ہونا ضروری ہے کیونکہ جس طرح یہ چیزیں تجارت کی صلاحیت رکھتی ہیں اسی طرح اس بات کی بھی صلاحیت رکھتی ہیں کہ ان سے بعینہٖ نفع اٹھایا جائے بلکہ ان کا مقصودِ اصلی ہی یہ ہے۔ تو انہیں تجارت کے لئے مُتعیَّن کرنا ضروری ہے اور یہ تعیین نیت سے ممکن ہے۔ اسی طرح جانوروں میں بھی چَرائی کی نیت ہونا ضروری ہے کیونکہ جس طرح جانور افزائشِ نسل کی صلاحیت رکھتے ہیں اسی طرح اس بات کی بھی صلاحیت رکھتے ہیں کہ ان پر سامان لادا جائے یا سواری کی جائے یا انہیں ذبح کر کے گوشت حاصل کیا جائے لہٰذا نیت کے ذریعے انہیں بھی مُتعیَّن کرنا ضروری ہے۔ (بدائع الصنائع صفحہ 91 تا 92، جلد 2، داراحیاء التراث العربی بیروت)

پس زکوٰۃ کے باب میں ان تین چیزوں کے علاوہ جتنی بھی اَشیاء ہیں ان کے ریٹ خواہ کتنے ہی بڑھتے ہوں ان میں نمو کا اعتبار نہیں کیا جائے گا، تو آپ نے زمین کے متعلق جو اِشکال ذکر کیا کہ اسے مالِ نامی میں شامل کیوں نہیں کیا گیا یہ اُوپر بیان کی گئی تفصیل سے واضح ہو چکا کہ بالفعل بڑھنے والی اَشیاء ہی مالِ نامی کے تحت آتی ہیں فقہائے کرام کی تحقیق کے مطابق ویلیو اور قیمت کا بڑھ جانا ایسا وصف نہیں جو اُس شے کو مالِ نامی بنادے۔

البتہ غیرِ نامی اَشیاء دو قسم کی ہیں ایک وہ جو ضرورت اور حاجت کے لئے ہوں جیسا کہ رہنے کے گھر، پیشہ وروں کے آلات، سواری کے جانور یا گاڑیاں۔ اور دوسری قسم وہ جو زائد اَز حاجت ہوں جیسا کہ غیر تجارتی پلاٹ و جائیداد جو کہ ضرورت و حاجت سے زائد ہو یونہی حاجت سے زائد اَثاثہ جات۔ کسی شخص کی اضافی آمدنی و دولت اور اس کے غنی ہونے یا نہ ہونے میں دوسری قسم کا اعتبار کیا جاتا ہے، دوسری قسم کی بنا پر اگر کوئی شخص غنی ہو تو زکوٰۃ نہیں لے سکتا اگرچہ یہ ضروری نہیں کہ اس پر زکوٰۃ فرض ہو یوں سرے سے زائد جائیداد اور اثاثہ جات کا اعتبار نہ کیا گیا ہو ایسا بھی نہیں۔

یاد رہے کہ بعض صورتوں میں وہ مال کہ جس کو مالِ نامی مانا گیا تھا اس سے نمو کا حکم اٹھ جاتا ہے اور زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی چنانچہ بیان کی گئی تین اَشیاء میں سے کوئی ایک مال مالک کی مِلکیّت میں تو ہو لیکن کسی ایسے کے قبضہ میں چلا جائے جس سے واپس آنے کی اُمید ہی نہ ہو تو اپنی اصل کے اعتبار سے اگرچہ یہ مال، مالِ نامی ہی کہلاتا ہے لیکن اب اس مال پر جسے فقہا ''ضمار'' سے تعبیر کرتے ہیں زکوٰۃ نہ ہوگی۔ یونہی یہ دو اَشیاء تجارت میں اور سائمہ جانور افزائشِ نسل میں مشغول ہوں تو ایسا نمو حقیقی نمو کہلائے گا اور اگر ایسا ہے کہ مالک یا اس کے نمائندہ کے قبضہ میں ہے کہ اگر وہ بڑھانا چاہے تو بڑھا سکے اسے تقدیری نمو کہیں گے۔ ان دونوں صورتوں میں زکوٰۃ ہوگی۔

چنانچہ حضرت علامہ ابنِ نُجیم مصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ''النماء فی الشرع: ھو نوعان، حقیقی، و تقدیری؛ فالحقیقی الزیادۃ بالتوالد و التناسل والتجارات، والتقدیری تمکنہ من الزیادۃ بکون المال فی یدہ أو ید نائبہ فلا زکاۃ علی من لم یتمکن منھا فی مالہ کمال الضمار و ھو الغائب الذی لا یرجی فاذا رجی فلیس بضمار ''یعنی شریعت میں نمو کی دو قسمیں ہیں، حقیقی اور تقدیری۔ حقیقی سے مراد توالد و تناسل اور تجارت کے ذریعے مال میں زیادتی ہونا ہے جبکہ تقدیری سے مراد مال کا اس

کے یا نائب کے قبضے میں ہونا ہے کہ اسے بڑھانا چاہے تو بڑھائے۔لہٰذا جس مال میں یہ نمو ممکن نہ ہو اس پر زکوٰۃ نہیں جیسا کہ مالِ ضمار یعنی وہ غائب مال جس کی واپسی کی امید نہ ہو۔

(بحر الرائق ، صفحہ 362 ، جلد 2 ، مطبوعہ کوئٹہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــہ

اَبُوْ مُحَمَّدْ عَلی اصغر العطارِی المدنی

8 رجب المرجب 1433ھ 30 مئی 2012ء

بلڈر فلیٹس کی زکوٰۃ کیسے دے گا؟

فتویٰ 219

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم لوگ بلڈر ہیں، زمین خرید کر اس پر پلازہ تعمیر کرتے ہیں۔ یہ زمین ہم حکومت یا پرائیویٹ اِداروں سے قسطوں پر خریدتے ہیں اس نیت سے کہ فلیٹ بنا کر بیچیں گے، ہم تعمیر کرنے کے بعد فلیٹ بیچتے جاتے ہیں ان سے آنے والی رقم سے جو ہم پر قسطیں ہوتی ہیں ان کو ادا کرتے ہیں۔ جو بلڈنگ پلازہ ہم بناتے ہیں اس میں جو فلیٹ سیل (Sale) ہو جاتے ہیں ان کی مکمل رقم ہمیں ایک ساتھ حاصل نہیں ہوتی، کسٹمر مختلف اَقساط میں رقمیں ادا کرتے ہیں، ان آنے والی اَقساط سے ہم مزید تعمیرات کرتے ہیں زمین کی قیمت جو ہم پر اُدھار ہوتی ہے ادا کرتے ہیں۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ زمین جس پر ہم نے پلازہ بنایا ہے اس میں جو فلیٹ فروخت ہو گئے اس کی زکوٰۃ کس پر ہے؟ اس فلیٹ سے جو رقم ہمیں حاصل نہیں ہوئی مثلاً کسٹمر نے آدھی رقم ادا کر دی ہے آدھی نہیں کی تو جو آدھی رقم ادا نہیں کی اس کی زکوٰۃ ہم پر ہوگی یا گاہک پر؟

سائل: نعیم الدین (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

بلڈرز جو فلیٹس یا پلازہ بناتے ہیں ان کی عمومی طور پر تین صورتیں ہوتی ہیں: ﴿1﴾ ابھی صرف خالی زمین

ہے۔ ﴿2﴾ انڈر کنسٹرکشن ہے۔ ﴿3﴾ تعمیرات مکمل ہوچکی ہے۔

لہٰذا نصاب کے ہجری سال کے مکمل ہونے پر جو صورت پائی جائے گی اس کے اعتبار سے زکوٰۃ فرض ہو جائے گی، اگر ابھی صرف خالی زمین ہے تو تکمیل سال پر اس خالی زمین کی جو مارکیٹ ویلیو ہوگی اس کے اعتبار سے زکوٰۃ فرض ہو جائے گی، اور اگر ابھی انڈر کنسٹرکشن ہے تو زمین اور جو ڈھانچہ کھڑا ہو چکا ہے اس کی مارکیٹ ویلیو اور خام مال مثلاً سیمنٹ، بلاکس اور سریا وغیرہ کی بازاری قیمت کے اعتبار سے زکوٰۃ فرض ہوگی، یونہی اگر فلیٹس یا پلازہ مکمل ہو چکا ہے تو اس کی مارکیٹ ویلیو کے اعتبار سے زکوٰۃ فرض ہوگی، اور سال مکمل ہونے تک جو فلیٹ یا زمین کا حصہ فروخت ہو گیا وہ آپ کی مِلک سے نکل گیا اس کی زکوٰۃ آپ پر واجب نہیں، اس کے علاوہ جو فلیٹ یا زمین کا حصہ آپ کی مِلک میں ہے اس کی زکوٰۃ دینی ہوگی۔ یہ یاد رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے تینوں صورتوں میں مارکیٹ ویلیو کا اعتبار ہوگا قیمتِ خرید یا قیمتِ فروخت کا اعتبار نہیں ہوگا۔

قُدُورِی میں ہے: "الزّکاۃ واجبۃ فی عروض التجارۃ کائنۃً ما کانت إذا بلغت قیمتھا نصابًا من الورق أو الذّھب "**یعنی** سامانِ تجارت جو بھی ہو اس میں زکوٰۃ واجب ہے جب اس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب کو پہنچ جائے۔ (المختصر القدوری، صفحہ 85، مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی)

فَتَاوىٰ عَالَمگِيرِی میں ہے: "و أما اذا کان یبقی أثرھا فی المعمول کما لو اشتری الصباغ عصفراً أو زعفراناً لیصبغ ثیاب الناس بأجر و حال علیہ الحول کان علیہ الزکاۃ اذا بلغ نصاباً و کذا کل من ابتاع عیناً لیعمل بہ و یبقی أثرہ فی المعمول کالعفص والدھن لدبغ الجلد فحال علیہ الحول کان علیہ الزکاۃ "**یعنی** جب عمل کی گئی شے میں اس کا اثر باقی رہے جیسا کہ رنگریز نے پیلا رنگ یا زعفران لوگوں کے کپڑے اُجرت پر رنگنے کے لئے خریدا اور اس پر کامل سال گزر گیا تو اس پر زکوٰۃ ہوگی جب وہ نصاب کو پہنچے اور ایسے ہی ہر وہ جو عمل کرنے کے لئے عین چیز خریدے اور اس کا اثر عمل کی گئی شے میں باقی رہے جیسے چمڑا رنگنے کے لئے مازو یا تیل، پھر اس پر ایک سال گزر گیا تو اس پر زکوٰۃ ہوگی۔
(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 172، جلد 1، دار الفکر بیروت)

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''تجارت کی نہ لاگت پر زکوٰۃ ہے نہ صرف منافع پر، بلکہ سالِ تمام کے وقت جو زرِ منافع ہے اور باقی مالِ تجارت کی جو قیمت اس وقت بازار کے بھاؤ سے ہے اُس پر زکوٰۃ ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 158 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

چنانچہ صورتِ مَسْئُولہ میں جو فلیٹ فروخت ہوگیا اس کی زکوٰۃ آپ پر نہیں البتہ جس نے فلیٹ خریدا ہے اس نے اگر آگے بیچنے کی نیت سے خریدا ہے تو مالِ تجارت بن جانے کی وجہ سے اُس پر اس کی زکوٰۃ ہے ورنہ نہیں۔ نیز تکمیل سال پر جو فلیٹس یا زمین کا حصہ آپ کی مِلک میں باقی ہے اور جو رقم آپ کسٹمرز سے حاصل کر چکے ہیں اور وہ آپ کے ہاتھ میں موجود ہے یونہی جو رقم کسٹمرز سے قسطوں کی صورت میں وصول کرنی ہے، ان سب کا مجموعہ حاصل کرنے کے بعد جو رقم آپ پر قرض ہے اسے اس میں سے مِنْہا کر کے باقی جو رقم بچے گی اس کی زکوٰۃ آپ پر واجب ہوگی، مثلاً فلیٹس تعمیر کر کے بیچنے کے لئے ایک جگہ آپ نے دس لاکھ روپے میں قسطوں پر خریدی، جب سال مکمل ہوا تو تعمیر مکمل ہو کر اس جگہ پر کل چالیس فلیٹس تعمیر ہو چکے تھے جن میں سے دس فروخت ہو گئے تھے اور تیس فلیٹس آپ کی مِلک میں باقی تھے۔ ان فلیٹس کی مارکیٹ ویلیو فی فلیٹ پانچ لاکھ روپے تھی لیکن کسٹمرز کو دس لاکھ روپے فی فلیٹ کے حساب سے قسطوں میں فروخت کئے تھے یعنی دس فلیٹس کل ایک کروڑ روپے میں فروخت ہوئے تھے۔ جس میں بیس لاکھ وصول پا چکے ہیں اور آپ کے ہاتھ میں موجود ہیں جبکہ اَسّی لاکھ روپے کسٹمرز کے ذِمّہ پر دَین ہیں اور فلیٹس تعمیر کرنے کے لئے جو جگہ آپ نے دس لاکھ روپے میں قسطوں میں خریدی تھی اس میں سے دو لاکھ روپے آپ نے ادا کر دیئے تھے اور آٹھ لاکھ روپے آپ کے ذِمّہ پر باقی ہیں۔ اس کی صورت کچھ یوں بنے گی:

جو رقم آپ کے ہاتھ میں ہے	20,00,000=
آپ کی مِلک میں موجود تیس فلیٹس کی مارکیٹ ویلیو کے اعتبار سے قیمت	1,50,00,000=
کسٹمرز سے جو رقم وصول کرنی ہے	80,00,000=
ٹوٹل رقم	2,50,00,000=
آپ پر قرض	(-)8,00,000=
قابلِ زکوٰۃ رقم	2,42,00,000=

لہٰذا مذکورہ صورت میں آپ نے دو کروڑ بیالیس لاکھ روپے کی زکوٰۃ کرنی ہے البتہ جو رقم کسٹمرز سے وصول کرنی ہے اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی عَلَی الفَوْر واجب نہیں ہوگی بلکہ جب کم از کم نصاب کا پانچواں حصہ یا اس سے زائد وصول ہو جائے تب اس کی زکوٰۃ کی ادائیگی واجب ہوگی اور اتنے ہی کی ادائیگی واجب ہوگی جتنے وصول ہوئے اور وصول ہونے میں جتنے سال گزرے ان سابقہ سالوں کی بھی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی۔

دُرِّمُختَار میں ہے: ''أن الديون عند الامام ثلاثة قوى ومتوسط وضعيف فتجب زكاتها اذا تم نصابا وحال الحول لكن لا فورا بل عند قبض أربعين درهما من الدين القوى كقرض وبدل مال تجارة فكلما قبض أربعين درهما يلزمه درهم'' یعنی امام اعظم رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہ کے نزدیک دُیُون تین طرح کے ہیں قوی، مُتَوَسِّط اور ضعیف۔ پس جب نصاب مکمل ہوا اور سال گزر جائے تو زکوٰۃ واجب ہوگی لیکن عَلَی الفَوْر ادائیگی واجب نہیں ہوگی بلکہ دَین قوی جیسے قرض اور مالِ تجارت کے بدل میں سے چالیس درہم پر قبضہ کرنے کے بعد واجب ہوگی لہٰذا جب جب چالیس درہم پر قبضہ کرے گا اس پر ایک درہم زکوٰۃ کا دینا لازم ہوگا۔ (درمختار، صفحہ 281، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

صَدرُالشَّرِیعَہ، بَدرُالطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ لکھتے ہیں: ''دَین قوی کی زکوٰۃ بحالتِ دَین ہی سال بسال واجب ہوتی رہے گی، مگر واجبُ الاَدا اُس وقت ہے جب پانچواں حصہ نصاب کا وصول ہو جائے، مگر جتنا وصول ہوا اُتنے ہی کی واجبُ الاَدا ہے۔

(بہارِ شریعت، صفحہ 906، جلد 1، مکتبة المدينه)

البتہ آسانی اسی میں ہے کہ سال بسال دیگر اَموال کے ساتھ اس کی بھی زکوٰۃ ادا کرتے جائیں کہ بعد میں حساب و کتاب میں دشواری ہوتی ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــه

محمد نوید رضا العطاری المدنی

14 جمادی الآخر 1433ھ 06 مئی 2012ء

الجواب صحیح

ابو الصالح محمد قاسم القادری

باب ثالث: اموال زکوٰۃ

فصل/عنوان 15

اَموالِ ممنوعہ اور مسائلِ زکوٰۃ

مالِ سود پر زکوٰۃ نہیں

فتوی 220

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس نیشنل سیونگ سرٹیفکیٹس تھے میں نے انہیں کیش کروالیا تو اس پر میری اصل رقم کے علاوہ مجھے نفع بھی دیا گیا میں نے اس رقم پر زکوٰۃ بھی نکالی، کیا اس نفع والی رقم کو میں اپنے استعمال میں لاسکتا ہوں یا نہیں؟ **سائل:** محمد ارشد (سیکٹر J-5، نارتھ کراچی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

یہ ایک سودی معاملہ ہے اور سود حرامِ قطعی ہے جس کے باعث لینے دینے والا دونوں سخت گنہگار ہوئے پس دونوں پر توبہ فرض ہے۔

اللہ جل شانہٗ ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔ (پارہ 3، البقرۃ: 275)

اس رقم کا اپنے لئے استعمال کرنا حرام ہے کیونکہ یہ رقم آپ کی مِلک میں مِلکِ خبیث ہے جسے اپنی مِلک سے جدا کرنا ضروری ہے اور ایسی رقم کے بارے میں حکم یہ ہے کہ اسے بلانیتِ ثواب صدقہ کردیا جائے۔

امامِ اہلسنّت، مُجدّدِ دین وملّت، شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن سود سے توبہ کے بارے میں

ارشاد فرماتے ہیں: ''سود خوار پر شرعاً فرض ہے کہ جتنا سود جس جس سے لیا ہے اسے واپس دے وہ نہ رہا ہو اس کے وارثوں کو دے، وہ بھی نہ رہے ہوں یا پتہ مالک اور اس کے ورثہ کا نہ چلے تو فرض ہے کہ اتنا مال تَصَدُّق کر دے اور تَصَدُّق میں فقیر کو مالک کر دینا درکار ہے...... یوں اس کی توبہ تمام ہوگی اور ان شاء اللہ تعالیٰ گناہ سے بَری الذمہ ہوگا اور توبہ کرنے اور حُکمِ شرع دربارہ تَصَدُّق بجالانے کا ثواب بھی پائے گا اگرچہ خیرات کا ثواب نہ ہوگا۔'' (ملتقطاً)

(فتاوی رضویہ، صفحہ 541 تا 542، جلد 23، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور چونکہ بینک سودی رقم واپس نہیں لیتا پس فقرا پر صدقہ ہی کرنا ہوگا۔ جو رقم جمع کروائی تھی اس پر تو زکوٰۃ ہے لیکن جو سود کی مد میں ملی اس پر زکوٰۃ نہیں۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

21 جمادی الثانی 1427ھ 18 جولائی 2006ء

زکوٰۃ میں سود کی رقم دینا کیسا؟

فتویٰ 221

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب کھاد فیکٹری سے ریٹائرڈ ہیں، ان کو ریٹائرمنٹ کے وقت جو پیسہ ملا تھا اس کو انہوں نے بینک میں جمع کروادیا۔ اب اس پر جو منافع ملتا ہے، وہ اس کی زکوٰۃ دیتے ہیں یا کسی غریب کی مدد کر دیتے ہیں، خود استعمال نہیں کرتے۔ کیا یہ درست ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سب سے پہلے تو یہ مسئلہ ذہن میں رکھئے کہ بینک میں پیسہ رکھ کر اس پر نفع لینا خالص سود ہے اور سود لینا گناہِ

کبیرہ، حرام اور جہنم میں لے جانے والا کام ہے۔ قرآن وحدیث میں اس کی سخت مذمت وارِد ہے۔

اللہ تبارک وتعالیٰ قرآنِ مجید میں ارشاد فرماتا ہے: ﴿وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سُود۔ (پارہ 3، البقرۃ: 275)

حدیثِ پاک میں ہے: ''عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اٰكِلَ الرِّبَا وَ مُوْكِلَهٗ وَ كَاتِبَهٗ وَ شَاهِدَيْهِ وَ قَالَ هُمْ سَوَاءٌ'' ترجمہ: حضرت جابر رَضِیَ اللہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللہُ تعالیٰ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے سود لینے والے اور سود دینے والے اور سود کا کاغذ لکھنے والے اور اُس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا کہ وہ سب برابر ہیں۔ (صحیح مسلم، صفحہ ۸۶۲، حدیث ۱۵۹۸، دارابن حزم بیروت)

رہا اس رقم پر زکوۃ کا مسئلہ، تو سود کی رقم پر زکوۃ فرض نہیں کیونکہ اس کا حکم تو یہ ہے کہ اسے بغیر ثواب کی نیت کے فقیرِ شرعی کو صدقہ کر دیا جائے اور جو مال کُلّی طور پر صدقہ کرنا واجب ہو اُس کا صرف چالیسواں حصہ دینا کفایت نہیں کرے گا۔

جیسا کہ علامہ شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی ''قُنْیہ'' کے حوالے سے لکھتے ہیں: ''لو كان الخبيث نصابا لا يلزمه الزكاة، لأن الكل واجب التصدق عليه فلا يفيد ايجاب التصدق ببعضه'' ترجمہ: اگر پورا نصاب ہی مالِ خبیث ہو تو زکوۃ واجب نہیں کیونکہ وہ تو سارے کا سارا صدقہ کرنا واجب ہے لہٰذا اُس مال کا بعض حصہ صدقہ کرنا کافی نہیں۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار، صفحہ 259، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''سود و رشوت اور اسی قسم کے حرام وخبیث مال پر زکوۃ نہیں کہ جن جن سے لیا ہے اگر وہ لوگ معلوم ہیں تو انہیں واپس دینا واجب ہے، اور اگر معلوم نہ رہے تو کُل کا تَصَدُّق کرنا واجب ہے، چالیسواں حصہ دینے سے وہ مال کیا پاک ہوسکتا ہے جس کے باقی اُنتالیس حصے بھی ناپاک ہیں۔'' (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 656، جلد 19، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور اگر آپ کے والد صاحب سود کی مد میں حاصل ہونے والی رقم سے اپنے دیگر حلال اَموال کی زکوۃ ادا کرتے ہیں تو اگرچہ اس طرح زکوۃ ادا ہو جائے گی لیکن ان کا یہ فعل جائز نہیں۔

چنانچہ فَتَاوٰی بَزَّازِیَہ میں ہے: ''و لو نوی فی المال الخبیث الذی وجب صدقته ان یقع عن الزکاۃ وقع عنھا '' ترجمہ: وہ مالِ خبیث جس کو صدقہ کرنا واجب ہے اگر اس میں زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کی تو زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ (فتاویٰ بزازیہ علی ھامش الھندیہ ، صفحہ 86 ، جلد 4 ، دارالفکر بیروت)

اور علامہ ابنِ عابدین شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی حرام مال سے زکوٰۃ ادا کرنے کے بارے میں لکھتے ہیں: ''لو أخرج زکاۃ المال الحلال من مال حرام: ذکر فی الوھبانیۃ أنه یجزئ عند البعض، و نقل القولین فی القنیۃ: و قال فی البزازیۃ: و لو نوی فی المال الخبیث الذی وجبت صدقته أن یقع عن الزکاۃ وقع عنھا اھ أی: نوی فی الذی وجب التصدق به لجھل أربابه، و فیه تقیید لقول الظھیریۃ: رجل دفع الی فقیر من المال الحرام شیئا یرجو به الثواب یکفر، و لو علم الفقیر بذلك فدعا له و أمن المعطی کفرا جمیعا '' ترجمہ: اگر وہ حلال مال کی زکوٰۃ میں حرام مال نکالتا ہے تو ''وہبانیہ'' میں ذکر کیا کہ بعض کے نزدیک زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ اور ''قُنیہ'' میں دونوں اقوال نقل کیے گئے ہیں۔ ''بزازیہ'' میں ہے کہ اگر اس نے وہ مالِ خبیث جس کو صدقہ کرنا واجب تھا اس میں زکوٰۃ کی ادائیگی کی نیت کر لی تو زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ یعنی اُس مال میں نیت کی جو مالک کے معلوم نہ ہونے کی وجہ سے واجبُ التَّصَدُّق تھا۔ اور اس میں تَقْیِید ہے ''ظَہِیْرِیَہ'' کے قول کی کہ ایک شخص نے فقیر کو مالِ حرام سے ثواب کی نیت سے کچھ دیا تو وہ کافر ہو گیا اور اگر فقیر کو اس بات کا علم ہونے کے باوجود اس نے اس دینے والے کو دُعا دی اور دینے والے نے آمین کہا تو یہ سب کفر ہے۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار ، صفحہ 261 ، جلد 3 ، دارالمعرفۃ بیروت)

یاد رہے کسی فرض کی ادائیگی ہو جانا الگ بات ہے اور اس کا بارگاہِ الٰہی میں مقبول ہونا الگ بات۔ لہٰذا سود کی رقم زکوٰۃ کی مد میں دینے سے اگرچہ زکوٰۃ کی ادائیگی ہو گئی اور فرض بھی ذمے سے ساقط ہو گیا، لیکن نہ تو آپ کے والد کا سودی رقم سے زکوٰۃ کی ادائیگی والا عمل اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں مقبول ہے اور نہ ہی سود کی رقم سے غریبوں کی مدد کرنا، کہ اللہ تعالیٰ ناپاک مال قبول نہیں فرماتا بلکہ وہ پاک ہے اور پاک ہی قبول فرماتا ہے۔

چنانچہ حضرت سیِّدُنا ابوہریرہ رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسول اکرم صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم نے ارشاد

فرمایا: ''اَیُّھَا النَّاسُ اِنَّ اللّٰہَ طَیِّبٌ لَا یَقْبَلُ اِلَّا طَیِّبًا'' ترجمہ: اے لوگو! بے شک اللہ تعالیٰ پاک ہے اور پاک ہی قبول فرماتا ہے۔ (صحیح مسلم، صفحہ ۵۰۶، حدیث ۱۰۱۵، دار ابن حزم بیروت)

حضرت علامہ ابنِ نُجَیم مصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی حرام مال سے کیے گئے حج کی ادائیگی اور اس کی قبولیت کا حکم بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''فانہ لا یقبل بالنفقۃ الحرام کما ورد فی الحدیث مع أنہ یسقط الفرض عنہ معھا و ان کانت مغصوبۃ، ولا تنافی بین سقوطہ و عدم قبولہ فلا یثاب لعدم القبول، ولا یعاقب فی الآخرۃ عقاب تارك الحج'' ترجمہ: حرام مال سے حج قبول نہ ہوگا جیسا کہ حدیث میں وارِد ہے، اس کے باوجود فرض ادا ہوجائے گا اگرچہ غصب شدہ ہو، اور فرض کی ادائیگی اور عدمِ قبولیت مُنافات نہیں، تو قبول نہ ہونے کی وجہ سے ثواب نہ پائے گا اور فرض ادا ہوجانے کی وجہ سے آخرت میں عذاب کا مُستحق نہ ہوگا۔ (بحرالرائق، صفحہ 541، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن نے بھی مالِ حرام سے حج اور دیگر نیک کام کرنے کا یہی حکم بیان فرمایا ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں: ''ثواب ثمرۂ قبول ہے اور قبول مشروط بپاکی، حدیث میں ہے: ان اللہ طیب لا یقبل الا الطیب خود قرآنِ عظیم میں ارشاد ہوا ﴿وَلَا تَیَمَّمُوا الْخَبِیْثَ مِنْہُ تُنْفِقُوْنَ﴾ (ترجمۂ کنز الایمان: اور خاص ناقص کا ارادہ نہ کرو کہ دو تو اس میں سے۔ (پارہ 3، البقرۃ: 267)) علماء فرماتے ہیں: جو حرام مال فقیر کو دے کر ثواب کی اُمید رکھے اس پر کفر عائد ہو۔ والعیاذ باللہ تعالیٰ۔ ''فتاویٰ ظہیریہ'' میں ہے: رجل دفع الی فقیر من المال الحرام شیئا یرجوا بہ الثواب یکفر۔''

کچھ آگے مزید فرماتے ہیں: ''اور اس مال سے حج کرنا بھی جائز نہیں کہ اسے حکم تو یہ تھا کہ جن سے لیا انہیں واپس دے، وہ نہ معلوم ہوں تو تَصَدُّق کردے اس کے سوا جس کام میں صَرف کیا جائے گا خلافِ حکمِ شرع ومُوجبِ گناہ ہوگا، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ حج کرلیا تو فرض ذِمّہ سے اُتر گیا، جیسے چوری اور غصب کے کپڑے سے نماز پڑھنا فان الخبث انما ھو فی المجاور فلا یمنع الصحۃ پھر بھی اس پر اُمیدِ ثواب کا محل نہیں بلکہ اسے کہا جائے گا لا لبیک و لا سعدیک و حجک مردود علیک حتی ترد ما فی یدیک نہ تیرے لبیک قبول نہ

خدمت قبول اور تیرا حج تیرے منہ پر مارا گیا یہاں تک کہ تو یہ ناپاک مال جو تیرے ہاتھ میں ہے واپس دے۔"

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 657 تا 659 ، جلد 19، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــہ

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغَر العَطَّارِی المَدَنِی

10 جمادی الاولی 1433ھ 03 اپریل 2012ء

قومی بچت اسکیم کے نفع پر زکوٰۃ نہیں

فتویٰ 222

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک بینک میں ملازم ہوں اور میں نے ہاؤس بلڈنگ کا قرضہ لیا ہے جس کی ماہوار قسط باقاعدگی سے ادا کرتا رہتا ہوں جو میں ریٹائرمنٹ تک ادا کرتا رہوں گا اگر میں زندہ رہا۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ جو پیسے میں نے قرضہ پر لئے، اس میں کچھ پیسے میں نے اپنے اکاؤنٹ میں اور کچھ قومی مرکز بچت میں رکھے ہیں، اس پر میں منافع بھی لیتا ہوں۔ اب قرآن وسنت کی روشنی میں مجھے یہ بتائیں کہ اس رقم پر زکوٰۃ دینا لازم ہے یا نہیں؟ جبکہ میں نے ساری رقم قرضہ لے کر حاصل کی ہے جس کی میں باقاعدگی سے قسط ماہوار دیتا رہتا ہوں اور ابھی تک کافی رقم میرے ذِمے باقی ہے۔ سائل: عبدالرحمٰن

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

پوچھی گئی صورت میں آپ کا ہاؤس بلڈنگ سے سود پر قرضہ لینا جائز نہیں تھا، آپ پر بغیر سود کے جتنا قرضہ باقی ہے اس کو نکالنے کے بعد اور حاجتِ اَصلیہ سے زائد اگر آپ کے پاس کم از کم نصاب (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی) کے برابر اگر رقم خود یا دیگر قابلِ زکوٰۃ اَموال کے ساتھ مل کر پائی جائے تو زکوٰۃ فرض ہوگی ورنہ نہیں۔

بہارِ شریعت میں ہے: "نصاب کا مالک ہے مگر اس پر دَین (قرض) ہے کہ ادا کرنے کے بعد نصاب نہیں رہتی

تو زکوٰۃ واجب نہیں۔" (بہارِ شریعت ، صفحہ 878 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

بینک یا قومی بچت اسکیم میں رقم رکھوا کر جو منافع حاصل کیا گیا وہ سود ہے اور اس کا حکم یہ ہے کہ اس رقم کو بغیر ثواب کی نیت سے کسی شرعی فقیر پر صدقہ کرنا فرض ہے۔ لہٰذا آج تک جتنی سود کی رقم استعمال کی، اس کا حساب لگا کر کسی شرعی فقیر کو بغیر ثواب کی نیت سے دے دیں اور توبہ بھی کریں نیز سودی اکاؤنٹ کو بند کروائیں اور سودی قرضہ سے بھی جلد سے جلد چھٹکارا حاصل کریں۔ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے ﴿وَحَرَّمَ الرِّبٰوا﴾ ترجمۂ کنز الایمان: اور (اللہ نے) حرام کیا سود۔" (پارہ 3 ، البقرۃ: 275)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

کتبــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد سعید العطاری المدنی
25 محرم الحرام 1432ھ 01 جنوری 2011ء

حرام مال سے صدقہ وخیرات کرنا کیسا؟

فتویٰ 223

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ گانے باجے کی کیسٹوں کو کرائے پر چلانے سے جو کمائی حاصل ہوتی ہے اس کو زکوٰۃ وصدقہ وخیرات میں ادا کرنا کیسا ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

غیر شرعی فلم دیکھنا حرام اور گانے سننا حرام اسی طرح غیر شرعی فلم دِکھانا اور گانے سنانے کے لئے کیسٹ دینا حرام کام میں مدد کرنا ہے اور یہ بھی حرام ہے اور حرام کام سے حاصل ہونے والی کمائی مثلِ غصب کے ہے جس سے لی ہے اس کو لوٹانا واجب ہے اور اگر وہ نہ ملے تو اس کے وارثوں کو دے وہ بھی نہ ملیں تو اس کی طرف سے صدقہ کر دے۔

اوراس مال سے زکوٰۃ ادا کرنا جائز نہیں نہ ہی اس مال سے کئے گئے صدقہ وخیرات قبول ہوں گے اور اگر معاذ اللہ بہ نیت ثواب حرام مال صدقہ خیرات کیا تو اشد حرام بلکہ فقہا نے اس کو کفر تک لکھا ہے۔

سیّدی اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ''اصل مزدوری اگر کسی فعلِ ناجائز پر ہو سب کے یہاں ناجائز، اور جائز پر ہو تو سب کے یہاں جائز، اس امر میں رنڈیاں اور غیر رنڈیاں، نصاریٰ و ہنود وغیرہم سب برابر ہیں...... وفی حظر ردّ المحتار عن السغناقی عن بعض مشائخ کسب المغنیة کالمغصوب لم یحل اخذہ...... فی الخانیة الرجل اذا کان مطربا مغنیا ان عطی بغیر شرط قالوا یباح وان کان یاخذہ علی شرط رد المال علی صاحبہ ان کان یعرفہ وان لم یعرفہ یتصدق بہ۔'' (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 507 تا 509، جلد 23، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

سیّدی اعلیٰ حضرت، امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فونو میں بھری ہوئی آواز کے بارے میں فرماتے ہیں: ''لہو ولعب ہے اور اس کے ذریعہ سے ٹکا کمانا اور ان کا بنانا حرام ہوا اور اسے استعمال کرنے والے اس حرام کے مُعین یعنی مددگار ہوئے۔ اسی میں ہے کہ شریعتِ مُطَہَّرہ کا قاعدہ ہے کہ جس بات سے حرام کو مدد پہنچے اسے بھی حرام فرمادیتی ہے قال اللہ تعالیٰ ﴿وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ﴾ (ترجمۂ کنز الایمان: اور گناہ اور زیادتی پر باہم مدد نہ دو۔(پارہ 6، المائدۃ: 2))'' (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 461، جلد 23، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

فَتَاویٰ عَالَمگِیری میں ہے: ''لا تجوز الاجارۃ علی شئی من الغناء و النوح و المزامیر و الطبل و شیء من اللھو'' یعنی اُجرت جائز نہیں گانے اور نوحہ اور ساز اور طبلہ پر اور لہو ولعب میں سے کسی شے پر۔'' (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 449، جلد 4، دار الفکر بیروت)

بہارِ شریعت میں ہے: ''گناہ کے کام پر اجارہ ناجائز ہے مثلاً نوحہ کرنے والی کو اُجرت پر رکھا کہ وہ نوحہ کرے گی جس کی یہ مزدوری دی جائے گی۔ گانے بجانے کے لئے اجیر کیا کہ وہ اتنی دیر تک گائے گا اور اُس کو یہ اُجرت دی جائے گی۔ ملاہی یعنی لہو ولعب پر اجارہ بھی ناجائز ہے۔ گانا یا باجا سکھانے کے لئے نوکر رکھتے ہیں یہ بھی ناجائز ہے۔'' مزید اسی میں ہے: ''ان صورتوں میں اُجرت لینا بھی حرام ہے اور لے لی ہو تو واپس کرے اور معلوم نہ رہا کہ

کس سے اُجرت لی تھی تو اسے صدقہ کردے کہ خبیث مال کا یہی حکم ہے۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 144 ، جلد 3 ، مکتبۃ المدینہ)

اسی میں ہے: "غصب کئے ہوئے کی زکوٰۃ غاصب پر واجب نہیں کہ یہ اس کا مال ہی نہیں، بلکہ غاصب پر یہ واجب ہے کہ جس کا مال ہے اسے واپس کردے اور اگر غاصب نے اس مال کو اپنے مال میں خَلَط مَلَط کردیا کہ تمیز ناممکن ہو اور اس کا اپنا مال بقدرِ نصاب ہے تو مجموع پر زکوٰۃ واجب ہے۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 877 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن اسی طرح کے حرام مال میں تصرُّف کرنے کے بارے فرماتے ہیں: "حرام روپیہ کسی کام میں لگانا اصلاً جائز نہیں نیک کام ہو یا اور، سوا اس کے جس سے لیا ہے اس کو واپس دے یا فقیروں پر تَصَدُّق کرے بغیر اس کے کوئی حیلہ اس کے پاک کرنے کا نہیں، اسے خیرات کرکے جیسا پاک مال پر ثواب ملتا ہے اس کی اُمید رکھے تو سخت حرام ہے، بلکہ فقہاء نے کفر لکھا ہے۔ ہاں وہ جو شرع نے حکم دیا کہ حقدار نہ ملے تو فقیر پر تَصَدُّق کردے اس حکم کو مانا تو اس پر ثواب کی اُمید کرسکتا ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 580 ، جلد 23 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اسی میں ہے کہ علما فرماتے ہیں: "جو حرام مال سے تصدق کرکے اس پر ثواب کی اُمید رکھے کافر ہو جائے۔ "خلاصہ" میں ہے: "رجل تصدق من الحرام و یرجوا الثواب یکفر" "عالمگیریہ میں ہے: "لو تصدق علی فقیر شیئا من المال الحرام ویرجوا الثواب یکفر" (ترجمہ: اگر کوئی شخص فقیر پر مالِ حرام سے صدقہ کرے اور ثواب کی امید رکھے کافر ہو جائے گا۔) زید پر فرض ہے کہ ایسے خرافات سے توبہ کرے اور اسے اَز سرِ نو کلمۂ اسلام پڑھنا اور اس کے بعد اپنی عورت سے نکاح جدید کرنا چاہیے، نظرا الی ما قالہ الفقہاء کما یظھر بمراجعۃ الدرالمختار وغیرہ من الاسفار۔"

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 110 تا 111 ، جلد 21 ، رضافاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

ابُوالصالح محمد قاسم القادری

25 شعبان المعظم 1427ھ 19 ستمبر 2006ء

مالِ حرام سے خریدی اَشیاء پر زکوٰۃ کا حکم

فتویٰ 224

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص نے اپنے بھائی کو شادی میں سونا تحفہ دیا اور ایک سال کا عرصہ گزرنے کے بعد شادی شدہ بھائی نے زکوٰۃ دینے کا ارادہ کیا تو تحفے والے بھائی نے کہا کہ یہ بینک کے نفع کی رقم کا سونا ہے اس پر زکوٰۃ نہیں دیتے۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس سونے پر زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ نیز اس کو وہ اپنے استعمال وغیرہ میں لاسکتا ہے؟ شرعی حل عطا فرمایئے تاکہ آسانی سے دل مطمئن ہوجائے۔

سائل: محمد افتخار عطاری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

پوچھی گئی صورت میں سود کی رقم سے سونا خریدنے سے خبث آگے منتقل نہ ہوا لہٰذا جو سونا اس شخص کے بھائی کے پاس ہے وہ مالِ خبیث نہیں اس پر دیگر شرائط کے پائے جانے پر زکوٰۃ فرض ہے۔

جیسا کہ امام اہلسنّت رَضِیَ اللّٰہُ تعَالٰی عَنْہُ نے مالِ خبیث سے استبدال کے مسئلہ پر فتاویٰ رضویہ صفحہ 552 جلد 23 پر تفصیل سے گفتگو کی، آخر میں آپ دُرِّ مُختار کے حوالے سے نقل فرماتے ہیں: ''الخبث لفساد الملك انما يعمل فيما يتعين لا فيما لايتعين واما الخبث لعدم الملك كالغصب فيعمل فيهما كما بسطه خسروو ابن الكمال '' (ترجمہ: مِلک فاسد ہونے کی وجہ سے جو خباثت پیدا ہوتی ہے وہ متعین شے پر اثر کرتی ہے جبکہ غیر متعین میں موثر نہیں ہوتی لیکن عدمِ مِلک کی وجہ سے جو خباثت پیدا ہو جیسے غصب وغیرہ تو وہ متعین، غیر متعین دونوں میں اثر کرتی ہے جیسا کہ خسرو اور ابنِ کمال نے تفصیل سے اس کو بیان فرمایا۔)

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 553، جلد 23، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

06 ذوالحجہ 1421ھ 02 مارچ 2001ء

بابِ رابع

مصارفِ زکوٰۃ

باب رابع: مصارفِ زکوٰۃ

فصل/عنوان 16

زکوٰۃ کے مصارف

مصارفِ زکوٰۃ کون کون سے ہیں؟

فتویٰ 225

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مصارفِ زکوٰۃ کون کون سے ہیں؟

سائل: محمد فراز (جمشید روڈ، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اللہ عَزَّوَجَلَّ قرآنِ مجید میں مصارفِ زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ۝۶۰ (پارہ 10، التوبۃ: 60)

ترجمۂ کنز الایمان: زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

صدرُ الافاضل حضرت علامہ نعیم الدین مراد آبادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْھَادِی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں:

''زکوٰۃ کے مُستحق آٹھ قسم کے لوگ قرار دیئے گئے ہیں ان میں سے مؤلّفۃ القلوب باجماعِ صحابہ ساقط ہوگئے کیونکہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کوغلبہ دیا تو اب اسکی حاجت نہ رہی یہ اجماع زمانہ صدیق میں منعقد ہوا۔''

(تفسیر خزائن العرفان ، صفحہ 369 ، مکتبۃ المدینہ)

تواب زکوٰۃ کے مصارِف 7 ہیں: ﴿1﴾ فقیر ﴿2﴾ مسکین ﴿3﴾ عامِل ﴿4﴾ رِقاب ﴿5﴾ غارِم ﴿6﴾ فی سبیل اللہ ﴿7﴾ ابنِ سبیل۔ البتہ فی زمانہ رِقاب کی صورت بھی پائی نہیں جاتی کہ اب کوئی لونڈی وغلام نہیں تو ان کو چُھڑانے میں بھی ادائیگیٔ زکوٰۃ کی صورت نہیں۔

﴿1﴾ ''منها الفقير وهو من له ادنى شيء وهو ما دون النصاب او قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة '' اس میں سے ایک شرعی فقیر ہے یہ وہ ہوتا ہے جس کے پاس کچھ ہوتا تو ہے لیکن نصاب سے کم یا نصاب کی مقدار غیرِ نامی ہو جو اس کی حاجت میں مستغرق ہو۔

﴿2﴾ ''منها المسكين وهو من لا شيء له فيحتاج الى المسئلة لقوته او ما يوارى بدنه ويحل له ذلك بخلاف الاول حيث لا تحل المسألة له فانها لا تحل لمن يملك قوت يومه بعد سترة بدنه'' یعنی مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو یہاں تک کہ وہ کھانے اور بدن چھپانے کے لئے اس کا محتاج ہے کہ لوگوں سے سوال کرے اور اسے سوال حلال ہے فقیر کو سوال ناجائز کہ جس کے پاس کھانے اور بدن چھپانے کو ہو اُسے بغیر ضرورت ومجبوری سوال حرام ہے۔

﴿3﴾ ''ومنها العامل وهو من نصبه الامام لاستيفاء الصدقات والعشور...... ويعطيه ما يكفيه واعوانه بالوسط مدة ذهابهم وايابهم...... الا اذا استغرقت كفايته الزكاة فلا يزاد على النصف '' یعنی عامل وہ ہے جسے بادشاہِ اسلام نے زکوٰۃ اور عُشر وصول کرنے کے لئے مقرر کیا اسے کام کے لحاظ سے اتنا دیا جائے کہ اُس کو اور اُس کے مددگاروں کو متوسط طور پر کافی ہو مگر اتنا نہ دیا جائے کہ جو وصول کر کے لایا ہے اس کے نصف سے زیادہ ہو جائے۔

﴿4﴾ ''ومنها الرقاب هم المكاتبون ويعاونون في فك رقابهم '' یعنی رِقاب سے مراد مُکاتب غلام کو دینا کہ اس مالِ زکوٰۃ سے بدلِ کتابت ادا کرے اور غلامی سے اپنی گردن رِہا کرے۔

﴿5﴾ ”ومنها الغارم وهو من لزمه دين ولا يملك نصابا فاضلا عن دينه أو كان له مال على الناس لا يمكنه اخذه“ غارِم سے مُرادمدیون ہے یعنی اس پر اتنادَین ہو کہ اُسے نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے اگرچہ اس کا اَوروں پر باقی ہو مگر لینے پر قادِر نہ ہو لیکن شرط یہ ہے کہ مدیون ہاشمی نہ ہو۔

(مخلص ازفتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 187 تا 188 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

﴿6﴾ ”وفی سبيل الله وهو منقطع الغزاة وقيل الحاج وقيل طلبة العلم وفسره فی البدائع بجميع القرب وفی رد المحتار: وقد قال فی البدائع: فی سبيل الله جميع القرب، فيدخل فيه كل من سعى فی طاعة الله وسبيل الخيرات اذا كان محتاجا“(ملتقطاً)

(درمختار و ردالمحتار ، صفحہ 339 تا 340 ، جلد 3 ، دارالمعرفۃ بیروت)

فی سبیل اللہ یعنی راہِ خدا میں خرچ کرنا اس کی چند صورتیں ہیں مثلاً کوئی شخص محتاج ہے کہ جہاد میں جانا چاہتا ہے سواری اورزادِراہ اُس کے پاس نہیں تو اُسے مالِ زکوٰۃ دے سکتے ہیں کہ یہ راہِ خدا میں دینا ہے اگرچہ وہ کمانے پر قادِر ہو یا کوئی حج کو جانا چاہتا ہو اور اُس کے پاس مال نہیں اُس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں مگر اس کو حج کے لئے سوال کرنا جائز نہیں۔ یا طالبِ علم کہ علمِ دین پڑھتا ہے یا پڑھنا چاہتا ہے اسے دے سکتے ہیں کہ یہ بھی راہِ خدا میں دینا ہے، یونہی ہر نیک بات میں زکوٰۃ صَرف کرنا فی سبیل اللہ ہے جب کہ بطورِ تملیک ہو کہ بغیر تملیک زکوٰۃ ادا نہیں ہوسکتی۔

﴿7﴾ ”ابن السبيل وهو الغريب المنقطع عن ماله...... جاز الأخذ من الزكاة قدر حاجته ولم يحل له أن ياخذ اكثر من حاجته والحق به كل من هو غائب عن ماله وان كان فی بلده لان الحاجة هی المعتبرة“ ابنِ سبیل یعنی مسافر جس کے پاس مال نہ رہا زکوٰۃ لے سکتا ہے اگرچہ اُس کے گھر مال موجود ہو مگر اُسی قدر جس سے حاجت پوری ہوجائے زیادہ کی اجازت نہیں۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 188 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

25 جمادی الاولی 1429ھ 31 مئی 2008ء

صدقہ وخیرات کے حق دار کون؟

فتویٰ 226

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین ان مسائل کے بارے میں کہ

﴿1﴾ زکوٰۃ کن کن چیزوں پر ہوتی ہے؟

﴿2﴾ کس کس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

﴿3﴾ صدقہ وخیرات کے حق دار کون ہیں اور کن کو دینا افضل ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ زکوٰۃ تین قسم کے اَموال پر لازم ہوتی ہے ''(1) ثَمَن یعنی سونا، چاندی، کرنسی اور پرائز بانڈ بھی اس میں شامل ہے (2) مالِ تجارت (3) سائمہ یعنی چَرائی پر چُھوٹے جانور۔'' (عامۂ کتب)

﴿2﴾ زکوٰۃ کے مَصارِف درج ذیل ہیں: (1) فقیر، جو مالکِ نصاب نہ ہو (2) مسکین، جس کے پاس کچھ نہ ہو بالکل نادار ہو (3) عامِل، جو حاکم کی اجازت سے زکوٰۃ اکٹھی کرتا ہے (4) غلام آزاد کروانے کیلئے (5) مقروض (6) جو راہِ خدا میں ہو (7) مسافر، جو ویسے تو غنی ہو مگر منزل تک پہنچنے کیلئے اس کو رقم کی ضرورت ہو۔

چنانچہ زکوٰۃ کے مُستَحِقین کے متعلق اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَ الۡمَسٰکِیۡنِ وَ الۡعٰمِلِیۡنَ عَلَیۡہَا وَ الۡمُؤَلَّفَۃِ قُلُوۡبُہُمۡ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الۡغٰرِمِیۡنَ وَ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰہِ وَ ابۡنِ السَّبِیۡلِ ؕ فَرِیۡضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیۡمٌ حَکِیۡمٌ ﴿۶۰﴾

(پارہ 10، التوبۃ: 60)

ترجمۂ کنز الایمان: زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔

آیت میں ان کفار کو بھی زکوٰۃ دینے کا ذکر ہے جن کے دل اسلام کی طرف مائل ہوں مگر یہ حکم اس وقت کے لئے تھا جب اسلام کمزور تھا پھر جب اسلام کو قوت حاصل ہوئی تو یہ لوگ زکوٰۃ کے مَصرَف نہ رہے۔

نیز دُرِّ مُختار میں ہے: ''وسکت عن مؤلفة قلوبهم لسقوطهم'' عبارت کا مفہوم اوپر گزرا۔

(درمختار، صفحہ 337، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

﴿3﴾ صدقاتِ واجبہ جیسے زکوٰۃ، صدقۂ فطر، وہ مال جس کی منّت مانی جائے، روزے کے کفارے میں جو کھانا کھلایا جائے، قسم کے کفارے میں جو کھانا کھلایا جائے وغیرہ یہ اُن ہی کو دے سکتے ہیں جن کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں اور نفلی صدقات فقیر اور غنی سب کو دے سکتے ہیں اور صدقۂ واجبہ قریبی رشتہ دار کو دینا زیادہ افضل ہے جبکہ وہ اس کا مُستحق ہو اور صدقۂ نافلہ بھی ان کو دینا افضل ہے۔

جیسا کہ حدیث میں ہے: ''قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم اَلصَّدَقَةُ عَلَی الْمِسْکِیْنِ صَدَقَةٌ وَھِیَ عَلٰی ذِی الرَّحْمِ ثِنْتَانِ صَدَقَةٌ وَ صِلَةٌ'' یعنی رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا مسکین پر صدقہ فقط صدقہ ہے اور قریبی رشتہ دار پر صدقہ، صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی۔''

(مشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۳٦۷، جلد ۱، حدیث ۱۹۳۹، دارالکتب العلمیه بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــه

المتخصص فی الفقه الاسلامی

محمد ماجد رضا العطاری المدنی

5 ذوالحجة الحرام 1427ھ 27 دسمبر 2006ء

الجواب صحیح

ابو الصالح محمد قاسم القادری

صدقۂ واجبہ و نافلہ کے مصارِف میں کیا فرق ہے؟

فتویٰ 227

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ صدقہ کے حق دار کون لوگ ہیں؟ کیا عام آدمی بھی صدقہ، خیرات، زکوٰۃ، فطرہ وغیرہ لے سکتا ہے؟

سائل: محمد رمضان عطاری قادری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

شرعی اعتبار سے صدقات دو طرح کے ہیں: صدقہ نافلہ، صدقہ واجبہ اور دونوں کے مصارِف میں فرق ہے۔

صدقہ نافلہ فقیر و غنی، سید و غیرِ سید، ہر عام و خاص کیلئے جائز ہے اگرچہ کہ اَحق (یعنی زیادہ حق دار) فقیر ہی ہے۔

اس کے برعکس صدقہ واجبہ یعنی زکوٰۃ، فطرہ وغیرہ کے حق دار صرف وہی لوگ ہیں جو زکوٰۃ لینے کے حق دار ہیں کہ جن کا بیان اللہ عَزَّوَجَلَّ نے قرآنِ مجید میں فرما دیا لہٰذا غنی یا سیّد وغیرہ کیلئے صدقہ واجبہ کا لینا حرام ہے۔ اور لیا تو ادا بھی نہ ہوگا۔ اب صدقہ واجبہ کے مصارِف سات ہیں: فقرا، مساکین، عامِلین (زکوٰۃ وصول کرنے والے)، غلاموں کو آزاد کرنا، قرض دار، فی سبیل اللہ اور مسافر۔ ان سب کا بیان قرآنِ مجید میں موجود ہے۔

چنانچہ فرمانِ باری تعالیٰ ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ۝۶۰

(پارہ 10، التوبۃ: 60)

ترجمۂ کنز الایمان: زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

مُفَسِّرِ شہیر حضرت علامہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْھَادِی اس آیت کے تحت "خزائن العرفان" میں فرماتے ہیں: "صدقات کے مُستحَق صرف یہی آٹھ قسم کے لوگ ہیں انہیں پر صدقات صَرف کئے جائیں گے ان کے سوا اور کوئی مُستحَق نہیں اور رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کو اَموالِ صدقہ سے کوئی واسطہ ہی نہیں، آپ پر اور آپ کی اولاد پر صدقات حرام ہیں تو طعن کرنے والوں کو اعتراض کا کیا موقع۔ صدقہ سے اس آیت میں زکوٰۃ مراد ہے۔ مسئلہ: زکوٰۃ کے مُستحَق آٹھ قسم کے لوگ قرار دیئے گئے ہیں ان میں سے مؤلَّفۃ القلوب باجماعِ صحابہ ساقط ہو گئے کیونکہ جب اللہ تبارک و تعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا تو اب اس کی حاجت نہ رہی یہ اجماع زمانۂ صدیق میں منعقد ہوا۔

(تفسیر خزائن العرفان، صفحہ 369، مکتبۃ المدینہ)

سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ الرحمہ فتاوی رضویہ شریف میں ارشاد فرماتے ہیں: ''صدقۂ واجبہ مالدار کو لینا حرام، اور دینا حرام، اور اس کے دیئے ادا نہ ہوگا، اور نافلہ مانگ کر مالدار کو لینا حرام اور بے مانگے مناسب نہیں جبکہ دینے والا مالدار جان کر دے اور اگر وہ محتاج سمجھ کر دے تو لینا حرام، اور اگر لینے کیلئے اپنے آپ کو محتاج ظاہر کیا تو دوہرا حرام، ہاں وہ صدقاتِ نافلہ کہ عام خلائق کے لئے ہوتے ہیں اور ان کے لینے میں کوئی ذِلّت نہیں وہ غنی کو بھی جائز ہے جیسے حوض کا پانی، سقایہ کا پانی، نیاز کی شیرینی، سرائے کا مکان، پُل پر سے گزرے۔

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 261، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــه

المتخصص فی الفقه الاسلامی

محمد سجادالعطاری المدنی

30 جمادی الاولی **1428**ھ **16** جون **2007**ء

الجواب صحیح

ابوالصالح محمد قاسم القادری

صرف فقیر طلبا کو ہی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے

فتویٰ 228

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا صدقاتِ واجبہ ہر طالب علم کو دے سکتے ہیں چاہے فقیر ہو یا غنی؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صرف اس طالبِ علم کو صدقاتِ واجبہ دے سکتے ہیں جو فقیر ہو، غنی کو نہیں دے سکتے۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي

ترجمۂ کنزالایمان: زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن

الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِیْنَ وَفِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَابْنِ السَّبِیْلِ (پارہ 10 ، التوبۃ: 60) کے دلوں کو اسلام سے اُلفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو۔

امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ الرَّحْمَۃ فرماتے ہیں: ''جو نصابِ مذکور پر دسترس رکھتا ہے ہرگز زکوٰۃ نہیں پاسکتا اگرچہ غازی ہو یا حاجی یا طالبِ علم یا مفتی مگر عاملِ زکوٰۃ۔''
(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 110 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّریعَہ ، بَدرُ الطَّریقَہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ''جن لوگوں کی نسبت بیان کیا گیا کہ انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں، ان سب کا فقیر ہونا شرط ہے، سوا عامل کے، کہ اس کے لئے فقیر ہونا شرط نہیں۔''
(بہارِ شریعت ، صفحہ 932 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
اَبُو الصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم الْقَادِرِی

کتبــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد ہاشم خان العطاری المدنی
12 جمادی الثانی 1427ھ 9 جولائی 2006ء

طالبِ علم کے لئے زکوٰۃ لینا کب جائز ہے؟

فتویٰ 229

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض علما فرماتے ہیں کہ طالبِ علم کا صدقہ، فطرہ، زکوٰۃ اور خیرات لینا اور ان کا استعمال جائز ہے جبکہ بعض فرماتے ہیں کہ طالبِ علم کے لئے ان کا استعمال جائز نہیں۔ وضاحت فرمادیں کہ اس بارے میں شرعی حکم کیا ہے؟ سائل: محمد صفدر عطاری (جھنگ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

طالبِ علم کا فطرانہ، زکوٰۃ وغیرہ واجب صدقات لینا تو اسی صورت میں جائز ہے جبکہ وہ محتاج ہو اور نفلی

صدقات چونکہ غنی وفقیر سب کو دے سکتے ہیں لہٰذا نفلی صدقات اپنی شرائط کے ساتھ غنی طلبہ پر بھی خرچ ہو سکتے ہیں۔

صَدرُ الشَّریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ مصارفِ زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''فی سبیل اللہ یعنی راہِ خدا میں خرچ کرنا اس کی چند صورتیں ہیں، مثلاً کوئی شخص محتاج ہے کہ جہاد میں جانا چاہتا ہے، سواری اور زادِراہ اُس کے پاس نہیں تو اُسے مالِ زکوٰۃ دے سکتے ہیں کہ یہ راہِ خدا میں دینا ہے اگرچہ وہ کمانے پر قادِر ہو یا کوئی حج کو جانا چاہتا ہے اور اُس کے پاس مال نہیں اُس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، مگر اس کو حج کے لئے سوال کرنا جائز نہیں۔ یا طالبِ علم کہ علمِ دین پڑھتا یا پڑھنا چاہتا ہے، اسے دے سکتے ہیں کہ یہ بھی راہِ خدا میں دینا ہے۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 926 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

فتاویٰ امجدیہ میں ہے: ''ہاں مدرسہ کے طلبہ کو دے سکتے ہیں جب کہ بطورِ تملیک ہو، نہ بطورِ اِباحت۔

دُرِّ مُختار میں ہے: وھی تملیک خرج الاباحۃ فلو أطعم یتیما ناویا الزکاۃ لایجزیہ''

(فتاویٰ امجدیہ ، صفحہ 371 ، جلد 1 ، مکتبہ رضویہ کراچی)

اور سیّدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن طالبِ علم کے محتاج ہونے کی صورت میں اسے مالِ زکوٰۃ وغیرہ دینے کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''بالجملہ مدار کار حاجت مندی بمعنیٰ مذکور پر ہے، تو جو نصابِ مذکور پر دسترس رکھتا ہے ہرگز زکوٰۃ نہیں پا سکتا اگرچہ غازی ہو یا حاجی یا طالبِ علم یا مفتی......الخ۔''

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 110 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور صَدرُ الشَّریعہ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اس بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: ''بہت سے لوگ اپنی زکوٰۃ اسلامی مدارِس میں بھیج دیتے ہیں ان کو چاہیے کہ متولّیٔ مدرسہ کو اطلاع دیں کہ یہ مالِ زکوٰۃ ہے تاکہ متولّی اس مال کو جُدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور غریب طلبہ پر صَرف کرے، کسی کام کی اُجرت میں نہ دے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 926 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

کتبـــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو الفیضان عرفان احمد مدنی
02 صفر المظفر 1430ھ 29 جنوری 2009ء

زلزلہ متاثرین کی زکوٰۃ سے مدد کرنا کیسا؟

فتویٰ 230

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ پاکستان میں ہونے والے سانحہ یعنی جو یہاں کی تاریخ کا بڑا زلزلہ ہوا ہے اس میں کثیر تعداد میں مسلمان شہید ہوئے اور ایک تعداد ہے جو زخمی ہوئی اور لاتعداد اپنے مال واسباب وگھر بار کھو بیٹھے ہیں حتی کہ بہت بڑی تعداد کھانے پینے کے حوالے سے پریشانی میں مبتلا ہے تو ان متاثرین کو زکوٰۃ، فطرہ، یا فدیہ کی رقمیں دے سکتے ہیں؟ نیز ان کو زکوٰۃ کی رقم خود جا کر دیں یا شہر میں مختلف جگہوں پر امدادی کیمپ لگے ہیں اور ان تک وہ سامان پہنچا رہے ہیں ان کے ذریعے زکوٰۃ وفطرہ کی رقم پہنچا دیں؟

سائل: محمد نوید رضا عطاری (لیاقت آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

صورتِ مُستفسَرہ میں زلزلہ سے متاثرین کو صدقاتِ واجبہ (زکوٰۃ، فطرہ، فدیہ) دینا صحیح ہے کہ اس سانحہ سے جو افراد بھی متاثر ہوئے ہیں ان کی اس وقت یہ حالت ہے کہ ان کے پاس نہ ہی کچھ کھانے لئے ہے اور نہ ہی پہننے کے لئے کپڑے ہیں اور نہ ہی رہنے کے لئے مکان ہے لہٰذا یہ متاثرین اگر مسکین وفقیر کی تعریف میں داخل ہیں تو ایسوں کو صدقاتِ واجبہ دیئے جاسکتے ہیں۔

سیّدی اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ''مصرفِ زکوٰۃ ہر مسلمان حاجت مند جسے اپنے مالِ مملوک سے مقدارِ نصاب فَارِغٌ عَنِ الْحَوَائِجِ الاصلیّہ (ایسا مال جو نصاب کی مقدار بھی ہو اور حاجتِ اصلیہ سے فارغ بھی ہو مگر اس) پر دسترس نہیں......اور نصابِ مذکور پر دسترس نہ ہونا چند صورت کو شامل: ایک یہ کہ سرے سے مال ہی نہ رکھتا ہو اسے مسکین کہتے ہیں۔ دوم مال ہو مگر نصاب سے کم، یہ فقیر ہے...... بالجملہ مدارِ کار حاجت مندی بمعنیٰ مذکور پر ہے تو جو

نصابِ مذکور پر دسترس رکھتا ہے ہرگز زکوٰۃ نہیں پا سکتا اگرچہ غازی ہو یا حاجی یا طالبِ علم یا مفتی۔

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 110 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

جو لوگ امدادی کیمپ لگا کر متاثرین تک اِمداد پہنچا رہے ہیں اگر یہ زکوٰۃ اور صدقۂ واجبہ کا دُرُست شرعی استعمال جانتے ہوں تو ان کو بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں۔ یہ لوگ بطورِ وکیل ان مُستَحِقین کو آپ کی رقم یا اَشیاء کا مالک بنا دیں گے تو آپ کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی بس آپ اپنا یہ اِطمینان ضرور کر لیں کہ یہ لوگ واقعی شرعی تقاضوں کے مطابق ہی زکوٰۃ کا مَصرَف جانتے ہیں۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِیْ

8 رمضان 1426ھ 13 اکتوبر 2005ء

اسکول کالج کے زکوٰۃ فنڈ کا حق دار کون ہے؟

فتویٰ 231

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کچھ کالجز میں زکوٰۃ فنڈ سے ضرورت مند طلبا کو رقم دی جاتی ہے اس رقم کا لینا کن کیلئے جائز ہے؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ فنڈ سے صرف وہی طلبا رقم لے سکتے ہیں جو شرعی فقیر ہوں۔ اور فقیر وہ شخص ہوتا ہے جس کے پاس قرض اور حاجتِ اَصلیہ کے علاوہ نصاب کی مقدار (ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر) مال موجود نہ ہو۔

چنانچہ دُرِّ مُختار میں ہے: ”ھو فقیر وھو من له أدنی شئ أی دون نصاب أو قدر نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة“ ترجمہ: مصارفِ زکوٰۃ میں فقیر ہے اور وہ ایسا شخص ہے جس کے پاس معمولی

سامان ہو یعنی نصاب سے کم یا نصاب کی مقدار غیر نامی ہو جو اس کی حاجت میں مستغرق ہو۔

(درمختار ، صفحہ 333 ، جلد 3 ، دار المعرفة بیروت)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

24 صفر المظفر 1427ھ 14 مارچ 2007ء

کیا دِینی طالبِ علم زکوٰۃ کا سوال کر سکتا ہے؟

فتویٰ 232

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ پڑھائی کے لئے زکوٰۃ لینا جائز ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

طالبِ علم جو کہ مستحقِ زکوٰۃ ہو اُس کیلئے زکوٰۃ لینا جائز ہے بلکہ دینی طالبِ علم زکوٰۃ کے لئے سوال بھی کر سکتا ہے جبکہ اس نے اپنے آپ کو اسی مقصد کیلئے فارغ کر رکھا ہو۔ اور دنیاوی تعلیم کی غرض سے طالبِ علم زکوٰۃ کے لئے سوال نہیں کر سکتا ہاں اگر وہ مستحقِ زکوٰۃ ہو تو اور کوئی اسے زکوٰۃ دے تو وہ لے سکتا ہے۔

صَدْرُ الشَّرِیعَہ، بَدْرُ الطَّرِیقَہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں:

"طالبِ علم کہ علمِ دین پڑھتا یا پڑھنا چاہتا ہے، اسے دے سکتے ہیں کہ یہ بھی راہِ خدا میں دینا ہے بلکہ طالبِ علم سوال کر کے بھی مالِ زکوٰۃ لے سکتا ہے جب کہ اُس نے اپنے آپ کو اسی کام کے لئے فارغ کر رکھا ہو اگرچہ کسب پر قادر ہو۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 926 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

26 محرم الحرام 1430ھ

سحری کے لئے جگانے والے کو زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 233

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ رمضان المبارک میں سحری کیلئے جگانے والے کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں؟ جبکہ وہ شرعی فقیر ہو۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ ہر فقیرِ شرعی کو دی جاسکتی ہے خواہ وہ سحری کیلئے جگاتا ہو یا نہ جگاتا ہو۔

فَتَاوىٰ عَالَمْگِيْرِی میں ہے: "منها الفقير ومنها المسكين ومنها العامل ومنها الرقاب ومنها الغارم ومنها فی سبيل الله و منها ابن السبيل" ترجمہ: مصارفِ زکوٰۃ میں فقیر، مسکین، عامل، رِقاب (مُکاتَب غلام)، غارِم (قرض دار)، فی سبیل اللہ اور ابنِ سبیل (وہ مسافر جس کے پاس مال نہ رہا ہو) ہیں۔ (ملخصاً) (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 187 تا 188، جلد 1، دارالفکر بیروت)

البتہ اگر سحری کے لئے جگانے والے کو بطورِ اُجرت دی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــه

اَبُو الصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

28 شعبان 1426ھ 3 اکتوبر 2005ء

گھروں میں کام کرنے والی کو زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 234

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص بیمار ہے اور اس کی

بیوی ہمارے یہاں کام کرتی ہے کیا اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ کیا اس کو گھر بنانے کیلئے پیسے دے سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اگر مذکورہ عورت زکوٰۃ کی مُستحق ہے تو اسے زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے اب اس کی مرضی ہے کہ وہ اس پیسے سے گھر بنائے یا کچھ اور بہر حال آپ کی زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔ مُستحق ہونے سے مراد شرعی طور پر فقیر ہونا ہے۔

چنانچہ دُرِّ مُختَار وَرَدُّالمُحتَار کے کتابُ الزکوٰۃ، بابُ المَصرَف میں ہے:"هو فقير وهو من له أدنى شیء أی دون نصاب أو قدر نصاب غيرنام مستغرق فی الحاجة كدار السكنى وعبيد الخدمة وثياب البذلة وآلات الحرفة وكتب العلم للمحتاج اليهاتدريسا أو حفظا أو تصحيحا كما مر اول الزكاة"یعنی فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر اتنا نہ ہو کہ نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب کی قدر ہو تو اس کی حاجتِ اَصلیہ میں مستغرق ہو مثلاً رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، خدمت کے لئے لونڈی غلام، علمی شغل رکھنے والے کو دینی کتابیں جو اُس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہوں۔

(درمختار مع ردالمحتار ، صفحه 333 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بيروت)

لہٰذا اگر مذکورہ خاتون کے پاس مقدارِ نصاب نہیں تو وہ زکوٰۃ لے سکتی ہیں اور یہاں یہ بھی یاد رہے کہ زکوٰۃ کو اس کی اُجرت میں ہرگز شمار نہ کیا جائے۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــــــــہ

اَبُو الصَّالح مُحَمَّد قَاسِم القَادِرِی

14 رمضان المبارک 1428ھ 27 ستمبر 2007ء

بھکاری کو زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 235

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا بھکاری کو زکوٰۃ دینے سے

زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟ سائل: محمد حنیف (کیماڑی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

بھکاری تین طرح کے ہوتے ہیں: ایک تو وہ ہیں جو مالدار یعنی صاحبِ نصاب ہوتے ہیں ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اور دوسرے وہ ہیں جو صاحبِ نصاب نہیں ہوتے یعنی شرعی فقیر اور مُستحقِ زکوٰۃ تو ہوتے ہیں لیکن کسب و معاش پر قادِر ہوتے ہیں ایسوں کو سوال کرنا، ہاتھ پھیلانا جائز نہیں۔ ایسے کو زکوٰۃ دینا منع ہے لیکن اگر زکوٰۃ دی گئی تو ادا ہو جائے گی۔ اور تیسرے وہ ہیں جو صاحبِ نصاب نہیں ہوتے اور محتاجی میں اس حد تک پہنچے ہوتے ہیں کہ جس حد پر سوال کرنا جائز ہو جاتا ہے ایسوں کا سوال کرنا بھی جائز ہے اور ان کو زکوٰۃ دینا بھی جائز ہے۔

امامِ اہلسنّت، مُجَدِّدِ دِین و مِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن اسی طرح کے مسئلہ کے بارے میں فرماتے ہیں: ”گدائی تین قسم ہے: ایک غنی مالدار جیسے اکثر جوگی اور سادھو بچے، انہیں سوال کرنا حرام اور انہیں دینا حرام، اور ان کے دیئے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی، فرض سر پر باقی رہے گا۔

دوسرے وہ کہ واقع میں فقیر ہیں قدرِ نصاب کے مالک نہیں مگر قوی و تندرست کسب پر قادِر ہیں اور سوال کسی ایسی ضرورت کے لئے نہیں جو اُن کے کسب سے باہر ہو کوئی حرفت یا مزدوری نہیں کی جاتی مفت کا کھانا کھانے کے عادی ہیں اور اس کے لئے بھیک مانگتے پھرتے ہیں۔ انہیں سوال کرنا حرام، اور جو کچھ انہیں اس سے ملے وہ ان کے حق میں خبیث...... انہیں بھیک دینا منع ہے کہ معصیت پر اِعانت ہے، لوگ اگر نہ دیں تو مجبور ہوں کچھ محنت مزدوری کریں...... مگر ان کے دیئے سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی جبکہ اور کوئی مانع شرعی نہ ہو کہ فقیر ہیں۔

تیسرے وہ عاجز ناتواں کہ نہ مال رکھتے ہیں نہ کسب پر قدرت، یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے پر قادِر نہیں، انہیں بقدرِ حاجت سوال حلال، اور اس سے جو کچھ ملے ان کے لئے طَیِّب، اور یہ عمدہ مصارفِ زکوٰۃ میں سے ہیں اور

انہیں دینا باعثِ اجرِ عظیم، یہی ہیں وہ جنہیں جھڑکنا حرام ہے۔'' (ملتقطاً)

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 253 تا 254 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

28 شعبان المعظم 1430ھ 20 اگست 2009ء

کسی کو گھر خرچ کے لئے زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 236

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ہر ماہ اپنی زکوٰۃ کا ایک حصہ ایک فیملی کی کفالت میں دینا چاہتا ہوں کیا اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے یہ شرط ہے کہ کسی شرعی فقیر کو اس کا مالک بنا دیں۔ آپ جس گھر میں زکوٰۃ دینا چاہ رہے ہیں اگر اس گھر کا سربراہ شرعی فقیر ہو یا اس کی کوئی بالغ اولاد یا اس کی بیوی الغرض اس گھر میں جو شخص عاقل بالغ ہو اور شرعی فقیر بھی ہو اُسے مالک بنا دیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔

اللہ عَزَّوَجَلَّ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰکِیْنِ

ترجمۂ کنز الایمان: زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار۔

(پارہ 10، التوبۃ: 60)

شرعی فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب کی قدر ہو تو اس کی حاجتِ اَصلیہ میں مُستَغرَق ہو۔

اور جہاں تک آپ اپنی زکوٰۃ پیشگی تھوڑی تھوڑی کر کے ادا کرنا چاہتے ہیں تو ادا کر سکتے ہیں اس طرح زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، سال کے اختتام پر حساب کر لیں اگر زکوٰۃ پوری دے دی ہو تو ٹھیک ہے اور اگر کچھ کمی ہو تو اسے پورا کر دیں اور اگر زیادہ دے دی ہو تو اگلے سال میں شمار کر لیں۔

صَدرُالشَّریعَہ، بَدرُالطَّرِیقَہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی ارشاد فرماتے ہیں: ''مالکِ نصاب پیشتر سے چند سال کی بھی زکوٰۃ دے سکتا ہے۔لہٰذا مناسب ہے کہ تھوڑا تھوڑا زکوٰۃ میں دیتا رہے، ختمِ سال پر حساب کرے، اگر زکوٰۃ پوری ہو گئی فبہا اور کچھ کمی ہو تو اب فوراً دے دے، تاخیر جائز نہیں کہ نہ اُس کی اجازت کہ اب تھوڑا تھوڑا کر کے ادا کرے، بلکہ جو کچھ باقی ہے کُل فوراً ادا کر دے اور زیادہ دے دیا ہے تو سالِ آئندہ میں مُجرا کر دے۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 891 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

اور اگر نصاب پر سال پورا ہو گیا اور اس نے اب تک زکوٰۃ نہیں دی تو اب فوراً زکوٰۃ دینا واجب ہے اب ہر ماہ نہیں دے سکتا کہ اب تاخیر کرے گا تو گنہگار ہو گا۔

جیسا کہ سیدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دِین وملّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''اور اگر سال گزر گیا اور زکوٰۃ واجِبُ الْاَدا ہو چکی تو اب تفریق وتدریج ممنوع ہوگی بلکہ فوراً تمام وکمال زرِ واجِبُ الْادا ادا کرے کہ مذہبِ صحیح و مُعتَمَد و مُفتٰی بِہٖ پر ادائے زکوٰۃ کا وُجُوب فوری ہے جس میں تاخیر باعثِ گناہ۔ ہمارے ائمہ ثلٰثہ رَضِیَ اللہ تعَالٰی عَنْھُم سے اس کی تصریح ثابت۔''

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 76 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

11 محرم الحرام 1429ھ 21 جنوری 2008ء

کیا شرعی فقیر مکان خریدنے کے لئے زکوٰۃ لے سکتا ہے؟

فتویٰ 237

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب حیات

ہیں اور مجھ سمیت ان کے چار بچے ہیں میں شادی شدہ ہوں اور میرے بھی تین بچے ہیں کچھ عرصہ پہلے میں بانڈز کا کاروبار کرتا تھا جس میں مجھے نقصان اٹھانا پڑا میرے والد صاحب نے اپنی زندگی ہی میں ہم سب بہن بھائیوں کو حصے الگ الگ کر کے دے دیئے تھے اور انہوں نے میرے حصے کی رقم میں سے سات لاکھ روپے میرے نقصان پر مختلف لوگوں کو ادا کیئے میں اب بھی دو لاکھ روپے کا مقروض ہوں گھریلو مسائل کی وجہ سے والد صاحب مجھے الگ کرنا چاہتے ہیں میرا مسئلہ رہائش کا ہے کہ میں کرائے کے مکان میں نہیں رہ سکتا کیونکہ میری تنخواہ کم ہونے کی وجہ سے بمشکل گھر کا گزارہ ہوتا ہے اس لئے کرائے کی رقم نکالنا مشکل ہے۔ ہماری میمن جماعت نے ایک اِسکیم نکالی ہے وہ ضرورت مند افراد کو گھر لینے کی مد میں زکوٰۃ کی رقم سے مدد فراہم کرتے ہیں تو کیا میں اس صورت میں میمن جماعت سے زکوٰۃ کی رقم لے سکتا ہوں؟ کیا میں مُستحقِ زکوٰۃ ہوں؟ اس مسئلے میں میری رہنمائی فرما دیں۔

سائل: ارشاد علی (میمن کالونی فیڈرل بی ایریا، کراچی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر آپ کی یہی حالت ہے اور آپ پر اتنا قرض ہے کہ ادا کرنے کی صورت میں نصاب کی مقدار مال آپ کی مِلکیَّت میں نہیں رہے گا اور میمن جماعت والے آپ کو قرض کی ادائیگی کے لئے یا کسی اور مد میں خود زکوٰۃ دینا چاہتے ہیں تو آپ چونکہ مُستحقِ زکوٰۃ ہیں اس لئے زکوٰۃ کا مال جو کوئی آپ کو دے لے سکتے ہیں چاہے اس سے قرض کی ادائیگی کریں یا اور کسی ضرورت میں استعمال کریں، ہاں جب آپ مُستحقِ زکوٰۃ نہ رہیں گے تو زکوٰۃ لینا آپ کیلئے جائز نہ ہوگا۔

اللہ تعالٰی کا ارشادِ پاک ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلۡفُقَرَآءِ وَ الۡمَسٰكِيۡنِ وَ الۡعٰمِلِيۡنَ عَلَيۡهَا وَ الۡمُؤَلَّفَةِ قُلُوۡبُهُمۡ وَ فِي الرِّقَابِ وَ الۡغٰرِمِيۡنَ وَ فِيۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ وَ ابۡنِ السَّبِيۡلِ ؕ فَرِيۡضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَ اللّٰهُ عَلِيۡمٌ

ترجمۂ کنز الایمان: زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت

حَکِیۡمٌ ﴿۶۰﴾ (پارہ 10 ، التوبۃ: 60) والا ہے۔

اس آیت کے تحت صدرالافاضل مولانا مفتی سیّد محمد نعیم الدین مرادآبادی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ الۡھَادِی فرماتے ہیں: ''فقیر وہ ہے جس کے پاس ادنیٰ چیز ہو اور جب تک اس کے پاس ایک وقت کے لئے کچھ ہو اس کو سوال حلال نہیں۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو سوال کر سکتا ہے۔ (تفسیر خزائن العرفان ، صفحہ 369 ، مکتبۃ المدینہ)

سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دِین و مِلّت امام احمد رضا خان عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ الرَّحۡمٰن اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''جس پر اتنا دَین ہو کہ اسے ادا کرنے کے بعد اپنی حاجاتِ اَصلیہ کے علاوہ چھپن روپے (یہ نصاب سیِّدی اعلیٰ حضرت کے دَور میں تھا اب اس کی مقدار زیادہ ہے ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت ہی نصاب ہے چاہے جو بھی ہو) کے مال کا مالک نہ رہے گا اور وہ ہاشمی نہ ہو، نہ یہ زکوٰۃ دینے والا اس کی اولاد میں ہو، نہ باہم زَوج و زَوجہ ہوں، اسے زکوٰۃ دینا بے شک جائز بلکہ فقیر کو دینے سے افضل، ہر فقیر کو چھپن روپے دفعۃً نہ دینا چاہئیں، اور مدیون پر چھپن ہزار دَین ہو تو زکوٰۃ کے چھپن ہزار ایک ساتھ دے سکتے ہیں، قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی: **وَالۡغٰرِمِیۡنَ**۔ دُرِّ مُختار میں ہے: ومدیون لا یملك نصابا فاضلا عن دینه و فی الظهیریة الدفع للمدیون أولی منه للفقیر۔ (ترجمہ: مقروض وہ شخص ہوتا ہے جو قرض سے فاضل نصاب کا مالک نہ ہو، ظہیریہ میں ہے: مدیون کو زکوٰۃ دینا فقیر سے اولیٰ ہے۔)''

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 250 تا 251 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعۡلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

عبدہُ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

06 جمادی الثانی 1429ھ 11 جون 2008ء

مُستحق کو بطورِ زکوٰۃ مکان دینا کیسا؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری کمیونٹی ہمیں زکوٰۃ فنڈ

سے مکان دینا چاہتی ہے۔ ہم کمیونٹی کی تمام شرائط پر پورے اترتے ہیں۔ ہم اپنا مکان خرید سکتے ہیں اور نہ سالانہ زکوٰۃ نکالتے ہیں۔ ہمارا زکوٰۃ فنڈ سے مکان لینے کا دل نہیں کرتا۔ تو کیا ہم ایسا کر سکتے ہیں کہ مکان لے کر اس کی قیمت تھوڑی تھوڑی کر کے کسی مدرسے میں ادا کر دیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اگر آپ مُستحقِ زکوٰۃ ہیں یعنی آپ کے پاس بنیادی ضروریاتِ زندگی سے زائد اتنا مال نہیں ہے جو قدرِ نصاب (یعنی ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی قیمت) تک پہنچ جائے تو آپ زکوٰۃ فنڈ سے مکان لے سکتے ہیں۔ مکان پر قبضہ کر لینے کے بعد آپ کی مِلکیّت میں آجائے گا۔ اس کی قیمت مدرسے میں ادا کرنا لازم نہیں۔ راہِ خدا میں خرچ کرنے کی نیت سے آپ صحیح العقیدہ سنیوں کے کسی مدرسے میں جتنی چاہے رقم وغیرہ جمع کروا سکتے ہیں۔ لیکن اگر آپ غنی ہیں تو آپ کا لینا مطلقاً جائز نہیں قیمت دے کر لینا بھی ناجائز کہ جنہوں نے زکوٰۃ دی ہوگی ان کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کمیونٹی بھی ان کی زکوٰۃ ہلاک کرنے کی وجہ سے گنہگار ہوگی اور تاوان دینا ہوگا کہ زکوٰۃ کے لئے مُستحقِ زکوٰۃ ہونا اور اسے مالک بنا کر دینا بھی شرط ہے۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــه

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

نور المصطفی العطاری المدنی

23 جمادی الاولی 1431ھ

الجواب صحیح

ابو الصالح محمد قاسم القادری

مختلف لوگوں کی زکوٰۃ سے کسی ایک کو مکان دینا؟

فتویٰ 239

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ چند لوگ اپنی زکوٰۃ کی رقم سے

ایک مُستحقِ زکوٰۃ شخص کو مکان خرید کر دے دیں تو کیا ان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ اس کا آسان سا طریقہ بتا دیں کہ زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے اور مُستحق شخص کو مکان بھی مل جائے۔ جن لوگوں کا مال ہے وہ اس شخص کو رقم نہیں دینا چاہتے بلکہ مکان ہی دینا چاہتے ہیں۔

سائل: محمد رمضان (کورنگی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جی ہاں! مُستحقِ زکوٰۃ کو چند لوگ اپنی زکوٰۃ کی رقم سے مکان خرید کر اسے اس مکان کا مالک بنا دیں تو ان کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی لیکن جس وقت وہ مکان فقیر کے حوالے کریں گے اس وقت جو اس کی قیمت ہوگی اس کے اعتبار سے ان کے حصوں کے مطابق ان کی زکوٰۃ ادا ہوگی۔ مثلاً 4 افراد نے اپنی رقم سے مکان خریدا ہر شخص نے 3 لاکھ روپے دیئے اور 12 لاکھ روپے کا مکان خریدا گیا تو اب اس مکان کو جب شرعی فقیر کے حوالے کریں گے بنیتِ زکوٰۃ اس وقت اس مکان کی جو قیمت ہوگی مثلاً 12 لاکھ ہوئی تو ہر ایک کی 3 لاکھ روپے زکوٰۃ ادا ہو گئی۔

اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے رقم یا سونا چاندی دینا ضروری نہیں بلکہ کسی بھی مال مثلاً کپڑا، مکان وغیرہ کا شرعی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ مفتی امجد علی اعظمی علیہ الرَّحمہ ایک سوال "صاحبِ نصاب نے 500 روپے کی زکوٰۃ ساڑھے بارہ روپے نکالی اور ان روپیوں کا ایک دیگ کھانا پکا کر ایک مسکین کو اس کا مالک کر دیا یا ان روپیوں کا کپڑا خرید کر ایک مسکین کو یا دس مسکین کو دے دیا اس کی زکوٰۃ ادا ہو گئی یا نہیں" کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: "اگر مسکین کو مالک کر دیا تو جس قیمت کا وہ کھانا یا کپڑا ہے اتنی زکوٰۃ ادا ہو گئی۔ کھانا پکوانے میں جو خرچ ہوا ہے اس کا اعتبار نہیں۔ دُرِّ مُختَار میں ہے وجاز دفع القیمۃ فی زکوۃ زکوٰۃ میں قیمت دینا بھی جائز ہے نیز اسی میں ہے فلو اطعم یتیما ناویا الزکوۃ لایجزئہ الا اذا دفع الیہ المطعوم کما لو کساہ اگر کسی یتیم کو بہ نیتِ زکوٰۃ کھانا کھلایا تو یہ کافی نہیں مگر جب کہ وہ کھانا اسے دے دیا تو ہو سکتا ہے جس طرح کپڑا دے دے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔"

(فتاویٰ امجدیہ، صفحہ 369، جلد 1، مکتبہ رضویہ کراچی)

ایک فقیر پر مُشتَرَک چیز کا صدقہ کرنا بھی زکوٰۃ کی ادائیگی سے مانع نہیں۔

چنانچہ ھِدَایَہ میں ہے:"واذا وھب اثنان من واحد دارا جاز لأنھما سلماھا جملۃ وھو قد قبضھا جملۃ فلا شیوع "ترجمہ: اور جب دو شخصوں نے ایک شخص کو ایک گھر ہبہ کیا تو جائز ہے کیونکہ ان دونوں نے ایک ساتھ اسے حوالے کیا اور اس نے بھی اس پر پورا قبضہ کیا تو کچھ شیوع نہیں۔

(ھدایہ آخرین ، صفحہ 289 ، مطبوعہ لاھور)

سیّدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں:"اور سب سے آسان یہ ہے کہ ایک دیندار شخص کے پاس سب زکوٰۃ دہندہ اپنا چندہ جمع کریں اور اس سے کہہ دیں کہ زرِ زکوٰۃ بطریقۂ شَرعِیَّہ پر بعدِ تَملِیکِ فقیر، طبع میں ہمارے ثواب کے لئے صَرف کر، وہ ایسا ہی کرے، سب زکوٰتیں بھی ادا ہو جائیں گی اور وہ دینی ضروری نافع کام بھی ہو جائیگا اور یہ اَموال کا ملانا کہ باذنِ مالکانہ ہے کہ چندہ کا یہی طریقہ معروفہ معہودہ ہے کچھ مانع نہ ہوگا۔

دُرِّ مُختَار میں ہے: لو خلط زکوۃ موکلیہ ضمن و کان متبرعا الا اذا وکلہ الفقراء (ترجمہ: اگر اپنے مؤکلین کی زکوٰۃ خلط کردی تو وکیل ضامن ہوگا اور وہ تبرّع کرنے والا ہوگا مگر اس صورت میں جب فقرا نے اسے اپنا وکیل قرار دے دیا ہو۔)

رَدُّالمُحتَار میں ہے: قال فی التتارخانیہ اذا وجد الاذن أو اجاز المالکان اھ (ترجمہ: تاتارخانیہ میں ہے کہ کسی اِذن کی وجہ سے ہو یا موکّل اسے جائز کردیں۔) اسی میں ہے: ثم قال فی التتارخانیۃ أو وجدت دلالۃ الاذن بالخلط کما جرت العادۃ الخ۔ (ترجمہ: پھر تاتارخانیہ میں کہا کہ یا دلالۃً اختلاط کی اجازت ہو جیسے کہ عادت معروفہ ہے۔)"

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 257 تا 258 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

15 رجب المرجب 1429ھ 19 جولائی 2008ء

ذہنی مریضہ کو زکوٰۃ کیسے دی جائے؟

فتویٰ 240

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ایک بہن ہے جس کا ذہنی توازن خراب ہے اور پاگل پن کی کیفیت میں مبتلا ہے ہمارے والد صاحب انتقال کر چکے ہیں، کیا یہ زکوٰۃ کی مُستحق ہو سکتی ہے، اگر بڑا بھائی اپنی زکوٰۃ دینا چاہے تو تَملیک کب ثابت ہوگی اور بھائی کا زکوٰۃ دینا کیسے متصور ہوگا؟

سائل: محمد شفیق (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

ذہنی توازن خراب ہونے کی دو صورتیں ہیں: ایک صورت تو یہ ہے کہ آپ کی بہن کا ذہن اتنا خراب ہے کہ وہ جنون کی حد تک نہیں پہنچی یعنی کم سمجھ ہے اس کی باتوں میں اختلاط ہوتا ہے اُوٹ پٹانگ باتیں کرتی ہے فاسد التّدبیر ہے لیکن وہ گالیاں نہیں بکتی، اس کے بارے میں حکمِ شرع یہ ہے کہ یہ نابالغ عاقل کے حکم میں ہے۔

حضرت علامہ ابنِ عابدین شامی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ”حکم المعتوہ کالصبی العاقل فی تصرفاته“ یعنی تصرفات کرنے میں معتوہ کا حکم عاقل بچے کے حکم کی طرح ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، صفحہ 244، جلد 9، دارالمعرفۃ بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ”معتوہ جس کو بوہرا کہتے ہیں وہ ہے جو کم سمجھ ہو، اس کی باتوں میں اختلاط ہو، اوٹ پٹانگ باتیں کرتا فاسد التّدبیر ہو، مجنون کی طرح لوگوں کو مارتا گالی دیتا نہ ہو، یہ معتوہ اس بچہ کے حکم میں ہے جس کو تمیز ہے۔“ (بہارِ شریعت، صفحہ 200، جلد 3، مکتبۃ المدینہ)

قوانینِ شریعت کی رُو سے معتوہ و نابالغ عاقل ہبہ وصدقہ قبول کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔

حضرت علامہ علاءُ الدین حَصکفی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ”وتصرف الصبی والمعتوہ الذی

یعقل البیع والشراء ان کان نافعا محضا کالاسلام والاتہاب صح بلا اذن ”یعنی بچے اور معتوہ جو بیع وشراء کرنا جانتے ہوں ان کے تصرفات میں اگر صرف نفع ہو نقصان کا بالکل کوئی پہلو نہ ہو تو ان کے ایسے تصرفات بغیر ولی کی اجازت کے صحیح ہیں جیسے اسلام قبول کرنا، ہبہ قبول کرنا۔

اس کے تحت علامہ ابنِ عابدین شامی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ”ای قبول الھبة و قبضھا و کذا الصدقة “یعنی ان کا ہبہ کو قبول کرنا اس پر قبضہ کرنا صحیح ہے اسی طرح صدقے کا حکم ہے۔

(درمختار مع رد المحتار ، صفحه 291 ، جلد 9 ، دارالمعرفة بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ”نابالغ کے تصرفات تین قسم کے ہیں ﴿1﴾ نافع محض یعنی وہ تصرف جس میں صرف نفع ہی نفع ہے جیسے اسلام قبول کرنا۔ کسی نے کوئی چیز ہبہ کی اس کو قبول کرنا اس میں ولی کی اجازت درکار نہیں......الیٰ قال......نابالغ سے مراد وہ ہے جو خرید و فروخت کا مطلب سمجھتا ہو جس کا بیان اوپر گزر چکا اور جو اتنا بھی نہ سمجھتا ہو اس کے تصرفات نا قابلِ اعتبار ہیں۔ معتوہ کے بھی یہی اَحکام ہیں جو نابالغ سمجھ وال کے ہیں۔“ (ملتقطاً)

(بہارِ شریعت ، صفحه 204 ، جلد 3 ، مکتبة المدینه)

لہٰذا اگر آپ کی بہن میں مذکورہ بالا صورت پائی جاتی ہے تو یہ ضروری ہے کہ زکوٰۃ کے مال کا آپ اپنی بہن کو قبضہ دے کر مالک بنائیں۔ بغیر اس کو مالک بنائے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ آپ کی بہن کا ذہنی توازن اتنا خراب ہو کہ مجنون کی کیفیت کو پہنچ چکی ہو تو اس صورت میں زکوٰۃ اسے تو نہیں دی جا سکتی لیکن اس کے ولی یعنی باپ، دادا، ان کے وصی یا جس کی زیرِ کفالت ہو اس کو اس مجنونہ کے لئے دی جا سکتی ہے۔

حضرت علامہ علاؤالدین حصکفی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ”ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة “یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے ضروری ہے کہ مُستحق کو مالِ زکوٰۃ کا مالک کر دیا جائے۔ مباح کر دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

اس کے تحت حضرت علامہ ابنِ عابدین شامی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ”وفی التملیك اشارة الی انه لا یصرف الی مجنون و صبی غیر مراھق الا اذا قبض لھما من یجوز له قبضه کالاب والوصی

وغیرھما ''یعنی تملیک لفظ میں اس مسئلے کی طرف اشارہ ہے کہ زکوٰۃ مجنوں اور غیرِ مُراہق بچے کو نہیں دی جائے گی البتہ اگر ان کا ولی جوان کی طرف سے قبضہ کرنے کا اہل ہو وہ ان کے لئے مالِ زکوٰۃ پر قبضہ کرے جیسے باپ یا وصی وغیرہ تو اس صورت میں زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

(درمختار مع رد المحتار ، صفحہ 341 ، جلد 3 ، دارالمعرفۃ بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ''مالک کرنے میں یہ بھی ضروری ہے کہ ایسے کو دے جو قبضہ کرنا جانتا ہو، یعنی ایسا نہ ہو کہ پھینک دے یا دھوکہ کھائے ورنہ ادا نہ ہوگی، مثلاً نہایت چھوٹے بچے یا پاگل کو دینا اور اگر بچے کو اتنی عقل نہ ہو تو اس کی طرف سے اس کا باپ جو فقیر ہو یا وصی یا جس کی نگرانی میں ہے قبضہ کریں۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 875 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

مذکورہ دونوں صورتوں میں زکوٰۃ کے اَحکام ہم نے مطلق تحریر کئے ہیں۔ دریافت کردہ صورت میں بڑا بھائی ہی عورت کا ولی ہے اور اسی نے اپنی زکوٰۃ بہن کو دینی ہے تو اس کا طریقہ یہ ہوگا کہ بھائی مالِ زکوٰۃ اپنی بہن کے نام کر دیں تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ البتہ بہتر یہ ہے کہ گواہ مقرر کرلیں، اس لئے کہ ایسے بھائی کا قبضہ اسی بہن کا قبضہ قرار پائے گا۔

حضرت علامہ برہان الدین مَرغینانی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ''واذا وھب الاب لابنہ الصغیر ھبۃ ملکھا الابن بالعقد والصدقۃ...... فی ھذا مثل الھبۃ ''یعنی جب باپ اپنے نابالغ بیٹے کو کوئی چیز ہِبہ کرے تو صرف ہِبہ کرنے سے ہی بیٹا مالک ہو جائے گا، اس مسئلے میں صدقے کا حکم ہِبہ کی طرح ہے۔(ملخصاً)

(ھدایہ آخرین ، صفحہ 288 تا 289 ، مطبوعہ لاھور)

حضرت علامہ ابنِ نُجیم مصری عَلَیْہِ الرَّحْمَہ مذکورہ بالا مسئلہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ''واذا علم الحکم فی الھبۃ علم فی الصدقۃ بالاولی ''یعنی جب یہ حکم ہِبہ کے بارے میں معلوم ہوا تو صدقے کے بارے میں بدرجۂ اولیٰ معلوم ہوا۔

(بحر الرائق ، صفحہ 490 ، جلد 7 ، مطبوعہ کوئٹہ)

حضرت علامہ علاؤالدین حصکفی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ''وھبۃ من لہ ولایۃ علی الطفل فی الجملۃ وھو کل من یعولہ فدخل الاخ والعم عند عدم الاب لو فی عیالھم تتم بالعقد لو الموھوب

معلوما و كان فی يده او يد سودعه لان قبض الولی ينوب عنه والاصل ان كل عقد يتولاه الواحد يكتفی فيه بالايجاب "یعنی جسے نابالغ پر ولایت حاصل ہو اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی عیال میں نابالغ ہو اس میں باپ کی عدم موجودگی کی صورت میں بھائی اور چچا داخل ہیں ان کا نابالغ کو ہِبہ کرنا صرف عقد سے ہی پورا ہو جاتا ہے جبکہ مَوہُوب چیز معلوم ہو اور ولی یا اس کے مُودَع کے قبضہ میں ہو اس لئے کہ ولی کا قبضہ اسی نابالغ کا قبضہ ہے۔ اس میں اصل یہ ہے کہ ہر وہ عقد جس میں ایک ہی شخص متولی ہوتا ہے اس میں صرف ایجاب ہی کافی ہے۔

(در مختار ، صفحه 580 ، جلد 8 ، دار المعرفة بيروت)

صَدرُ الشَّریعَہ عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ''جو شخص نابالغ کا ولی ہے اگرچہ اس کو نابالغ کے مال میں تصرف کرنے کا اختیار نہ ہو یہ جب کبھی نابالغ کو ہِبہ کردے تو محض عقد کرنے سے یعنی فقط ایجاب سے ہِبہ تمام ہو جائے گا بشرطیکہ شے مَوہُوب واہِب یا اُس کے مُودَع کے قبضہ میں ہو۔ معلوم ہوا کہ باپ کے ہِبہ کا جو حکم ہے باپ نہ ہونے کی صورت میں چچا یا بھائی وغیرہُما کا بھی وہی حکم ہے بشرطیکہ نابالغ ان کی عیال میں ہو اس ہِبہ میں بعض ائمہ کا ارشاد ہے کہ گواہ مقرر کرلے یہ اِشہاد ہِبہ کی صحت کے لئے شرط نہیں بلکہ اس لئے ہے تاکہ وہ آئندہ انکار نہ کرسکے یا اُس کے مرنے کے بعد دوسرے وُرَثہ اس ہِبہ سے انکار نہ کردیں۔''

مزید فرماتے ہیں: ''صدقہ کا بھی یہی حکم ہے کہ نابالغ کو اس کے ولی نے صدقہ کیا تو قبضہ کی ضرورت نہیں۔''

(بہارِ شریعت ، صفحه 77 ، جلد 3 ، مكتبة المدينه)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبـــــــــــه

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

24 شعبان المعظم 1430ھ 16 اگست 2009ء

شادی کے لئے زکوۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 241

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین ان مسائل کے بارے میں کہ

﴿1﴾ کیا لڑکی کی شادی کے لئے زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

﴿2﴾ میرے بہنوئی شراب بہت پیتے ہیں انہیں اس سے کیسے چھٹکارا دلایا جائے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ اگر مذکورہ لڑکی شرعی فقیر ہے یعنی حاجتِ اَصلیہ سے زائد اس کے پاس اتنا مال نہیں کہ نصاب کو پہنچ جائے یا مال تو ہے مگر مدیون ہے اور دَین ادا کرنے کے بعد صاحبِ نصاب نہیں رہتی تو اس صورت میں اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے اسے دینے سے ادا ہوجائیگی۔ اور نصاب سے مراد یہ ہے کہ ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی رقم یا اس کے برابر کوئی بھی قرض اور حاجتِ اَصلیہ سے زائد سامان ہو۔

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ ارشاد فرماتے ہیں: ''فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب کی قدر ہو تو اُس کی حاجتِ اَصلیہ میں مستغرق ہو، مثلاً رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، خدمت کے لئے لونڈی، غلام، علمی شغل رکھنے والے کو دینی کتابیں جو اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہوں جس کا بیان گزرا۔ یونہی اگر مدیون ہے اور دَین نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے تو فقیر ہے، اگرچہ اُس کے پاس ایک تو کیا کئی نصابیں ہوں۔'' (بہارِ شریعت صفحہ 924، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

﴿2﴾ شراب پینے کے گناہ بلکہ ہر گناہ سے بچنے کے لئے گناہوں کے عذاب کو پڑھنا سننا بے حد مفید ہے۔ ان کے لئے دعا کرتے رہیں اور اگر ممکن ہو تو انہیں دعوتِ اسلامی کے 30 دن کے مدنی قافلے میں سفر کروادیں اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ گناہوں سے نفرت اور نیکیوں سے الفت نصیب ہوگی۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــه

المتخصص فی الفقه الاسلامی

محمد طارق رضا عطاری المدنی

18 رمضان المبارک 1430ھ

الجواب صحیح

ابو الصالح محمد قاسم القادری

حج پر جانے والے کو زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 242

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا کسی بزرگ شخص کو حج کروانے کے لئے لے جانے والا شخص اگر اپنا مال نہ رکھتا ہو تو زکوٰۃ کی رقم سے حج پر جا سکتا ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

شخصِ مذکور اگر شرعی فقیر ہے یعنی زکوٰۃ کا مُستحق ہے تو یہ زکوٰۃ لے سکتا ہے اور جب زکوٰۃ لے کر مالک ہو جائے گا تو خواہ اس رقم سے حج کے لئے جائے خواہ کوئی دوسرا کام کرے، اسے اختیار ہے لیکن اس مقصد کیلئے سوال کرنے کی اجازت نہیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلقَادِرِی

04 رمضان المبارك 1428ھ 17 ستمبر 2007ء

مالِ زکوٰۃ ہونے یا نہ ہونے میں شک آ جائے تو؟

فتویٰ 243

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے مدرسے کی لیب میں ایک بکس ہے جس میں ہم اپنی لائبریری کے پیسے الگ تھیلی میں رکھتے تھے۔ جبکہ رمضان کے مہینے میں ہم اسی بکس میں زکوٰۃ کے پیسے بھی رکھتے ہیں۔ اب اس میں ایک دن ایک اور تھیلی نکلی جس میں تقریباً ایک ہزار روپے سے زائد رقم ہے ہمارا کہنا یہ ہے کہ یہ ہماری لائبریری کی رقم نہیں ہے اور گمان غالب یہ ہے کہ یہ رقم زکوٰۃ کی ہوگی جو ہم رمضان میں جمع

کیا کرتے تھے تو اب ہم اس رقم کا کیا کریں؟ سائل: عبداللہ (کھارادر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

قوانینِ شَرْعِیَّہ کی رُو سے اس قسم کی صورتِ حال میں جو سوال میں مذکور ہے گمانِ غالب پر عمل کیا جاتا ہے۔

جیسا کہ غَمْزُ عُیُونِ الْبَصَائِر شَرحِ الْاَشْبَاہ وَالنَّظَائِر میں غلبۂ ظن کی تعریف کے تحت لکھا ہے:

''الشك لغة مطلق التردد وفي اصطلاح الأصول استواء طرفي الشيء، وهو الوقوف بين الشيئين بحيث لا يميل القلب الى أحدهما، فان ترجح أحدهما، ولم يطرح الآخر، فهو ظن، فان طرحه، فهو غالب الظن، وهو بمنزلة اليقين ''ترجمہ: لغت میں شک مطلق تردُّد کو کہتے ہیں اور اُصولیین کی اصطلاح میں اس سے مراد کسی شے کی دونوں طرفوں کا برابر ہونا ہے، اور وہ دو چیزوں کے درمیان وقوف ہے اس طرح کہ دل دونوں میں سے کسی طرف مائل نہ ہو، پھر اگر دونوں میں سے کوئی ایک جانب ترجیح پا جائے اور دوسری طرف کو بالکل مسترد نہ کرے تو یہ ظن ہے اور اگر دوسری جانب کو بالکل مسترد کر دیا جائے تو یہ ظنِ غالب ہے جو یقین کا درجہ رکھتا ہے۔ (غمزعیون البصائر شرح الاشباہ والنظائر، صفحہ 183، جلد 1، مطبوعہ کراچی)

اسی طرح فَتَاویٰ رَضَوِیَّہ میں ہے: ''جانبِ راجح پر قلب کو اس درجہ وُثوق و اعتماد ہو کہ دوسری طرف کو بالکل نظر سے ساقط کر دے اور محض نا قابلِ اِلتفات سمجھے گویا اُس کا عدم و وجود یکساں ہوا ایسا ظنِ غالب فقہ میں مُلحق بیقین کہ ہر جگہ کارِ یقین دے گا۔ اور اپنے خلاف یقینِ سابق کا پورا مزاحم و رافع ہو گا اور غالباً اصطلاحِ علما میں غالب ظن و اکبر رائے اسی پر اطلاق کرتے ہیں۔'' (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 493، جلد 4، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

جب آپ اس بکس میں زکوٰۃ کی رقم بھی رکھتے ہیں اور آپ کے غالب گمان میں بھی وہ لائبریری کی رقم نہیں ہے تو اسے زکوٰۃ ہی کی رقم سمجھا جائے کہ یہ رقم زکوٰۃ ہی کی ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ
اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصْغَر العَطَّارِیُّ المَدَنی
25 رجب المرجب 1426ھ 31 اگست 2005ء

الجواب صحیح
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلقَادِرِیُّ

امام و مؤذن کو زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 244

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا علمائے اہلسنّت اور مؤذن اور مبلِّغین کو زکوٰۃ، فطرہ دے سکتے ہیں؟

سائل: طلحہ رضا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ اور فطرہ ہر فقیرِ شرعی غیرِ سیّد اور غیرِ ہاشمی کو دے سکتے ہیں اور عالم کو دینا جاہل کو دینے سے افضل ہے لیکن اس میں عالم کا ادب ملحوظ رکھنا ضروری ہے بہارِ شریعت میں ہے: ''فقیر اگر عالم ہو تو اُسے دینا جاہل کو دینے سے افضل ہے مگر عالم کو دے تو اس کا لحاظ رکھے کہ اس کا اعزاز مدِّ نظر ہو ادب کے ساتھ دے جیسے چھوٹے بڑوں کو نذر دیتے ہیں اور مَعَاذَ اللہ عالمِ دین کی حقارت اگر قلب میں آئی تو یہ ہلاکت اور بہت سخت ہلاکت ہے۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 924 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

اس لیے اگر مؤذن صاحب، عالم صاحب یا مبلِّغ صاحب فقیرِ شرعی ہوں اور سیّد نہ ہوں تو ان کو زکوٰۃ اور فطرہ دے سکتے ہیں۔ واضح رہے کہ دینا تنخواہ کے طور پر نہ ہو کہ کسی بھی قسم کی تنخواہ کی مد میں زکوٰۃ کی رقم ادا نہیں کی جا سکتی۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

23 رمضان المبارک 1432ھ 24 اگست 2011ء

کن رشتہ داروں کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے؟

فتویٰ 245

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین ان مسائل کے بارے میں کہ

﴿1﴾ رشتے داروں میں سے کس کس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

﴿2﴾ بیوہ عورت جس کا کوئی وارث نہ ہو اور اس کے یتیم بچے بھی ہوں تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے یا نہیں؟

سائل: محمد نعیم (مدینۃ الاولیاء ملتان شریف، پنجاب)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

﴿1﴾ رشتے داروں میں سے کوئی حاجت مند اور شرعی فقیر ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا افضل ہے مگر ان کو دینے کی چند شرائط ہیں: (1) سیّد یا ہاشمی نہ ہو (2) والدین (3) یا اپنی اولاد میں سے نہ ہوں (4) میاں بیوی نہ ہوں (5) ایسا نابالغ نہ ہو جس کا والد غنی ہو۔ ان کے علاوہ (1) بھائی (2) بہن (3) ساس (4) سسر (5) بہو (6) داماد (7) خالہ (8) پھوپھی (9) اپنی زوجہ کی اولاد جو دوسرے شوہر سے ہو (10) اپنے شوہر کی اولاد جو دوسری بیوی سے ہو (11) اپنی والدہ کا شوہر (12) اپنے والد کی زوجہ (13) چچا (14) ماموں۔ ان سب کو زکوٰۃ دینا جائز ہے بشرطیکہ مُستحق ہوں۔

فَتَاوٰی عَالَمگِیری میں ہے: ’’والافضل فی الزکاۃ والفطر والنذور الصرف اولا الی الاخوۃ والاخوات ثم الی اولادھم ثم الی الاعمام والعمات ثم الی اولادھم ثم الی الاخوال والخالات ثم الی اولادھم ثم الی ذوی الارحام‘‘ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 190، جلد 1، دارالفکر بیروت)

خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ ارشاد فرماتے ہیں: ’’زکوٰۃ وغیرہ صدقات میں افضل یہ ہے کہ اوّلاً اپنے بھائیوں بہنوں کو دے پھر اُن کی اولاد کو پھر چچا اور پھوپھیوں کو پھر ان کی اولاد کو پھر ماموں اور خالہ کو پھر اُن کی اولاد کو پھر ذَوِی الارحام یعنی رشتہ والوں کو پھر پڑوسیوں کو پھر اپنے پیشہ والوں کو پھر اپنے شہر یا گاؤں کے رہنے والوں کو۔‘‘ (بہارِ شریعت، صفحہ 933، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

﴿2﴾ بیوہ عورت اگر واقعی شرعی فقیر ہے تو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے بشرطیکہ سیّدہ نہ ہو۔

وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلۡقَادِرِی

6 شوال المکرم 1427ھ 30 اکتوبر 2006ء

سگی بہن کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں

فتویٰ 246

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بہن کو زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

بہن اگر مُستحقِ زکوٰۃ ہے تو اسے زکوٰۃ کی رقم دے سکتے ہیں بلکہ بہن کو زکوٰۃ دینا بہتر ہے۔

جیسا کہ بَحرُ الرَّائِق میں "واصلہ وان علا وفرعہ وان سفل" کی شرح میں ہے: "وقید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابة یجوز الدفع لھم وھو اولی لما فیہ من الصلة مع الصدقه کالاخوة والاخوات والاعمام والعمات والاخوال والخالات الفقرآء" یعنی اپنی اصل اور فرع جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی، اور اپنی فروع یعنی جو اپنی اولاد یا اپنی اولاد کی اولاد میں سے ہوں جیسے بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی کے علاوہ دوسرے قریبی رشتے داروں کو دینا جائز ہے بلکہ ان کو دینا بہتر ہے کیونکہ اس میں زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ صلہ رحمی ہے جیسا کہ بھائیوں اور بہنوں، چچاؤں، پھوپھیوں، ماموؤں اور خالاؤں کو زکوٰۃ دینا جبکہ وہ فقیر (مُستحقِ زکوٰۃ) ہوں۔ (بحر الرائق، صفحہ 425، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

سیّدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن سے سوال کیا گیا کہ کیا بہن اور بھائی کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں تو آپ عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے ارشاد فرمایا: "ہاں جائز ہے جبکہ مَصرَف ہو۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 252، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّریعَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: "زکوٰۃ وغیرہ صدقات میں افضل یہ ہے کہ اوّلاً اپنے بھائیوں بہنوں کو دے پھر اُن کی اولاد کو پھر چچا اور پھوپھیوں کو پھر ان کی اولاد کو پھر ماموں اور

خالہ کو پھر اُن کی اولاد کو پھر ذوی الارحام یعنی رشتہ والوں کو پھر پڑوسیوں کو پھر اپنے پیشہ والوں کو پھر اپنے شہر یا گاؤں کے رہنے والوں کو۔ حدیث میں ہے کہ نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اے اُمتِ محمد! قسم ہے اُس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا، اللہ تعالیٰ اس شخص کے صدقہ کو قبول نہیں فرماتا جس کے رشتہ دار اس کے سلوک کرنے کے محتاج ہوں اور یہ غیروں کو دے، قسم ہے اُس کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر نہ فرمائے گا۔" (بہارِ شریعت، صفحہ 933، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

11 شعبان المعظم 1428ھ 25 اگست 2007ء

رضاعی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں

فتویٰ 247

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اپنی رضاعی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟　　　سائل: محمد قاسم (فیصل آباد)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اپنی رضاعی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

چنانچہ فَتْحُ الْقَدِیْر میں علامہ کمال الدین محمد بن عبدالواحد رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ اس عبارت "ولا یدفع المزکی زکاته...... الخ" کے تحت ارشاد فرماتے ہیں: "الأصل أن کل من انتسب إلی المزکی بالولاد أو انتسب هو له به لا یجوز صرفها له" ترجمہ: قاعدہ کلیہ یہ ہے کہ ہر وہ شخص جو ولادت کی وجہ سے زکوٰۃ دینے والے کی طرف منسوب ہو یا زکوٰۃ لینے والا ولادت کی وجہ سے اس کی طرف منسوب ہو تو اس کو زکوٰۃ

دینا جائز نہیں۔ (فتح القدیر، صفحہ 209، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

بحر الرائق شرح کنز الدقائق میں علامہ شیخ محمد بن حسین بن علی حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ "واصلہ وان علا وفرعہ وان سفل" کے تحت تحریر فرماتے ہیں: "وقید باصلہ وفرعہ لان من سواھم من القرابۃ لایجوز الدفع لھم وھو اولی لمافیہ من الصلۃ مع الصدقہ کالاخوۃ والاخوات...... الخ" ترجمہ: اصل اور فرع کی قید اس لئے لگائی گئی ہے کہ ان کے علاوہ قریبی رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور ان کو زکوٰۃ دینا افضل ہے کہ اس میں صدقہ دینے کے ساتھ صلہ رحمی بھی شامل ہے جیسا کہ بھائی اور بہن کو زکوٰۃ دینا۔

(بحر الرائق، صفحہ 425، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

10 ربیع الاوّل 1429ھ 19 مارچ 2008ء

خالہ کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟

فتویٰ 248

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری خالہ کو ان کے شوہر نے چھوڑ دیا ہے اب وہ خود ہی گھر کا کام کر کے گزر بسر کرتی ہیں کیا میں ان کو اپنی زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟ جبکہ ان کی مالی حیثیت بھی صحیح نہیں ہے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

خالہ کو زکوٰۃ دینا جائز بلکہ بہتر ہے جبکہ وہ مستحقِ زکوٰۃ ہوں۔

جیسا کہ علامہ ابن نُجیم مصری حنفی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ صاحب کنز کے قول "واصلہ وان علا وفرعہ وان

سفل" کی شرح میں فرماتے ہیں: "وقیدباصله وفرعه لان من سواهم من القرابة یجوز الدفع لهم وهو اولی لما فیه من الصلة مع الصدقه کالاخوة والاخوات والاعمام والاعمات والاخوال والخالات الفقراء "یعنی اپنی اصل جیسے ماں باپ، دادادادی، نانانانی، اور اپنی فرع یعنی جو اپنی اولاد یا اپنی اولاد کی اولاد میں سے ہوں جیسے بیٹابیٹی، پوتاپوتی، نواسانواسی کے علاوہ دوسرے قریبی رشتے داروں کو دینا جائز ہے بلکہ ان کو دینا بہتر ہے کیونکہ اس میں زکوٰۃ کے ساتھ ساتھ صلہ رحمی ہے جیسا کہ بھائیوں اور بہنوں، چچاؤں، پھوپھیوں، ماموں اور خالاؤں کو زکوٰۃ دینا جبکہ وہ فقیر (مستحقِ زکوٰۃ) ہوں۔" (بحر الرائق، صفحہ 425، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

یونہی صدرُ الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رحمۃ اللہ تعالی علیہ فرماتے ہیں "زکوٰۃ وغیرہ صدقات میں افضل یہ ہے کہ اوّلاً اپنے بھائیوں بہنوں کو دے پھر اُن کی اولاد کو پھر چچا اور پھوپھیوں کو پھر ان کی اولاد کو پھر ماموں اور خالہ کو پھر اُن کی اولاد کو پھر ذوِی الارحام یعنی رشتہ والوں کو پھر پڑوسیوں کو پھر اپنے پیشہ والوں کو پھر اپنے شہر یا گاؤں کے رہنے والوں کو۔ حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ تعالی علیہ والہ وسلم نے فرمایا: اے اُمتِ محمد! قسم ہے اُس کی جس نے مجھے حق کے ساتھ بھیجا، اللہ تعالیٰ اس شخص کے صدقہ کو قبول نہیں فرماتا جس کے رشتہ دار اس کے سلوک کرنے کے محتاج ہوں اور یہ غیروں کو دے، قسم ہے اُس کی جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف قیامت کے دن نظر نہ فرمائے گا۔" (بہارِشریعت، صفحہ 933، جلد 1، مکتبة المدینه)

وَ اللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــه

ابوالصالح محمد قاسم القادری

24 ذی الحجہ 1426ھ 25 جنوری 2006ء

قرض دار بھائی کو زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتوی 249

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے بھائی کا لکڑی کا

کاروبار تھا جس میں انہیں سخت نقصان ہوا حتی کہ وہ مقروض ہو گئے میں نے اس دوران انکی کچھ مدد کی جس سے کچھ حد تک ان کے نقصان کا ازالہ ہوا، اب بھی میرے بھائی پریشانی کی حالت میں ہیں میں ان کی مزید مدد کرنا چاہتا ہوں تو کیا میں اپنی زکوٰۃ اور اپنی بیوی کے زیورات کی زکوٰۃ اس کی مرضی سے اپنے بھائی کو دے دوں تو کوئی مسئلہ تو نہیں؟

سائل: غلام حسین (کورنگی 4، کراچی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں اگر آپ کے بھائی کے پاس حاجتِ اَصلیہ کے علاوہ اتنا مال نہیں ہے کہ وہ اپنا قرضہ ادا کر سکیں تو ان کا قرضہ ادا کرنے کے لئے ان کی امداد زکوٰۃ سے کی جا سکتی ہے بلکہ دوسروں کے مقابلے میں بھائی کو زکوٰۃ دینا زیادہ اولیٰ ہے، بشرطیکہ وہ مُستحق ہو کہ قریبی رشتہ دار کو دینے میں زیادہ ثواب ہے۔

مُستحقِ زکوٰۃ فقیر اگر مقروض ہو تو اسے دینا زیادہ فضیلت رکھتا ہے۔

چنانچہ دُرِّ مُختَار میں ہے: ''مديون لايملك نصابا فاضلا عن دينه و فی الظهيرية الدفع للمديون أولى منه للفقير أى أولى من الدفع للفقير الغير المديون لزيادة احتياجه'' **یعنی** مصارفِ زکوٰۃ میں سے ایک مقروض بھی ہے جو قرض کے علاوہ نصاب کا مالک نہ ہو زیادہ ضرورت کے پیشِ نظر اس کو زکوٰۃ دینا فقیر کو دینے سے افضل ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار ، صفحه 339 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بيروت)

وَ اللّٰهُ اَعۡلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُهٗ اَعۡلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيۡهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد عقیل عطاری المدنی
8 رمضان المبارک 1426ھ 13 اکتوبر 2005ء

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

حضرت قتادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے ''علم کا ایک باب جسے آدمی اپنی اصلاح اور اپنے بعد والوں کی اصلاح کے خیال سے یاد کرتا ہے، سال بھر کی عبادت سے افضل ہے۔'' (سیر اعلام النبلاء، صفحہ 275، جلد 5)

سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

فتویٰ 250

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سوتیلی ماں کو زکوٰۃ دینا کیسا ہے؟ جبکہ وہ شرعی فقیر ہوں۔

سائل: سیّد محمد سہیل (لانڈھی، کراچی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سوتیلی ماں شرعی فقیر ہوں تو زکوٰۃ دینا جائز ہے جبکہ کوئی اور شرعی ممانعت نہ پائی جائے۔

سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجدِّدِ دِین ومِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ الرَّحْمَہ (کس کو زکوٰۃ دینا جائز ہے اور کس کو جائز نہیں) اس کے بارے میں فرماتے ہیں کہ: ''مصرفِ زکوٰۃ ہر مسلمان حاجت مند جسے اپنے مالِ مملوک سے مقدارِ نصاب فَارِغ عَنِ الْحَوَائِجِ الاصْلِیَّہ پر دسترس نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو، نہ اپنا شوہر، نہ اپنی عورت اگرچہ طلاقِ مغلظہ دے دی ہو جب تک عدت سے باہر نہ آئے، نہ وہ جو اپنی اولاد میں ہے جیسے بیٹا، بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی، نہ وہ جن کی اولاد میں یہ ہے جیسے ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی...... نہ اپنا یا ان پانچوں قسم میں کسی کا مملوک اگرچہ مکاتب ہو، نہ کسی غنی کا غلام غیر کاتب، نہ مرد غنی کا نابالغ بچہ، نہ ہاشمی کا آزاد بندہ، اور مسلمان حاجت مند کہنے سے کافر وغنی پہلے ہی خارج ہو چکے، یہ سولہ شخص ہیں جنہیں زکوٰۃ دینی جائز نہیں، ان کے سوا سب کو روا۔'' مزید فرماتے ہیں کہ ماں کا شوہر (یعنی سوتیلا باپ) یا باپ کی عورت (یعنی سوتیلی ماں) یا اپنے زوج یا زوجہ کی اولاد کہ ان سولہ کو بھی دینا روا، جبکہ یہ سولہ، اوّل (مذکور) سولہ سے نہ ہوں۔ (ملتقطاً)

(فتاوی رضویہ، صفحہ 246، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعۡلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

21 شعبان المعظم 1429ھ 24 اگست 2008ء

ساس کو زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 251

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ساس بہت غریب ہیں ان کا ایک بیٹا ہے جو اسکول پڑھتا ہے اور شوہر نشہ کرتا ہے وہ دوسروں کے گھروں میں محنت مزدوری کرتی ہیں ان کے گھر میں ضروریاتِ زندگی مثلاً ٹی وی، چارپائی، برتن وغیرہ کے علاوہ کوئی اور سامان نہیں ہے تو کیا میں انہیں ہر ماہ زکوٰۃ کی رقم یا کھانا وغیرہ دے سکتا ہوں یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مسئولہ میں ساس کی مِلکیت میں جو ٹی وی ہے اگر اس کی قیمت ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت کے برابر ہو جائے تو ان کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے نہ رقم کی صورت میں اور نہ ہی کھانے کے سامان کی صورت میں کہ ٹی وی عموماً حاجتِ اصلیہ میں شمار نہیں ہوتا بلکہ حاجتِ اصلیہ سے زائد ہے، البتہ بعض افراد کے لئے ان کی حالت کے اعتبار سے یہ حاجتِ اصلیہ میں شمار ہو سکتا ہے۔

اور خیال رہے کہ زکوٰۃ فرض ہو جانے کے بعد اس میں تاخیر کرنا جائز نہیں ہے البتہ فرض ہونے سے پہلے تھوڑی تھوڑی کر کے دینا جائز ہے پھر جب سال پورا ہو جائے تو جو باقی رہ جائے یکمشت ادا کرنا ہوگی۔

اعلیٰ حضرت علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: "حولانِ حول (یعنی سال مکمل ہونے) کے بعد ادائے زکوٰۃ میں اصلاً تاخیر جائز نہیں جتنی دیر لگائے گا گنہگار ہوگا۔" (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 202، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

کتبــــــــــــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد عقیل عطاری المدنی
29 محرم الحرام 1427ھ 28 فروری 2006ء

کیا نند کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

فتویٰ 252

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اپنی نند کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نند غیر شادی شدہ ہو تو اس کو جہیز بنوا کر دے سکتے ہیں یا نہیں؟ شادی میں نند کو تحفہ یا اس کے بچوں کے کپڑے وغیرہ کی مد میں اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ سائل: محمد اسلم

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اگر آپ کی نند غیر سیّدہ اور شرعی فقیر ہیں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے شرعی فقیر سے مراد ایسا شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب کی مقدار موجود تو ہے لیکن اُس کی حاجتِ اَصلیہ میں مستغرق ہو۔ اور زکوٰۃ کی ادائیگی نقدی، زیورات، سامان وکھانے وغیرہ کی صورت میں بھی جائز ہے جبکہ شرعی فقیر کو اس کا مالک بنانا پایا جائے۔

شرح نُقَایَہ میں خَانِیَہ کے حوالہ سے ہے: ''لو اطعم یتیما او کساہ من زکاتہ بالتسلیم الیہ جاز ان کان مراھقا او یعقل القبض وان کان صغیرا لا یجوز'' یعنی اگر کسی نے اپنی زکوٰۃ سے یتیم کو کھانا کھلایا، یا کپڑے پہنائے بایں طور کہ اس کو ان چیزوں کا مالک کر دیا تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اگر چہ وہ بچہ مُراہِق یا ایسا ہے جو قبضہ کرنا جانتا ہے اور بصورتِ دیگر نابالغ بچے کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(شرح نقایہ، صفحہ 536، جلد 1، مطبوعہ کراچی)

اسی طرح تحفہ یا بچوں کے کپڑوں کا کہہ کر بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں زکوٰۃ ظاہر کر کے دینا ہی ضروری نہیں نیز اگر براہِ راست کپڑوں یا بچوں کے تحائف کی صورت میں بچوں ہی کو دینی ہو تو یاد رہے کہ زکوٰۃ کا مالک کسی بالغ یا ایسے بچے کو کیا جائے جو قبضہ کرنے کی تمیز بھی رکھتا ہو، ایسا نابالغ بچہ جو قبضہ وغیرہ سے ناواقف ہے اس کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی سوائے یہ کہ اس کا والد قبضہ کرے جبکہ وہ شرعی فقیر ہو۔ نیز ایسا نابالغ بچہ جس کا والد غنی ہے اس کو زکوٰۃ

دینا جائز نہیں۔

چنانچہ دُرِّ مُختار میں ہے: ”ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة کما مر “یعنی جس مَصرَف میں زکوٰۃ خرچ کی جارہی ہے اس میں تَملِیک کا ہونا ضروری ہے بطورِ اِباحت ادا کرنے سے ادا نہ ہوگی۔

رَدُّالمُحتَار میں اس عبارت کے تحت ہے: ” وفی التملیك اشارة انه لا یصرف الی مجنون و صبی غیر مراهق، الا اذا قبض لهما من یجوز له قبضه کالاب والوصی وغیر هما، و یصرف الی مراهق یعقل الاخذ کما فی المحیط “یعنی تَملِیک کی قید سے اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ زکوٰۃ کو پاگل اور غیر مُراہِق بچہ کی طرف صَرف کرنا جائز نہیں سوائے یہ کہ ان کی جگہ وہ قبضہ کرے جس کا قبضہ کرنا جائز ہے جیسے باپ وصی اور ان کے علاوہ کوئی اور شخص، البتہ ایسا مُراہِق بچہ جو قبضہ کرنے کی تمیز رکھتا ہے اس کو دی جاسکتی ہے جیسا کہ محیط میں ہے۔ (درمختار مع ردالمحتار، صفحہ 341، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

فَتاوىٰ رَضَوِیّہ میں ہے: ”یہ بھی کچھ ضرور نہیں کہ انہیں زکوٰۃ جتا ہی کر دے بلکہ دل میں زکوٰۃ کی نیت ہو انہیں عیدی وغیرہا یا شادیوں کی رسوم خواہ کسی بات کا نام کر کے مالک کر دے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی۔“

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 264، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

دُرِّ مُختار میں ہے: ”ولا الی طفله، بخلاف ولده الکبیر “یعنی غنی کے نابالغ بچے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں برخلاف اس کے بڑے بچے کے۔

رَدُّالمُحتَار میں ہے: ”فافاد ان المراد بالطفل غیر البالغ ذکرا کان او انثا فی عیال ابیه او لا علی الاصح لما انه یعد غنیا بغناه “یعنی بچہ سے مراد نابالغ بچہ ہے چاہے وہ مذکر ہو یا مؤنث چاہے وہ باپ کے عیال میں ہو یا نہ ہو کیونکہ بچہ اپنے والد کی غنا کی وجہ سے غنی شمار کیا جاتا ہے۔

(درمختار مع رد المحتار، صفحہ 349 تا 350، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــہ
محمد سجاد عطاری المدنی
28 ربیع الثانی 1431ھ 14 اپریل 2010ء

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

بھتیجی کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

فتویٰ 253

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اپنے بھائی کی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟ میرا بڑا بھائی نشے کا عادی ہے اور کچھ کام وغیرہ نہیں کرتا اس کی بچی جوان ہے اور اس کی شادی ہونے والی ہے تو میں چاہتا ہوں کہ اپنی بھتیجی کو کوئی چیز زکوٰۃ کے پیسوں سے لے کر دے دوں۔ کیا ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر آپ کی بھتیجی شرعی فقیر ہے یعنی نصاب کی مالک نہیں تو اس کو زکوٰۃ کی رقم یا کوئی چیز دے سکتے ہیں۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ

عَبْدُہُ الْمُذْنِبْ فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَا عَنْہُ الْبَارِی

12 رمضان المبارك 1429ھ

بھانجے بھانجی کو زکوٰۃ دینا جائز ہے

فتویٰ 254

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بہن سیّدہ ہیں، ان کے شوہر غیرِ سیّد ہیں ان کے حالات بہت خراب ہیں کیا ہم ان کے بچوں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟ جو ان کی تعلیم کے لئے کام آسکے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر ان کے بچے بالغ ہیں اور صاحبِ نصاب نہیں تو دے سکتے ہیں، اور اگر بچے نابالغ ہیں اور ان کے والد صاحب

بھی نصاب کے مالک نہیں تو بھی بچوں کو دے سکتے ہیں۔ لیکن اس صورت میں ان کے والد کا قبضہ اس زکوٰۃ پر ہونا لازم ہے جبکہ بچے خود بالغ ہونے کے قریب یا اس چیز پر قبضہ کرنے کے لائق نہ ہوں۔

اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان رَحْمَۃُ اللہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ سے بھانجا، بھانجی کو زکوٰۃ دینے کے بارے میں سوال ہوا تو ارشاد فرمایا: "ان کو بھی بشرائطِ مذکورہ جائز ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 252، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــه

ابوالصالح محمد قاسم القادری

16 رمضان المبارک 1428ھ 29 ستمبر 2007ء

سوتیلے بیٹے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

فتویٰ 255

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سوتیلا باپ، سوتیلے بیٹے کی پرورش کر رہا ہے اس بیٹے کو سوتیلا باپ اپنی زکوٰۃ دے سکتا ہے؟ سائل: محمد احمد (مرکز الاولیاء لاہور)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

سوتیلا بیٹا اگر فقیر مصارِفِ زکوٰۃ میں سے ہو تو سوتیلا باپ اس کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔

دُرِّ مُختار کے قول "ولا الی من بینھما ولاد" کے تحت علامہ شامی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: "ای اصله وان علا کابویه واجداده وجداته من قبلهما وفرعه وان سفل" ترجمہ: اپنی اصل جیسے والدین، دادا، دادی اگرچہ کئی پشت اُوپر کے ہوں اور جن کی یہ اصل ہے جیسے بیٹا بیٹی اگرچہ کئی پشت نیچے کے ہوں ان لوگوں کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ (رد المحتار علی الدرالمختار، صفحہ 344، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

بہارِ شریعت میں ہے:"بہواور داماد اور سوتیلی ماں یا سوتیلے باپ یا زوجہ کی اولاد یا شوہر کی اولاد کو(زکوٰۃ) دے سکتا ہے۔
(بہارِ شریعت، صفحہ 928، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــہ
ابُوالصالح محمد قاسم القادری
25 شوال المکرم 1431ھ 05 اکتوبر 2010ء

مُتوقّع بھابھی کو زکوٰۃ سے تحائف دینا کیسا؟

فتوٰی 256

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم جس لڑکی کو اپنی بھابھی بنانا چاہتے ہیں اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟ اور گفٹ کہہ کر دے سکتے ہیں؟ تاکہ اس کی دل آزاری نہ ہو۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر وہ زکوٰۃ کی مُستحق ہیں یعنی ان کے پاس اتنا مال نہیں جو زکوٰۃ کے نصاب کو پہنچ جائے اور نہ ہی وہ سیّدہ اور ہاشمیہ ہیں تو انہیں زکوٰۃ دے سکتے ہیں، اور گفٹ کہہ کر بھی دے سکتے ہیں، زکوٰۃ کہہ کر دینا ضروری نہیں۔

فَتَاویٰ عَالَمْگِیْرِی میں ہے:"ومن اعطى مسكينا دراهم وسماها هبة او قرضا ونوى الزكوة فانها تجزيه وهو الاصح"یعنی اگر کسی نے مسکین کو زکوٰۃ دی اور کہا کہ یہ تحفہ ہے یا قرض ہے اور دل میں نیت زکوٰۃ کی تھی تو اس کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور یہی اَصح قول ہے۔
(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 171، جلد 1، دارالفکر بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبـــــــــــــہ
محمد حسان رضا العطاری المدنی
22 جمادی الاخری 1430ھ 16 جون 2009ء

باب رابع: مصارفِ زکوٰۃ

فصل/عنوان 17

مصارفِ ممنوعہ

زکوٰۃ کی رقم سے مفت دواخانہ کھولنا کیسا؟

فتویٰ 257

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کسی مُستحق کو دینے کے بجائے انہی پیسوں سے مفت دواخانہ (Free Dispensary) کھول سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ کی رقم یا کسی اور چیز کا مُستحق کو مالک بنا دینا ضروری ہے لہٰذا زکوٰۃ کی رقم سے دواخانہ کھول لیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

چنانچہ فقہائے کرام فرماتے ہیں: ''الزکوۃ تملیك جزء مال عینه الشارع من مسلم فقیر غیر هاشمی ولا مولاه مع قطع المنفعة عن الملك من كل وجه لله تعالٰی ''یعنی زکوٰۃ شریعت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کے لئے مال کے ایک حصہ کا جو شرع نے مقرر کیا ہے مسلمان فقیر کو مالک کر دینا ہے اور وہ فقیر، نہ ہاشمی ہو نہ ہاشمی کا آزاد کردہ غلام اور اپنا نفع اُس سے بالکل جدا۔'' (تنویر الابصار، صفحہ 203 تا 206، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد سعید العطاری المدنی
29 شوال المکرم 1428ھ 11 نومبر 2007ء

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

میت کے کھانے پر زکوٰۃ کی رقم خرچ نہیں کر سکتے

فتویٰ 258

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا زکوٰۃ کی رقم کسی غریب کی میت پر ہونے والے کھانے میں صرف کی جاسکتی ہے جب کہ وُرَثہ کو بھی نہ بتایا جائے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ ادا ہونے میں تَملیکِ فقیر (فقیر کو مالک بنادینا) شرط ہے۔ موجودہ صورت میں تَملیک نہیں پائی جارہی لہٰذا زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی وُرَثہ کو بتائیں یا نہ بتائیں۔

چنانچہ صَدرُالشَّریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ القَوی بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں: ”مباح کردینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، مثلاً فقیر کو بہ نیتِ زکوٰۃ کھانا کھلا دیا زکوٰۃ ادا نہ ہوئی کہ مالک کر دینا نہیں پایا گیا، ہاں اگر کھانا دے دیا کہ چاہے کھائے یا لے جائے تو ادا ہو گئی۔“ (بہارِ شریعت، صفحہ 874، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری
23 شوال المکرم 1429ھ
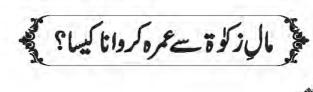
فتویٰ 259

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کے پیسے سے کسی کو عمرہ

کرواسکتے ہیں یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ کے پیسے سے کسی کو عمرہ نہیں کرواسکتے فقیرِ شرعی کو مالک بنا کر دینا ضروری ہے۔ پھر وہ جو چاہے کرے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ
ابو الصالح محمد قاسم القادری
12 جمادی الثانی 1429ھ

زکوٰۃ سے علاج معالجہ کا خرچہ اٹھانا کیسا؟

فتویٰ 260

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر لوگوں سے مالِ زکوٰۃ لے کر فقیرِ شرعی کو مالک بنائے بغیر اس کے علاج معالجہ میں خرچ کر دیا جائے تو کیا زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے کسی فقیرِ شرعی کو مالک بنانا ضروری ہے اگر مالک نہ بنایا اور اس کے علاج مثلاً ڈاکٹر کی فیس یا کرایہ وغیرہ میں رقم خرچ کردی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

دُرِّ مُختار میں ہے: ''یشترط ان یکون الصرف تملیکا لااباحۃ '' یعنی زکوٰۃ ادا کرنے میں بطورِ تَملیک خرچ کرنا شرط ہے نہ کہ بطورِ اِباحت۔ (درمختار، صفحہ 341، جلد3، دارالمعرفۃ بیروت)

البتہ اگر مالِ زکوٰۃ سے دوا خریدی اور اس کا فقیرِ شرعی کو مالک بنادیا تو اس دوا کی قیمت کے مطابق زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ مگر خیال رہے کہ مالِ زکوٰۃ لے کر کسی مریض فقیرِ شرعی کا انتظار کیا کہ ملے تو اس کی دوا میں خرچ کی جائے

یہ جائز نہیں کہ اس صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی میں تاخیر پائی گئی اور زکوٰۃ ادا کرنے میں تاخیر کرنا گناہ ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

25 ربیع الاوّل 1427ھ 14 اپریل 2007ء

مالِ زکوٰۃ تجہیز و تکفین میں صرف کرنا کیسا؟

فتویٰ 261

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کا روپیہ میت کے کفن دفن میں استعمال کرنا کیسا ہے؟ اگر جائز نہیں تو اس کا کوئی حل نکال دیں۔ سائل: عبداللہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

قوانینِ شرعیّہ کے مطابق زکوٰۃ کے پیسے سے میت کا کفن نہیں لے سکتے کیونکہ مالِ زکوٰۃ کے لئے شرط ہے کہ کسی شرعی فقیر کو اس کا مالک بنایا جائے۔

دریافت کی گئی صورت میں چونکہ مالک بنانا نہیں پایا جاتا اس لئے زکوٰۃ کے پیسے سے میت کا کفن نہیں خرید سکتے ہاں ضرورتاً حیلۂ شرعی کروا کر زکوٰۃ کی رقم کو میت کے کفن کے لئے استعمال میں لایا جاسکتا ہے اس کا طریقۂ کار یہ ہے کہ کسی شرعی فقیر کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دیں پھر وہ فقیر خود ان پیسوں سے کفن خرید لے یا کسی کو اس کام میں خرچ کرنے کا وکیل بنا کر اسے یہ روپے دے دے تو ٹھیک ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے: ''زکوٰۃ کا روپیہ مُردہ کی تجہیز و تکفین یا مسجد کی تعمیر میں نہیں صرف کر سکتے کہ تملیکِ فقیر نہیں پائی گئی اور ان امور میں صرف کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ فقیر کو مالک کر دیں اور وہ صرف کرے اور ثواب دونوں کو ہوگا بلکہ حدیث میں آیا، اگر سو ہاتھوں میں صدقہ گزرا تو سب کو ویسا ہی ثواب ملے گا جیسا دینے والے کے

لئے اوراس کے اجر میں کچھ کمی نہ ہوگی۔" (بہارِ شریعت، صفحہ 890، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

5 محرم الحرام 1426ھ 4 فروری 2006ء

زکوۃ سے کسی کا مکان تعمیر کروانا کیسا؟

فتویٰ 262

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری شادی سے پہلے میری زوجہ نے پیسے جمع کرکے ایک پلاٹ خریدا تھا اب ہماری شادی ہوگئی ہے اوراس پلاٹ کو ہم نے تعمیر کرنا شروع کیا لیکن اب رقم ختم ہوگئی ہے اور گھر میں سونا چاندی اور کوئی زر نہیں ہے، اگر کوئی شخص زکوۃ کی رقم سے ہمارے مکان کی تعمیر کروا دے تو کیا اس رقم سے مکان کی تعمیر ہوسکتی ہے؟ سائل: بندۂ خدا (ہاکس بے روڈ، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوۃ کی رقم سے کسی کا مکان تعمیر کروانے سے زکوۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ ادائیگیٔ زکوۃ کے لئے شرعی فقیر کو اس رقم کا مالک کرنا شرط ہے۔

نُوْرُالْاِیْضَاح میں ہے:"هي تمليك مال مخصوص لشخص مخصوص "یعنی زکوۃ مالِ مخصوص کا شخصِ مخصوص کو مالک بنانے کا نام ہے۔ (نورالایضاح، صفحہ 165، مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی)

ہاں اگر آپ کے پاس حاجتِ اَصلیہ کے علاوہ نصاب یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کی قیمت کے برابر رقم یا اتنی مالیت کا سامان جو ضروریاتِ زندگی سے زائد ہو موجود نہ ہو تو آپ زکوۃ کے مُستحق ہیں اور زکوۃ ملنے پر

چاہے جس جائز کام میں صرف کریں لیکن شرعی فقیر کو بھی ہاتھ پھیلانے اور سوال کرنے کی اجازت نہیں جب تک کہ مسکین کی حد کو نہ پہنچ جائے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابوالصالح محمد قاسم القادری

کتبـــــــــــہ
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی
29 شعبان المعظم 1426ھ 4 اکتوبر 2005ء

زکوٰۃ کی رقم مسجد میں صرف کرنا کیسا؟

فتویٰ 263

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا زکوٰۃ کی رقم مسجد میں استعمال کرسکتے ہیں؟ اگر ہوسکتی ہے تو اس کا طریقہ کیا ہوگا؟ نیز مسجد کی تعمیر کیلئے جتنی بھی رقم لی تھی وہ خرچ ہوچکی اور مسجد ابھی تک نامکمل ہے۔

سائل: محمد آصف (رنچھوڑ لائن، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ کی رقم مسجد ومدرسہ وغیرہ امور کی تعمیرات میں صرف کرنا جائز نہیں کہ زکوٰۃ کیلئے، زکوٰۃ کے حقدار کو اس کا مالک بنا کر اسے قبضہ دینا شرط ہے جبکہ مساجد ومدارس وغیرہ میں استعمال کرنے سے ادائیگیٔ زکوٰۃ کی مذکورہ شرط مفقود ہے۔ البتہ اگر مساجد ومدارس میں استعمال کی اشد ضرورت ہے کہ لوگ اس کی تعمیر وترقی میں دلچسپی نہیں لیتے یا لوگوں کے پاس اتنے وسائل ہی نہیں کہ وہ ان کو تعمیر کرسکیں تو ضرورتاً بطورِ حیلہ مسجد میں زکوٰۃ دینا جائز ہے کہ پہلے کسی شرعی فقیر کو زکوٰۃ دے دی جائے قبضہ کرنے کے بعد وہ اس زکوٰۃ کو مسجد یا مدرسہ کیلئے دے دے تو یہ جائز ہے۔

چنانچہ دُرِّ مُختار میں ہے: "لا یصرف الی بناء نحو مسجد و لا الی کفن میت و قضاء

دینہ ''یعنی زکوٰۃ کوکسی عمارت کی تعمیر جیسے مسجد اورمیت کے کفن اورقرضوں کی ادائیگی میں نہیں خرچ کیاجائے گا۔

(درمختار ، صفحہ 341 تا 342 ، جلد 3 ، دارالمعرفۃ بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ مولانا امجدعلی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فَتَاویٰ اَمجدِیَہ میں فرماتے ہیں:''ہاں اگران میں زکوٰۃ صرف کرنا چاہے تواس کاطریقہ یہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ فقیرکودے کرمالک کردے پھروہ فقیران امورمیں وہ مال صرف کرے اِنْ شَاءَ اللہ عَزَّوَجَلَّ ثواب دونوں کوہوگا۔''

(فتاویٰ امجدیہ ، صفحہ 370 ، جلد 1 ، مکتبہ رضویہ کراچی)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہُ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح　　　　کتبــــــــــہ

عَبدُہُ المُذنِب فُضَیل رَضا العَطَّارِی عَفَا عَنہُ البَارِی　　　　محمد سجاد عطاری المدنی

05 رمضان المبارک 1430ھ 27 اگست 2009ء

زکوٰۃ سے قبرِستان کی تعمیر کروانا کیسا؟

فتویٰ 264

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کے پیسے کوقبرِستان کی تعمیر وترقی میں صرف کرنا کیساہے؟　　　　سائل:کے۔آر۔خان

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئےفقیرِشرعی کومالک بناناضروری ہےجبکہ قبرِستان کی تعمیروترقی میں پیسہ صرف کرنے کی صورت میں یہ شرط نہیں پائی جاتی لہٰذاکسی شرعی فقیرکی مِلک میں دیئے بغیرقبرِستان کی تعمیرمیں زکوٰۃ کاپیسہ صرف کردینے سے زکوٰۃ ادانہ ہوگی۔

فَتَاویٰ عَالَمگِیری میں ہے:''ولا یجوز ان یبنی بالزکاۃ المسجد و کذا القناطر و

السقايات و اصلاح الطرقات و كرى الانهار و الحج و الجهاد و كل ما لا تمليك فيه" ترجمہ: زکوٰۃ کے پیسے سے مسجد، پُل، سقایہ بنوانا، سڑکیں درست کروانا، نہریں کھدوانا، حج اور جہاد میں خرچ کرنا اور ہر اس جگہ صرف کرنا جہاں تملیک نہ پائی جاتی ہو، جائز نہیں۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 188، جلد 1، دارالفکر بیروت)

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت مولانا امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: "پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطورِ اباحت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دینا یا میت کے کفن دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پُل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 110، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

كتبــــــــــــه

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

23 جمادی الاولی 1431ھ 08 مئی 2010ء

سرکاری اکاؤنٹ میں زکوٰۃ دینا دُرست نہیں

فتوٰی 265

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ اپنے ہاتھ سے مُستحق کو دینا بہتر ہے یا سرکاری اکاؤنٹ میں جمع کروانا بہتر ہے؟ جبکہ خلفائے راشدین (رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْھِمْ اَجْمَعِیْن) زکوٰۃ سرکاری بیتُ المال میں جمع کرتے تھے۔

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

ہمارے زمانے میں بیتُ المال کا نظام مُنظّم نہیں لہٰذا زکوٰۃ اپنے ہاتھ سے مُستحق کو دینا یا اس کیلئے کسی کو وکیل

بنانا دونوں جائز ہیں۔ البتہ فی زمانہ سرکاری اکاؤنٹ میں زکوٰۃ جمع کروانا دُرست نہیں کیونکہ زکوٰۃ کی رقم کو صحیح مصرف پر خرچ نہیں کیا جاتا۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــہ
ابو الصالح محمد قاسم القادری
17 شوال المکرم 1426ھ 20 نومبر 2005ء

مالِ زکوٰۃ سے ملازم کی تنخواہ ادا نہیں کی جاسکتی

فتویٰ 266

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے پاس دو لڑکے کام کرتے ہیں ان کی تنخواہ دس ہزار روپے بنتی ہے کاروبار ڈاؤن ہونے کی وجہ سے تنخواہ کی ادائیگی مشکل امر ہے۔ معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا میں زکوٰۃ کی رقم سے آدھی تنخواہ دے سکتا ہوں؟ سائل: محمد عقیل (کھارادر، کراچی)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

قوانینِ شریعت کی رُو سے زکوٰۃ کی رقم سے ملازمین کی تنخواہ ادا نہیں کی جاسکتی۔

امامِ اہلسنّت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن زکوٰۃ کی رقم مدرسین کی تنخواہ میں دینے کے بارے میں فرماتے ہیں: ''تنخواہِ مدرسین میں نہیں دے سکتے۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 262، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــہ
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی
28 جمادی الاولی 1430ھ 24 مئی 2009ء

مالِ زکوۃ بطورِ دیت نہیں دیا جا سکتا

فتویٰ 267

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس بارے میں کہ ہماری گاڑی سے حادِثہ ہوا اور ایک نوجوان انتقال کر گیا وہ لوگ صلح میں دو لاکھ روپے مانگ رہے ہیں۔ کیا ہم انہیں زکوۃ کی رقم دے سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل: فیصل

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

قوانینِ شَرعِیَّہ کے مطابق دیت میں دی گئی رقم سے زکوۃ ادا نہیں ہوتی اگرچہ لینے والا فقیر ہو۔

بہارِ شریعت میں ہے: ''امین کے پاس سے امانت ضائع ہوگئی، اس نے مالک کو دفعِ خصومت کے لئے کچھ روپے دے دیئے اور دیتے وقت زکوۃ کی نیت کر لی اور مالک فقیر بھی ہے زکوۃ ادا نہ ہوئی۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 889، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

2 رمضان المبارک 1427ھ 26 ستمبر 2006ء

مالِ زکوۃ سے قربانی کا جانور نہیں خرید سکتے
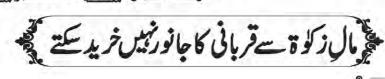
فتویٰ 268

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص زکوۃ کی رقم سے قربانی کا جانور لے لے تاکہ زکوۃ بھی ادا ہو جائے تو کیا اس طرح زکوۃ ادا ہو جائے گی؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جی نہیں! اس طرح زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ زکوٰۃ میں شرعی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے اور وہ یہاں نہیں پایا جارہا بلکہ اپنی زکوٰۃ خود ہی کھانے کا انتظام کیا جارہا ہے جو واضح حرام ہے، اس سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

بَدائِعُ الصَّنائِع فِی تَرتِیبِ الشَّرائِع میں ہے: ''أما ركنه فهو التمليك لقوله تعالىٰ: ﴿ وَاٰتُوۡا حَقَّهٗ يَوۡمَ حَصَادِهٖ ﴾ والإيتاء هو التمليك لقوله تعالىٰ: ﴿ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ﴾ فلا تتأدى بطعام الإباحة وبما ليس بتمليك رأسا من بناء المساجد ونحو ذلك'' **ترجمہ:** بہرحال زکوٰۃ کا رکن تَمْلِیک یعنی مالک بنانا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کی بنا پر کہ اس کا حق دو جس دن کٹے اور دینا وہ تَمْلِیک ہی ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کی وجہ سے اور زکوٰۃ ادا کرو تو کھانے کو مباح کر دینے یا مسجد کی تعمیر میں دینے یا اسی طرح کے دیگر کام سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی جب تک تَمْلِیک نہ پائی جائے۔

(بدائع الصنائع، صفحه 189، جلد 2، داراحياء التراث العربی بیروت)

مَجمَعُ الْاَنھُرفِی شَرحِ مُلتَقَی الْاَبحُر میں ہے: ''ولا تدفع الزكاة لبناء مسجد لأن التمليك شرط فيها ولم يوجد'' **ترجمہ:** مسجد کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ اس میں تَمْلِیک شرط ہے اور وہ یہاں نہیں پائی جارہی۔

(مجمع الانھرفی شرح ملتقی الابحر، صفحه 328، جلد 1، دارالکتب العلمیه بیروت)

سیِّدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دین وملّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ جہاد کے اُن مصارِف میں جن میں فقیر کو تَمْلِیک نہ ہو جیسے گولے بارود کی خریداری یا فوج کی باربرداری یا فوجی افسروں کی تنخواہ یا فوجی دواخانہ کی دواؤں میں دینا جائز نہیں، نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہو۔ ''عالمگیری'' میں ہے''لايجوز ان يبنى بالزكاة المسجد وكذا الحج والجهاد وكل مالاتمليك فيه كذا فی التبيين'' **ترجمہ:** زکوٰۃ سے مسجد بنانا جائز نہیں، اسی طرح حج اور جہاد، بلکہ ہر وہ مقام جہاں تملیک نہ ہو، تبیین میں یہی ہے۔''

(فتاویٰ رضویه، صفحه 258، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

ایک اور مقام پر آپ علیہ الرحمہ ارشاد فرماتے ہیں: ''پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطورِ اباحت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دینا یا میت کے کفن دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوۃ ادا نہ ہوگی۔''

(فتاوی رضویہ ، صفحہ 110 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبــــــــــہ
عَبْدُہُ الْمُذْنِبْ فُضَیل رَضَا العَطَّارِی عَفَا عَنْہُ البَارِی	المتخصص فی الفقہ الاسلامی محمد عابد ندیم عطاری المدنی 07 ذو الحجۃ 1431ھ 14 نومبر 2010ء

کونسے صدقات سادات پر حرام ہیں؟

فتوی 269

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مال کی کون سی قسمیں ساداتِ کرام کو نہیں لگتیں؟ یعنی انہیں نہیں دے سکتے۔ سائل: غلام رسول شہزاد (لاہور کینٹ)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صدقاتِ واجبہ (جیسے زکوۃ، صدقۂ فطر وغیرہ) ساداتِ کرام کو نہیں دے سکتے۔ اور دینے سے گناہ گار بھی ہوں گے اور یہ چیزیں ادا بھی نہ ہوں گی۔

رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ الصَّدَقَةَ لَا تَنْبَغِیْ لِاٰلِ مُحَمَّد، اِنَّمَا هِیَ اَوْسَاخُ النَّاسِ ''ترجمہ: صدقہ آلِ محمد (صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کے لئے جائز نہیں کیونکہ یہ لوگوں (کے مال) کا میل ہے۔

(صحیح مسلم، صفحہ ۵۳۹، حدیث ۱۰۷۲، دار ابن حزم بیروت)

رسول اللہ صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: ''اِنَّ اٰلَ مُحَمَّدٍ، لَا تَحِلُّ لَهُمُ الصَّدَقَةُ، وَاِنَّ

مَولَی القَومِ مِنْ اَنفُسِهِمْ ”ترجمہ: بیشک آلِ محمد (صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم) کے لئے صدقہ حلال نہیں اور بیشک قوم کا غلام انہیں میں سے ہوتا ہے۔ (شرح معانی الآثار، صفحہ ۵۵، جلد ۲، حدیث ۲۸۹۹، دارالکتب العلمیہ بیروت)

فَتْحُ الْقَدِیْر میں فرماتے ہیں: ”لایدفع الی بنی هاشم هذا ظاهر الروایة“ ترجمہ: بنوہاشم کو زکوٰۃ نہ دی جائے، یہ ظاہرُ الرِّوایہ ہے۔ (فتح القدیر، صفحہ 211، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

مَجْمَعُ الْاَنْهُر میں ہے: ”لاتدفع الی هاشمی وهو ظاهر الراویة“
(مجمع الانهر، صفحہ 330، جلد 1، دارالکتب العلمیہ بیروت)

امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَةُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ”زکوٰۃ ساداتِ کرام وسائر بنی ہاشم پر حرامِ قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے ائمہ ثلٰثہ بلکہ ائمہ مذاہبِ اربعہ رَضِیَ اللّٰہُ تعالٰی عَنْھُمْ اَجْمَعِیْن کا اجماع قائم۔“
(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 99، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ”بنی ہاشم کو زکوٰۃ وصدقاتِ واجبات دینا زِنْہار (ہرگز) جائز نہیں، نہ انہیں لینا حلال۔ سیّدِ عالم صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے متواتر حدیثیں اس کی تحریم میں آئیں، اور علتِ تحریم ان کی عزت وکرامت ہے کہ زکوٰۃ مال کا میل ہے اور مثلِ سائر صدقاتِ واجبہ غاسلِ ذُنوب، توان کا حال مثلِ ماءِ مستعمل کے ہے جو گناہوں کی نجاسات اور حدث کے قاذورات دھوکر لایا ان پاک لطیف ستھرے لطیف اہلِ بیت طیّب وطہارت کی شان اس سے بس اَرفع واعلیٰ ہے کہ ایسی چیزوں سے آلودگی کریں، خود احادیثِ صحیحہ میں اس علت کی تصریح فرمائی۔“
(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 272، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَاللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــه
محمد هاشم خان العطاری المدنی
15 رجب المرجب 1430ھ 9 جولائی 2009ء

الجواب صحیح
ابوالصالح محمد قاسم القادری

سیّد اور ہاشمی میں کیا فرق ہے؟

فتویٰ 270

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم نے سنا ہے کہ ہاشمی اور سیّد کو

زکوٰۃ دینا منع ہے سیّد اور ہاشمی میں کیا فرق ہے؟　سائل: سیّد عمران حسین (لیاقت آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

یہ صحیح ہے کہ بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے اور نہ ہی ایک ہاشمی دوسرے ہاشمی کو زکوٰۃ دے سکتا ہے ہاشمی سے مراد حضرت عبدُ المُطَّلِب کے بیٹے حضرت عباس و حارث اور پوتے حضرتِ علی اور حضرتِ جعفر و عقیل رِضْوَانُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْهِمْ اَجْمَعِیْن کی اولادیں ہیں جبکہ حضرت علی کَرَّمَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَجْہَہُ الْکَرِیْم کی جو اولاد حضرت فاطمہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا سے ہیں ان کو اور حسنین کریمین رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا کی اولاد کو سید کہا جاتا ہے۔ ہر سیّد ہاشمی ضرور ہے مگر ہر ہاشمی سیّد ہو یہ ضروری نہیں۔

حضرت علامہ ابنِ عابدین شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی فرماتے ہیں: ”تصرف الزكاة الى اولاد كل اذا كانوا مسلمين فقراء الا اولاد عباس و حارث و اولاد ابى طالب من على و جعفر و عقيل“

ترجمہ: زکوٰۃ ہر ایک کی اولاد کو دے سکتے ہیں جبکہ وہ مسلمان فقرا ہوں سوائے آلِ عباس و آلِ حارث اور آلِ علی و آلِ جعفر و آلِ عقیل کے۔　(رد المحتار على الدرالمختار، صفحه 350، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

سیّدی اعلیٰ حضرت، عظیم المرتبت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ”زکوٰۃ ساداتِ کرام و سائر بنی ہاشم پر حرامِ قطعی ہے جس کی حُرمت پر ہمارے ائمہ ثلاثہ بلکہ ائمہ مذاہبِ اربعہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُم اَجْمَعِیْن کا اجماع قائم۔ امام شعرانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ”مِیْزَان“ میں فرماتے ہیں: اتفق الأئمة الأربعة على تحريم الصدقة المفروضة على بنى هاشم وبنى عبد المطلب وهم خمس بطون اٰل على واٰل العباس واٰل جعفر واٰل عقيل واٰل الحارث بن عبد المطلب هذا من مسائل الاجماع والاتفاق اھ ملخصاً۔ یعنی باتفاقِ ائمہ اربعہ بنو ہاشم اور بنو عبد المُطَّلِب پر صدقہ فرضیہ حرام ہے اور وہ پانچ خاندان ہیں: آلِ علی، آلِ عباس، آلِ جعفر، آلِ عقیل، آلِ حارث بن عبد المُطَّلِب۔ یہ اجماعی اور اتفاقی مسائل میں سے ہے۔“

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 99، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّریعَه، بَدرُ الطَّریقَه مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: ''بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ نہ غیر انہیں دے سکے، نہ ایک ہاشمی دوسرے ہاشمی کو۔ بنی ہاشم حضرتِ علی و جعفر و عقیل اور حضرتِ عباس و حارث بن عبد المطّلِب کی اولادیں ہیں۔ ان کے علاوہ جنہوں نے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اعانت نہ کی، مثلاً ابولہب کہ اگرچہ یہ کافر بھی حضرت عبد المطّلِب کا بیٹا تھا، مگر اس کی اولادیں بنی ہاشم میں شمار نہ ہوں گی۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 931، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــــــہ

عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَا عَنْہُ الْبَارِی

21 ربیع الآخر 1431ھ 7 اپریل 2010ء

عَلَوی زکوٰۃ نہیں لے سکتے

فتوٰی 271

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارا شجرۂ نسب حضرتِ علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کے بیٹے حضرتِ عون رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے ملتا ہے تو کیا ہمیں زکوٰۃ لینا حرام ہوگا؟

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الجواب بعون الوھاب اللھم ھدایۃ الحق والصواب

آپ جب حضرتِ علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْہَہٗ کی اولاد سے ہیں تو ہاشمی ہوئے کیونکہ حضرتِ علی ہاشمی ہیں اور تمام بنی ہاشم پر زکوٰۃ و صدقۂ واجبہ لینا حرام ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد کفیل رضا عطاری المدنی

4 ربیع الآخر 1431ھ

الجواب صحیح

عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَا عَنْہُ الْبَارِی

عباسی زکوٰۃ نہیں لے سکتے

فتویٰ 272

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا خاندان والوں کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے؟ اگر نہیں دی جاسکتی تو ہمارے گاؤں میں 95 فیصد عباسی ہی رہتے ہیں۔ تو جو عباسی مُستحق ہیں ان کا کیا کیا جائے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَاب

عباسی یعنی حضرتِ عباس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنۡہ کی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔ لہٰذا اگر ان کی اِعانت مقصود ہو تو زکوٰۃ وصدقۂ واجبہ کے علاوہ کسی دوسرے مال سے کی جائے۔ اس بات کی بھی تحقیق کرلیں کہ واقعی 95 فیصد عباسی ہیں بھی یا نہیں اور عباسی وہ اپنے آپ کو کس طور پر کہتے ہیں اگر حضرتِ عباس کی اولاد ہونے کے اعتبار سے تو وہی حکم ہے جو بیان ہوا۔

صَدۡرُ الشَّرِیعَہ، بَدۡرُ الطَّرِیقَہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ الۡقَوِی ارشاد فرماتے ہیں: ''بنی ہاشم کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ نہ غیر انہیں دے سکے، نہ ایک ہاشمی دوسرے ہاشمی کو۔ بنی ہاشم حضرتِ علی و جعفر و عقیل اور حضرتِ عباس و حارث بن عبد المُطَّلِب کی اولادیں ہیں۔ ان کے علاوہ جنہوں نے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی اِعانت نہ کی، مثلاً ابولہب کہ اگرچہ یہ کافر بھی حضرتِ عبد المُطَّلِب کا بیٹا تھا، مگر اس کی اولادیں بنی ہاشم میں شمار نہ ہوں گی۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 931، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعۡلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد طارق رضا عطاری المدنی
16 شوال المکرم 1429ھ

الجواب صحیح
عبدہٗ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

سادات کی مدد کیسے کی جائے؟

فتویٰ 273

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ سنا ہے ساداتِ کرام کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے تو مالِ زکوٰۃ سے ان کی امداد کس طرح کی جاسکتی ہے؟ سائل: محمد ارشد عطاری (نیا آباد، کراچی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

شریعتِ مُطَھَّرہ نے ساداتِ کرام پر زکوٰۃ کو حرام فرمادیا ہے، نہ ان کا مالِ زکوٰۃ لینا جائز اور نہ ہی ان کو دینا جائز، بلکہ ان کو زکوٰۃ دینے سے زکوٰۃ ادا بھی نہیں ہوگی۔ لیکن وہ ساداتِ کرام جو شدید مالی تنگی سے دوچار ہیں ان کی مدد کرنے کے لئے صاحبِ حیثیت مالدار مسلمانوں کو چاہیے کہ زکوٰۃ کے سوا اپنے اور اَموال سے بطورِ ہدیہ ان کی خدمت کریں اور دارین کی برکات حاصل کریں۔

اور جو مالِ زکوٰۃ کے علاوہ اضافی رقم بطورِ ہدیہ دینے کی وُسعت نہیں پاتا تو وہ یوں ساداتِ کرام کی خدمت کرسکتے ہیں کہ کسی شرعی فقیر کو مالِ زکوٰۃ بنیتِ زکوٰۃ دے کر قبضہ دے دیں پھر اس کو ترغیب دلائیں کہ وہ پوری یا جتنی رقم چاہے ساداتِ کرام کی بارگاہ میں نَذر کرے اس طرح زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور ساتھ ہی ساتھ ساداتِ کرام کی خدمت بھی ہوگی اور دونوں کو اس خدمت کا ثواب بھی حاصل ہوگا۔

جیسا کہ امامِ اہلسنّت، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ساداتِ کرام پر زکوٰۃ کی حُرمت کو مُفَصَّل ومُدَلَّل بیان کرنے کے بعد بڑے ہی دلنشین انداز میں ساداتِ کرام کی خدمت کرنے کا طریقہ وسلیقہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

"رہا یہ کہ پھر اس زمانۂ پُر آشوب میں حضراتِ ساداتِ کرام کی مُواسات کیونکر ہو، اقول: (اس بارے میں

میں یہ کہتا ہوں کہ) بڑے مال والے اگر اپنے خالص مالوں سے بطورِ ہدیہ ان حضراتِ عَلِیّہ کی خدمت نہ کریں تو ان کی بے سعادتی ہے، وہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جدِّ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعالٰی عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجا و ماویٰ نہ ملے گا، کیا پسند نہیں آتا کہ وہ مال جو اُنہی کے صدقے میں اُنہی کی سرکار سے عطا ہُوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیرِ زمین جانے والے ہیں، اُن کی خوشنودی کے لئے ان کے پاک مبارک بیٹوں پر اُس کا ایک حصّہ صرف کیا کریں کہ اُس سخت حاجت کے دن اُس جواد کریم، رؤف و رحیم عَلَیْہِ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃ وَالتَّسْلِیْم کے بھاری انعاموں، عظیم اِکراموں سے مُشَرَّف ہوں۔

ابنِ عساکر امیر المؤمنین مولا علی کَرَّمَ اللّٰہُ وَجْھَہ سے راوی، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعالٰی عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ”مَنْ صَنَعَ اِلٰی اَھْلِ بَیْتِی یَداً کَافَاتُہٗ عَلَیْھَا یَوْمَ الْقِیٰمَہ “یعنی جو میرے اہلِ بیت میں سے کسی کے ساتھ اچھا سلوک کرے گا میں روزِ قیامت اس کا صلہ اسے عطا فرماؤں گا۔

خطیب بغدادی امیر المؤمنین عثمانِ غنی رَضِیَ اللّٰہُ تَعالٰی عَنْہ سے راوی، رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعالٰی عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ”مَنْ صَنَعَ صَنِیْعَۃً اِلٰی اَحَدٍ مِّنْ خَلَفِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فِی الدُّنْیَا فَعَلَیَّ مُکَافَاتُہٗ اِذَا لَقِیَنِی “یعنی جو شخص اولادِ عبد المُطَّلِب میں کسی کے ساتھ دنیا میں نیکی کرے اس کا صلہ دینا مجھ پر لازم ہے جب وہ روزِ قیامت مجھ سے ملے گا۔

اَللّٰہُ اَکْبَر، اَللّٰہُ اَکْبَر! قیامت کا دن، وہ قیامت کا دن، وہ سخت ضرورت سخت حاجت کا دن، اور ہم جیسے محتاج، اور صلہ عطا فرمانے کو محمد صَلَّی اللّٰہُ تَعالٰی عَلَیْہِ واٰلِہٖ وَسَلَّم سا صاحبُ التاج، خدا جانے کیا کچھ دیں اور کیسا کچھ نہال فرما دیں، ایک نگاہِ لُطف اُن کی جملہ مُہِمّاتِ دو جہاں کو بس ہے، بلکہ خود یہی صلہ کروڑوں صِلے سے اَعلیٰ و اَنفَس ہے، جس کی طرف کلمۂ کریمہ ”اذا لقینی “(جب وہ روزِ قیامت مجھ سے ملے گا) اشارہ فرماتا ہے، بلفظِ ”اذا“ تعبیر فرمانا بحمد اللّٰہ روزِ قیامت وعدۂ وصال و دیدارِ محبوبِ ذی الجلال کا مژدہ سُناتا ہے۔ مسلمانو! اور کیا درکار ہے دوڑو اور اس دولت و سعادت کو لو ”وباللہ التوفیق۔“

اور مُتَوَسِّط حال والے اگر مصارفِ مُسْتَحَبّہ کی وُسعت نہیں دیکھتے تو بحمد اللّٰہ وہ تدبیر ممکن ہے کہ زکوۃ کی

زکوٰۃ ادا ہوا اور خدمتِ سادات بھی بجا ہو یعنی کسی مسلمان مصرفِ زکوٰۃ مُعتمَدعَلَیہ کو کہ اس کی بات سے نہ پھرے، مالِ زکوٰۃ سے کچھ روپے بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر مالک کر دے، پھر اس سے کہے تم اپنی طرف سے فلاں سیّد کی نذر کر دو اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ تو اس فقیر کو گئی اور یہ جو سیّد نے پایا نذرانہ تھا، اِس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمتِ سیّد کا کامل ثواب اِسے اور فقیر دونوں کو ملا۔"

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 105 تا 106 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

کتبــــــــــــــــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
جمیل احمد غوری العطاری المدنی
16 شعبان المعظم 1431ھ 29 جولائی 2010ء

سادات کو زکوٰۃ کیوں نہیں دے سکتے؟

فتویٰ 274

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلے کے بارے میں کہ حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے زمانۂ اقدس میں ایک وسیع رقبہ اہلِ بیت کیساتھ خاص تھا، اس لئے حضور صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کی طرف سے اہلِ بیتِ کرام کو زکوٰۃ لینے کی اجازت نہیں تھی، لیکن اب ایسا نہیں، لہٰذا اب ساداتِ کرام کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ وہ یہ بھی کہتا ہے کہ یہ کوئی اچھی بات نہیں کہ اہلِ بیتِ کرام کو بھوک، غربت اور بے یار ومددگار چھوڑ دیا جائے اور زکوٰۃ کیساتھ مدد نہ کی جائے، اور اچھی بات یہ ہے کہ ان کی زکوٰۃ کے مال سے مدد کی جائے، پس میں یہ جاننا چاہتا ہوں کہ وہ درست کہتا ہے یا غلط؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اُس شخص کا کہنا محض باطل ہے، کیونکہ اہلِ بیتِ کرام عَلَیْہِمُ الرِّضْوَان پر زکوٰۃ کے حرام ہونے کی وہ وجہ نہیں جو

سوال میں مذکور شخص نے بیان کی، اس کی وجہ ہمارے علمائے کرام رَحِمَهُمُ اللّٰهُ تَعَالٰی نے بیان فرمائی وہ یہ ہے کہ زکوٰۃ مال کا مَیل اور گناہوں کا دھوون ہے، اور ساداتِ کرام جیسی طیّب وطاہر نسل کے لائق نہیں، لہٰذا اس کا لینا ساداتِ کرام پر حرام ہوا، اور یہ وجہ خود حضور صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے بیان فرمائی، اور یہ ایسی وجہ ہے جو کسی زمانے اور حالت کیساتھ خاص نہیں ہوسکتی ہے۔

امام مسلم بن حجاج قُشَیرِی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَيْه فرماتے ہیں کہ رسول اللّٰہ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم نے فرمایا: ”اِنَّ هٰذِهِ الصَّدَقَاتَ اِنَّمَا هِیَ أَوْسَاخُ النَّاسِ وَاِنَّهَا لَا تَحِلُّ لِمُحَمَّدٍ وَ لَا لِاٰلِ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم “ ترجمہ: یہ صدقات لوگوں کے (اَموال کے) میل ہی ہیں، اور یہ محمد صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم اور محمد صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم کی آل کے لئے حلال نہیں۔

(صحیح مسلم،صفحہ ٥٤٠،حدیث ١٠٧٢، دارابن حزم بیروت)

امام عبدالوہاب شعرانی رَحِمَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی ”اَلْمِیزَانُ الْکُبرٰی“ میں فرماتے ہیں: ”اتفق الائمة الاربعة علی تحریم الصدقة المفروضة علی بنی هاشم وبنی عبد المطلب وهم خمس بطون اٰل علی واٰل العباس و اٰل جعفر واٰل عقیل واٰل الحارث بن عبد المطلب هذا من مسائل الاجماع و الاتفاق اھ (ملخصاً)“ ترجمہ: اس پر بھی اتفاق ہے کہ فرض صدقہ بنو ہاشم اور بنو عبدالمُطَّلِب کو لینا حرام ہے، اور وہ پانچ شاخہائے قبیلہ ہیں: ﴿1﴾ اولادِ علی ﴿2﴾ آلِ عباس ﴿3﴾ اولادِ جعفر ﴿4﴾ اولادِ عقیل ﴿5﴾ آلِ حارث بن عبدالمُطَّلِب (رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُم)۔ یہ اجماعی اور اتفاقی مسائل میں سے ہے۔ (ملخصاً)

(المیزان الکبری الشعرانیة (مترجم)، صفحه 32، جلد 2، مطبوعه لاهور)

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت مولانا احمد رضا خان عَلَيْهِ رَحْمَةُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: زکوٰۃ ساداتِ کرام وسائرِ (یعنی تمام) بنی ہاشم پر حرامِ قطعی ہے، جس کی حُرمت پر ہمارے ائمۂ ثلٰثہ بلکہ ائمۂ مذاہبِ اربعہ رَضِیَ اللّٰهُ تَعَالٰی عَنْهُمْ اَجْمَعِین کا اجماع قائم......

اوّل تا آخر تمام متونِ مذہب قاطبہ بے شذوشاذ وعامۂ شروحِ مُعتمَدہ وفتاوائے مُستنَدہ اس حکم پر ناطق اور خود حضور پرنور، سیّدُ السّادات صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم سے متواتر حدیثیں اس باب میں وارد، اس وقت جہاں تک

فقیر کی نظر ہے بیس صحابہ کرام رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُم نے اس مضمون کی حدیثیں حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ تعالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم سے روایت کیں......اور بیشک اس تحریم کی علت اُن حضراتِ عالیہ کی عزت وکرامت ونظافت وطہارت کہ زکوٰۃ مال کا مَیل ہے، اور گناہوں کا دھوون، اس ستھری نسل والوں کے قابل نہیں، خود حضورِ اقدس صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے اس تعلیل کی تصریح فرمائی، کما فی حدیث المطلب عند مسلم وابن عباس عند الطبرانی وعلی المرتضیٰ عند الطحاوی رضی اللہ تعالٰی عنھم اجمعین ۔(یعنی جیسا کہ مسلم کے ہاں حدیث مطلب، طبرانی کے ہاں حدیثِ ابنِ عباس اور طحاوی کے ہاں حدیثِ علی المرتضی رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمْ اَجْمَعِیْن میں ہے۔)

اسی طرح علماء مثل امام ابو جعفر طحاوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ شرح معانی الآثار......اور ان کے غیر (یعنی ان کے علاوہ دیگر علمائے کرام رَحِمَھُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی) اس حکم (یعنی ساداتِ کرام پر زکوٰۃ کے حرام ہونے) کی یہی علت (یعنی وجہ) بیان فرماتے ہیں، اور شک نہیں کہ یہ علت تغیّرِ زمانہ سے مُتَغَیَّر نہیں ہوسکتی تو دَائِماً ابداً (یعنی ہمیشہ ہمیشہ) بقائے حکم میں کوئی شبہ نہیں۔ (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 99 تا 104، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور باقی رہا یہ کہ پھر اس پُرفتن دور میں ساداتِ کرام کی مدد کیسے ہو، تو اس کا جواب یہ ہے کہ زکوٰۃ میں تو مال کا چالیسواں حصہ یعنی سو روپے میں اڑھائی روپے فرض ہے، تو بقیہ ساڑھے ستانوے روپے میں کچھ حصہ ساداتِ کرام کی خدمت میں پیش کیا جاسکتا ہے، خصوصاً جو مالدار ہوتے ہیں وہ اگر اپنے مال کے سو میں سے ایک حصہ بھی ساداتِ کرام کے لئے خاص کریں تو پھر بھی سعادت کی بات ہے۔ اور اگر کوئی زکوٰۃ ہی کی رقم دینا چاہے، اس کے علاوہ اور مال نہ ہو تو اس کو چاہئے کہ یہ رقم کسی شرعی فقیر کو دے، اور وہ شرعی فقیر ساداتِ کرام کی خدمت میں ساری یا کچھ پیش کر دے تو یوں بھی درست ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

اَبُو مُحَمَّد علی اصغر العطاری المدنی

17 صفر المظفر 1433ھ 12 جنوری 2012ء

والدہ بیٹی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی

فتویٰ 275

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بہن طلاق یافتہ ہے اور اس کا ایک بچہ ہے اس کی آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں والد صاحب نے ایک کمرے کا مکان رہنے کے لئے بنا کر دیا ہے تو کیا میری والدہ اپنی بیٹی کو اپنے مال کی زکوٰۃ، صدقہ وخیرات وغیرہ دے سکتی ہیں؟

سائل: نعیم جان (سولجر بازار، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

والدہ اپنی بیٹی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی البتہ زکوٰۃ اور صدقۂ واجبہ کے علاوہ دیگر صدقات وخیرات دے سکتی ہیں۔

چنانچہ بَدَائِعُ الصَّنَائِع میں ہے: "ومنها أن لا تكون منافع الأملاك متصلة بين المؤدِّی وبين المؤدَّى اليه لأن ذلك يمنع وقوع الأداء تمليكاً من الفقير من كل وجه بل يكون صرفا الى نفسه من وجه، وعلى هذا يخرج الدفع الى الوالدين وان علوا والى المولودين وان سفلوا لأن أحدهما ينتفع بمال الآخر، ولا يجوز أن يدفع الرجل الزكاة الى زوجته بالاجماع، وفي دفع المرأة الى زوجها اختلاف بين ابی حنيفة وصاحبيه ذكرناه فيما تقدم و أما صدقة التطوع فيجوز دفعها الى هؤلاء والدفع اليهم أولى لان فيه اجرين أجر الصدقة وأجر الصلة" ترجمہ: اورانہیں شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اَملاک کے منافع زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے کے درمیان متصل نہ ہوں کیونکہ ایسا ہونا زکوٰۃ کی ادائیگی سے مانع ہے، کہ اس میں مِنْ کُلِّ الْوُجُوہ تَملِیکِ فقیر نہیں پائی جارہی بلکہ یہ ایک اعتبار سے اپنے اوپر ہی زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا ہے۔ اسی وجہ سے والدین کو زکوٰۃ دینا اگرچہ اوپر تک ہوں یا اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینا اگرچہ نیچے تک ہوں خارج ہوگیا کیونکہ یہ ان میں سے ایک کا دوسرے

کے مال سے نفع اٹھانا ہے۔ اور مرد کا اپنی زوجہ کو زکوٰۃ دینا بالاجماع جائز نہیں، جبکہ عورت کا اپنے شوہر کو زکوٰۃ دینے میں امام اعظم اور صاحبین رَحِمَهُمُ الله کا اختلاف ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ البتہ نفلی صدقہ ان افراد کو دینا جائز بلکہ افضل ہے کہ اس میں دو اجر ہیں ایک صدقہ کا اجر اور دوسرا صلہ رحمی کا۔

(بدائع الصنائع ، صفحه 162 ، جلد 2 ، داراحیاء التراث العربی بیروت)

وَ اللهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا العَطَّارِی عَفَا عَنْهُ الْبَارِی

کتبہ
محمد کفیل رضا عطاری المدنی
15صفر المظفر 1430ھ 11 فروری 2009ء

باپ بیٹے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا

فتوی 276

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا باپ اپنے بیٹے کو زکوٰۃ دے سکتا ہے؟

سائل: از باب المدینہ کراچی

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

نہیں دے سکتا۔

صَدرُ الشَّرِیعَه، بَدرُ الطَّرِیقَه حضرت علامہ و مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللهِ الْقَوِی فرماتے ہیں:

"اپنی اصل یعنی ماں باپ، دادا دادی، نانا نانی وغیرہم جن کی اولاد میں یہ ہے اور اپنی اولاد بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی وغیرہم کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 927 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبہ
محمد فاروق العطاری المدنی
5جمادی الاولی 1425ھ 24 جون 2004ء

بیوی شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی

فتویٰ 277

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا بیوی اپنی زکوٰۃ قرض دار شوہر کو دے سکتی ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

بیوی اپنے شوہر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتی اگر شوہر کو زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

دُرِّ مُختار میں ہے: ''أو بينهما زوجية ولو مبانة '' ترجمہ: اگر ان دونوں میں زوجیت کا رشتہ ہے تو ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے اگر چہ طلاقِ بائنہ کی عدت میں ہو۔

(درمختار ، صفحه 345 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بيروت)

رَدُّالْمُحْتَار میں ''مبانة '' کے تحت ہے: ''أي فی العدة ولو بثلاث '' ترجمہ: یعنی طلاقِ بائنہ کی عدت میں ہو اگر چہ تین طلاقیں ہوں تو بھی شوہر بیوی ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

(ردالمحتار على الدرالمختار ، صفحه 345 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بيروت)

شَیْخُ الْاِسْلَام وَ الْمُسْلِمِیْن سیّدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: '' مَصرفِ زکوٰۃ ہر مسلمان حاجت مند ہے جسے اپنے مالِ مملوک سے مقدارِ نصاب فَارِغ عَنِ الْحَوَائِجِ الاصْلِیَه پر دسترس نہیں بشرطیکہ نہ ہاشمی ہو نہ اپنا شوہر نہ اپنی عورت اگر چہ طلاقِ مُغَلَّظَہ دے دی ہو، جب تک عدت سے باہر نہ آئے۔

(فتاویٰ رضویه ، صفحه 109 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحيح
عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا العَطَّارِی عَفَا عَنْہُ البَارِی

كتبـــــــه
المتخصص فى الفقه الاسلامى
محمد طارق رضا عطارى المدنى
29 صفر المظفر 1429ھ 08 مارچ 2008ء

بیوی کی دادی کو زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 278

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں اپنی بیوی کے زیورات کی زکوٰۃ ادا کرتا ہوں کیا اپنی بیوی کی بوڑھی دادی جان کو ان کی زکوٰۃ دے سکتا ہوں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

بیوی کی زکوٰۃ بیوی کی دادی کو نہیں دے سکتے۔ البتہ آپ اپنے مال کی زکوٰۃ ان کی دادی کو دے سکتے ہیں۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد کفیل رضا عطاری المدنی
1 ربیع الآخر 1431ھ

الجواب صحيح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کون سے رشتہ داروں کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی؟

فتویٰ 279

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اپنے رشتہ داروں میں سے کس کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے؟

سائل: عقیل مرزا

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

رشتہ داروں میں تین طرح کے لوگ ایسے ہیں جنہیں زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی: ﴿1﴾ جن کی یہ اولاد ہے یعنی

ماں باپ، دادادادی، نانانانی وغیرہ ﴿2﴾ جواس کی اولاد میں سے ہیں یعنی بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسانواسی وغیرہ ﴿3﴾ میاں بیوی ایک دوسرے کو۔

چنانچہ صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی لکھتے ہیں: ''اپنی اصل یعنی ماں باپ، دادادادی، نانانانی وغیرہم جن کی اولاد میں یہ ہے اوراپنی اولاد بیٹا بیٹی، پوتا پوتی، نواسا نواسی وغیرہم کوزکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ یوہیں صدقۂ فطرونذروکفارہ بھی انہیں نہیں دے سکتا۔ رہا صدقۂ نفل وہ دے سکتا ہے بلکہ بہتر ہے۔'' مزید لکھتے ہیں: ''عورت شوہر کواور شوہر عورت کوزکوٰۃ نہیں دے سکتا، اگرچہ طلاقِ بائن بلکہ تین طلاقیں دے چکا ہو، جب تک عدت میں ہے اور عدت پوری ہوگئی تواب دے سکتا ہے۔''

(بہارِشریعت ، صفحہ 927 تا 928 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــہ

اَبُومُحَمَّدعَلی اَصغَرالعَطّارِیُّ المَدَنِی

27 شعبان المعظم 1431ھ 09 اگست 2010ء

اپنے ولدالزنا کوزکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 280

کیافرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ میں کہ کیا کوئی شخص اپنے زنا کے بیٹے کوزکوٰۃ دے سکتا ہے؟

سائل: افتخار بھٹی (بچیانہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلجَوَاب بِعَونِ المَلِكِ الوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الحَقِّ وَ الصَّوَاب

دریافت کی گئی صورت میں اپنے زنا کے بیٹے کوزکوٰۃ دیناجائز نہیں ہے۔ جیسا کہ فَتحُ القَدِیر میں ہے: ''و

لا الی اولادہ و أولادھم و ان سفلوا، و لا یدفع الی المخلوق من مائہ بالزنا" ترجمہ: اپنی اولاد اور اولاد کی اولاد اگرچہ نیچے تک ہو انہیں زکوٰۃ دینا جائز نہیں، اور نہ ہی اپنے زنا کے پانی سے پیدا شدہ بچہ کو زکوٰۃ دے سکتا ہے۔ (فتح القدیر، صفحہ 275، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

کَنزُ الدَّقَائِق میں ہے: "لا الی أصلہ وان علا وفرعہ و ان سفل" ترجمہ: اپنی اصل یعنی باپ دادا اگرچہ اوپر تک ہوں اور اپنی فرع یعنی بیٹے پوتے اگرچہ نیچے تک ہوں انہیں زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

(کنزالدقائق مع بحرالرائق، صفحہ 423، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

مذکورہ بالاعبارت کی شرح کرتے ہوئے علامہ ابنِ نُجیم مصری حنفی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: "و أطلق فی فرعہ فشمل ثابت النسب منہ وغیرہ اذا کان مخلوقا من مائہ فلا یدفع الی المخلوق من مائہ بالزنا" ترجمہ: (مصنف عَلَیْہِ الرَّحْمَہ نے) فرع کو مطلق طور پر بیان کیا پس یہ ثابتُ النَّسب اور غیرِ ثابتُ النَّسب دونوں کو شامل ہے جبکہ وہ بچہ اس مرد کے پانی سے پیدا ہو لہٰذا اپنے زنا کے پانی سے پیدا ہونے والی اولاد کو زکوٰۃ نہیں دے سکتا۔ (البحر الرائق، صفحہ 425، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

دُرِّمُختَار میں ہے: "لا یجوز دفع زکاۃ الزانی لولدہ منہ أی من الزانی" ترجمہ: زانی کا اپنے زنا سے پیدا ہونے والے بیٹے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے۔ (درمختار، صفحہ 305، جلد 3، مطبوعہ ملتان)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

10 رمضان المبارک 1432ھ 11 اگست 2011ء

غیر مسلم کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

فتوی 281

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہیٹی میں ابھی جو زلزلہ آیا ہے

اس کی وجہ سے کئی لوگ ایسے ہیں جو ضرورت مند ہیں لیکن مسلمان نہیں ہیں۔تو کیا ہم ان غیر مسلموں کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

سائل: محمد جمال انور نوشاہی

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جی نہیں! غیر مسلموں کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

چنانچہ حضرت علامہ علاؤالدین حصکفی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ''و أما الحربی ولو مستأمنا فجميع الصدقات لا تجوز له اتفاقا'' ترجمہ: اور حربی کافر اگرچہ امان لے کر دارُالاسلام میں رہ رہا ہو اسے کوئی بھی صدقہ دینا بالاتفاق جائز نہیں۔ (درمختار، صفحه 353، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

صَدرُالشَّریعہ، بَدرُالطَّریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ''حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں نہ واجبہ نہ نفل، اگرچہ وہ دارالاسلام میں بادشاہِ اسلام سے امان لے کر آیا ہو۔''

(بہارِشریعت، صفحه 931، جلد 1، مكتبة المدينه)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

05 صفرالمظفر 1431ھ 21 جنوری 2010ء

غیر مسلم کو دی گئی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی

فتویٰ 282

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی رقم کسی عیسائی، ہندو وغیرہ کو دی جاسکتی ہے یا نہیں؟ اگر دی تو کیا ادا ہوگی یا نہیں؟

سائل: شیخ محمد عباس (ایم اے جناح روڈ، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

قوانینِ شَرْعِیَّہ کے مطابق کسی بھی کافر کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، اگر دی گئی تو ادا نہ ہوگی۔

فَتَاوٰی عَالَمْگِیرِی میں ہے: "واما أهل الذمة فلا يجوز صرف الزكوة اليهم بالاتفاق...... واما الحربي المستأمن فلا يجوز دفع الزكوة "ترجمہ: ذمی یا حربی مستامن کافروں کو بالاتفاق زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔ (ملتقطاً) (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 188، جلد 1 دار الفکر بیروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِمُ القَادِرِی

کتبـــــــــــــــــہ
اَبُومُحَمَّد عَلی اَصغر العَطَّارِی المَدَنِی
6 صفر المظفر 1429ھ 4 فروری 2008ء

غیر مسلم کے لئے زکوٰۃ فارم کی تصدیق کرنا کیسا؟

فتویٰ 283

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بیوہ کرسچن عورت کا ایک بچہ ہے وہ بیمار ہے ڈاکٹر نے اس عورت کو ایک فارم دیا ہے کہ اپنے علاقے کے زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین سے دستخط کروا کر لائیں ہم آپ کے بچے کو زکوٰۃ فنڈ سے دوائیاں دیں گے۔ کیا اس فارم پر زکوٰۃ کمیٹی کے چیئرمین کو دستخط کرنا جائز ہے؟ سائل: احمد بروہی (ماڑی پور، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

غیر مسلم کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے اگر ان کو زکوٰۃ دی جائے تو ادا ہی نہیں ہوتی کہ زکوٰۃ کا مَصرف مسلمان ہیں۔ لہٰذا غیر مسلم کے لئے زکوٰۃ فارم پر دستخط بھی نہیں کر سکتے۔

حضرت علامہ بدر الدین عینی رَحْمَةُ اللّٰہِ تعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''وانه لا يدفع الزكاة الى كافر ''یعنی زکوٰۃ کسی کافر کو نہیں دی جائے گی۔ (شرح سنن ابی داؤد ، صفحه 278 ، جلد 6 ، مطبوعه ملتان)

فقیہ النفس حضرت علامہ قاضی خان عَلَیْہِ رَحْمَةُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''ولا يجوز صرف الزكاة الى الكافر حربياً كان او ذمياً'' یعنی کافر کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں ہے چاہے کافر حربی ہو یا ذمی۔
(فتاویٰ قاضی خان علی هامش الهندیه ، صفحه 267 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

فَتَاوىٰ عَالَمْگِیْرِی میں ہے: ''واما أهل الذمة فلا يجوز صرف الزكاة اليهم بالاتفاق...... وأما الحربي المستأمن فلا يجوز دفع الزكاة والصدقة الواجبة اليه بالاجماع ''یعنی ذمی کافر کو زکوٰۃ دینا بالاتفاق جائز نہیں اور حربی مستامن کافر کو زکوٰۃ وصدقہ واجبہ دینا اجماعاً جائز نہیں ہے۔ (ملتقطاً)
(فتاویٰ عالمگیری ، صفحه 188 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

صَدْرُ الشَّرِیْعَہ ، بَدْرُ الطَّرِیْقَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَةُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ''ذمی کافر کو نہ زکوٰۃ دے سکتے ہیں نہ کوئی صدقہ واجبہ جیسے نذر و کفارہ و صدقۂ فطر اور حربی کو کسی قسم کا صدقہ دینا جائز نہیں نہ واجبہ نہ نفل، اگرچہ وہ دارُالاسلام میں بادشاہِ اسلام سے امان لے کر آیا ہو۔ ہندوستان اگرچہ دارُالاسلام ہے مگر یہاں کے کفار ذمی نہیں، انہیں صدقاتِ نفل مثلاً ہدیہ وغیرہ دینا بھی ناجائز ہے۔''

(بہارِ شریعت ، صفحه 931 ، جلد 1 ، مکتبة المدینه)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

كتبــــــــــه

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغَر العَطَّارِیُّ المَدَنِی

07 ذیقعدہ 1429 ھ 06 نومبر 2008ء

بد مذہب کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

فتویٰ 284

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا بد مذہب کو زکوٰۃ دینا جائز

ہے؟ سائل: محمد ابرار عطاری (فیصل آباد)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَاب

بدمذہب کو زکوٰۃ دینا ممنوع ہے۔

علامہ عبدالرحمٰن بن محمد شیخی زادہ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہِ "مَجۡمَعُ الۡاَنۡھُر" میں فرماتے ہیں: ''وینبغی أن لا یصرف الی من لا یکفر من المبتدعة کما فی القھستانی ''ترجمہ: اور چاہئے کہ ایسے (بدمذہب) بدعتی جن کی تکفیر نہیں کی گئی، کو مالِ زکوٰۃ نہ دیا جائے جیسا کہ "قہستانی" میں ہے۔

(مجمع الانھر، صفحہ 329، جلد 1، دارالکتب العلمیہ بیروت)

صَدۡرُ الشَّرِیۡعَہ، بَدۡرُ الطَّرِیۡقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیۡہِ رَحۡمَۃُ اللّٰہِ الۡقَوِی فرماتے ہیں: ''بدمذہب کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔'' (بہارِ شریعت، صفحہ 933، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

اور اگر ایسے بدمذہب کو زکوٰۃ دی کہ جس کے عقائد حدِ کفر تک پہنچے ہوئے تھے تو یہ حرام ہے، اور زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوگی کہ زکوٰۃ صرف مسلمان کو دی جاسکتی ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعۡلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــہ

اَبُو الصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم القَادِرِی

15 رجب المرجب 1431ھ 28 جون 2010ء

بدمذہبوں کے مدارس میں زکوٰۃ نہیں دے سکتے

فتویٰ 285

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بدمذہبوں کے مدرسے میں بھی یتیم بچے پڑھتے ہیں کیا ان مدارس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

نہیں دے سکتے۔ یہ رقم صرف یتیموں پر خرچ نہیں ہوگی نیز یتیموں پر بھی صحیح انداز میں خرچ نہیں ہوگی ان کو بدمذہب بنانے میں ہی صرف ہوگی۔

وَ اللّٰہُ اَعۡلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

كتبــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد حسان رضا العطاری المدنی
10 رجب المرجب 1429ھ

بدمذہب کو خیرات بھی نہیں دے سکتے

فتوٰی 286

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بدمذہب اگر کوئی کھانے کی چیز دے تو اس کا کھانا کیسا ہے؟ اسی طرح بدمذہب کو زکوٰۃ یا خیرات دینا کیسا ہے؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

بدمذہب کی چیز کھانے سے بچا جائے۔ اگر بدمذہب کی بدمذہبی حدِ کفر تک ہے تو اس کو زکوٰۃ یا خیرات نہیں دے سکتے اور نہ ہی اس سے زکوٰۃ ادا ہوگی کیونکہ یہ مسلمانوں کا حق ہے اور اگر حدِ کفر تک نہ بھی ہو تو پھر بھی ان کو نہ دی جائے بلکہ کسی صحیح العقیدہ کی مدد کی جائے۔

وَ اللّٰہُ اَعۡلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

كتبــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد عابد ندیم عطاری المدنی
8 صفر المظفر 1430ھ

دو تولہ سونا اور ایک تولہ چاندی والے کو زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 287

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس کی مِلک میں دو تولے سونا اور ایک تولہ چاندی ہو تو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

سائل: عبدالماجد عطاری (دیوخورد، لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

نہیں! اس کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔ کیونکہ یہ نصاب کا مالک ہے وہ اس طرح کہ دونوں کو ملائیں اور چاندی کے حساب سے دیکھیں تو نصاب بن جاتا ہے۔ اگرچہ علیحدہ علیحدہ دیکھیں تو سونا چاندی میں سے کسی کا نصاب پورا نہیں ہے اور جو حاجتِ اَصلیہ کے علاوہ نصاب کا مالک ہو وہ زکوٰۃ نہیں لے سکتا۔

تَبْیِیْنُ الْحَقَائِق میں ہے: ''یضم الذھب الی الفضة بالقیمة فیکمل به النصاب لان کل جنس واحد'' ترجمہ: سونے کو چاندی کے ساتھ قیمت کے اعتبار سے ملایا جائے گا تاکہ نصاب مکمل ہو جائے کیونکہ یہ آپس میں ہم جنس ہیں۔

(تبیین الحقائق، صفحہ 80، جلد 1، دارالکتب العلمیہ بیروت)

خُلَاصَةُ الْفَتَاوٰی میں ہے: ''اصل ھذا أن الذھب یضم الی الفضة فی تکمیل النصاب عندنا استحسانا'' ترجمہ: ہمارے نزدیک تکمیلِ نصاب کی خاطر سونے کو چاندی کے ساتھ ملانا ہے اور یہ بطورِ استحسان ہے۔

(خلاصة الفتاوی، صفحہ 237، جلد 1، مطبوعہ کوئٹہ)

دُرِّ مُخْتَار میں ہے: ''ولو بلغ باحدھما نصابادون الآخر تعین مایبلغ به ولو بلغ باحدھما نصاباوخمساوبالآخر اقل قومه بالانفع للفقیر۔ سراج اھ''

(درمختار، صفحہ 372، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

امامِ اہلسنت، مُجدِّدِ دین وملت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''جو تقویم فقیروں کے لئے اَنْفَع ہو اسے اختیار کریں، اگر سونے کو چاندی کرنے میں فقراء کا نفع زیادہ ہے تو وہی طریقہ برتیں۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 116، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

نُورُ الْاِیْضَاح کے بَابُ الْمَصْرَف میں ہے: ''ھو الفقیر، وھو من یملك مالا یبلغ نصابا ولا قیمته من ای مال کان ولو صحیحا مکتسبا''

(نورالایضاح، صفحہ 169، مکتبہ ضیائیہ راولپنڈی)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

کتبہ
محمد ھاشم خان العطاری المدنی
جمادی الاخری 1430ھ جون 2009ء

فقیر شوہر کی غنی بیوی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے

فتویٰ 288

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک خاتون کی شادی ایسے صاحب سے ہوئی جو بہت کم آمدنی والے ہیں۔ ان خاتون کو والدین نے جو زیور دیا ہے وہ ساڑھے سات تولے سے زیادہ ہے لہٰذا یہ خاتون سونے کو فروخت کر کے اپنی زکوٰۃ ادا کرتی ہیں۔ اب مسئلہ یہ ہے کہ خاتون کے گھر کے حالات اس طرح کے ہیں کہ اکثر بچوں کی فیس وغیرہ قرض لیکر دی جاتی ہے۔ بچوں کے ماموں اپنی بہن کے بچوں کی ضروریات کے لئے زکوٰۃ کے مال سے مدد کرنا چاہتے ہیں۔ بہن تو صاحبِ نصاب ہیں لیکن کیا بچوں کی ذاتی ضروریات، پڑھائی اور بہنوئی کی مدد بچوں کے ماموں وغیرہ زکوٰۃ کے پیسوں سے کر سکتے ہیں؟ نیز جب اپنے گھر کے حالات خراب ہوں، شوہر پر قرضہ ہو، آمدنی بھی قلیل ہو تو کیا صاحبِ نصاب بیوی اپنی زکوٰۃ سے شوہر کا قرضہ اتار سکتی ہے؟

سائلہ: شگفتہ ثناء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں مذکورہ خاتون کو زکوۃ نہیں دے سکتے البتہ ان کے شوہر اگر شرعی فقیر ہوں تو انہیں زکوۃ دے سکتے ہیں۔ اگر شوہر غنی ہوں تو ان کی نابالغ اولاد کو بھی زکوۃ نہیں دے سکتے۔ اگر ان کی اولاد میں سے کوئی بالغ ہو اور وہ شرعی فقیر ہو تو اسے زکوۃ دے سکتے ہیں۔ خاتون اپنی زکوۃ اپنے شوہر کو نہیں دے سکتیں اور نہ ہی زکوۃ کے پیسوں سے شوہر کا قرضہ اتار سکتی ہیں۔

شرعی فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس سونا چاندی یا رقم وغیرہ نصاب کے برابر نہ ہو یا نصاب کے برابر ہو مگر وہ مقروض ہو اور قرض نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے اور اس کے پاس ضرورت سے زائد ایسی اشیاء نہ ہوں جن کی مالیت ساڑھے باون تولہ چاندی کے برابر ہو۔

فَتَاویٰ عَالَمگیری میں ہے: ''الفقير وهو من له أدنى شيء وهو مادون النصاب أو قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرجه عن الفقر ملك نصب كثيرة غير نامية اذا كانت مستغرقة بالحاجة كذافي فتح القدير '' ترجمہ: فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب کی قدر مالِ غیر نامی ہو مگر اُس کی ضروریاتِ زندگی میں گھرا ہوا ہو، اگر کسی کے پاس مالِ غیر نامی کی کئی نصابیں ہوں مگر وہ سب ضروریاتِ زندگی میں مستغرق ہوں تو وہ فقیر ہی ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 187 ، جلد 1 ، دار الفکر بیروت)

بہارِ شریعت میں ہے: ''فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب کی قدر ہو تو اُس کی حاجتِ اَصلیہ میں مستغرق ہو، مثلاً رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، خدمت کے لئے لونڈی غلام، علمی شغل رکھنے والے کو دینی کتابیں جو اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہوں۔ یوہیں اگر مدیون ہے اور دَین نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے، تو فقیر ہے اگرچہ اُس کے پاس ایک تو کیا کئی نصابیں ہوں۔''

مزید اسی میں ہے: ''عورت شوہر کو اور شوہر عورت کو زکوۃ نہیں دے سکتا...... غنی مرد کے نابالغ بچے کو بھی نہیں

دے سکتے اور غنی کی بالغ اولاد کو دے سکتے ہیں جب کہ فقیر ہوں۔" (ملتقطاً)

(بہارِ شریعت ، صفحہ 928 تا 929 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہُ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح

ابوالصالح محمد قاسم القادری

کتبـــــــــــہ

المتخصص فی الفقه الاسلامی

محمد سعید العطاری المدنی

29 ذو القعدة الحرام 1431ھ 7 نومبر 2010ء

زکوٰۃ لینے کے لئے معیار کیا ہے؟

فتویٰ 289

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی ماہانہ تنخواہ اُنیس ہزار روپے ہے جبکہ اسے اپنی بیٹی کی شادی کے سلسلے میں بائیس لاکھ روپے کی ضرورت ہے تو کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ کی رقم میں سے بائیس لاکھ روپے دینا از رُوئے شریعت دُرست ہے یا نہیں؟

سائل: عبدالرزاق (کھارادر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ لینے کا حقدار شرعی فقیر ہے شریعتِ مُطَہَّرہ نے شرعی فقیر ہونے کا ایک خاص معیار بیان فرمایا ہے چنانچہ مُستحقِ زکوٰۃ ہونے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ بالغ شخص حاجتِ اَصلیہ سے زائد کم از کم مقدارِ نصاب کا مالک نہ ہو نصاب کی مقدار ساڑھے باون تولہ چاندی کی رقم ہے جو فی زمانہ (جون 2007ء) کے اعتبار سے ساڑھے تیرہ ہزار کے قریب بنتی ہے۔ لہٰذا اگر کسی کے پاس حاجتِ اَصلیہ سے زائد کپڑے ہوں یا زائد اشیاء ہوں مثلاً ٹی وی ہو اور ان کی مشترکہ قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی رقم کے برابر پہنچ جائے تو ایسا شخص زکوٰۃ کا مُستحق نہیں۔

بہارِ شریعت میں ہے: ''فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب کی قدر ہو تو اُس کی حاجتِ اَصلیہ میں مستغرق ہو، مثلاً رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، خدمت کے لئے لونڈی، غلام، علمی شغل رکھنے والے کو دینی کتابیں جو اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہوں جس کا بیان گزرا، یونہی اگر مدیون ہے اور دَین نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے تو فقیر ہے، اگرچہ اُس کے پاس ایک تو کیا کئی نصابیں ہوں۔''

(بهارِ شريعت ، صفحه 924 ، جلد 1 ، مكتبة المدينه)

لہٰذا جو شرعی فقیر کی تعریف پر پورا اُترے اسے زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ جس شخص کے بارے میں سوال کیا گیا ہے اگر یہ خود یا اس کی لڑکی ماقبل بیان کی گئی شرائط پر پورا اُترتے ہوں تو جو مُستحق ہو اس کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے، اگر مُستحقِ زکوٰۃ ہونے کی شرائط نہ پائی گئیں تو دینے والے کی زکوٰۃ ہی ادا نہیں ہوگی۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهُ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــه

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

06 جمادى الثانى 1428ھ 22 جون 2007ء

تعلیمی ادارے کا ''زکوٰۃ فنڈ'' اور اس کے استعمال کے مسائل

فتویٰ 290

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے زکوٰۃ کی بنیاد پر کالج میں داخلہ لیا ہے لیکن میں زکوٰۃ کا حقدار نہیں ہوں۔ مجھے ہر مہینے 2500 روپے زکوٰۃ سے ملتے ہیں جس میں سے 500 روپے میں خود رکھتا ہوں اور 2000 روپے فیس کے طور پر کالج کو دیتا ہوں۔ 500 روپے تو میں ہر مہینے یتیم کو دے دوں گا اور 2000 روپے کی جو تعلیم مل رہی ہے اس کا میں جاب کے بعد کیا کفارہ ادا کروں؟

سائل: رانا شبیر

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرعی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے۔اور جو شخص فقیرِ شرعی نہ ہو اس کا زکوٰۃ لینا حرام ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت، مولانا امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''صدقۂ واجبہ جیسے زکوٰۃ وصدقۂ فطر غنی پر حرام ہے۔'' (فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 290 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

زکوٰۃ صرف مُستحق افراد کے لئے ہوتی ہے اور عموماً اس طرح کے طلبا کے لئے کالجز میں داخلہ کے لئے ایک فارم پُر کیا جاتا ہے جس میں اپنے مُستحقِ زکوٰۃ ہونے پر حلفیہ بیان دیا جاتا ہے اگر آپ نے بھی یہ فارم پُر کیا ہے اور اس میں اپنے آپ کو مُستحق ظاہر کیا ہے تو یہ جھوٹی قسم ہوئی اور اس طرح آپ دوہرے حرام کے مرتکب ہوئے۔

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت، مولانا امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن لکھتے ہیں: ''صدقۂ واجبہ مالدار کو لینا حرام اور دینا حرام، اور اس کے دیئے ادا نہ ہوگا، اور نافلہ مانگ کر مالدار کو لینا حرام اور بے مانگے مناسب نہیں جبکہ دینے والا مالدار جان کر دے اور اگر وہ محتاج سمجھ کر دے تو لینا حرام، اور اگر لینے کے لئے اپنے آپ کو محتاج ظاہر کیا تو دوہرا حرام۔'' (فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 261 ، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور بالفرض آپ نے وہ فارم جمع نہ بھی کروایا ہو تب بھی آپ زکوٰۃ کا پیسہ لینے جیسے حرام کام کے مُرتکب تو ضرور ہوئے ہیں اور شرعی فقیر کو مالک بنائے بغیر جن لوگوں کی زکوٰۃ آپ کو دی گئی ہے ان کی زکوٰۃ بھی ادا نہیں ہوئی۔ لہٰذا آپ فوراً اپنے اس فعل پر اللہ تبارک وتعالیٰ کی بارگاہ میں توبہ کریں اور جتنا زکوٰۃ کا پیسہ اب تک آپ نے حاصل کیا ہے وہ تمام کا تمام کالج کے منتظمین کو واپس کریں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغَر العَطَّارِی المَدَنِی

16 محرم الحرام 1432ھ 23 دسمبر 2010ء

غیرِ مُستحق زکوۃ لیتا رہا ہو تو؟

فتویٰ 291

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص زکوۃ کا مُستحق نہیں تھا مگر اپنی تعلیمی ضروریات کے لئے وہ زکوۃ لیتا رہا۔ اب وہ خود کفیل ہے تو کیا اس نے جتنی زکوۃ لی ہے اس کا کفارہ ادا کرے گا؟ اس کا کفارہ کیا ہوگا؟

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

ایسے شخص نے اب تک جتنی بھی زکوۃ وصول کی ہے وہ جن سے لی ہے انہی کو واپس کرے گا اور وہ دوبارہ کسی مُستحق کو دیں گے۔ یہ خود سے کسی کو نہیں دے سکتا۔ ہاں! اگر کسی دینے والے کو یہ بھول گیا یا کسی کا پتا نہ چلے تو اب اس کی طرف سے کسی مُستحقِ زکوۃ فقیرِ شرعی کو اتنی رقم ادا کر دے۔ نیز اس کا بلا اِستحقاق زکوۃ لینا گناہ ہوا، اس سے توبہ و استغفار بھی کرے۔

وَ اللّٰہُ اَعۡلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوۡلُہٗ اَعۡلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

9 شوال المکرم 1430ھ

زکوۃ میں تملیکِ فقیر شرط ہے

فتویٰ 292

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا زکوۃ میں تملیک شرط ہے؟

سائل: محمد ساجد عطاری (بادامی باغ، مرکز الاولیاء، لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

تملیک یعنی مالک بنا دینا زکوٰۃ کا رکن ہے۔ اگر یہ رکن یعنی تملیک نہ پائی گئی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

علامہ کاسانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ لکھتے ہیں: ''وقد أمر اللہ تعالیٰ الملاک بإیتاء الزکاۃ لقولہ عزوجل: ﴿وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ﴾ والإیتاء ھو التملیک ولذا سمی اللہ تعالیٰ الزکاۃ صدقۃ بقولہ عزوجل: ﴿اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ﴾ والتصدق تملیک ''ترجمہ: اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مال والوں کو اِیتاءِ زکوٰۃ (یعنی زکوٰۃ دینے) کا حکم دیا ہے چنانچہ ارشاد فرماتا ہے: ''اور زکوٰۃ دو۔'' اور ایتاء یعنی دینے کا مطلب تملیک اور مالک کر دینا ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے اللہ عَزَّوَجَلَّ نے زکوٰۃ کو صدقہ کہا ہے چنانچہ فرماتا ہے: ''صدقات فقرا کے لئے ہیں۔'' اور تصدق (صدقہ کرنا) تملیک کو کہتے ہیں۔

(بدائع الصنائع، صفحہ 142، جلد 2، داراحیاء التراث العربی بیروت)

فقہا فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ نام ہی کسی غیر ہاشمی مسلمان فقیر کو مال کا مالک بنا دینے کا ہے۔

چنانچہ فَتَاوٰی عَالَمگِیرِی میں ہے: ''أما تفسیرھا فھی تملیک المال من فقیر مسلم غیر ھاشمی ''ترجمہ: زکوٰۃ کا معنی یہ ہے کہ مسلمان غیر ہاشمی فقیر کو مال کا مالک بنا دیا جائے۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 170، جلد 1، دارالفکر بیروت)

اسی وجہ سے فقہا فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے زکوٰۃ کے مال سے مسجد بنا دی، میّت کو کفن پہنا دیا، پُل یا سرائے تعمیر کروا دیا، کنواں کھدوا دیا یا راستہ درست کروا دیا تو ان سب صورتوں میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ ان سب میں تملیک نہیں پائی گئی جو کہ زکوٰۃ کا رکن تھا۔

چنانچہ ہِدَایَہ اور اس کی شرح بِنَایَہ میں ہے: ''(ولا یبنی بھا مسجد) أی لا یبنی بالزکاۃ مسجد، لأن الرکن فی الزکاۃ التملیک من الفقیر ولم یوجد (ولا یکفن بھا میت لانعدام التملیک) من المیت (وھو الرکن)...... وکذا لا یبنی بھا القناطر والسقایات، ولا یحفر بھا الآبار، ولا تصرف فی إصلاح الطرقات ''عبارت کا مفہوم اوپر بیان ہوا۔ (ملتقطاً)

(بنایہ شرح ہدایہ، صفحہ 193، جلد 4، مطبوعہ ملتان)

امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن زکوٰۃ کے بارے میں لکھتے ہیں: ''پھر دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطورِ اباحت اپنے دستر خوان پر بٹھا کر کھلا دینا یا میّت کے کفن دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پُل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔''

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 110 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابُو الصَّالح مُحَمَّد قَاسِم القَادِرِی

2 رجب المرجب 1432ھ 24 مئی 2012ء

صاحبِ نصاب کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی شخص کے پاس صرف دو تولہ سونا ہو جس کی قیمت تقریباً 12,000 روپے بنتی ہے اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت تقریباً 6,000 روپے ہے تو کیا ایسے شخص کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر شخصِ مذکور کے پاس سونا اس کی حاجتِ اَصلیہ سے زائد ہے اور اس پر اتنا قرض بھی نہیں کہ ادا کیا جائے تو نصاب کی مقدار مال باقی نہ رہے تو شخصِ مذکور شرعی فقیر نہیں لہٰذا اس کو زکوٰۃ دینا جائز نہ ہوگا اس لئے کہ اس کے پاس نصاب کی مقدار مال موجود ہے۔

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّ مُخْتَار میں زکوٰۃ کے مصارِف بیان کرتے ہوئے فقیر شرعی کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"وهو من له أدنى شيء أي دون نصاب أو قدر نصاب غير تام مستغرق في الحاجة" ترجمہ: فقیر شرعی وہ ہے کہ جس کے پاس قلیل مال ہو یعنی نصاب سے کم یا نا مکمل نصاب کی قدر ہو جو کہ دَین میں مستغرق ہو۔"
(تنویر الابصار مع الدرالمختار، صفحہ 333، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

بہارِ شریعت میں ہے: "نصاب سے مراد یہاں یہ ہے کہ اس کی قیمت دوسو درم ہو، اگرچہ وہ خود اتنی نہ ہو کہ اس پر زکوٰۃ واجب ہو مثلاً جب چھ تولے سونا جب دوسو درم قیمت کا ہو تو جس کے پاس ہے اگرچہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں کہ سونے کی نصاب ساڑھے سات تولے ہے مگر اس شخص کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے یا اس کے پاس تیس بکریاں یا بیس گائیں ہوں جن کی قیمت دوسو درم ہے اسے زکوٰۃ نہیں دے سکتا، اگرچہ اس پر زکوٰۃ واجب نہیں یا اس کے پاس ضرورت کے سِوا اسباب ہیں جو تجارت کے لیے بھی نہیں اور وہ دوسو درم کے ہیں تو اسے زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 929، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

یکم رمضان المبارک 1433ھ 21 جولائی 2012ء

امیر اہلسنت کی دینی خدمات اہلِ فتویٰ کی نظر میں

فتاویٰ فقیہِ ملت میں ہے: "اپنے دور کے اہلِ سنت کے جید عالم دین، عظیم مفتی، شارح بخاری حضرت علامہ مفتی شریف الحق امجدی علیہ الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔ مولانا الیاس (امیر تحریک دعوتِ اسلامی) اتنا عظیم الشان عالمگیر پیمانے پر کام کر رہے ہیں جس کے نتیجہ میں لاکھوں بدعقیدہ سُنی صحیح العقیدہ ہوگئے اور لاکھوں شریعت سے بیزار افراد شریعت کے پابند ہوگئے بڑے بڑے لکھ پتی کروڑ پتی گریجوٹ نے داڑھیاں رکھیں عمامہ باندھنے لگے پانچوں وقت باجماعت نمازیں پڑھنے لگے اور دینی باتوں سے دلچسپی لینے لگے، دوسرے لوگوں میں دینی جذبہ پیدا کرنے لگے (ماہنامہ اشرفیہ ص6 جنوری 2000) اور بلاشبہ امیرِ دعوت کے ان کارناموں سے سُنیت ہی کو فائدہ پہنچتا ہے۔" (فتاوی فقیہ ملت، ج2، ص436، مطبوعہ شبیر برادرز لاہور)

غریبوں کی خاطر حوض بنانے کے لئے زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 294

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم اپنے گاؤں میں کھیتوں کو پانی دینے کے لئے ایک حوض بنانا چاہتے ہیں جس سے تمام غریب لوگوں کو فائدہ ہوگا اور اس میں دریا سے پانی کھینچا جائے گا اور پھر کھیتوں کو سیراب کیا جائے گا۔ سوال یہ ہے کہ ہم اس تالاب کو بنانے میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں زکوٰۃ کی رقم حوض بنانے میں استعمال نہیں کر سکتے اگرچہ غریبوں کا اس میں فائدہ ہو کیونکہ یہ مصرفِ زکوٰۃ نہیں البتہ زکوٰۃ کی رقم کسی شرعی فقیر کو دے کر اس کو مالک بنا دیں اور پھر وہ اپنی خوشی سے یہ رقم اس حوض کو بنانے میں صَرف کر دے تو جائز ہے۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبـــــــــه

ابو الصالح محمد قاسم القادری

26 محرم الحرام 1428ھ 15 فروری 2007ء

ستر غزوات میں شرکت سے افضل

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ارشاد فرمایا: لأ أعلم بابا من العلم فی أمرونھی أحب ألی من سنعین غزوۃ فی سبیل اللہ عزوجل
ترجمہ: بے شک امر اور نہی (یعنی حلال وحرام) کے بارے میں علم کا ایک باب جاننے والا میرے نزدیک اللہ عزوجل کی راہ میں 70 غزوات میں شرکت کرنے والے سے زیادہ پسندیدہ ہے۔ (کتاب الفقیہ والمتفقہ، ج2، ص16)

باب رابع: مصارفِ زکوٰۃ

فصل/عنوان 18

شرعی فقیر اور احکامِ زکوٰۃ

شرعی فقیر کی تعریف

فتوی 295

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ فقیروں کو دی جاتی ہے یہ بتائیں کہ فقیر کسے کہتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ شرعی فقیر کو دی جائے۔ اور شرعی فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس اتنا نہ ہو کہ نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب کے برابر تو ہو مگر اس کی ضروریاتِ زندگی میں گھرا ہوا ہو۔ یا وہ مقروض ہو کہ قرضہ نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے۔ اور جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو یہاں تک کہ کھانے اور بدن چھپانے کیلئے اس کا محتاج ہے کہ لوگوں سے سوال کرے، اس کو مسکین کہتے ہیں۔ اور زکوٰۃ مسکین یا شرعی فقیر دونوں کو دی جا سکتی ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

16 رمضان المبارک 1428ھ 29 ستمبر 2007ء

عُشر دینے والا بھی فقیر ہوسکتا ہے؟

فتویٰ 296

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس شرعی فقیر کو G.P.fund میں ملی ہوئی سود کی رقم دے سکتے ہیں اس شرعی فقیر سے کیا مراد ہے؟ زمین کا عُشر ادا کرنے والا کیا اس سود کی رقم کو لے سکتا ہے؟　سائل: محمد حسین عطاری (حیدرآباد، سندھ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

شرعی فقیر سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس ساڑھے باون تولہ چاندی یا اتنی رقم یا اتنی مالیت کا کوئی سامان حاجتِ اَصلیہ سے زائد نہ ہو اور اگر ہو تو وہ قرضہ میں مُستَغرق ہو ایسا شخص زکوٰۃ وصدقۂ فطر، صدقاتِ واجبہ اور جی پی فنڈ میں جو سود کی رقم ملتی ہے وہ لے سکتا ہے۔

جیسا کہ دُرِّ مُختار میں زکوٰۃ کے مصارِف بیان کرتے ہوئے شرعی فقیر کی تعریف یوں کی گئی ہے: ''وھو من له ادنی شیٔ ای دون نصاب او قدر نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة ''ترجمہ: فقیر شرعی وہ ہے جس کے پاس قلیل مال ہو یعنی نصاب سے کم یا نصاب کی مقدار غیر نامی ہو جو اس کی حاجت میں مستغرق ہو۔

(درمختار، صفحہ 333، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

اَلْاِخْتِیَار لِتَعْلِیْلِ الْمُخْتَار کے باب مصارِفِ زکوٰۃ میں ہے: ''وھم الفقیر وھوالذی له ادنی شیٔ '' ترجمہ: ان میں سے ایک فقیر ہے اور فقیر اس کو کہتے ہیں جس کے پاس نصاب سے کم مال ہو۔

(الاختیارلتعلیل المختار، صفحہ 125، جلد 1، دارالکتب العلمیه بیروت)

بَدَائِعُ الصَّنَائِع میں ہے: ''أما الذی یرجع الی المؤدی الیه فانواع منها أن یکون فقیراً فلا یجوز صرف الزکاة الی الغنی ...... الخ ''ترجمہ: جن کو صدقہ واجبہ دے سکتے ہیں ان کی کئی

قسمیں ہیں ان میں سے ایک فقیر ہے۔ غنی کو زکوۃ دینا جائز نہیں......الخ

(بدائع الصنائع ، صفحہ 149 ، جلد 2 ، داراحیاء التراث العربی بیروت)

خلیفۂ اعلیٰ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی ارشاد فرماتے ہیں: ''زکوۃ کے مصارف سات ہیں: فقیر، یہ وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب کی قدر ہو تو اُس کی حاجتِ اصلیہ میں مُستغرق ہو مثلاً رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، خدمت کے لئے لونڈی، غلام، علمی شغل رکھنے والے کو دینی کتابیں جو اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہوں جس کا بیان گزرا۔ یونہی اگر مدیون ہے اور دَین نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے تو فقیر ہے اگرچہ اُس کے پاس ایک تو کیا کئی نصابیں ہوں۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 923 تا 924 ، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

زمین کا عُشر ادا کرنے والے پر اگر شرعی فقیر کی مذکورہ تعریف صادق آتی ہے تو اس کا اس فنڈ میں ملنے والی سود کی رقم کا لینا درست ہے اور اگر وہ شرعی فقیر نہیں تو لینا بھی درست نہیں۔ اور یہ بات بھی ذہن میں رہے کہ جس کو یہ سود کی رقم دے رہے ہیں اس کو بتانا ضروری نہیں کہ یہ سود کے پیسے ہیں البتہ فقیر کو دیتے وقت دل میں یہ نیت کرلے کہ ایک مُستحق کو اس کا حق دے رہا ہوں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

18 ربیع الآخر 1428ھ 06 مئی 2007ء

شرعی فقیر کی پہچان کا آسان ضابطہ

فتویٰ 297

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ شرعی فقیر جو کہ زکوۃ کا مُستحق ہوتا ہے کون ہے؟ وہ کیا شرائط ہیں جس سے اس کے شرعی فقیر ہونے کا علم ہو؟ سائل: عبد الرزاق (کھڈا مارکیٹ، کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

شریعتِ مُطَہَّرہ نے زکوٰۃ کا حق دار قرار دیئے جانے کے سلسلے میں ایک مالی معیار مقرر کیا ہے شرعی فقیر ثابت ہونے کی جو شرائط ہیں وہ اسی مقصد کو پورا کرتی ہیں اس مالی معیار میں حکمت یہ ہے کہ ان لوگوں کی اعانت ہو سکے جو غربت کی انتہائی نچلی سطح میں زندگی بسر کر رہے ہیں۔

پس مُستحقِ زکوٰۃ کے معیار کے لئے ضروری ہے کہ وہ شخص درج ذیل شرائط پر پورا اُترتا ہو جبکہ وہ ہاشمی یا سیّد نہ ہو۔قرض اور حاجتِ اَصلیہ میں مشغول تمام اَموال کو نکال کر درج ذیل باتیں اس میں پائی جاتی ہوں۔

﴿1﴾ اس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا نہ ہو۔

﴿2﴾ ساڑھے باون تولہ چاندی اس کی مِلکیّت میں نہ ہو۔

﴿3﴾ ساڑھے باون تولہ چاندی کی جو رقم بنتی ہے وہ اس کے پاس نہ ہو۔18 رجب المرجب 1432ھ بمطابق 21 جون 2011ء کو چاندی 1,200 روپے تولہ ہے اور ساڑھے باون تولہ چاندی کی رقم اس دن کے حساب سے 63,000 روپے بنتی ہے لہٰذا اتنی رقم بھی اس کے پاس نہ ہو۔

﴿4﴾ ساڑھے باون تولہ چاندی کی مذکورہ قیمت کے برابر اس کے پاس کسی قسم کا مالِ نامی مثلاً مالِ تجارت، پرائز بانڈ وغیرہ نہ ہوں۔

﴿5﴾ اتنی ہی قیمت کے برابر اس کے پاس ضروریاتِ زندگی سے زائد مالیت کی اَشیاء مثلاً اضافی فرنیچر، گھریلو ڈیکوریشن کا سامان نہ ہو۔

﴿6﴾ سونا یا چاندی اگر اُوپر بیان کردہ مقدار سے کم ہے لیکن سونے یا چاندی کے ساتھ ساتھ دیگر وہ چیزیں بھی اس کے پاس ہیں کہ مالکِ نصاب ہونے میں جن کا شمار کیا جاتا ہے تو اب سب کی قیمت ملا کر دیکھیں گے اگر تمام کی قیمت ساڑھے باون تولہ چاندی کی مذکورہ قیمت کے برابر آتی ہے تو ایسا شخص بھی زکوٰۃ کا مُستحق نہیں۔مثلاً ایک شخص کے پاس 10,000 روپے کے پرائز بانڈز، 5,000 روپے کیش تھے اور ایک تولہ سونا تھا جس کی قیمت فی زمانہ تقریباً

49,500 روپے کے قریب بنتی ہے جب ان تمام کی مالیت کو ملایا گیا تو کُل 64,500 روپے ہوئے اور مذکورہ چیزوں میں اتنی مالیت کا حامل زکوٰۃ کا مستحق نہیں۔ لہٰذا ایسے کو بھی زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

﴿7﴾ اگر اس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا سے کم مقدار میں سونا ہو تو اتنا نہ ہو جو ساڑھے باون تولہ چاندی کی قیمت کو پہنچے۔

نوٹ: جو خود زکوٰۃ کا مُستحق نہ ہو لیکن اس کے بالغ بچے خواہ لڑکا ہو یا لڑکی مُستحقِ زکوٰۃ ہوں یا اس کی بیوی زکوٰۃ کی مُستحق ہو تو ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغَر العَطَّارِی المَدَنِی

19 رجب المرجب 1432ھ 22 جون 2011ء

فقیر اور مسکین میں فرق اور ترجیح کسے دی جائے؟

فتویٰ 298

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین ان مسائل کے بارے میں کہ

﴿1﴾ شرعی فقیر کی کیا تعریف ہے؟ فقیر اور مسکین میں کیا فرق ہے؟

﴿2﴾ صدقاتِ واجبہ و نافلہ کی ادائیگی کے وقت فقیر و مسکین میں سے کس کو ترجیح دینی چاہئے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ فقیرِ شرعی سے مراد وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب کی قدر ہو تو اس کی حاجتِ اَصلیہ میں مُستغرق ہو مثلاً رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، خدمت کے لئے لونڈی، غلام، علمی مشاغل رکھنے والے کے لئے دینی کتابیں جو اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہوں۔

چنانچہ فَتَاوىٰ عَالَمْگِیْرِی میں ہے: ”الفقير: وهو من له أدنى شيء وهو ما دون النصاب أو قدر نصاب غير نام وهو مستغرق في الحاجة فلا يخرجه عن الفقير ملك نصب كثيرة غير نامية اذا كانت مستغرقة بالحاجة كذا في فتح القدير“

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 187 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

نصاب سے مراد یہ ہے کہ کسی کے پاس دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولے چاندی یا اس کی مقدار رقم یا سامان ہو جو حاجتِ اَصلیہ اور قرض سے فارغ ہو۔ ایسے شخص کو مالکِ نصاب کہتے ہیں۔

علامہ ابنِ عابِدین شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی فرماتے ہیں: ”بان ملك مائتي درهم أو عرضا يساويها غير مسكنه وثياب اللبس و متاع يحتاجه“ یعنی مالکِ نصاب سے مراد یہ ہے کہ دوسو درہم کا مالک ہو یا اتنے سامان کا کہ جو دوسو درہم کی مقدار کو پہنچے جو حاجتِ اَصلیہ کے علاوہ ہو مثلاً رہنے کا گھر اور پہننے کے کپڑے یا وہ سامان جس کی طرف محتاج ہو۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار ، صفحہ 520 ، جلد 9 ، دارالمعرفة بیروت)

مسکین وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو یہاں تک کہ کھانے اور بدن چھپانے کے لئے اس کا محتاج ہے کہ لوگوں سے سوال کرے۔ اسے سوال حلال ہے فقیر کو سوال ناجائز کہ جس کے پاس کھانے اور بدن چھپانے کو ہو اُسے بغیر ضرورت ومجبوری سوال حرام ہے۔

فَتَاوىٰ عَالَمْگِیْرِی میں ہے: ”المسكين: وهو من لا شيء له فيحتاج الى المسألة لقوته أو ما يواري بدنه ويحل له ذلك بخلاف الاول حيث لا تحل المسئلة له فانها لا تحله لمن يملك قوت يومه بعد سترة بدنه كذا في فتح القدير“

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 187 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

﴿2﴾ اگر فقیر و مسکین دونوں موجود ہوں اور مال زیادہ ہو تو دونوں کو دیا جائے اور اگر مال تھوڑا ہے تو مسکین کو فقیر پر ترجیح دی جائے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

12 ذیقعدہ 1429ھ 11 ستمبر 2008ء

شرعی فقیر ہونے کے لئے حاجتِ اَصلیہ کا معیار کیا ہے؟

فتویٰ 299

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ آپ نے ایک مسئلہ کے جواب میں فرمایا تھا کہ جس کے پاس حاجتِ اَصلیہ سے زائد اتنا سامان ہو جو نصاب کو پہنچ جائے تو ایسا شخص زکوٰۃ کی رقم نہیں لے سکتا۔ ارشاد فرمایئے کہ حاجتِ اَصلیہ سے کیا مراد ہے؟

سائل: عبداللہ قادری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

حاجتِ اَصلیہ سے مراد وہ سامان ہے جس کی عام طور پر انسان کو زندگی بسر کرنے میں ضرورت ہوتی ہے مثلاً پہننے کے کپڑے، گھریلو استعمال کے برتن، رہنے کا مکان، سواری، مزدور کیلئے کام کرنے کے اَوزار، طالبِ علم کیلئے اس کے پڑھنے کی کتابیں وغیرہ۔

چنانچہ فَتَاویٰ عَالَمگِیری میں ہے: ”منها فراغ المال عن حاجته الأصلية فليس فی دور السكنى وثياب البدن وأثاث المنازل ودواب الركوب وعبيد الخدمة وسلاح الاستعمال زكاة“

ترجمہ: زکوٰۃ فرض ہونے کیلئے مال کا حاجتِ اَصلیہ سے فارغ ہونا ضروری ہے پس رہنے کے مکان، پہننے کے کپڑے، گھریلو استعمال کے سامان، سواری کے جانور، خدمت کے غلام اور استعمال کے اوزاروں میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 172، جلد 1، دار الفکر بیروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبــــــه

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِمُ الْقَادِرِی

26 ذو القعدہ 1426ھ 29 دسمبر 2005ء

کیا ایک مکان کی ملکیت رکھنے والا زکوٰۃ لے سکتا ہے؟

فتویٰ 300

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص کی مِلکیّت میں ایک مکان ہے جس میں اس نے رہائش رکھی ہوئی ہے اوراس پر 41,000 روپے قرض بھی ہے جو اس نے لوگوں کا دینا ہے تو کیا ایسا شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے؟ سائل: حسین خان (نارتھ ناظم آباد، کراچی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں شخصِ مذکور کی مِلکیّت میں اگر صرف مکان ہے اوراس کے علاوہ اتنا مال یا سونا چاندی وغیرہ نہیں ہے کہ جسے بیچ کر قرضہ اتارنے کے بعد بھی وہ حاجتِ اَصلیہ کے علاوہ مقدارِ نصاب کا مالک رہے تو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے کیونکہ یہ شرعی فقیر ہے۔

چنانچہ دُرِّ مُختَار میں ہے: ”هو فقير و هو من له أدنى شيء أى دون نصاب أو قدر نصاب غير نام مستغرق في الحاجة“ یعنی فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر اتنا نہ ہو کہ نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب کی قدر تو ہو لیکن اس کی حاجتِ اَصلیہ میں مُستغرق ہو۔

علامہ شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی ”مستغرق في الحاجة“ کے تحت لکھتے ہیں: ”كدار السكنى وعبيد الخدمة وثياب البذلة والات الحرفة وكتب العلم للمحتاج اليها تدريسًا أو حفظا أو تصحيحا كما مر أول الزكاة“ ترجمہ: مثلاً رہنے کا مکان، خدمت کے لئے لونڈی غلام، پہننے کے کپڑے، علمی شغل رکھنے والے کو دینی کتابیں جو اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہوں۔

(درمختار مع ردالمحتار، صفحہ 333، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ''یوہیں اگر مدیون ہے اور دَین نکالنے کے بعد نصاب باقی نہ رہے تو فقیر ہے اگرچہ اس کے پاس ایک تو کیا کئی نصابیں ہوں۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 924 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

البتہ یہ بھی خیال رہے کہ شخصِ مذکور اگر فقیر ہے تو اس کے لئے زکوٰۃ لینا اگرچہ جائز ہے لیکن زکوٰۃ کا سوال کرنا اسے بھی جائز نہیں سوائے مسکین کے، اور مسکین اس شخص کو کہتے ہیں جس کے پاس کچھ نہ ہو یہاں تک کہ کھانے اور بدن چھپانے کے لئے اس بات کا محتاج ہو کہ لوگوں سے سوال کرے اور اسے سوال حلال ہے جبکہ فقیر کو سوال کرنا جائز نہیں کہ جس کے پاس کھانے اور بدن چھپانے کو کچھ ہو اُسے بغیر ضرورت و مجبوری سوال حرام ہے۔

چنانچہ فَتَاوٰی عَالَمْگِیرِی میں ہے: ''ومنها المسكين وهو من لا شيء له فيحتاج الى المسئلة لقوته أو ما يوارى بدنه ويحل له ذلك بخلاف الأول حيث لا تحل المسئلة له فانها لا تحل لمن يملك قوت يومه بعد سترة بدنه كذا في فتح القدير'' یعنی مصارفِ زکوٰۃ میں سے ایک مَصرَف مسکین کو دینا ہے اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو یہاں تک کہ کھانے اور بدن چھپانے کے لئے اس بات کا محتاج ہو کہ وہ لوگوں سے سوال کرے اور اسے سوال حلال ہے بخلاف فقیر کے کہ اسے سوال ناجائز کہ جس کے پاس کھانے اور بدن چھپانے کو ہو تو اُسے بغیر ضرورت و مجبوری سوال حرام ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 187 تا 188 ، جلد 1 ، دار الفکر بیروت)

سیّدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''وہ عاجز، ناتواں کہ نہ مال رکھتے ہیں اور نہ کسب پر قدرت یا جتنے کی حاجت ہے اتنا کمانے پر قادر نہیں انہیں بقدرِ حاجت سوال حلال اور اس سے جو کچھ ملے ان کے لئے طیّب اور یہ عمدہ مصارِفِ زکوٰۃ سے ہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 254 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّریعَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ مصارِفِ زکوٰۃ کے بیان میں فرماتے ہیں: ''مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو یہاں تک کہ کھانے اور بدن چھپانے کے لئے اس کا محتاج ہے کہ لوگوں سے سوال کرے اور اسے سوال حلال ہے فقیر کو سوال ناجائز کہ جس کے پاس کھانے اور بدن چھپانے کو ہو اُسے بغیر

ضرورت ومجبوری سوال حرام ہے۔" (بہارِ شریعت ، صفحہ 924 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

02 رمضان المبارک 1428ھ 15 ستمبر 2007ء

مقروض کو زکوٰۃ دینے کا مسئلہ

فتویٰ 301

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید سے ایک شخص نے فراڈ کیا جس کی وجہ سے اس کا پکوان کا کاروبار بند ہوگیا، اور پھر کرائے کی ادائیگی نہ ہونے کی وجہ سے مالکِ دوکان نے اس کا تمام سامان روک کر اسے دوکان سے بے دخل کر دیا، اس وقت کفالت بھی انتہائی مشکل سے ہو رہی ہے مکان کا کرایہ بھی کئی ماہ کا واجبُ الْاَدا ہے، اب فاقوں تک نوبت آچکی ہے اور اس کی وجہ سے زید کی بیوی نے بھی علیحدگی کی دھمکی دے دی ہے، زید کی عمر 58 سال ہے وہ ہارٹ اور بلڈ پریشر کا مریض بھی ہے اس کے ذِمّہ دو لاکھ روپے کا قرض بھی ہے تو کیا ایسی حالت میں زید قرض کی ادائیگی اور اپنی گزر اوقات کے لئے زکوٰۃ، صدقات وخیرات وغیرہ لے سکتا ہے؟ کیا دینے والوں کی ادائیگی دُرُست ہوگی؟

سائل: حاجی غلام علی عدنان (ناصر کالونی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مُسْتَفْسَرہ میں اگر اس پر اتنا قرض ہے کہ ادا کرنے کی صورت میں نصاب کی مقدار مال اس کی مِلکِیَّت میں نہیں رہے گا تو زید کے لئے زکوٰۃ، صدقات وخیرات لینا جائز ہے، بلکہ مقروض کو زکوٰۃ دینا تو افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِيْنِ   ترجمۂ کنز الایمان: زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے

وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۰﴾ (پارہ 10 ، التوبۃ: 60)

محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجدّدِ دِین و مِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''جس پر اتنا دَین ہو کہ اسے ادا کرنے کے بعد اپنی حاجاتِ اَصلیہ کے علاوہ چھپن روپے (یہ نصاب سیّدی اعلیٰ حضرت کے دور میں تھا اب اس کی مقدار زیادہ ہے ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت ہی نصاب ہے چاہے جو بھی ہو) کے مال کا مالک نہ رہے گا اور وہ ہاشمی نہ ہو، نہ یہ زکوٰۃ دینے والا اس کی اولاد میں ہو، نہ باہم زوج و زوجہ ہوں، اسے زکوٰۃ دینا بے شک جائز بلکہ فقیر کو دینے سے افضل، ہر فقیر کو چھپن روپے دفعۃً نہ دینا چاہئیں، اور مَدیون پر چھپن ہزار دَین ہو تو زکوٰۃ کے چھپن ہزار ایک ساتھ دے سکتے ہیں، قَالَ اللّٰہُ تعالٰی : ﴿وَ الْغٰرِمِیْنَ﴾۔ دُرِّ مُختار میں ہے:

ومديون لا يملك نصابا فاضلا عن دينه و فى الظهيرية الدفع للمديون أولى منه للفقير۔ (ترجمہ: مقروض وہ شخص ہوتا ہے جو قرض سے فاضل نصاب کا مالک نہ ہو، ظہیریہ میں ہے: مَدیون کو زکوٰۃ دینا فقیر سے اولیٰ ہے۔)

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 250 تا 251 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــہ

عَبْدُہُ الْمُذْنِبْ فُضَیل رَضَا العَطَّارِی عَفَاعَنْہُ الْبَارِی

11 ذو القعدۃ 1428ھ 22 نومبر 2007ء

سودی قرض میں جکڑے ہوئے کو زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 302

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں رقم کے لین دین کی وجہ

سے بہت مقروض ہوں اور مقامی بینک کا بائیس لاکھ روپے کا مقروض ہوں جو کہ آہستہ آہستہ بمع سود بڑھ رہا ہے میرا ایک میڈیکل اسٹور ہے جس میں کُل مال کم وبیش سوا لاکھ روپے کا ہے اور اس میں سے بھی لوگوں کا قرض دینا ہے۔اس کے علاوہ میرے پاس کوئی پراپرٹی نہیں۔دوکان کرایہ کی ہے اور کرایہ کے مکان میں رہتا ہوں۔دوکان ومکان کا کرایہ اور دیگر اخراجات نکال کر میرے پاس اتنی رقم نہیں بچتی کہ جس سے صحیح طور پر اپنی گزر بسر کرسکوں۔اس صورت میں کیا میں زکوٰۃ لے کر اپنا قرضہ اتار سکتا ہوں؟ **سائل: محمد الطاف** (رنچھوڑ لائن، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

یہ سودی لین دین کا وبال ہے،اب تک کئے گئے سودی لین دین سے فوراً توبہ کریں۔سود لینا اور دینا دونوں حرام اور جہنم میں لے کر جانے والا کام ہے۔

چنانچہ اللہ جلّ مجدہٗ قرآنِ مجید فرقانِ حمید میں ارشاد فرماتا ہے:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ترجمۂ کنز الایمان: اور اللہ نے حلال کیا بیع کو اور حرام کیا سود۔

(پارہ 3، البقرۃ: 275)

مسلمان کو چاہئے کہ سود سے بچے اور دُنیوی نفع کے مقابلے میں اللہ ورسول عزَّوجلَّ وصلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی رضا کو ترجیح دے اور سود کے متعلق جو وعیدیں ارشاد فرمائی گئی ہیں ان سے بچے۔سود کے متعلق چند وعیدیں درج ذیل ہیں:﴿1﴾ سود کھانے والے کو اللہ عزَّوجلَّ اور رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی طرف سے اعلانِ جنگ ہے۔﴿2﴾ سود کھانے والے پر رسول صلَّی اللہ تعالٰی علیہ واٰلہٖ وسلَّم کی لعنت ہے۔﴿3﴾ سود کھانے والا قیامت کے دن مجنون آئے گا۔﴿4﴾ سود کھانے والے کا جسم جہنم کا زیادہ مُستحق ہے۔﴿5﴾ سود کھانے والا اللہ تعالٰی کے عذاب کو اپنے لئے حلال کرلیتا ہے۔﴿6﴾ سود کھانے والے قحط میں گرفتار ہوجاتے ہیں۔﴿7﴾ سود کھانے والوں کو کتوں اور خنزیروں کی شکلوں میں اٹھایا جائے گا۔﴿8﴾ ان کے پیٹوں میں سانپ بھر دیئے جائیں گے۔﴿9﴾ سود کھانے والا ظالم ہے اور ظلم کرنے والے کی سزا پائے گا۔﴿10﴾ سود کھانے والا فلاح نہ پائے گا وغیرہ۔

نیز آپ کے سوال کا جواب یہ ہے کہ اگر آپ کی یہی حالت ہے اور آپ پر علاوہ سود کی مد میں دینے کے اتنا قرض ہے کہ ادا کرنے کی صورت میں نصاب کی مقدار مال آپ کی مِلکیّت میں نہیں رہے گا تو آپ مُستحقِ زکوٰۃ ہیں اور زکوٰۃ لے سکتے ہیں بلکہ مقروض کو زکوٰۃ دینا تو افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِؕ-فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ-وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ(۶۰) (پارہ 10، التوبۃ: 60)

ترجمۂ کنز الایمان: زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

اس آیت کے تحت صدر الافاضل مولانا مفتی سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْھَادِی فرماتے ہیں: ''فقیر وہ ہے جس کے پاس ادنیٰ چیز ہو اور جب تک اس کے پاس ایک وقت کے لئے کچھ ہو اس کو سوال حلال نہیں۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو سوال کر سکتا ہے۔'' (تفسیر خزائن العرفان، صفحہ 369، مکتبۃ المدینہ)

سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجدّدِ دین و مِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''جس پر اتنا دَین ہو کہ اسے ادا کرنے کے بعد اپنی حاجاتِ اَصلیہ کے علاوہ چھپن روپے (یہ نصاب سیّدی اعلیٰ حضرت کے دور میں تھا اب اس کی مقدار زیادہ ہے ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت ہی نصاب ہے چاہے جو بھی ہو) کے مال کا مالک نہ رہے گا اور وہ ہاشمی نہ ہو، نہ یہ زکوٰۃ دینے والا اس کی اولاد میں ہو، نہ باہم زوج و زوجہ ہوں، اسے زکوٰۃ دینا بے شک جائز بلکہ فقیر کو دینے سے افضل، ہر فقیر کو چھپن روپے دفعۃً نہ دینا چاہئیں، اور مَدیون پر چھپن ہزار دَین ہو تو زکوٰۃ کے چھپن ہزار ایک ساتھ دے سکتے ہیں، قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ: وَالْغٰرِمِیْنَ۔ دُرِّمُختار میں ہے: ومدیون لا یملك نصابا فاضلا عن دینه و فی الظهیریة الدفع للمدیون أولی منه للفقیر۔ (ترجمہ:

مقروض وہ شخص ہوتا ہے جو قرض سے فاضل نصاب کا مالک نہ ہو، ظہیریہ میں ہے: مدیون کو زکوٰۃ دینا فقیر سے اولیٰ ہے۔)

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 250 تا 251، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــہ

عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَا عَنْہُ الْبَارِی

06 ذیقعدہ 1429ھ 05 نومبر 2008ء

کیا میں شرعی فقیر اور مستحقِ زکوٰۃ ہوں؟

فتویٰ 303

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری کُل مِلکیّت چھ تولہ سونا تھا جو مجھے میرے دو بھائیوں نے دیا تھا یہ سونا میں نے اپنے تین بچوں (دو بیٹوں اور ایک بیٹی) میں برابر تقسیم کر دیا ہے اور ان کو یہ سونا دے کر اس کا مالک بنا دیا ہے اس کے علاوہ میرا اور کوئی مال و اَسباب نہیں ہے تو کیا اس صورت میں میں صاحبِ نصاب ہوں یا نہیں؟ اور کیا میں زکوٰۃ کی حق دار ہوں یا نہیں؟ یعنی اگر مجھے کوئی زکوٰۃ دے تو میں لے سکتی ہوں یا نہیں؟

سائلہ: مسز الطاف حسین (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مسئولہ میں آپ صاحبِ نصاب نہیں ہیں اگر آپ کو کوئی زکوٰۃ کی رقم دے تو لے سکتی ہیں کہ آپ شرعی فقیر ہیں اور شرعی فقیر زکوٰۃ لے سکتا ہے البتہ کسی سے مانگ کر لینا آپ کے لئے جائز نہیں۔

صاحبِ نصاب وہ ہے جس کے پاس بیس مِثقال یعنی ساڑھے سات تولے سونا یا دوسو درہم یعنی ساڑھے باون تولے چاندی یا ان میں سے کسی ایک کی قیمت کا روپیہ پیسہ ہو تو وہ صاحبِ نصاب ہوگا اور اگر اس مقدار میں اس کے پاس سونا نہیں اور اتنی چاندی بھی نہیں کہ نصاب پورا ہو اور ضرورت سے زائد اتنی رقم بھی نہیں کہ نصاب پورا ہو سکے

تو پھر زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی جب تک کہ نصاب پورا ہونے کے بعد سال نہ گزر جائے۔

تَنْوِیْرُالْاَبْصَار میں ہے: ''نصاب الذھب عشرون مثقالا والفضة مائتادرھم و فی عرض تجارة قیمته نصاب من ذھب أو ورق مقوما بأحدھما ربع عشر'' **یعنی** سونے کا نصاب بیس مثقال اور چاندی کا دوسو درہم ہے۔ یا تجارت کا سامان جس کی قیمت سونے یا چاندی کے نصاب میں سے کسی ایک کی قیمت کے برابر ہو اس پر چالیسواں حصہ زکوٰۃ واجب ہے۔

(تنویرالابصار، صفحہ 267 تا 272، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

دُرِّمُخْتَار میں ہے: ''وشرط كمال النصاب فی طرفی الحول فی الابتداء للانعقاد وفی الانتهاء للوجوب فلایضر نقصانه بینهمافلو هلك كله بطل الحول'' **یعنی** سال کی دونوں طرفوں (اوّل وآخر) میں نصاب پورا ہونا شرط ہے۔ ابتدا میں انعقاد کے لئے اور انتہا میں وُجوب کے لئے۔ ان دونوں کے درمیان میں نصاب میں کمی اس کو ضرر نہیں دیتی۔ اگر سارا مال ہلاک ہوگیا تو پھر سال باطل ہوجائے گا۔

(درمختار، صفحہ 278، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کے مصارِف کے بارے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کا قرآنِ مجید میں ارشاد ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِؕ فَرِیْضَةً مِّنَ اللّٰهِؕ وَ اللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۶۰﴾

(پارہ 10، التوبة: 60)

ترجمۂ کنز الایمان: زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم وحکمت والا ہے۔

اس آیت کے تحت سیّد نعیم الدین مرادآبادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی فرماتے ہیں: ''ان میں سے مؤلَّفۃ القُلوب باجماعِ صحابہ ساقط ہوگئے کیونکہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا تو اب اس کی حاجت نہ رہی یہ اجماع زمانۂ صدیق میں منعقد ہوا۔''

(تفسیرخزائن العرفان، صفحہ 369، مکتبة المدینه)

صدرُ الشریعہ مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ کے مصارف سات ہیں: ﴿1﴾ فقیر ﴿2﴾ مسکین ﴿3﴾ عامل ﴿4﴾ رقاب ﴿5﴾ غارم ﴿6﴾ فی سبیل اللہ ﴿7﴾ ابن سبیل۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 923 تا 924، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

دُرِّ مختار میں ہے: ''فقیر وھو من له أدنی شیء أی دون نصاب أو قدر نصاب غیر نام مستغرق فی الحاجة'' ترجمہ: زکوٰۃ میں فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس معمولی سامان ہو یعنی نصاب سے کم یا نصاب کی مقدار ہو جو کہ حاجتِ اَصلیہ میں گھرا ہو۔

(درمختار، صفحہ 333، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

وَ اللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

28 ذو القعدة الحرام 1429ھ 27 نومبر 2008ء

دیوالیہ ہونے والے کو زکوٰۃ دینا؟

فتویٰ 304

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ایک چھوٹی سی فیکٹری تھی جو چند دن پہلے تک بہت اچھی چل رہی تھی وہ فیکٹری اور اس میں چلنے والی مشینیں کرائے پر تھیں کچھ دن پہلے ہونے والی بارشوں اور آندھی کی وجہ سے فیکٹری کی چھت اُڑ گئی اور اس کے اندر کا سامان بھیگ کر خراب ہو گیا اور مشینوں میں بھی پانی چلا گیا جس کی وجہ سے تمام وائرنگ جل گئی جن لوگوں کا سامان ہم نے لیا ہوا تھا وہ سیاسی پارٹی سے تعلق رکھتے تھے وہ مجھے زبردستی پکڑ کر لے گئے اور مجھ پر پریشر ڈال کر کہا کہ گاڑی اور گھر کا دوسرا سامان بیچ دے تو میں نے اپنی گاڑی، گھر کا کچھ سامان اور جو کپڑا فیکٹری میں خراب ہوا تھا وہ بیچ کر ان کو پیسے دے دیئے لیکن اب بھی ان کی رقم باقی رہ گئی ہے، میری فیکٹری بند ہے گھر تبدیل کر لیا ہے اور دو کمروں کا گھر لیا ہے اس کا بھی کرایہ نہیں دے پا رہا اب میرے گھر میں کوئی قیمتی سامان وغیرہ بھی نہیں ہے جس کو بیچ کر گھر چلا سکوں، میرا کوئی ایسا تعلق والا بھی نہیں ہے جس سے

اب مزید کچھ قرض لے سکوں پہلے ہی چند لوگوں سے قرض لے چکا ہوں، لیکن ابھی تک واپس نہیں کر سکا، لہٰذا اس صورتِ حال میں کیا میرے لئے یہ جائز ہے کہ اگر کوئی شخص زکوٰۃ کی رقم مجھے دینا چاہتا ہو تو وہ لے کر میں قرض ادا کر دوں اور اپنا گھر چلا سکوں؟

سائل: سلمان (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اگر آپ کی یہی حالت ہے اور آپ پر اتنا قرض ہے کہ ادا کرنے کی صورت میں نصاب کی مقدار مال آپ کی مِلکیّت میں نہیں رہے گا اور کوئی آپ کو قرض کی ادائیگی کے لئے خود زکوٰۃ دینا چاہتا ہے تو آپ چونکہ مُستحقِ زکوٰۃ ہیں اس لئے زکوٰۃ کا مال لے سکتے ہیں بلکہ مقروض کو زکوٰۃ دینا تو افضل ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰکِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْھَا وَ الْمُؤَلَّفَۃِ قُلُوْبُھُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِ ؕ فَرِیْضَۃً مِّنَ اللّٰہِ ؕ وَ اللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ ﴿۶۰﴾ (پارہ 10، التوبۃ: 60)

ترجمۂ کنز الایمان: زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

اس آیت کے تحت صدر الافاضل مولانا مفتی سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْھَادِی فرماتے ہیں: ”فقیر وہ ہے جس کے پاس ادنیٰ چیز ہو اور جب تک اس کے پاس ایک وقت کے لئے کچھ ہو اس کو سوال حلال نہیں۔ مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو وہ سوال کر سکتا ہے۔“ (تفسیر خزائن العرفان، صفحہ 369، مکتبۃ المدینہ)

سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دین و مِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ”جس پر اتنا دَین ہو کہ اسے ادا کرنے کے بعد اپنی حاجاتِ اَصلیہ کے علاوہ چھپن روپے (یہ نصاب سیّدی اعلیٰ حضرت کے دور میں تھا اب اس کی مقدار زیادہ ہے ساڑھے باون تولے چاندی کی قیمت ہی نصاب ہے چاہے جو بھی

ہو) کے مال کا مالک نہ رہے گا اور وہ ہاشمی نہ ہو، نہ یہ زکوٰۃ دینے والا اس کی اولاد میں ہو، نہ باہم زوج وزوجہ ہوں، اسے زکوٰۃ دینا بے شک جائز بلکہ فقیر کو دینے سے افضل، ہر فقیر کو چھپن روپے دفعۃً نہ دینا چاہئیں، اور مدیون پر چھپن ہزار دین ہو تو زکوٰۃ کے چھپن ہزار ایک ساتھ دے سکتے ہیں، قَالَ اللّٰہُ تعالیٰ: **وَالْغٰرِمِیْنَ**۔ **دُرِّ مُختار** میں ہے: "ومدیون لا یملک نصابا فاضلا عن دینہ و فی الظھیریۃ الدفع للمدیون أولی منہ للفقیر" (ترجمہ: مقروض وہ شخص ہوتا ہے جو قرض سے فاضل نصاب کا مالک نہ ہو، ظہیریہ میں ہے: مدیون کو زکوٰۃ دینا فقیر سے اولیٰ ہے۔)

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 250 تا 251 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــہ

عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَاعَنْہُ الْبَارِی

19 شعبان المعظم 1430ھ 11 اگست 2009ء

اپنی رقم قرض میں پھنسی ہو تو؟

فتویٰ 305

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی نے 1 لاکھ روپے کسی کو بطورِ قرض دیئے ہوئے ہوں اور بعد میں وہ رقم اسے ملنے کی اُمید بھی بہت کم ہو تو کیا ایسا شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے؟

سائل: عبدالکریم (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

پوچھی گئی صورت میں اس شخص کے پاس قرض میں دی گئی رقم کے علاوہ مقدارِ نصاب زائد از ضرورت کوئی شی نہ ہو اور جسے رقم دی ہے اس سے رقم واپس لینے پر قدرت نہیں مثلاً جسے قرض دیا ہے اس کے پاس مال نہیں ہے تو بقدرِ ضرورت زکوٰۃ لے سکتا ہے۔ مگر بہتر یہ ہے کہ اگر قرض لے سکتا ہے تو قرض لے کر اپنی حاجت پوری کرے۔

سیدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت شاہ احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''جو مال کسی پر دَین ہو جب تک وصول نہ ہو مال کامل نہیں ناقص ہے خصوصاً جبکہ کسی مُفلِس پر ہو کہ وہ تو گویا مُردہ مال ہے ولہٰذا حاصلِ مِلک مال کہ تموّل وغنا نہیں ہوتا زید کے لاکھ روپے کسی مُفلِس پر قرض آتے ہوں جب تک پاس نصاب نہ ہو فقیر ہے خود زکوۃ لے سکتا ہے۔ فی ''الاشباہ'' من لہ دین علی مفلس مقر فقیر علی المختار (ترجمہ: اشباہ میں ہے جس کا کسی ایسے شخص پر قرض ہو جو مفلس اقرار کرنے والا ہو تو مختار قول پر وہ فقیر ہے) بلکہ عرفاً دَین کو مال ہی نہیں کہتے اگر لاکھوں قرض میں پھیلے ہوں اور پاس کچھ نہیں تو قسم کھا سکتا ہے کہ میرا کچھ مال نہیں کما تقدم عن الظھیریۃ ومثلہ فی البحر و التنویر وغیرھما۔'' (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 535، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد طارق رضا عطاری المدنی

30 شعبان المعظم 1428ھ 13 ستمبر 2007ء

الجواب صحیح

ابو الصالح محمد قاسم القادری

قرض کی ادائیگی کیلئے زکوۃ مانگنا کیسا؟

فتویٰ 306

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں نے اپنے دوست کے ساتھ ایک کاروبار کیا تھا جس میں مجھے کافی نقصان ہوا اور بری طرح مقروض ہو گیا ہوں میں نے قرض کی ادائیگی کے لئے بینک سے قرضہ بھی لیا، اپنی گاڑی وغیرہ بھی بیچ دی الغرض ہر طرح کا سامان بیچ کر قرض اتارنے کی کوشش کی لیکن قرض نہ اتر سکا اور اب میں شرعی فقیر ہو گیا ہوں میرے پاس کچھ بھی مال نہیں ہے اب میں اپنے والدین کے پاس ہی رہ رہا ہوں اور انہی کے پاس کھا پی رہا ہوں تو کیا اس صورت میں میں زکوۃ مانگ سکتا ہوں؟ اگر میں زکوۃ نہیں مانگ سکتا تو میرے لئے زکوۃ کا سوال کون کرے گا؟ کیا میرے والد اور والدہ مجھے زکوۃ دے سکتے ہیں؟ سائل: محمد فراز (کراچی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

صورتِ مسئولہ میں آپ کے لئے زکوٰۃ لینا شرعاً دُرست ہے بلکہ مقروض کو زکوٰۃ دینا تو افضل ہے اور جہاں تک زکوٰۃ کا سوال کرنے کا تعلّق ہے تو پہلے آپ مہلت مانگیں اگر قرض خواہ آپ کی مجبوری وتنگدستی سے واقف ہوکر مہلت دے دیں تو سوال کرنے کی اجازت نہیں اور مقروض تنگدست کو مہلت دینا لازم بھی ہے تو انہیں چاہئے کہ آپ کو مہلت دیں اور آپ آہستہ آہستہ کما کر ان کا قرض ادا کریں ہاں اگر قرض خواہ کسی بھی طور پر مہلت دینے کے لئے تیار نہ ہوں، آپ کو روز ذلیل ورسوا کرتے ہوں تو اس صورت میں آپ کے لئے سوال کرنا بھی جائز ہے۔

چنانچہ حدیثِ مبارک میں ہے:"عَنۡ حَبۡشِی بنِ جُنَادَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَسَلَّمَ إِنَّ الۡمَسۡأَلَةَ لَا تَحِلُّ لِغَنِيٍّ وَلَا لِذِی مِرَّةٍ سَوِيٍّ إِلَّا لِذِی فَقۡرٍ مُدۡقِعٍ أَوۡ غُرۡمٍ مُفۡظِعٍ وَمَنۡ سَأَلَ النَّاسَ لِیُثۡرِیَ بِہِ مَالَهُ کَانَ خُمُوشًا فِی وَجۡھِہِ یَوۡمَ الۡقِیَامَةِ وَرَضۡفًا یَأۡکُلُهُ مِنۡ جَھَنَّمَ فَمَنۡ شَاءَ فَلۡیُقِلَّ وَمَنۡ شَاءَ فَلۡیُکۡثِرۡ" ترجمہ: حضرتِ سیّدنا حبشی بن جُنادہ سے مروی ہے فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیۡہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا: نہ تو غنی کو سوال جائز ہے نہ دُرست اعضاء والے کو مگر زمین سے ملے ہوئے فقیر یا رسوائی والے مقروض کو اور جو لوگوں سے مال بڑھانے کے لئے مانگے تو یہ سوال قیامت کے دن اس کے چہرے کے کھرونچے ہوں گے اور دوزخ کے انگارے جسے وہ کھائے گا اب جو چاہے وہ کم کرے اور جو چاہے بڑھائے۔

(سنن الترمذی، صفحہ 140، جلد 2، دار الفکر بیروت)

مفتی احمد یار خاں نعیمی رَحۡمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیۡہ اس حدیثِ مبارکہ کے تحت ارشاد فرماتے ہیں:"ایسا مقروض جس کے قرض خواہ اس کی آبرو کے درپے ہوگئے ہوں، وہ اگرچہ تندرست ہے مگر ان مصیبتوں کے دفعیہ کے لئے مانگ سکتا ہے۔"

(مراۃ المناجیح، صفحہ 63، جلد 3، ضیاء القرآن لاہور)

آپ کے والدین آپ کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے کیونکہ اپنی اولاد کو دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔

چنانچہ بَدَائِعُ الصَّنَائِع میں ہے:"ومنها أن لا تكون منافع الأملاك متصلة بين المؤدّی والمؤدّی اليه؛ لان ذلك يمنع وقوع الاداء تمليكامن الفقير من كل وجه بل يكون صرفا

الی نفسه من وجه وعلی هذا یخرج الدفع الی الوالدین وان علوا، والمولودین وان سفلوا؛ لأن أحدهما ینتفع بمال الآخر ''ترجمہ: اورانہیں شرائط میں سے ایک یہ بھی ہے کہ املاک کے منافع زکوٰۃ دینے والے اور لینے والے کے درمیان متصل نہ ہوں کیونکہ ایسا ہونا زکوٰۃ کی ادائیگی سے مانع ہے، کہ اس میں مِنْ کُلِّ الْوُجُوہ تملیکِ فقیر نہیں پائی جارہی بلکہ یہ ایک اعتبار سے اپنے اُوپر ہی زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کرنا ہے۔ اسی وجہ سے والدین کو زکوٰۃ دینا اگرچہ اوپر تک ہوں یا اپنی اولاد کو زکوٰۃ دینا اگرچہ نیچے تک ہوں خارج ہوگیا کیونکہ یہ ان میں سے ایک کا دوسرے کے مال سے نفع اٹھانا ہے۔

(بدائع الصنائع، صفحہ 162، جلد 2، داراحیاء التراث العربی بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَا عَنْہُ الْبَارِی

25 جمادی الاولی 1429ھ 31 مئی 2008ء

تنگدست مقروض کا زکوٰۃ لینا کیسا؟

فتویٰ 307

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری ایک دوکان ہے جس میں میں زیورات کا کام کرتا تھا لیکن سونا اور چاندی بہت زیادہ مہنگا ہونے کی وجہ سے کام ختم ہوگیا تقریباً ایک سال سے کام بند ہوگیا ہے جس کی وجہ سے کاروبار میں کافی نقصان ہوگیا ہے اور دو لاکھ روپے کا میں مقروض بھی ہوگیا ہوں میرے رشتہ داروں اور پڑوسیوں میں سے بھی کوئی ایسا نہیں ہے جو اس وقت میری مدد کر سکے میری پانچ بیٹیاں ہیں گھر کا خرچ بہت مشکل سے چل رہا ہے گھر کی بجلی کا بل 42,000 روپے، اور گیس کا بل 8,000 روپے تک پہنچ چکا ہے مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ یہ بل ادا کرسکوں۔ مجھے اس حالت میں ایک شخص زکوٰۃ کی رقم دینا چاہتا ہے تو کیا میں اس صورت میں زکوٰۃ لے سکتا ہوں یا نہیں؟

سائل: فضل الرحمٰن (کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر آپ کی یہی حالت ہے اور آپ پر اتنا قرض ہے کہ ادا کرنے کی صورت میں نصاب کی مقدار مال آپ کی مِلکیّت میں نہیں رہے گا اور کوئی آپ کو قرض کی ادائیگی کے لئے خود زکوٰۃ دینا چاہتا ہے تو آپ چونکہ مُستحقِ زکوٰۃ ہیں اس لئے زکوٰۃ کا مال جو کوئی آپ کو دے لے سکتے ہیں بلکہ مقروض کو زکوٰۃ دینا تو افضل ہے۔

سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دین و مِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''جس پر اتنا دَین ہو کہ اسے ادا کرنے کے بعد اپنی حاجاتِ اَصلیہ کے علاوہ چھپن روپے کے مال (یعنی ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر مال) کا مالک نہ رہے گا اور وہ ہاشمی نہ ہو، نہ یہ زکوٰۃ دینے والا اس کی اولاد میں ہو، نہ باہم زوج و زوجہ ہوں، اسے زکوٰۃ دینا بے شک جائز بلکہ فقیر کو دینے سے افضل، ہر فقیر کو چھپن روپے دفعۃً نہ دینا چاہئیں، اور مدیون پر چھپن ہزار دَین ہو تو زکوٰۃ کے چھپن ہزار ایک ساتھ دے سکتے ہیں، قَالَ اللّٰہُ تعالٰی: وَالْغٰرِمِیْنَ۔ دُرِّ مُختار میں ہے: ومدیون لا یملك نصابا فاضلا عن دینه و فی الظهیریة الدفع للمدیون أولی منه للفقیر۔ (ترجمہ: مقروض وہ شخص ہوتا ہے جو قرض سے فاضل نصاب کا مالک نہ ہو، ظہیریہ میں ہے: مدیون کو زکوٰۃ دینا فقیر سے اولیٰ ہے۔) (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 250 تا 251، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

عَبْدُهُ الْمُذْنِب فُضَيل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَا عَنْهُ الْبَارِی

14 جمادی الثانی 1429ھ 19 جون 2008ء

جس کے پاس صرف ایک پلاٹ ہو وہ زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟

فتویٰ 308

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص خود کرائے کے مکان

میں رہتا ہے اس کے پاس اپنا کوئی مکان نہیں ہے، اور حاجتِ اَصلیہ سے زائد کوئی روپیہ پیسہ، سونا چاندی اور کوئی سامان وغیرہ بھی نہیں ہے، صرف ایک پلاٹ ہے جو کہ اس نے اپنا رہائشی مکان بنانے کے لئے لیا ہوا ہے، اس شخص کی مختصر سی آمدنی ہے جو کہ گھر کے اَخراجات کے لئے پوری نہیں ہوتی، اب آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ یہ شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر اس پلاٹ کو وہ اپنے گھر کے اَخراجات چلانے کے لئے بیچ دے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا نہیں؟

سائل: محمود (حضرو، اٹک)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

صورتِ مَسْئُولہ میں شخصِ مذکور کا یہ پلاٹ اس کی حاجتِ اَصلیہ میں شامل ہے، اس وجہ سے یہ صاحبِ نصاب نہیں ہے، اگر اس کو کوئی زکوٰۃ دے تو لے سکتا ہے لیکن خود کسی سے زکوٰۃ کا سوال نہیں کر سکتا۔

اگر یہ شخص اس پلاٹ کو بیچ دے اور حاصل ہونے والی رقم نصاب تک پہنچ جائے تو یہ شخص صاحبِ نصاب بن جائے گا، سال پورا ہونے کے بعد بھی اگر یہ صاحبِ نصاب ہوا تو اس پر اُس وقت موجود مال پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

علامہ شامی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ''قدر الحاجة هو ما ذكره الكرخی فی مختصره فقال: لا بأس أن يعطى من الزكاة من له مسكن، و ما يتأثث به فی منزله و خادم و فرس و سلاح و ثياب البدن و كتب العلم إن كان من أهله، فإن كان له فضل عن ذلك تبلغ قيمته مائتی درهم حرم عليه أخذ الصدقة، لما روی عن الحسن البصری قال: كانوا: يعنی الصحابة يعطون من الزكاة لمن يملك عشرة آلاف درهم من السلاح و الفرس و الدار و الخدم، و هذا لأن هذه الأشياء من الحوائج اللازمة التی لا بد للإنسان منها و ذكر فی الفتاوی فيمن له حوانيت و دور للغلة لكن غلتها لا تكفيه و لعياله أنه فقير و يحل له أخذ الصدقة عند محمد'' ترجمہ: حاجت کی مقدار سے مراد وہ ہے جس کو امام کرخی نے اپنی مختصر کے اندر ذکر کیا ہے کہ ایسے شخص کو زکوٰۃ دینے میں کوئی حرج نہیں جس کا اپنا گھر ہو، اور گھر کی ضرورت کا بنیادی سامان ہو، خادم، گھوڑا، ہتھیار، بدن پر پہننے کے کپڑے، اور اہلِ علم کے لئے کتابیں، اگر اس کے پاس حاجتِ اَصلیہ سے

زائد سامان ہو جس کی قیمت دوسو درہم تک پہنچ جائے تو اس کے لئے زکوۃ اور صدقۂ واجبہ لینا حرام ہے، اس وجہ سے کہ امام حسن بصری رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ سے روایت ہے کہ صحابۂ کرام اس شخص کو بھی زکوۃ دیتے تھے جو ہتھیاروں، گھوڑے، گھر اور خادموں کی صورت میں دس ہزار درہم کا بھی مالک ہو، وہ اس لئے کہ یہ تمام چیزیں حاجتِ اَصلیہ میں سے ہیں جو کہ ہر انسان کے لئے ضروری ہیں، فتاویٰ میں اس شخص کے بارے میں ذکر کیا گیا ہے جس کے پاس دکانیں اور گھر کرائے کے لئے ہوں لیکن ان کا کرایہ اس کو اور اس کے عیال کو کفایت نہ کرے تو وہ فقیر ہے امام محمد کے نزدیک اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، صفحہ 346، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

رَدُّ الْمُحْتَار ہی میں ہے: ''سئل محمد عمن له أرض يزرعها أو حانوت يستغلها أو دار غلتها ثلاثة آلاف و لا تكفي لنفقته و نفقة عياله سنة؟ يحل له أخذ الزكاة و إن كانت قيمتها تبلغ ألوفًا و عليه الفتوى'' ترجمہ: امام محمد رَحِمَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی سے ایسے شخص کے بارے میں پوچھا گیا جس کے پاس زمین ہو جس کو اس نے زراعت کے لئے دیا ہو یا دکان ہو اس کو کرائے پر دیا ہو یا گھر ہو جس کا کرایہ تین ہزار ہو لیکن یہ اس کے اور اس کے بچوں کے ایک سال کے نفقہ کے لئے کافی نہ ہو تو آپ نے فرمایا کہ اس کے لئے زکوۃ لینا جائز ہے اگرچہ ان کی قیمت ہزاروں میں ہو، اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، صفحہ 347، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

دُرِّمُخْتَار میں ہے: ''و شرط كمال النصاب...... في طرفي الحول في الابتداء للانعقاد وفي الانتهاء للوجوب فلا يضر نقصانه بينهما فلو هلك كله بطل الحول'' یعنی سال کی دونوں طرفوں (اوّل وآخر) میں نصاب کا پورا ہونا شرط ہے۔ ابتدا میں اِنعقاد کے لئے اور انتہا میں وُجوب کے لئے، ان دونوں کے درمیان میں نصاب میں کمی اس کو ضَرَر نہیں دیتی، اگر سارا مال ہلاک ہو گیا تو پھر سال باطل ہو جائے گا۔ (ملتقطاً)

(درمختار، صفحہ 278، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

كتبـــــــه

المتخصص فی الفقه الاسلامی

عبده المذنب محمد نويد چشتی عفی عنه

19 شعبان المعظم 1433ھ 10 جولائی 2012ء

الجواب صحيح

ابوالصالح محمد قاسم القادری

غنی بہو کی فقیر ساس کو زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتویٰ 309

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں پہلے زکوٰۃ اپنی خالہ کو دیتا تھا کیونکہ وہ بہت غریب ہیں اور اب انہوں نے اپنے بیٹے کی شادی کی ہے اور ان کی بہو کو بہت سارا جہیز ملا ہے جس میں سونا، فریج، ٹی وی وغیرہ سب کچھ آچکا ہے تو کیا اب بھی میں ان (خالہ) کو زکوٰۃ دے سکتا ہوں یا نہیں؟

سائل: کاشف حسین (ناظم آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مسئولہ میں جہیز آپ کی خالہ کی مِلکیّت نہیں بلکہ ان کی بہو اس کی مالک ہے۔

جیسا کہ جہیز پر دلہن کی مِلکیّت کے بارے میں سیّدی اعلیٰ حضرت امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ”جہیز ہمارے بلاد کے عرفِ عام شائع سے خاص مِلکِ زوجہ ہوتا ہے جس میں شوہر کا کچھ حق نہیں، طلاق ہوئی تو کل لے لے گی، اور مرگئی تو اسی کے وُرثاء پر تقسیم ہوگا۔“

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 203، جلد 12، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اور خالہ اگر واقعی شرعاً زکوٰۃ کی مُستحق ہیں تو آپ انہیں اب بھی زکوٰۃ دے سکتے ہیں بلکہ دینا بہتر ہے۔ لیکن یہ دیکھ لیں کہ وہ زکوٰۃ کی مُستحق ہیں یا نہیں؟

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

28 شوال المکرم 1428ھ 10 نومبر 2007ء

غنی شخص کی فقیر اولاد کو زکوٰۃ دینا کیسا؟

فتوی 310

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص خود تو مالدار وغنی ہو لیکن اس کے بیٹوں میں کچھ بالغ اور کچھ نا بالغ ہوں لیکن اولاد میں کوئی بھی غنی نہ ہو تو اس کی اولاد کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟

سائل: عبداللہ (باب المدینہ، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

غنی باپ کی اولاد میں جو بالغ شرعی فقیر ہیں ان کو زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔ جبکہ غنی کے نابالغ بچوں کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے، کیونکہ نابالغ بچے اپنے غنی باپ کے تابع ہونے کی وجہ سے حکماً غنی کہلاتے ہیں اور غنی کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے۔

بَدَائِعُ الصَّنَائِع میں ہے: "وأما ولد الغنی فإن کان صغیرًا لم یجز الدفع إلیه، وإن کان فقیرًا لا مال له لأن الولد الصغیر یعدّ غنیًا بغنا أبیه، وان کان کبیرًا فقیرًا یجوز لأنه لا یعد غنیًا بمال أبیه فکان کالأجنبی" یعنی غنی کی اولاد اگر نابالغ ہو تو اس کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے اگرچہ وہ فقیر ہی کیوں نہ ہو کیونکہ نابالغ اپنے باپ کے غنی ہونے کی وجہ سے غنی شمار ہوگا اور اگر بالغ اولاد فقیر شرعی ہو تو اس کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں کیونکہ اس کو اپنے باپ کی مالداری کی وجہ سے غنی شمار نہیں کیا جاتا بلکہ یہ اس کے مال میں اجنبی کی طرح ہوتا ہے۔

(بدائع الصنائع، صفحہ 158، جلد 2، داراحیاء التراث العربی بیروت)

صَدرُ الشَّرِیعَه، بَدرُ الطَّرِیقَه حضرت علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی قُدِّسَ سِرُّهُ الْقَوِی بہارِ شریعت میں ارشاد فرماتے ہیں: "غنی مرد کے نابالغ بچّے کو بھی (زکوٰۃ) نہیں دے سکتے اور غنی کی بالغ اولاد کو دے سکتے ہیں جب کہ فقیر ہوں۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 929، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

کتبــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
ابو الحسن جمیل احمد غوری العطاری
11 شعبان المعظم 1433ھ 02 جولائی 2012ء

بابِ خامس

زکوٰۃ کی وصولی اور استعمال

باب خامس: زکوٰۃ کی وصولی اور استعمال

فصل/عنوان 19

وکیلِ زکوٰۃ کے مسائل

زکوٰۃ اکٹھی کرنے والوں کی ایک بڑی غلطی

فتویٰ 311

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر لوگوں سے زکوٰۃ کی رقم وصول کر کے مُستحق مریضوں کو مالک بنائے بغیر ان کے علاج کے لئے خرچ کر دی جائے تو کیا حکم ہے؟

سائل: از ٹنڈو آدم، باب الاسلام سندھ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

مذکورصورت میں زکوٰۃ ادا ہی نہ ہوئی اور تاوان لازم کہ زکوٰۃ میں مالک بنانا شرط ہے یعنی مستحقِ زکوٰۃ کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنانا ضروری ہے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

فقہاء فرماتے ہیں: "ھی تملیك المال"

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 170، جلد 1، دارالفکر بیروت)

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ رحمۃ اللہ القوی فرماتے ہیں: "فلو أطعم يتيما ناويا الزكاة لا يجزيه الا اذا دفع اليه المطعوم"

(درمختار، صفحہ 204، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

یعنی زکوٰۃ یہ ہے کہ کسی مُستحق کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنا دیا جائے تو اگر کسی یتیم کو زکوٰۃ کی نیت سے کھانا کھلایا تو

زکوٰۃ ادا نہ ہوگی ہاں اگر وہ کھانا اس کے سپرد کر دے تو ادا ہو گئی۔

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ حضرت علامہ و مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیہ رَحمَۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: ''مباح کر دینے سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، مثلاً فقیر کو بہ نیتِ زکوٰۃ کھانا کھلا دیا زکوٰۃ ادا نہ ہوئی کہ مالک کر دینا نہیں پایا گیا، ہاں اگر کھانا دے دیا کہ چاہے کھائے یا لے جائے تو ادا ہو گئی۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 814، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

علامہ علاؤ الدین حصکفی عَلَیہ رَحمَۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: ''فلو أسكن فقيرا داره سنة ناويا لا يجزيه'' یعنی فقیر کو اپنے گھر میں زکوٰۃ کی نیت سے سکونت دی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔

(درمختار، صفحہ 205، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ عَلَیہِ الرَّحمَہ فرماتے ہیں: ''فقیر کو بہ نیتِ زکوٰۃ مکان رہنے کو دیا زکوٰۃ ادا نہ ہوئی کہ مال کا کوئی حصہ اسے نہ دیا بلکہ منفعت کا مالک کیا۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 875، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

كتبــــــــه
محمد فاروق العطاری المدنی
22 ربیع الآخر 1425ھ 11 جون 2004ء

وکیلِ زکوٰۃ مدارس میں زکوٰۃ کیسے خرچ کرے؟

فتویٰ 312
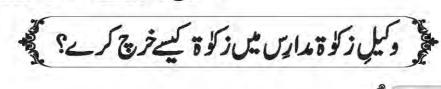
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کو کسی نے زکوٰۃ کی رقم دی تو اس نے اس رقم سے مدرسے کی جگہ خریدی اور اسی رقم سے مدرسے کی عمارت بنائی تو کیا زید کے اس فعل سے زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں؟ اگر نہیں تو کیا اس پر اس رقم کا تاوان واجب ہوگا یا نہیں؟

سائل: محمد ندیم عطاری (کریم ٹاؤن، فیصل آباد)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

سوال میں مذکور صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوئی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں کسی شرعی فقیر وغیرہ کو مالک بنانا شرط ہے اور مدرسے کی جگہ خریدنے اور اس کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے میں تَملِیک نہیں پائی جاتی (یعنی مالک بنانا نہیں پایا جاتا) اور جب تَملِیک نہیں پائی گئی تو زکوٰۃ کی ادائیگی کی شرط نہیں پائی گئی اور جب شرط نہیں پائی گئی تو اس کا مشروط بھی نہ پایا گیا یعنی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔

فقہائے کرام رَحِمَهُمُ اللّٰه السَّلَام زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کی تعمیر کو بھی ناجائز بتاتے ہیں چہ جائیکہ اس سے مدرسے کی تعمیر کی جائے۔

چنانچہ علامہ محمد بن عبداللہ تُمُرتاشی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْوَالِی "تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار" میں اور علامہ علاؤالدین حصکفی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْقَوِی "دُرِّ مُخْتَار" میں فرماتے ہیں: ''ویشترط أن یکون الصرف تملیکا لا اباحة کما مر لا یصرف الی بناء نحو مسجد '' ترجمہ: اور زکوٰۃ ادا کرنے میں یہ شرط ہے کہ یہ بطورِ تَملِیک ادا کی جائے، نہ کہ بطورِ اِباحت جیسا کہ گزرا کہ (زکوٰۃ کی رقم) مسجد کی تعمیر میں صرف نہ کی جائے۔

(تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 341 تا 342، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

بلکہ فقہائے کرام رَحِمَهُمُ اللّٰه السَّلَام زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کی تعمیر کے عدمِ جواز کے ساتھ ساتھ یہ قاعدہ کلیہ بیان فرماتے ہیں کہ جہاں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنے میں مالک بنانا نہ پایا جائے تو اس میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں تو یہ قاعدہ کلیہ مدرسے کو بھی شامل ہے۔

چنانچہ فَتَاوٰی عَالَمْگِیرِی میں ہے: ''ولا یجوز ان یبنی بالزکاۃ المسجد وکذا القناطر والسقایات واصلاح الطرقات وکری الانہار والحج والجہاد وکل ما لا تملیک فیہ'' ترجمہ: اور زکوٰۃ کی رقم سے مسجد تعمیر کرنا جائز نہیں، اسی طرح پُل، سقایہ، راستوں کو مرمت کرنے، نہریں بنانے، حج کرنے، جہاد کرنے میں خرچ کرنا جائز نہیں، اور ہر وہ کام جس میں تَملِیک نہ پائی جائے تو اس میں زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا جائز نہیں۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 188، جلد 1، دار الفکر بیروت)

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت، مُجَدِّدِ دِین و مِلّت مولانا شاہ احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: پھر (زکوٰۃ) دینے میں تملیک شرط ہے، جہاں یہ نہیں جیسے محتاجوں کو بطورِ اِباحت اپنے دسترخوان پر بٹھا کر کھلا دینا یا میت کے کفن دفن میں لگانا یا مسجد، کنواں، خانقاہ، مدرسہ، پُل، سرائے وغیرہ بنوانا ان سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 110، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مذکورہ بالا دلائل کی روشنی میں معلوم ہوا کہ زید کو جس نے زکوٰۃ دی تھی، اس کی وہ زکوٰۃ ادا نہ ہوئی، جب زکوٰۃ ادا نہ ہوئی تو اب زید پر واجب ہے کہ اتنی ہی رقم جو اسے زکوٰۃ میں دی گئی تھی، وہ اس زکوٰۃ دینے والے شخص کو لوٹائے، اگر اس کا پتا نہ چلے تو اس کے وُرَثاء کو لوٹائے اور اگر وُرَثاء کا بھی پتا نہ چلے تو اتنی رقم فقیرِ شرعی پر صدقہ کرے، اور اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے سچی توبہ بھی کرے۔

مدنی مشورہ: چندے کے بارے تفصیلی اَحکام جاننے کے لئے "دعوتِ اسلامی" کے اشاعتی ادارے "مکتبۃ المدینہ" کی شائع کردہ کتاب "چندے کے بارے میں سوال جواب" کا مطالعہ فرمائیں!

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

17 جمادی الاولی 1431ھ 02 مئی 2010ء

مالِ زکوٰۃ مالک کے وکیل سے گم ہو جائے تو؟

فتویٰ 313

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے بکر کو زکوٰۃ کی رقم دی کہ فلاں شخص کو دے دو، اگر ایسی صورت میں یہ رقم بکر سے گم ہو جائے یا کوئی چھین لے تو اس صورت میں زید کی زکوٰۃ ادا ہو گی یا نہیں؟ ادا نہ ہونے کی صورت میں زید کو دوبارہ ادا کرنا ہوگی یا نہیں؟

سائل: محمد مشتاق (لیاقت آباد، کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ کی ادائیگی فقیر کو مالک کر دینے سے ہوتی ہے، زکوٰۃ کی رقم علیحدہ کر دینے یا وکیل کو سپرد کر دینے سے ادا نہیں ہوتی، لہٰذا اگر فقیر کو مالک کرنے سے پہلے رقم گم ہوگئی یا گم کر دی یا چھین لی گئی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوئی دوبارہ زکوٰۃ ادا کرنا ہوگی۔ ہاں البتہ اگر یہ گم ہونا وکیل کی تقصیر یا تعدی سے ہوا تو وکیل اصل مالک کو تاوان دے گا اگر تعدی نہ تھی جب بھی اس پر مالک کو بتانا لازم ہے کہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی تاکہ وہ دوبارہ اپنی زکوٰۃ ادا کرے۔

چنانچہ دُرِّ مُختار میں ہے "ولا یخرج عن العهدة بالعزل، بل بالاداء للفقراء "یعنی زکوٰۃ کو علیحدہ کر دینے سے بری الذمہ نہیں ہوگا بلکہ فقیر کو ادا کرنے سے براءت ہوگی۔

اسی کے تحت رَدُّ الْمُحتار میں ہے " فلو ضاعت لا تسقط عنه الزكاة ولو مات كانت میراثا عنه " یعنی اگر زکوٰۃ کا مال گم ہوگیا تو اس سے زکوٰۃ ساقط نہیں ہوگی، اور اگر یہ مر گیا تو یہ مال اس کا ترکہ قرار پائے گا۔ (ردالمحتار علی الدرالمختار ، صفحہ 225 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بیروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبـــــــــه
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری	محمد سجاد عطاری المدنی
	26 رمضان المبارک 1431ھ 6 نومبر 2010ء

مالِ زکوٰۃ وکیل کے پاس امانت ہوتا ہے

فتویٰ 314
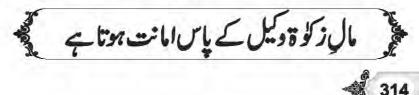
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مجھے ایک شرعی فقیر نے اپنا مقروض ہونا بتایا اور اس کے واقعی حالات ایسے تھے کہ اس کی مدد کرنے کا جذبہ دل میں پیدا ہوا، اس کی مدد کرنے کے لئے میں نے ایک صاحب سے بات کی تو انہوں نے مجھے دو ہزار روپے زکوٰۃ کے لئے دیئے میں نے مزید اس میں

اپنی طرف سے بھی زکوٰۃ کی نیت سے تین ہزار روپے شامل کر دیئے اور یہ رقم میں نے علیحدہ ایک جگہ رکھ دی کچھ عرصہ کے بعد یہ رقم غائب ہوگئی معلوم یہ کرنا تھا کہ مذکورہ صورت میں زکوٰۃ ادا ہوگئی یا نہیں؟

نوٹ: سائل سے معلومات حاصل کرنے پر پتا چلا کہ اس شرعی فقیر نے اس شخص کو زکوٰۃ وصول کرنے کا وکیل نہیں بنایا تھا بلکہ کسی اور شخص سے زکوٰۃ وصول کرنا سائل کا اپنا فعل تھا۔   سائل: ساجد عطاری (کھارادر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

صورتِ مَسْئُولہ میں کسی کی بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی نہ آپ کی اور نہ ہی اس شخص کی جس نے آپ کو دو ہزار روپے زکوٰۃ کی مد میں فقیر کو ادا کرنے کے لئے دیئے تھے۔ آپ کی زکوٰۃ اس لئے ادا نہیں ہوئی کیونکہ فقط زکوٰۃ میں دی جانے والی رقم کو علیحدہ کرنے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی جب تک کہ شرعی فقیر یا اس کے وکیل کے قبضہ میں نہ آجائے۔

جیسا کہ دُرِّ مُختَار میں ہے: ”ولا يخرج عن العهدة بالعزل بل بالاداء للفقراء“ یعنی فقط مال کو جدا کرنے سے زکوٰۃ کے وُجوب سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتے بلکہ فقیر کو مال ادا کر کے ہی زکوٰۃ ادا ہوتی ہے۔

(درمختار، صفحہ 225، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

جس شخص نے آپ کو فقیر کو دینے کے لئے زکوٰۃ کی رقم دی تھی صورتِ مذکورہ میں اس کی بھی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی کہ فقیر کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی رقم ہلاک ہوگئی۔ نیز آپ کے ہاتھ میں وہ رقم چونکہ امانت تھی اور امانت کا حکم یہ ہے کہ اگر امین کی تعدی سے ضائع ہو تو اس پر تاوان دینا لازم ہے لہٰذا اس رقم کے ضائع ہونے میں اگر آپ کی طرف سے تعدی یعنی کوتاہی پائی گئی تو آپ کو رقم کے مالک کو دو ہزار کا تاوان دینا ہوگا اور اگر آپ کی طرف سے تعدی نہیں پائی گئی تو آپ پر کوئی تاوان نہیں۔ البتہ دونوں صورتوں میں اسے بتانا لازم ہے کہ آپ کی زکوٰۃ ادا نہ ہوئی۔

جیسا کہ اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت مولانا شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ”وہ شخص امین ہے جبکہ اس نے حفظ میں قصور نہ کیا اور جاتا رہا اس پر تاوان نہیں، ہاں اگر اس نے غفلت کی مثلاً جیب پھٹی ہوئی تھی اس میں سے نکل جانے کا احتمال تھا اس نے ڈال لیا اور نکل گیا تو ضرور اس پر تاوان ہے لانه متعد والمتعدی

ضامن (کیونکہ یہ تعدی کرنے والا ہوا، اور تعدی کرنے والا ضامن ہوتا ہے)۔"

(فتاوی رضویہ، صفحہ 164، جلد 19، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

کتبـــــــــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
جمیل احمد غوری العطاری المدنی
14 ربیع الآخر 1430ھ 11 اپریل 2009ء

دعوتِ اسلامی کس حیثیت سے زکوٰۃ وصول کرتی ہے؟

فتوی 315

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم بالفرض دعوتِ اسلامی کو بینک اکاؤنٹ کے ذریعے جو زکوٰۃ بھیجتے ہیں تو وہ تو ایک تنظیم کو بھیجتے ہیں کسی شرعی فقیر کو مالک تو نہیں بناتے۔ تو پھر ہماری زکوٰۃ کیسے ادا ہوگی اور U.K وغیرہ بیرونِ ممالک میں اکاؤنٹ میں رقم بھیجنے کے لئے ہمیں پہلے اپنے کریڈٹ کارڈ کے ذریعے اس شخص کو فون کرنا ہوتا ہے جو کہ تنظیم کی طرف سے مقرر ہے وہ ہمارے کریڈٹ کارڈ سے نمبر پوچھ کر اتنی رقم اکاؤنٹ میں ڈال دیتا ہے جتنی کہ ہم دینا چاہتے ہیں۔ کیا یوں زکوٰۃ ادا ہو جاتی ہے؟ سائلہ: رانی خان

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

آپ بینک اکاؤنٹ کے ذریعے جب دعوتِ اسلامی کو زکوٰۃ بھیجتے ہیں تو دعوتِ اسلامی آپ کی وکیل اور نمائندہ بن کر بینک سے رقم نکلوا کر شرعی فقیر کو اس رقم کے مالک بنانے کا باقاعدہ اہتمام کرتی ہے۔ اسی طرح بیرونِ ملک بھی جب آپ کریڈٹ کارڈ کے ذریعے رقم منتقل کرتے ہیں تو آپ گویا کہ اپنی زکوٰۃ ادا کرنے کے لئے دعوتِ اسلامی کو یہ ذمہ داری اور امانت سپرد کر رہے ہوتے ہیں جسے انجام تک پہنچانا دعوتِ اسلامی پر شرعاً لازم ہوتا ہے اور ہماری اطلاعات کے مطابق صدقۂ واجبہ اور زکوٰۃ کے اکاؤنٹ سے بینک سے رقم نکلوا کر باقاعدہ شرعی فقیر کو مالک بنانے کا

اہتمام کیا جاتا ہے جس سے اس اکاؤنٹ میں زکوۃ جمع کروانے والوں کی زکوۃ ادا ہو جاتی ہے۔

البتہ فقہی اعتبار سے یہاں ایک سوال قائم کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ جب کوئی شخص زکوۃ دینے والے کا وکیل اور نمائندہ ہو تو وہ دو زکوۃ دینے والوں کی زکوۃ کو ملا نہیں سکتا اور بینک میں تو سارے ہی لوگوں کی زکوۃ کی رقوم مل جاتی ہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جب زکوۃ دینے والے اپنے وکیل کو یہ اجازت دے دیں کہ شرعی فقیر تک پہنچنے سے پہلے ہماری رقموں کو ایک دوسرے کے ساتھ خلط یعنی مکس کر سکتے ہیں تو ایسی صورت میں دو زکوۃ دینے والوں کی رقمیں مل جائیں تو کوئی حرج نہیں اور جب کوئی دینی ادارہ اکاؤنٹ کے ذریعے زکوۃ وصول کرتا ہے تو زکوۃ دینے والوں کی طرف سے رقموں کو شرعی فقیر کی ملک میں دینے سے پہلے ملا دینے کا اختیار دینا ایک معہود یعنی انڈر اسٹوڈ (Under Stood) ہے۔

بہارِ شریعت میں ہے: ''ایک شخص چند زکوۃ دینے والوں کا وکیل ہے اور سب کی زکوۃ ملا دی تو اسے تاوان دینا پڑے گا اور جو کچھ فقیروں کو دے چکا ہے وہ تبرّع ہے یعنی نہ مالکوں سے اس کا معاوضہ پائے گا نہ فقیروں سے، البتہ اگر فقیروں کو دینے سے پہلے مالکوں نے ملانے کی اجازت دے دی تو تاوان اس کے ذمہ نہیں۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 887، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

19 شعبان المعظم 1431ھ 01 اگست 2010ء

زکوۃ کا وکیل خود شرعی فقیر ہو تو؟

فتویٰ 316

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے عمرو کو دعوتِ اسلامی کو دینے کے لئے زکوۃ دی، عمرو چونکہ شرعی فقیر تھا اس لئے اس نے وہ زکوۃ خود رکھ لی اور ہر نیک وجائز کام کے اختیار کے ساتھ دعوتِ اسلامی کے فنڈ میں جمع کروا دی۔ کیا عمرو کا اس طرح بذاتِ خود حیلۂ شرعی کرنا درست تھا؟ اگر نہیں تو اس پر تاوان دینا لازم ہے یا نہیں؟ نیز تاوان کی رقم زید کو ہی واپس دینا ہوگی یا عمرو اپنے طور پر کسی شرعی فقیر کو دے سکتا

ہے؟ برائے کرم تفصیل سے آگاہ فرمائیے۔ سائل: محمد بلال عطاری (کھارادر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زید نے جب عَمرو کو زکوٰۃ کی رقم دعوتِ اسلامی کو دینے کے لئے دی تو عَمرو وہ رقم دعوتِ اسلامی تک پہنچانے کا وکیل بن گیا اور زکوٰۃ کے وکیل کو یہ اختیار نہیں کہ وہ اپنے مؤکّل کی زکوٰۃ خود رکھ لے، ہاں اگر مؤکّل نے وکیل کو اس بات کا اختیار دے دیا ہو کہ جہاں چاہو اسے صرف کرو تو اب وکیل مُستحقِ زکوٰۃ ہونے کی صورت میں خود بھی زکوٰۃ کا پیسہ رکھ سکتا ہے۔

جیسا کہ علامہ ابنِ نُجَیم مصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: ''و لا يجوز أن يمسك لنفسه شيئاً الا اذا قال ضعها حيث شئت فله أن يمسكها لنفسه '' ترجمہ: وکیل کے لئے جائز نہیں کہ وہ زکوٰۃ کا پیسہ خود رکھ لے ہاں اگر زکوٰۃ دینے والے نے کہہ دیا تھا کہ جہاں چاہو صَرف کرو تو اب خود رکھ لینا بھی جائز ہے۔
(بحر الرائق، صفحہ 369، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

علامہ ابنِ عابدین شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی لکھتے ہیں: ''الوكيل انما يستفيد التصرف من المؤكل و قد أمره بالدفع الى فلان فلا يملك الدفع الى غيره '' ترجمہ: وکیل کو تصرف کا فائدہ مؤکّل کی طرف سے حاصل ہوتا ہے اور مؤکّل نے جب فلاں کو دینے کا وکیل بنایا ہے تو کسی اور کو نہیں دے سکتا۔
(ردالمحتار علی الدرالمختار، صفحہ 224، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت، مُجَدِّدِ دِین و مِلّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ''جس کے مالک نے اسے اِذنِ مطلق دیا کہ جہاں مناسب سمجھو، دو، تو اسے اپنے نفس پر بھی صَرف کرنے کا اختیار حاصل ہے جب کہ یہ اس کا مَصرَف ہو۔ ہاں اگر یہ لفظ نہ کہے جاتے تو اسے اپنے نفس پر صَرف کرنا جائز نہ ہوتا مگر اپنی زوجہ یا اولاد کو دے دینا جائز ہوتا اگر وہ مَصرَف تھے۔''
(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 158، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: ''وکیل کو

یہ اختیار نہیں کہ خود لے لے، ہاں اگر زکوٰۃ دینے والے نے یہ کہہ دیا ہو کہ جس جگہ چاہو صَرف کرو تو لے سکتا ہے۔''
(بہارِ شریعت، صفحہ 888، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

ماقبل بیان کئے گئے جزئیات سے یہ بات واضح ہوگئی کہ جب وکیل کو یہ کہہ دیا گیا ہو کہ جہاں چاہو صَرف کرو یا دلالۃً ایسا کرنا معہود ہو تو وکیل شرعی فقیر ہونے پر خود اس زکوٰۃ کو رکھ سکتا ہے اس کے علاوہ نہیں۔ لہٰذا جو لوگ کسی دینی تنظیم مثلاً دعوتِ اسلامی کی بنیاد پر زکوٰۃ کی وصولی کرتے ہیں وہاں عمومی طور پر تنظیم کے دینی اور ضروری کاموں کے لئے زکوٰۃ دی جاتی ہے فقیر کو آزادانہ تصرف کی اجازت عام طور پر نہیں دی جاتی لہٰذا ایسا ہی ہو تو عمرو کا یہ زکوٰۃ خود رکھ لینا ناجائز و حرام ہے اور اس پر ضمان لازم آتا ہے، جن جن کی زکوٰۃ وصول کی ہے انہیں تاوان ادا کرے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ
اَبُومُحَمَّدعلی اصغرالعطاری المدنی
29 محرم الحرام 1433ھ 25 دسمبر 2011ء

وکیلِ زکوٰۃ پر تاوان کی ایک صورت

فتوی 317

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک دینی تنظیم کے بااختیار رکن کو زکوٰۃ کی رقم دی گئی کہ حیلۂ شرعی کر کے نیک کاموں میں خرچ کر لی جائے اور تنظیم کی طرف سے بھی اجازت تھی کہ زکوٰۃ کی رقم بعدِ حیلہ وہاں خرچ کر سکتے ہیں۔ اس ذمہ دار نے غلطی سے بغیر حیلۂ شرعی کئے رقم کو مختلف جائز مدّات میں زید اور عُمر کو ادا کر دی۔ تو کیا زکوٰۃ ادا ہوگئی؟

سائل: عمر (مرکز الاولیاء لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مسئولہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی، اس ذِمّہ دار پر تاوان ہوگا، وہ رقم جن سے لی ہے اُن کو واپس کرے

گا کیونکہ یہ مال کو ہلاک کرنا ہے اور جب وکیل مال کو ہلاک کردے تو اس پر تاوان آتا ہے۔ اور مالکانِ زکوٰۃ کو اطلاع بھی دے کہ ان کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوئی۔

امیرِ اہلسنّت دامت برکاتہم العالیہ کی مایہ ناز کتاب چندے کے بارے میں سوال جواب میں یہ سوال ہوا: ''مسئلہ معلوم نہ ہونے کی وجہ سے اگر کسی چندہ وصول کرنے والے نے زکوٰۃ یا فطرہ بغیر حیلۂ شرعی کے غیر مَصرَفِ زکوٰۃ وفطرہ میں خرچ کرڈالا ہو تو اس کی توبہ کا کیا طریقہ ہے؟''

اس کے جواب میں فرماتے ہیں: ''یہاں جہالت عذر نہیں، اس نے کیوں نہیں سیکھا! کہ جس کو چندہ جمع کرنا ہو یا چندہ خرچ کرنا ہو اس کے لئے اس کے ضروری مسائل جاننا فرض ہے۔ نہیں سیکھا تو فرض کا تارِک اور گنہگار ہوا۔ بالفرض کسی نے زکوٰۃ یا فطرہ کی رقم کو بغیر حیلۂ شرعی غیر مَصرَف زکوٰۃ وفطرہ میں خرچ کرڈالا تو توبہ کے ساتھ ساتھ اس پر تاوان بھی لازم آئے گا۔ مثلاً کسی نے دعوتِ اسلامی کو زکوٰۃ دی اور ذِمّہ دار نے بغیر حیلہ کئے وہ رقم تعمیرِ مسجد یا مدرِّس کی تنخواہ یا اسی طرح کے نیک کاموں میں صَرف کردی تو توبہ کے ساتھ ساتھ اسے پلّے سے تاوان ادا کرنا ہوگا اگرچہ وہ رقم لاکھوں بلکہ کروڑوں کی ہو، اس کے لئے فقط زبانی توبہ کافی نہیں ہے۔.....جن جن کی زکوٰۃ کا اس نے غلط استعمال کرڈالا تھا مذکورہ طریقۂ کار کے مطابق تاوان ادا کرے۔'' (ملتقطاً)

(چندے کے بارے میں سوال جواب ، صفحہ 38 تا 39 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلقَادِرِی

کتبـــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو احمد محمد انس رضا عطاری
14 ذیقعدہ 1430ھ 03 نومبر 2009ء

مالک کا مالِ زکوٰۃ دینے کے بعد نیت کو بدلنا کیسا؟

فتویٰ 318

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے بکر کو اپنی زکوٰۃ کا مال

دیتے ہوئے کہا کہ اس سے راشن خرید کر فقیروں میں تقسیم کر دو۔ بکر نے ابھی راشن نہیں خریدا زکوۃ کی رقم اس کے پاس موجود ہے اور وہ زید سے کہتا ہے کہ آپ مجھے اس بات کی اجازت دیں کہ میں یہ رقم مکان میں خرچ کرنے کیلئے کسی فقیر کو دے دوں۔ کیا زید اس بات کی اجازت دے سکتا ہے؟ سائل: محمد حنیف (کھارادر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں بکر، زید کا وکیل ہے اور زید مؤکِّل ہے۔ زکوۃ کا مال جب تک زید کے وکیل کے ہاتھ میں ہے اس وقت تک زید کو اس بات کا اختیار ہے کہ وہ جسے چاہے زکوۃ دیئے جانے کے لئے منتخب کرے لہٰذا بکر زید کی اجازت سے کسی کو گھر بنانے کے لئے یہ رقم دے سکتا ہے جبکہ وہ شرعی فقیر اور مُستحقِ زکوۃ ہو۔ ہمارے فقہا نے لکھا ہے کہ وکیل کے پاس جب تک زکوۃ کے پیسے ہیں مؤکِّل زکوۃ کے بجائے کسی اور مد کی نیت بھی کر سکتا ہے۔ اور اپنی نیت کو تبدیل کر سکتا ہے۔

فَتَاوٰی عَالَمْگِیرِی میں ہے: ''فان تجدد للمؤكل نية أخرى بعد الدفع الى الوكيل قبل دفع الوكيل الى الفقير كان عما نوى أخيرا'' ترجمہ: وکیل کو (زکوۃ کی رقم) دینے کے بعد ابھی وکیل نے فقیر کو نہیں دی تھی کہ مؤکِّل نے دوسری نیت کر لی تو اس کی دوسری نیت کا اعتبار ہوگا۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 171، جلد 1، دارالفکر بیروت)

لہٰذا صورتِ مُستفسَرہ میں زید، بکر کو اس بات کی اجازت دے سکتا ہے کہ وہ زکوۃ کی رقم مکان میں خرچ کرنے کیلئے کسی فقیر کو دے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

02 محرم الحرام 1431ھ 20 دسمبر 2009ء

اگر گن پوائنٹ پر وکیل سے مال چھن جائے تو؟

فتوی 319

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کے پاس زکوٰۃ وفدیہ کی مد میں دی گئی رقم ہو اور کوئی گن پوائنٹ پر چھین لے تو کیا اس پر ضمان ادا کرنا ضروری ہوگا؟

سائل: محمد علی سیکٹر فائیو۔جے نیو کراچی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مَسْئُولہ میں مذکورہ شخص پر ضمان نہ ہوگا۔ کیونکہ یہ لوگوں کی طرف سے وکیل ہے اور وکیل کے ہاتھ میں مال بطورِ امانت ہوتا ہے اگر ہلاک ہوجائے تو اس پر تاوان نہیں ہوتا۔

جیسا کہ ''تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار'' کی کِتَابُ الْاِیْدَاع میں ہے:''فلا تضمن بالهلاك مطلقا واشتراط الضمان على الأمين باطل به يفتى'' ترجمہ: پس امانت کے ہلاک ہونے پر مطلقاً ضمان نہیں اور امین پر ضمان کی شرط لگانا باطل ہے۔ اور اسی پر فتویٰ ہے۔

(تنویر الابصار ، صفحہ 528 تا 529 ، جلد 8 ، دار المعرفة بیروت)

البتہ جن لوگوں کی زکوٰۃ وفدیہ کی رُقوم ہوں ان کو بتانا ضروری ہے تا کہ وہ لوگ اپنے صدقاتِ واجبہ کو ادا کر سکیں کہ پوچھی گئی صورت میں تو ان کی زکوٰۃ یا فدیہ ادا نہ ہوا۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبـــــــــــه
محمد نوازش علی العطاری المدنی
9 ذیقعدہ 1426ھ 12 دسمبر 2005ء

الجواب صحیح
ابو الصالح محمد قاسم القادری

وکیلِ زکوٰۃ کا ایک غیر شرعی عمل

فتوٰی 320

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے پاس بعض اوقات سائل آتے ہیں زید سائلوں کو اس نیت سے کچھ رقم دیتا ہے کہ جب مجھے مالدار حضرات زکوٰۃ کی رقم دیں گے تو میں اس رقم کو اپنے پاس رکھ لوں گا زید کا مذکورہ عمل کیسا ہے؟ سائل: محمد حسین (گھانچی پاڑہ، کراچی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زید کا طریقہ کار دُرُست نہیں اس طریقے پر لوگوں کی زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ زید کا اَز خود اپنی طرف سے سائلین اور مُستحقینِ زکوٰۃ کو کچھ دینا نیکی اور احسان ہے جس پر یہ کسی معاوضہ کا مُستحق نہیں۔ بعد میں اگر کوئی اسے مُستحقین کو دینے کے لئے زکوٰۃ دیتا ہے تو زید کی حیثیت زکوٰۃ دینے والے کے وکیل کی ہے جس کی رُو سے اس پر لازم ہے کہ اس رقم کو مُستحقین تک پہنچائے۔ لیکن اس کے بجائے اگر یہ زکوٰۃ کی رقم اپنے پاس رکھ لیتا ہے کہ میں نے اپنے پاس سے جو رقم دی اس کے بدلے زکوٰۃ کی رقم رکھ لوں تو یہ نہیں ہو سکتا ایسا کرنا خیانت ہے اور اس سے لوگوں کی زکوٰۃ بھی ادا نہ ہوگی۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــہ

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغَر العَطَّارِیُّ المَدَنِی

29 رجب المرجب 1430ھ 23 جولائی 2009ء

کیا وکیلِ زکوٰۃ ایسا کر سکتا ہے؟

فتوٰی 321

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرے والد صاحب نے میری

والدہ کوزکوٰۃ کے پانچ ہزارروپے دے کروکیل بنایا کہ جس مُستحق کوآپ چاہیں یہ زکوٰۃ کی رقم دے دیں، والدہ صاحبہ نے یہ رقم گھر میں رکھ دی کہ جیسے مُستحق میسر ہوگا رقم دے دوں گی۔ایک مرتبہ والدہ صاحبہ دوسرے شہر میں اپنے رشتہ داروں کے پاس گئیں، وہیں پرایک رشتہ دارکومُستحق پایا تووالدہ صاحبہ نے اپنی ذاتی رقم سے پانچ ہزارروپے مُستحق کواس نیت سے دے دیئے کہ میں اپنے شوہرکی زکوٰۃ میں اپنی رقم اس مُستحق کودے دیتی ہوں اورواپس گھرجاکرزکوٰۃ کی رکھی ہوئی رقم لے کراستعمال کروں گی۔اب معلوم یہ کرنا ہے کہ کیامذکورہ طریقے سے زکوٰۃ اداہوگئی یانہیں؟

سائل:منیراحمد(لی مارکیٹ، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

بیان کی گئی صورت میں آپ کے والدصاحب کے مال کی زکوٰۃ اداہوگئی۔

حضرت علامہ ابنِ عابدین شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی فرماتے ہیں:"الوكيل بدفع الزكاة اذا أمسك دراهم المؤكل و دفع من ماله ليرجع ببدلها فی دراهم الموكل صح "یعنی زکوٰۃ دینے کاوکیل اگرموَکِّل کی رقم رکھ لے اوراپنی رقم میں سے اس طورپراداکرے کہ اس رقم کے عوض موَکِّل کی رقم لے لوں گاتوزکوٰۃ اداہوجائے گی۔ (رد المحتار علی الدرالمختار ، صفحه 224 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بيروت)

صَدرُالشَّریعَہ، بَدرُالطَّریقَہ مفتی امجدعلی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں:"زکوٰۃ دینے والے نے وکیل کوزکوٰۃ کاروپیہ دیاوکیل نے اُسے رکھ لیااوراپناروپیہ زکوٰۃ میں دے دیاتوجائز ہے،اگریہ نیت ہوکہ اس کے عوض موَکِّل کاروپیہ لے لے گااوراگروکیل نے پہلے اس روپیہ کوخودخرچ کرڈالابعدکواپناروپیہ زکوٰۃ میں دیاتوزکوٰۃ ادانہ ہوئی بلکہ یہ تبرُّع ہے اورموَکِّل کوتاوان دے گا۔" (بہارِشریعت ، صفحه 888 ، جلد 1 ، مكتبة المدينه)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ

اَبُومُحَمَّدعلی اصغرالعطاری المدنی

12 رمضان المبارك 1430ھ 03 ستمبر 2009ء

کیا مصارف کیلئے زکوٰۃ جمع کرنے والوں کا شرعی فقیر ہونا ضروری ہے؟

فتویٰ 322

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جو فقیرِ شرعی نہ ہو کسی دینی تنظیم کے نام پر زکوٰۃ جمع کرتا ہو جو کہ مدارس اور دینی جامعات پر یہ مال خرچ کرتی ہے تو کیا اسے مالِ زکوٰۃ دے سکتے ہیں؟ حالانکہ وہ مستحق نہیں ہے۔

سائل: نور مصطفیٰ (ڈیرہ اللہ یار)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

پوچھی گئی صورت میں اس شخص کی حیثیت وکیل کی ہے اور اسے مالِ زکوٰۃ دینا درحقیقت وکیل بنانا ہے نہ کہ اسے مالک بنانا۔ اور وکیل غیر فقیرِ شرعی بھی ہو سکتا ہے۔ البتہ یہ یاد رہے کہ مدارس اور دینی جامعات پر بھی بغیر شرعی حیلہ کے زکوٰۃ نہیں لگ سکتی۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد اسد رضا عطاری المدنی

6 ذو القعدہ 1427ھ 28 نومبر 2006ء

الجواب صحیح

ابو الصالح محمد قاسم القادری

وکیل کا مالِ زکوٰۃ خود رکھ لینا کیسا؟

فتویٰ 323

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی سے یہ کہہ کر زکوٰۃ لینا کہ کسی

کو دینی ہے جبکہ نیت یہ ہو کہ دے گا تو خود ہی رکھ لوں گا کہ میں بھی فقیرِ شرعی ہوں اور میرا زکوٰۃ لینا بھی جائز ہے ایسا کرنا جائز ہے یا ناجائز؟

سائل: دل شیر خان (اوکاڑہ)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

اس طرح کرنا حرام ہے کہ صورتِ مسئولہ میں آپ وکیل ہیں اور وکیل کو جائز نہیں کہ مالِ زکوٰۃ خود رکھ لے ہاں اگر مؤکِّل یعنی جس نے زکوٰۃ دی اس نے صراحت سے کہہ دیا کہ اگر تم فقیرِ شرعی ہو تو خود بھی رکھ سکتے ہو تو اس صورت میں خود رکھنا جائز ہے یا پھر زکوٰۃ دینے والا یوں کہہ دے کہ جس جگہ چاہو صرف کرو تو پھر بھی خود لے سکتا ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی ارشاد فرماتے ہیں: "وللوكيل أن يدفع لولده الفقير وزوجته لا لنفسه الا اذا قال ربها ضعها حيث شئت" ترجمہ: وکیل کے لئے جائز ہے کہ اپنے فقیر بیٹے یا زوجہ کو زکوٰۃ دے خود رکھنا جائز نہیں ہاں اگر زکوٰۃ دینے والے نے یہ کہہ دیا ہو کہ جہاں چاہو صرف کرو تو خود بھی رکھ سکتا ہے۔

(درمختار، صفحہ 224، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

13 شوال المکرم 1430ھ 03 اکتوبر 2009ء

بدمذہبوں سے زکوٰۃ مانگنا کیسا؟

فتویٰ 324

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم فقرا کے لئے بدمذہبوں سے زکوٰۃ کی رقم لے سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جن کا بدمذہب ہونا یقینی ہے ان سے کچھ نہ مانگیں اور جن کے بارے میں معلوم نہ ہو اور شبہ ہو ان کے بارے میں تحقیق کرلیں اگر بدمذہب ہیں ان سے بھی نہ لیں جو سنی صحیح العقیدہ ہیں ان سے زکوٰۃ لے کر فقرا کی مدد کریں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبـــــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد عابد ندیم العطاری المدنی
11 رمضان المبارک 1431ھ 22 اگست 2010ء

عُشر کی گندم پر حیلہ ہوگا یا فروخت کے بعد پیسوں پر؟

فتویٰ 325

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عُشر کی گندم ایک تنظیم کے رکن کو دی، جو مدارس اور دینی جامعات چلاتی ہے اس نے بغیر حیلہ کئے فروخت کردی اور پیسوں پر حیلہ کیا۔ آیا یہ دُرست ہے یا نہیں؟ کیا فروخت سے پہلے کسی کو مالک بنانا شرط ہے؟　سائل: احمد سعید (جامعہ نظامیہ، مرکز الاولیاء، لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

عُشر کے مَصارِف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں یعنی اس میں بھی جو عُشر کا مُستحق ہے اس کی تَملیک ضروری ہے۔

چنانچہ "دُرِ مُختَار" کے بَابُ الْمَصرَف میں ہے: "ویشترط أن یکون الصرف (تملیکا) لا اباحۃ کما مر (لا) یصرف (الی بناء) نحو (مسجد و) لا الی (کفن میت و قضاء دینہ) اما دین الحی الفقیر فیجوز لو بامرہ" ترجمہ: عُشر میں تَملیک شرط ہے نہ کہ اباحت جیسا کہ پیچھے گزرا۔ عُشر کو مسجد کی تعمیر،

میت کے کفن اور قرض کی ادائیگی میں نہیں دیا جاسکتا۔ اگر قرض زندہ فقیر کا ہو تو اس کی اجازت سے ادا کیا جاسکتا ہے۔

(درمختار ، صفحه 341 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بيروت)

صورتِ مَسئُولہ میں جب اس تنظیمی رکن نے بغیر فقیر کی تَملِیک کئے گندم بیچ دی تو اس پر تاوان ہے اور عُشر بھی ادا نہ ہوا۔ جو پیسے اس نے فقیر کو دیئے وہ اس کی طرف سے تَبَرُّع ہے۔

رَدُّالمُحتَار میں ہے: ''قوله (ضمن و كان متبرعا) لأنه ملكه بالخلط وصار مؤديا مال نفسه قال فى التتارخانية الا اذا وجد الاذن أو اجاز المالكان ،اى اجاز قبل الدفع الى الفقير'' ترجمہ: ان (صاحبِ درمختار) کا قول ہے کہ وکیل ضامن ہوگا اور اس کی ادائیگی بطورِ تَبَرُّع ہوگی کیونکہ خَلْط مَلْط کرنے سے وہ مالک ہوجاتا ہے اور اب وہ اپنے مال کو ادا کرنے والا ہوگا۔ تَتَارْخَانِیَہ میں ہے مگر اس صورت میں جب اجازت ہو یا مالکان اسے جائز کردیں فقیر کے دینے سے قبل۔

(ردالمحتار على الدرالمختار ، صفحه 223 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بيروت)

اگر یہ تنظیمی رکن فقیر کی طرف سے بھی وکیل ہوا اور اس کی اجازت سے بیچ دے تو جائز ہے۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
ابو احمد محمد انس رضا عطاری
23 ربیع الآخر 1431ھ 09 اپریل 2010ء

الجواب صحيح
ابوالصالح محمد قاسم القادری

جب فقیر کے وکیل سے زکوٰۃ ضائع ہوجائے تو؟

فتویٰ 326
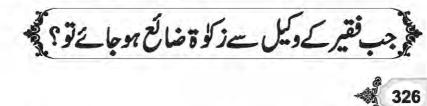
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر شرعی فقیر کسی کو زکوٰۃ کی وصولی کے لئے اپنا وکیل بنائے اور اس وکیل سے زکوٰۃ کی رقم ضائع ہوجائے تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا

نہیں؟اوراس ضائع ہونے پر وکیل کوتاوان دینالازم ہوگایانہیں؟　　سائل:غلام نبی عطاری(باب المدینہ کراچی)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَاب بِعَوۡنِ الۡمَلِكِ الۡوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگرشرعی فقیر نے کسی کواپنے لئے زکوٰۃ لانے کاوکیل کیا تھاتواس وکیل کوجوبھی شخص فقیر کے لئے اپنی زکوٰۃ دے گاتواس وکیل کے قبضہ کرنے سے اس کی زکوٰۃ اداہوجائے گی اور یہ مالِ زکوٰۃ شرعی فقیر کی مِلک میں چلاجائے گاکیونکہ اس وکیل کاقبضہ شرعاًاس شرعی فقیر کاہی قبضہ کہلاتا ہے۔

جیساکہ علامہ ابنِ عابدین شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی شرعی فقرا کے وکیل کے بارے میں فرماتے ہیں''کلما قبض شيئا ملكوه...... و وقع زكاة عن الدافع''یعنی جب بھی مالِ زکوٰۃ پرشرعی فقرا کاوکیل قبضہ کرے گاتو مال ان فقرا کی مِلک میں چلاجائے گااورزکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ اداہوجائے گی۔(ملتقطاً)

(ردالمحتار على الدرالمختار، صفحہ 223، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

اس صورت میں اگرفقیر تک پہنچانے سے پہلے شرعی فقیر کے وکیل سے مالِ زکوٰۃ ضائع ہوجائے تو بھی زکوٰۃ اداہوجاتی ہے۔

جیساکہ دُرِّمُختَار کی اس عبارت''ولا يخرج عن العهدة بالعزل''کےتحت علامہ ابن عابدین شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی لکھتے ہیں:''فلو ضاعت لا تسقط عنه الزكاة، ولو مات كانت ميراثا عنه بخلاف ما اذا ضاعت في يد الساعي لأن يده كيد الفقراء''خلاصہ گزرچکاہے۔

(ردالمحتار على الدرالمختار، صفحہ 225، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

وکیل کے ہاتھ میں یہ مالِ زکوٰۃ چونکہ امانت ہےلہٰذااگراس کی طرف سے لاپرواہی یاتعدی نہیں پائی گئی اور یہ مال ضائع ہوگیاتواس پرکچھ تاوان نہیں اوراگراس مال کے ضائع ہونے میں وکیل کی طرف سے لاپرواہی پائی گئی ہویااس نے قصداًاس کوضائع کیاہوتواب اس وکیل پربطورِتاوان شرعی فقیر کوادائیگی کرناہوگی۔

بہارِشریعت میں فَتَاوٰی عَالَمگِیرِی کے حوالے سے ہے:''وکیل کے قبضہ میں جوچیزہوتی ہےوہ بطورِامانت

ہے یعنی ضائع ہو جانے سے ضمان واجب نہیں۔" (بہارِ شریعت، صفحہ 981، جلد 2، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

14 ربیع الآخر 1430ھ 11 اپریل 2009ء

وکیل کا زکوٰۃ کی رقم خود استعمال کرنا کیسا؟

فتویٰ 327

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا تعلق ایک اسلامی ویلفیر تنظیم سے تھا، اور میں ضلعی سطح کا خزانچی تھا، کچھ عرصہ پہلے پاکستان کے شمالی علاقہ جات میں سیلاب آیا تو ہماری تنظیم نے بھی ان کے لئے عطیات اکھٹے کئے، ان عطیات میں سے میں نے کچھ رقم خود استعمال کر لی۔ اب پوچھنا یہ ہے کہ اس حوالے سے مجھ پر کوئی گناہ یا تاوان ہے؟ برائے کرم شرعی رہنمائی فرمائیں! سائل: عبد اللہ (پنجاب)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جن لوگوں نے عطیات دیئے آپ کی تنظیم کے افراد ان کے نمائندے اور وکیل تھے جن کی ذمہ داری تھی کہ سپرد کیے ہوئے کام کو پورا کریں یعنی متاثرہ لوگوں تک وہ رقم یا امدادی سامان پہنچا کر اپنی ذمہ داری پوری کریں۔ لیکن آپ کی طرف سے ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ رقم آپ نے خود اپنے استعمال میں لے کر اسے ہلاک کر دیا جس کی وجہ سے آپ پر تاوان لازم ہے اور اس کی صورت یہ ہے کہ جن لوگوں کی وہ رقم تھی ان کو واپس کریں وہ انتقال کر گئے ہوں تو ان کے ورثاء کو یہ رقم دیں اور اگر ان افراد کا پتا ہی نہ چلے جن سے یہ رقم لی گئی تھی تو بغیر ثواب کی نیت کے شرعی فقیر یعنی مستحق زکوۃ لوگوں میں یہ رقم صرف کر دی جائے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

03 محرم الحرام 1432ھ 29 نومبر 2011ء

شرعی فقیر کے وکیل کی وضاحت

فتویٰ 328

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ شرعی فقیر کا وکیل کیا ہوتا ہے اور کیا بیرونِ ملک میں شرعی فقیر کا وکیل مقرر کیا جاسکتا ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

شرعی فقیر جسے اپنی زکوٰۃ وصول کرنے کا وکیل بنائے وہ شرعی فقیر کا وکیل ہوتا ہے اور وکیل بیرونِ ملک میں بھی مقرر کیا جاسکتا ہے البتہ اس میں یہ خیال رکھنا ضروری ہے کہ شرعی فقیر خود یا وکیل کے پاس نصاب کے برابر رقم جمع نہ ہو جائے ورنہ حیلہ نہیں ہوگا لہٰذا حیلہ کرنے سے پہلے آپس میں شرعی فقیر اور اسکا وکیل رابطہ میں رہیں کہ کہیں ایک ہی وقت میں دونوں کے پاس نصاب یا اس سے زائد رقم جمع نہ ہو جائے۔ وکیل بنا کر بھول نہ جائے ورنہ ہوسکتا ہے کئی صورتوں میں وکیل زکوٰۃ وصول کر کے بطورِ وکیل قبضہ بھی کرتا رہے اور زکوٰۃ ادا بھی نہ ہو۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

10 جمادی الاولی 1433ھ 03 اپریل 2012ء

زکوٰۃ دینے والوں نے افراد کی تخصیص کی ہو تو؟

فتویٰ 329

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض لوگ اپنی زکوٰۃ یہ کہہ کر

دیتے ہیں کہ یہ سیلاب زدگان میں استعمال کرنا کیا اس طرح مقید کرکے اپنی زکوٰۃ دے سکتے ہیں نیز اگر اس رقم کو زکوٰۃ کے دیگر مصارف میں خرچ کرسکتے ہیں اور حیلہ کرواسکتے ہیں یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

سیلاب زدگان میں جو مستحقین زکوٰۃ ہوں انہیں یہ رقم بغیر حیلہ شرعی دی جائے جب دینے والے نے فقیر متعین کردیا تو وکیل مؤکل کے حکم کے مطابق اسی فقیر کو دے گا دیگر مصارف میں شرعی حیلہ کرکے خرچ کرنے کی اجازت نہیں۔ اگر سیلاب زدہ فقیر شرعی کو نہیں دی بلکہ کسی اور شرعی فقیر سے حیلہ کرایا تو تاوان لازم ہوگا زکوٰۃ دینے والے کو اس کی اطلاع بھی دینی ہوگی پھر اس کی اجازت سے اپنے پلہ سے اس کی زکوٰۃ ادا کرنی ہوگی یا وہ معاف کردے تو وہ خود اپنی زکوٰۃ ادا کرے البتہ حیلہ کرنا چاہیں تو حیلہ کرنے کے لئے ان سے اجازت لینی ہوگی۔

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

08 رمضان المبارک 1430ھ 30 اگست 2009ء

امام اعظم کی فقاہت

ایک دفعہ ایک شخص سے اس کی بیوی کا جھگڑا ہوا شوہر یہ قسم کھا بیٹھا کہ جب تک تو نہیں بولے گی میں بھی نہیں بولوں گا۔ بیوی کیوں پیچھے رہتی۔ اس نے بھی برابر کی قسم کھائی جب تک تو نہیں بولے گا۔ میں بھی نہیں بولوں گی۔ جب غصہ ٹھنڈا ہوتا تو اب دونوں پریشان شوہر حضرت سفیان ثوری کے پاس گیا کہ اس کا حل کیا ہے۔ فرمایا کہ بیوی سے بات کرو وہ تم سے بات کرے گی اور قسم کا کفارہ دیدو۔ شوہر حضرت امام اعظم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے فرمایا۔ جاؤ تم دونوں ایک دوسرے سے باتیں کرو۔ کفارہ کی ضرورت نہیں۔ جب سفیان ثوری کو یہ معلوم ہوا تو بہت خفا ہوئے۔ امام اعظم کے پاس جا کر یہاں تک کہہ دیا کہ تم لوگوں کو غلط مسئلہ بتاتے ہو۔ امام اعظم نے اسے بلوایا اور اس سے دوبارہ پورا قصہ بیان کرنے کو کہا۔ جب وہ بیان کرچکا تو حضرت سفیان ثوری سے کہا۔ جب شوہر کی قسم کے بعد عورت نے شوہر کو مخاطب کرکے وہ جملہ کہا تو عورت کی طرف سے بولنے کی ابتداء ہوگئی۔ اب قسم کہاں رہی۔ اس پر حضرت سفیان ثوری نے کہا۔ واقعی عین موقع پر آپ کی فہم وہاں تک پہنچ جاتی ہے جہاں ہم لوگوں کا خیال نہیں جاتا۔

(نزہۃ القاری، صفحہ 212، جلد 1، مطبوعہ لاہور)

بابِ خامس: زکوٰۃ کی وصولی اور استعمال

فصل/عنوان 20

زکوٰۃ اکٹھی کرنے والی تنظیمیں اور مسائلِ زکوٰۃ

فلاحی اداروں کا زکوٰۃ کو کرایہ میں صَرف کرنا کیسا؟

فتویٰ 330

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم ایک فلاحی ادارہ چلا رہے ہیں، لوگ ہمیں زکوٰۃ دیتے ہیں ہم زکوٰۃ کی رقم سے غریبوں کو راشن اور کپڑے وغیرہ دلاتے ہیں، اولاً مذکورہ سامان کی خریداری کے بعد اس کو گودام میں رکھا جاتا ہے، گودام اور سامان لانے والی گاڑی کا کرایہ بھی ہم زکوٰۃ کی رقم سے ہی دیتے ہیں، کیا اس طریقہ سے زکوٰۃ دینے والوں کی پوری زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ اگر اس طریقے سے پوری زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی تو پھر گودام و گاڑی وغیرہ کا کرایہ کیسے پورا کیا جائے؟

سائل: سعید قادری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡجَوَابُ بِعَوۡنِ الۡمَلِکِ الۡوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الۡحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے ضروری ہے کہ اس میں شرعی فقیر کو مالک بنایا جائے۔ دریافت کی گئی صورت میں جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ دُرست نہیں اور گاڑی وغیرہ کے کرایہ پر زکوٰۃ کی رقم خرچ کرنا غیر شرعی عمل ہے۔ جو رقم یہاں

خرچ ہوگی اس کی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــہ

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغر العَطَّارِی المَدَنِی

8 رمضان المبارك 1429ھ 9 ستمبر 2008ء

مالِ زکوٰۃ سے فلاحی تنظیم کے دفتر کی مَرَمَّت کرنا کیسا؟

فتویٰ 331

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری برادری میں ایک انجمن ہے وہ زکوٰۃ کی رقم جمع کرتی ہے اور مُستَحِقِّین میں تقسیم کرتی ہے سوال یہ ہے کہ انجمن کا دفتر کچھ خستہ حال ہے تو کیا زکوٰۃ کی رقم سے اس کی مَرَمَّت کر سکتے ہیں؟ سائل: عبدالغفار (نیا آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرعی فقیر کو رقم کا مالک بنانا ضروری ہے لہٰذا زکوٰۃ کی رقم سے انجمن والے اپنے دفتر کی مَرَمَّت نہیں کر سکتے اور اگر انجمن والوں نے زکوٰۃ کی رقم اپنے دفتر کی تعمیر میں خرچ کی تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی اور خرچ کرنے والوں پر تاوان لازم ہوگا۔

چنانچہ تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّ مُخْتَار میں ہے: ”ويشترط أن يكون الصرف تمليكا...... لا يصرف الى بناء نحو مسجد“ (ملتقطاً)

اس کے تحت حاشیہ میں حضرت علامہ شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی ارشاد فرماتے ہیں ”قوله: (نحو مسجد) كبناء القناطير والسقايات واصلاح الطرقات وكرى الانهار والحج والجهاد وكل ما لا تمليك فيه“ یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرط ہے کہ اس کا صَرف بطورِ تَملِیک ہو، اسی وجہ سے زکوٰۃ کو مسجد،

پُل، پانی پینے کی سبیلوں اور سڑکوں کی مَرَمّت اور نہروں کی کھدائی اور حج یا جہاد وغیرہ اُمور میں الغرض ہر وہ کام جہاں تَملیک نہ پائی جاتی ہو اس میں زکوٰۃ کو خرچ نہیں کر سکتے۔

(درمختار مع ردالمحتار، صفحہ 341 تا 342، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

كتبـــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
جميل احمد غوری العطاری المدنی
28 رجب المرجب 1430ھ 22 جولائی 2009ء

الجواب صحيح
اَبُومُحمّد علی اصغر العطاری المدنی

محض دنیاوی تعلیم پر زکوٰۃ خرچ کرنا کیسا؟

فتویٰ 332

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا زکوٰۃ کی رقم دنیاوی تعلیم پر خرچ کی جاسکتی ہے؟ ہماری تنظیم اپنے علاقہ کے غریب بچوں کو مفت تعلیم دیتی ہے لیکن اب اتنے پیسے نہیں جو اَخراجات پورے کئے جاسکیں تو کیا اب زکوٰۃ کی رقم اس پر خرچ کر سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ کی رقم کو اس کے شرعی مَصارِف میں خرچ کرنا ضروری ہے دنیاوی اسکول یا اس کی تعلیم پر زکوٰۃ کی رقم کو خرچ کرنا ناجائز وگناہ ہے شرعی حیلہ کر کے بھی اجازت نہیں۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

كتبـــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد كفيل رضا العطاری المدنی
4 جمادی الاخری 1431ھ 19 مئی 2010ء

الجواب صحيح
عبدہٗ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

فلاحی ادارے زکوٰۃ کس طرح استعمال کریں؟

فتویٰ 333

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری جماعت فطرہ کی رقم نیک کاموں میں خرچ کرنا چاہتی ہے مثلاً مدرسہ کی تعمیر اور ہسپتال کے اخراجات وغیرہ، ہمیں ان کاموں میں خرچ کرنے کا دُرست طریقہ ارشاد فرمائیں؟

سائل: منجانب کچھی مسلم قادری جماعت

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ کیلئے تَملِیک شرط ہے اگر مذکورہ کاموں میں خرچ کرنا چاہتے ہیں تو اس کا طریقہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی شرعی فقیر کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنادیں جب وہ قبضہ کرلے تو اب اپنی مرضی سے ان کاموں یا کسی بھی نیکی کے کام میں خرچ کرنے کیلئے دے دے، اس طرح حیلۂ شَرعِیَّہ کے ذریعے زکوٰۃ بھی ادا ہوجائے گی اور رقم ان کاموں میں خرچ کرنا بھی دُرست ہوگا۔

چنانچہ فَتاوٰی رَضَوِیَّہ شریف میں ہے: ''جبکہ اس نے فقیر مصرفِ زکوٰۃ کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر مالک کردیا زکوٰۃ ادا ہوگئی اب وہ فقیر مسجد میں لگادے دونوں کیلئے اَجرِ عظیم ہوگا۔

(فتاوی رضویہ ، صفحہ 256 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

اس طرح کے حیلوں میں یہ بات یاد رکھیں کہ حیلہ ضرورت کی صورت میں کیا جائے اور پھر اس کے استعمال میں شرعی اَحکام کا خیال رکھا جائے۔ جہاں حیلہ کی شَرعاً اجازت نہ ہو وہاں محض چند اَفراد کی ذاتی سہولیات اور مفادات میں خرچ کیا گیا تو شدید گناہ ہوگا۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِمُ الْقَادِرِی

14 رمضان المبارک 1426ھ 19 اکتوبر 2005ء

زکوٰۃ استعمال کرنے کا ایک دُرست انداز

فتوی 334

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم ایک اسکول چلا رہے ہیں جس میں اسکول کی تعلیم کے ساتھ ساتھ حفظ وناظرہ کی تعلیم بھی دی جاتی ہے، اس اسکول میں پڑھنے والے بعض بچے انتہائی غریب ہیں، اس بنا پر وہ فیس نہیں دے پاتے ایک صاحب زکوٰۃ کی مد میں کچھ رقم اسکول انتظامیہ کو دیتے ہیں، انتظامیہ مکمل تحقیق کرنے کے بعد ان بچوں کے والدین کو جو شرعی فقیر ہوتے ہیں بلا کر ان کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنا دیتی ہے پھر وہ والدین اپنی مرضی سے وہ رقم فیس کی مد میں انتظامیہ کو لوٹا دیتے ہیں، کیا یہ طریقۂ کار دُرست ہے اگر دُرست نہیں تو اس کا دُرست طریقۂ کار ارشاد فرما دیجئے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

سوال میں بیان کی گئی صورت میں زکوٰۃ کی ادائیگی کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے وہ شرعاً دُرست ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے ضروری ہے کہ اس میں کسی شرعی فقیر کو مالک کر دیا جائے اور مذکورہ صورت میں بھی ایسا ہی کیا جاتا ہے، لہٰذا اب والدین کی مرضی ہے کہ چاہے وہ اس سے اپنے بچوں کی فیس ادا کریں یا اپنی دیگر ضروریات میں خرچ کریں۔

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار میں ہے: ”ھی تملیك جزء مال عیّنه الشارع من مسلم فقیر غیر ھاشمی ولا مولاہ مع قطع المنفعة عن الملك من کل وجه لله تعالی“ ترجمہ: زکوٰۃ شریعت میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کیلئے مال کے ایک حصہ کا جو شرع نے مقرر کیا ہے مسلمان فقیر کو مالک کر دینا ہے اور وہ فقیر نہ ہاشمی ہو

اور نہ ہاشمی کا آزاد کردہ غلام، اور اپنا نفع اس مال سے بالکل جدا کرلے۔

(تنویر الابصار، صفحہ 203 تا 206، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــہ
ابُومُحمّد علی اصغر العطاری المدنی
11 جمادی الاولی 1429ھ 17 مئی 2008ء

الجواب صحیح
ابُوالصالح محمد قاسم القادری

فلاحی اداروں کا ادائیگیٔ زکوٰۃ میں تاخیر کرنا کیسا؟

فتویٰ 335

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ویلفیئر میں زکوٰۃ وغیرہ کی رقم جمع ہوتی ہے۔ کیا زکوٰۃ کی رقم سے کسی مُستحق کوراشن کے لئے ماہانہ وظیفہ دے سکتے ہیں؟

سائل: محمد عرفان (کھارادر کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

مالِ زکوٰۃ پر سال گزرتے ہی زکوٰۃ کی ادائیگی لازم ہوتی ہے اور تاخیر کرنا گناہ ہوتا ہے، جس ویلفیئر یا ادارے یا فرد کو زکوٰۃ کی رقم دی جاتی ہے تو یہ زکوٰۃ دینے والوں کی طرف سے ادائیگیٔ زکوٰۃ کے وکیل ہوتے ہیں ان پر لازم ہوتا ہے کہ مالِ زکوٰۃ وصول کرتے ہی مُستَحِقِّین تک پہنچائیں اور اس میں تاخیر نہ کریں جبکہ کسی نے پیشگی صورت میں زکوٰۃ نہ دی ہو۔

فَتَاوٰی عَالَمگِیری میں ہے: ”وتجب علی الفور عند تمام الحول حتی یأثم بتاخیرہ من غیر عذر“ یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی سال گزرتے ہی فوراً واجب ہے حتی کہ اگر بلا عذر تاخیر کرے گا تو گنہگار ہوگا۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 170، جلد 1، دارالفکر بیروت)

لہٰذا ویلفیئر والوں کو زکوٰۃ روک کر رکھنے اور ماہانہ طور پر مُستحِقّین کو دینے کی اجازت نہیں۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم القَادِرِی

کتبــــــــــہ
اَبُو مُحَمَّد عَلِی اَصغَر العَطَّارِی المَدَنِی
17 شعبان المعظم 1429ھ 20 اگست 2008ء

زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں سے اُجرت دینا کیسا؟

فتویٰ 336

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس بارے میں کہ ہمارا ویلفیئر کے کاموں کا ایک اِدارہ ہے جو کھارادر میں عرصہ دراز سے بیوہ اور معذور لوگوں کی خدمت سر انجام دے رہا ہے اور اس کام کے لئے ہم نے ایک شخص کو رکھا ہوا ہے جو کہ نہایت ہی غریب ہے بلکہ زکوٰۃ کا مُستحق بھی ہے اور اس اِدارے میں قربانی کی کھالیں بھی جمع کروائی جاتی ہیں۔ کیا ہم اس شخص کو بطورِ تنخواہ (اُجرت) ان کھالوں کے فنڈ میں سے ادا کر سکتے ہیں؟ اور اگر زکوٰۃ دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں؟

سائل: خان محمد قادری (مَلِک ویلفیئر سوسائٹی، کھارادر، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ اگرچہ مستحق کو دی جا سکتی ہے لیکن اُجرت کی مد میں زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی البتہ قربانی کرنے والے نے کسی فلاحی اِدارہ کو نیک کاموں میں استعمال کرنے کے لئے اپنی قربانی کی کھال دی تو اس فلاحی اِدارے کے رفاہی کام کرنے والے ملازمین کی تنخواہ میں حاصل ہونے والی قربانی کی یہ کھال یا اس کی رقم دی جا سکتی ہے۔

جیسا کہ امامِ اہلسنّت اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن سے تنخواہِ مُدرِّسین میں قربانی کی کھال کی رقم دینے سے متعلق سوال ہوا، اس کے جواب میں اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ الرَّحْمَہ ارشاد فرماتے ہیں: "جو مدرسہ تعلیمِ

علوم دینیہ کے لئے چندہ سے مقرر ہوا اُس میں قربانی کی کھال خواہ بیچ کر اس کی قیمت بھیجنا کہ مصارف مدرسہ مثل تنخواہِ مُدرِّسین وخوراکِ طلباء وغیرہ میں صَرف کی جائے، مذہبِ صحیح پر جائز ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 496، جلد 20، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

ایک اور مقام پر فرماتے ہیں: "اَجزائے اُضحِیَّہ سے صرف تَمَوُّل ممنوع ہے کہ اس کے دام کرکے اپنے کام میں لائے جائیں...... کھال کی جس طرح جانماز یا کتابوں کی جلدیں یا مشکیزہ اپنے لئے بنواسکتا ہے یونہی کسی غنی کو بھی ہدیہ دے سکتا ہے اگرچہ وہ غنی امام ہو، جبکہ اس کی تنخواہ میں نہ دی جائے، اور اگر تنخواہ میں دے تو امام اگر اس کا نوکر ہے جس کی تنخواہ اسے اپنے مال سے دینی ہوتی ہے تو دینا ناجائز، کہ یہ وہی تَمَوُّل ہوا جو ممنوع ہے، اور اگر وہ مسجد کا نوکر ہے جس کی تنخواہ مسجد دیتی ہے تو جائز ہے کہ یہ مسجد میں دے دے اور مسجد کی طرف سے امام کی تنخواہ میں دی جائے۔" (ملتقطاً)

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 479 تا 480، جلد 20، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح	کتبــــــــــہ
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی	المتخصص فی الفقہ الاسلامی
	جمیل احمد غوری العطاری المدنی
	19 رجب المرجب 1430ھ 13 جولائی 2009ء

ویلفیئر کا بغیر تملیکِ فقیر کے زکوٰۃ خرچ کرنا کیسا؟

فتویٰ 337

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک ویلفیئر ہے جو کہ زکوٰۃ، فطرہ اور مختلف ناموں سے مخیّر حضرات سے فنڈز اکٹھے کرتی ہے اور یہ عوام کیلئے قائم ہے۔ اس کی انتظامیہ زکوٰۃ، فطرہ کی رقم بغیر تملیکِ شخصی کے بلاواسطہ ویلفیئر کے کاموں میں خرچ کرتی ہے۔ اس طرح کرنا دُرست ہے یا نہیں؟

سائل: عمران (عیدگاہ جامع کلاتھ، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جنہیں زکوٰۃ کی ادائیگی کیلئے رقم دی گئی وہ وکیل ہیں، اگر وہاں یہ صورتِ حال ہے کہ وہ لوگ آتے ہوں جن پر زکوٰۃ بلاحیلہ شَرْعِیَّہ لگ سکتی ہے اوروہ مال ویلفیئر اس طرح خرچ کرتی ہے کہ انہیں اس مال کا مالک بنادیتی ہے جب تو زکوٰۃ کی ادائیگی مکمل ہوگئی، اوراگر ایسے لوگوں پر خرچ ہوتی ہے کہ جن کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی اور کسی طرح سے اس کا حیلہ شَرْعِیَّہ بھی نہیں کیا گیا تو یہ افراد اس معاملہ میں گناہ گار ٹھہرے اور زکوٰۃ کی ادائیگی نہ ہوئی۔ کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں تَملِیک (اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ مَصارِف میں سے کسی کو اس مال کا مالک بنادینا) شرط ہے جو کہ یہاں مَفْقود ہے۔

مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ میں فقیر کو مالک کرنا ضروری ہے اگر تملیک نہ ہو یا فقیر کو مالک نہ کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ لہٰذا رفاہِ عامہ مسلمین کے لئے کتب خانہ مالِ زکوٰۃ سے جائز نہیں۔''
(فتاویٰ امجدیہ، صفحہ 371، جلد 1، مکتبہ رضویہ کراچی)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

12 شعبان المعظم 1427ھ 06 ستمبر 2006ء

چندے کی رقم دوسرے اِدارے کو قرض دینا کیسا؟

فتویٰ 338

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین ان مسائل کے بارے میں کہ

﴿1﴾ ایک رفاہی اِدارہ (الف) زکوٰۃ، صدقات، عطیات وغیرہ مخیر حضرات سے جمع کر کے صحت کے ایک شعبے میں اپنی خدمات انجام دے رہا ہے۔ اور زکوٰۃ وعطیات صَرف کرتے ہوئے شرعی فقیر کا لحاظ نہیں رکھا جاتا جو بھی ضرورت مند

ہوخواہ شرعی فقیر ہو یا غنی اس کی اِمداد زکوٰۃ وعطیات کی رقم سے کی جاتی ہے۔اس اِدارے کا یہ فعل کیسا ہے؟

﴿2﴾ کیا وہ اپنی جمع شدہ رقم جس کی فی الحال اس اِدارے کو ضرورت نہیں ہے کسی دوسرے رفاہی اِدارے (ب) کو قرض دے سکتا ہے؟ سائل: ہارون جونانی (127/8 عزیز آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ مالِ زکوٰۃ کا مُستحق صرف شرعی فقیر ہے غنی پر مالِ زکوٰۃ صَرف کرنا جائز نہیں اور ہسپتالوں میں شرعی فقیر پر بھی حیلہ کے بعد زکوٰۃ صَرف کی جائے تا کہ تملیکِ فقیر کی شرط پوری ہو سکے اور حیلہ کے بعد بھی غنی افراد پر ہرگز ہرگز زکوٰۃ صَرف نہ کی جائے۔حیلہ کا طریقۂ کار یہ ہے کہ کسی شرعی فقیر کو زکوٰۃ وصدقۂ واجبہ کی رقم کا مالک بنا کر اس کے ہاتھ میں یہ رقم دے دیں اب وہ اپنی مرضی سے دینی ضروری یا علمانے جہاں حیلے کی اجازت دی ہے اس مَصرَف کے لئے یہ رقم عطیہ کردے۔

علامہ علاؤالدین حَصْکَفِی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: ’’أن الحيلة أن يتصدق على الفقير ثم يأمره بفعل هذه الاشياء‘‘ یعنی اس کا حیلہ یہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ فقیر پر صدقہ کردے پھر فقیر کو ان چیزوں کے کرنے کا حکم دے۔ (درمختار، صفحہ 343، جلد 3، دار المعرفة بيروت)

فَتاویٰ عَالَمگِیری میں ہے: والحيلة له أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يأمر بعد ذلك بالصرف الى هذه الوجوه فيكون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب بناء المسجد والقنطرة ’’یعنی حیلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار فقیر پر صدقہ کرے اور اس کے بعد اسے ان کاموں میں خرچ کرنے کا کہے تو زکوٰۃ دینے والے کو زکوٰۃ کا ثواب اور فقیر کو مسجد یا پُل وغیرہ بنانے کا ثواب ملے گا۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 392، جلد 6، دار الفکر بیروت)

﴿2﴾ اپنے اِدارے کے لئے کئے گئے چندے کی رقم دوسرے ادارے کو یا کسی بھی فرد کو قرض دینے کی اجازت نہیں اگر ایسا کیا تو تاوان دینا ہوگا اور صدقاتِ واجبہ کی رقم بلا اجازتِ مالک کسی فرد یا اِدارے کو قرض دی تو زکوٰۃ بھی

ادانہ ہوگی، مالک کو اطلاع بھی دینی ہوگی اور تاوان بھی دینا ہوگا۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
محمد طارق رضا العطاری المدنی
02 جمادی الاولی 1430ھ 28 اپریل 2009ء

ساداتِ کی مدد کس طرح کی جائے؟

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ آج کل مہنگائی اور نفسانفسی کا دَور ہے غریب لوگوں کیلئے شریعت نے زکوٰۃ کا نظام وضع کیا ہے لیکن ساداتِ کرام کی نسبت اوران کے عزت واحترام کی بناپر زکوۃ جو کہ مالوں کا میل ہے ان کو دینا جائز نہیں لہٰذا ہم نوجوانوں نے اس فکر کے تحت ایک تنظیم بنام ''غلام پنجتن پاک ٹرسٹ'' بنانے کا اِرادہ کیا ہے، جس کے تحت عام مسلمانوں کی بالعموم اور ساداتِ کرام کی بالخصوص خدمت کی جائے گی، آپ سے پوچھنا یہ ہے کہ ہم ساداتِ کرام کی کس طریقے سے خدمت کر سکتے ہیں؟

سائل: سیّد غلام قادر جیلانی (کھڈا مارکیٹ، نیا آباد، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ اور دیگر صدقاتِ واجبہ ساداتِ کرام کو نہیں دیئے جاسکتے بلکہ نفلی صدقات، عطیات، تحائف وہدایا کے ذریعے ان حضراتِ عالیہ کی خدمت کی جائے۔

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت، مُجَدِّدِ دین وملّت علامہ مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاویٰ رضویہ

شریف میں فرماتے ہیں: ”رہا یہ کہ پھر اس زمانۂ پُر آشوب میں حضراتِ ساداتِ کرام کی مواسات (خدمت) کیونکر ہو، اَقول بڑے مال والے اگر اپنے خالص مالوں سے بطورِ ہدیہ ان حضراتِ عُلیہ کی خدمت نہ کریں تو ان کی بے سعادتی ہے، وہ وقت یاد کریں جب ان حضرات کے جدِّ اکرم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم کے سوا ظاہری آنکھوں کو بھی کوئی ملجاو ماوانہ ملے گا، کیا پسند نہیں آتا کہ وہ مال جو اُنہیں کے صدقے میں اُنہیں کی سرکار سے عطا ہوا، جسے عنقریب چھوڑ کر پھر ویسے ہی خالی ہاتھ زیرِ زمین جانے والے ہیں، اُن کی خوشنودی کیلئے اُن کے پاک مبارک بیٹوں پر اُس کا ایک حصہ صَرف کیا کریں کہ اُس سخت حاجت کے دن اُس جوادِ کریم رؤف ورحیم عَلَیْہِ اَفْضَلُ الصَّلٰوۃ والتَّسلِیم کے بھاری انعاموں، عظیم اکراموں سے مشرف ہوں۔“ (فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 105 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

لیکن اگر اہلِ ثروت کی جانب سے ساداتِ کرام کی خاطر خواہ اِعانت نہ ہو سکے تو اس کا بہترین طریقہ یہ کہ زکوٰۃ کسی مُستحقِ زکوٰۃ کی مِلکیّت میں دے دی جائے اور وہ بخوشی وہ روپیہ ساداتِ کرام کی خدمت میں پیش کر دے، اس طریقے سے زکوٰۃ بھی ادا ہو جائے گی اور ساداتِ کرام کی خدمت کا ثواب بھی حاصل ہو جائے گا۔

اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ فَتَاوٰی رَضَوِیَّہ شریف میں فرماتے ہیں: ”اور مُتوسِّط حال والے اگر مصارفِ مُستحبّہ کی وُسعت نہیں دیکھتے تو بِحَمْدِ اللّٰہ وہ تدبیر ممکن ہے کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو اور خدمتِ سادات بھی بجا ہو یعنی کسی مسلمان مصرفِ زکوٰۃ مُعتَمَد عَلَیْہ کو کہ اس کی بات سے نہ پھرے، مالِ زکوٰۃ سے کچھ روپے بہ نیّتِ زکوٰۃ دے کر مالک کر دے، پھر اس سے کہے تم اپنی طرف سے فلاں سیّد کی نذر کر دو اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ تو اس فقیر کو گئی اور یہ جو سیّد نے پایا نذرانہ تھا، اس کا فرض ادا ہو گیا اور خدمتِ سیّد کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا۔“ (فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 105 تا 106 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

13 شعبان المعظم 1429ھ 16 اگست 2008ء

زکوۃ فطرہ کا مصرف کیا ہے؟

فتوی 340

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری کچھی برادری کی کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ وہ اپنی برادری کے لوگوں سے فطرہ جمع کر کے بعد میں اسکو مُسْتَحِقِّین میں خرچ کرتے رہیں گے اسی طرح برادری کے دیگر فلاحی کاموں میں بھی خرچ کرنے کا ارادہ ہے تو ایسا کرنا شرعاً کیسا ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

فطرہ کی رقم کے مصارِف وہی ہیں جو زکوۃ کے ہیں یعنی جن کو زکوۃ دے سکتے ہیں انہیں فطرہ بھی دے سکتے ہیں اور جنہیں زکوۃ نہیں دے سکتے انہیں فطرہ بھی نہیں دے سکتے۔ چنانچہ جب برادری کے افراد سے کمیٹی فطرہ وصول کرے تو اس کے شرعی مُسْتَحِقِّین (فقیر، مسکین وغیرہ) تک فوراً پہنچائے تا کہ فطرہ دینے والوں کا فطرہ بھی ادا ہو جائے اور مُسْتَحِقِّین کی ضرورت بھی پوری ہو جائے۔ البتہ فطرہ کی رقم سے دیگر فلاحی کام کرنے کی اجازت نہیں کہ فلاحی کاموں میں تَمْلِیکِ فقیر نہیں پائی جاتی جبکہ زکوۃ وصدقۂ فطر میں مسلمان فقیر کو اس مال کا مالک بنانا ضروری ہے اگر نہیں بنایا اور اس مال کو فلاحی کاموں میں خرچ کر دیا تو وہ صدقۂ فطر ادا نہیں ہوا بلکہ ضائع ہو گیا اور کمیٹی کے افراد پر اس کا تاوان بھی آئے گا۔

چنانچہ کَنْزُ الدَّقَائِق میں ہے: "ھی تملیك المال...... من فقیر مسلم" ترجمہ: وہ مسلمان فقیر کو مال کا مالک بنانا ہے۔ (ملتقطاً) (کنز الدقائق، صفحہ 55، جلد 1، مطبوعہ کراچی)

صَدْرُ الشَّرِیعَہ، بَدْرُ الطَّرِیقَہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ القَوِی فرماتے ہیں: "زکوۃ میں فقیر کو مالک کرنا ضروری ہے اگر تملیک نہ ہو یا فقیر کو مالک نہ کیا تو زکوۃ ادا نہ ہوگی، لہذا رفاہِ عامہ مسلمین کے لئے کتب خانہ مالِ زکوۃ سے جائز نہیں، نہ ملازمینِ مدرسہ کو مالِ زکوۃ سے تنخواہ دینا جائز، کہ تنخواہ معاوضۂ عمل ہے اور زکوۃ عبادت خالصاً للہ تعالیٰ

ہے تو معاوضہ میں نہیں دے سکتے ، ہاں مدرسہ کے طلبہ کو دے سکتے ہیں جب کہ بطورِ تملیک ہو نہ بطورِ اِباحت۔"

(فتاویٰ امجدیہ ، صفحہ 371 ، جلد 1 ، مکتبہ رضویہ کراچی)

صَدرُ الشَّرِیعَہ ، بَدرُ الطَّرِیقَہ علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی ارشاد فرماتے ہیں: "صدقۂ فطر کے مصارِف وہی ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں یعنی جن کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں، انہیں فطرہ بھی دے سکتے ہیں اور جنہیں زکوٰۃ نہیں دے سکتے ، انہیں فطرہ بھی نہیں سوا عامل کے کہ اس کے لئے زکوٰۃ ہے فطرہ نہیں۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 940 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عَبدُہُ المُذنِب فُضَیل رَضَا العَطَّارِی عَفَا عَنہُ البَارِی

کتبـــــــــــہ
محمد کفیل رضا العطاری المدنی
25 رمضان المبارک 1430ھ 16 ستمبر 2009ء

ویلفیئرز کے مختلف کام

فتویٰ 341

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری برادری کے لوگوں نے ایک ویلفیئر کمیٹی بنائی ہے تا کہ ہم اپنی برادری کے لوگوں کے لئے فلاح و بہبود کے کام کر کے ان کی مدد کریں جس میں چند باتوں کی آپ سے شریعت کے مطابق معلومات کرنا چاہتے ہیں تا کہ ہم جو بھی کام کریں اس میں ہم سے کوتاہی نہ ہو اور اللہ تعالیٰ ہم سے ناراض نہ ہو کیونکہ جو بھی کام کرنا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے کرنا چاہتے ہیں جناب ہم نے جو کمیٹی بنائی ہے اس میں ہماری برادری کے سب لوگ شامل ہیں جو رَمضانُ المبارک کے مہینہ میں زکوٰۃ فطرہ کی رقم دیتے ہیں تا کہ اس رقم سے ہم لوگوں کی مدد کر سکیں مگر جنابِ عالی ہماری برادری میں بہت کم لوگ ایسے ہیں جو زکوٰۃ کی رقم لینے کے مُستحق نہیں ہیں زیادہ تر لوگ محنت مزدوری کرنے والے ہیں اور بہت سے سفید پوش لوگ بھی ہیں ایسے نازک دَور میں جو اپنی زندگی کے دن گزار رہے ہیں، ہم یہ جاننا چاہتے ہیں کہ زکوٰۃ کی رقم ہم

﴿1﴾ بے کار، بے روزگار لوگوں کا ذریعہ انکم بنانے کے لئے قرضِ حَسَنہ کے طور پر دے سکتے ہیں؟

﴿2﴾ غریب بچوں کی تعلیم پر خرچ کر سکتے ہیں؟

﴿3﴾ کوئی غریب بیمار ہو تو زکوٰۃ کی رقم سے اس کا علاج کروا سکتے ہیں؟

﴿4﴾ قبرستان کے لئے زمین لے سکتے ہیں؟

﴿5﴾ کوئی فلاحی اِدارہ بنا سکتے ہیں؟

﴿6﴾ میت بس وغیرہ زکوٰۃ کی رقم سے لے سکتے ہیں؟

﴿7﴾ زکوٰۃ کی جو رقم جمع ہوتی ہے کیا اسے رَمَضان کے مہینے میں تقسیم کرنا ضروری ہے یا اس کے لئے کوئی وقت درکار ہے؟

سائل: مَلِک حاجی عبدالرحمٰن (ناگن چورنگی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

﴿1 تا 6﴾ فلاحی اِدارہ بنانا، شرعی قواعد وضوابط کا خیال رکھتے ہوئے اسے اچھی اچھی نیتوں کیساتھ چلانا نہایت قابلِ تحسین کام ہے۔ چونکہ فلاحی اِداروں میں جمع کی جانے والی رقم زیادہ تر صدقاتِ واجبہ وصدقاتِ نافلہ پر مشتمل ہوتی ہے اور جن پر رقم خرچ کی جاتی ہے ان میں عام طور پر مُستحق وغیر مُستحق سب شامل ہوتے ہیں لہٰذا منتظمین پر لازم ہے کہ وہ ہر قسم کی جمع ہونے والی رقم کو اس کے مَصرَف میں خرچ کریں۔ زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کی رقم بغیر حیلہ کے استعمال نہ کی جائے اسی طرح اس میں یہ بھی خیال رکھا جائے کہ جو چندہ جمع کیا جائے وہ الگ الگ رکھا جائے مثلاً صدقاتِ واجبہ، زکوٰۃ وغیرہ کو علیحدہ رکھا جائے اور نفلی صدقات کو الگ رکھا جائے اس لئے کہ صدقاتِ واجبہ کی ادائیگی کے لئے تَملِیکِ فقیر ضروری ہے یعنی فقیر کو مالک بنا کر دینا، اگر مُستحقِ زکوٰۃ کو نہ دیئے گئے تو زکوٰۃ و دیگر صدقاتِ واجبہ ادا ہی نہیں ہوتے یونہی مُستحقِ زکوٰۃ کو تو دیئے گئے مگر مالک بنا کر نہیں دیئے استعمال کرنا مباح کر دیا اجازت دے دی اس صورت میں بھی صدقاتِ واجبہ ادا نہیں ہوتے۔ نیکی و بھلائی کے کاموں میں زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ استعمال کرنے ہوں تو ان کا حیلہ کرنا ضروری ہے۔

شرعی حیلہ کا طریقہ یہ ہے کہ کسی شرعی فقیر (فقیر وہ شخص ہے جس کے پاس کچھ ہو مگر نہ اتنا کہ نصاب کو پہنچ جائے یا نصاب کی قدر ہو تو اس کی حاجتِ اَصلیہ میں مستغرق ہو مثلاً رہنے کا مکان، پہننے کے کپڑے، خدمت کے لئے لونڈی، غلام، علمی مشاغل رکھنے والے کو دینی کتابیں جو اس کی ضرورت سے زیادہ نہ ہوں) کو اس رقم کا مالک کر دیا جائے اس کے بعد وہ اپنی مرضی سے اس کام میں وہ رقم خرچ کر دے مثلاً وہ فقیر اس رقم کو قبرستان کی زمین کے لئے دے دے یا میت بس یا کسی بیمار کے علاج کے لیے وعَلٰی ھٰذَا الْقِیَاس۔

یہ بھی یاد رہے کے حیلہ نیکی و بھلائی کے ضروری اُمور کے لئے کرنے کی اجازت ہے جیسے مسجد مدرسے کی تعمیر، ان کے اَخراجات، کفن وغیرہ دینا۔ آپ نے جو اُمور لکھے ہیں حیلہ کے بعد رقم سب میں خرچ کی جاسکتی ہے سوائے دنیاوی تعلیم کے، البتہ قرض مجبور و مُستحق افراد کو دیا جائے تو حیلہ کے بعد دیا جاسکتا ہے، جو پہلے سے صاحبِ اِستطاعت ہوں غنی ہوں انہیں حیلہ کر کے رقم قرض نہ دی جائے اس مد کے لئے علیحدہ سے چندہ کر لیا جائے یونہی جب زکوٰۃ لیں تو فوراً جلد از جلد اس کے حیلہ کی ترکیب بنائیں بلاوجہ تاخیر نہ کریں۔

بَدَائِعُ الصَّنَائِع فِی تَرتِیبِ الشَّرَائِع میں ہے: ”أما ركنه فهو التمليك لقوله تعالى: (وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ) والإيتاء هو التمليك لقوله تعالى: (وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ) فلا تتأدى بطعام الإباحة وبما ليس بتمليك رأسا من بناء المساجد ونحو ذلك“ ترجمہ: بہرحال زکوٰۃ کا رکن تملیک یعنی مالک بنانا ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کی وجہ سے ”اور اس کا حق دو جس دن کٹے“ اور دینا وہ تملیک ہی ہے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے اس فرمان کی وجہ سے ”اور زکوٰۃ ادا کرو“ تو کھانے کو مباح کر دینے یا مسجد کی تعمیر میں دینے یا اسی طرح کے دیگر کاموں سے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی کہ تملیک نہ پائی گئی۔ (بدائع الصنائع، صفحہ 189، جلد 2، داراحیاء التراث العربی بیروت)

مَجْمَعُ الْاَنْھُر فِی شَرحِ مُلْتَقَی الْاَبْحُر میں ہے: ”ولا تدفع الزكاة لبناء مسجد لأن التمليك شرط فيها ولم يوجد“ ترجمہ: مسجد کی تعمیر میں زکوٰۃ کی رقم دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی کیونکہ اس میں تملیک

شرط ہے اور وہ یہاں نہیں پائی جارہی۔

(مجمع الانهر فی شرح ملتقی الابحر ، صفحه 328 ، جلد 1 ، دارالکتب العلمیه بیروت)

تَنْوِيْرُ الْاَبْصَار و دُرِّ مُخْتَار میں ہے: ”ویشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحة“

(تنویرالابصار مع الدرالمختار ، صفحه 341 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بیروت)

سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دِین و مِلّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْهِ رَحْمَةُ الرَّحْمٰن اسی طرح کے ایک سوال کے جواب میں ارشاد فرماتے ہیں: ”زکوٰۃ جہاد کے اُن مصارف میں جن میں فقیر کو تملیک نہ ہو جیسے گولے بارود کی خریداری یا فوج کی بار برداری یا فوجی افسروں کی تنخواہ یا فوجی دواخانہ کی دواؤں میں دینا جائز نہیں، نہ اس سے زکوٰۃ ادا ہو۔ فَتَاوٰی عَالَمْگِیْرِی میں ہے: لایجوز ان یبنی بالزکاة المسجد وکذا الحج والجھاد وکل مالا تملیك فیه کذا فی التبیین (ترجمہ: زکوٰۃ سے مسجد بنانا جائز نہیں اسی طرح حج اور جہاد، بلکہ ہر وہ مقام جہاں تملیک نہ ہو۔ تبیین میں یہی ہے۔)“

(فتاویٰ رضویه ، صفحه 258 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

دُرِّ مُخْتَار میں ہے: ”وحیلة التکفین بھا التصدق علی فقیر ثم ھو یکفن فیکون الثواب لھما وکذا فی تعمیر المسجد“ ترجمہ: کفن بنانے کے لیے یہ حیلہ ہے کہ صدقہ فقیر کو دیا جائے پھر وہ فقیر کفن بنادے تو ثواب دونوں کے لئے ہوگا اسی طرح تعمیرِ مسجد میں حیلہ کیا جاسکتا ہے۔

(درمختار ، صفحه 227 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بیروت)

بَحْرُ الرَّائِق شَرْح کَنْزُ الدَّقَائِق میں ہے: ”والحیلة فی الجواز فی ھذہ الأربعة أن یتصدق بمقدار زکاته علی فقیر ثم یأمرہ بعد ذلك بالصرف إلی ھذہ الوجوہ فیکون لصاحب المال ثواب الزکاة وللفقیر ثواب ھذہ القرب کذا فی المحیط“ ترجمہ: ان چاروں میں جواز کا حیلہ یہ ہے کہ آدمی زکوٰۃ فقیر کو دے پھر اسے کہے کہ ان چاروں پر خرچ کرے صاحبِ مال کے لئے زکوٰۃ کا ثواب اور فقیر کے لئے خرچ کا ثواب ہوگا اور ایسا ہی محیط میں ہے۔

(بحرالرائق ، صفحه 424 ، جلد 2 ، مطبوعه کوئٹه)

فَتَاوٰی عَالَمْگِیْرِی میں ہے: ”إذا أراد أن یکفن میتا عن زکاة ماله لا یجوز والحیلة فیه

أن يتصدق بها على فقير من أهل الميت ثم هو يكفن به الميت فيكون له ثواب الصدقة ولأهل الميت ثواب التكفين وكذلك فى جميع أبواب البر التى لا يقع بها التمليك كعمارة المساجد وبناء القناطر والرباطات لا يجوز صرف الزكاة إلى هذه الوجوه والحيلة له أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه فيكون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب بناء المسجد ‘‘ترجمہ:اگر کوئی شخص زکوٰۃ سے میت کا کفن تیار کرنا چاہیے تو جائز نہیں ہاں یہ حیلہ کرسکتا ہے کہ خاندانِ میت کے کسی فقیر پر صدقہ کردے اور وہ میت کا کفن تیار کردے تو ثواب مالک کے لئے صدقے کا اور اہلِ میت کے لئے تکفین کا ثواب ہوگا اسی طرح حیلہ تمام اُمورِ خیر مثلاً تعمیرِ مساجد اور پُلوں کے بنانے میں جائز ہے کہ مالک مقدارِ زکوٰۃ کے برابر کسی فقیر کو دے دے اور اسے کہے کہ تو ان اُمور پر خرچ کردے تو ثواب صدقہ کرنے والے کے لئے صدقہ کا اور بنائے مسجد و پُل کا ثواب فقیر کو ہوگا۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 392 ، جلد 6 ، دارالفکر بیروت)

سیّدی اعلیٰ حضرت ،مُجَدِّدِ دِین و مِلّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن کی ایک عبارت کا ترجمہ کچھ یوں ہے: ’’ان اُمورِ خیر کا ثواب دونوں کے لئے ہے کیونکہ جو کسی نیکی پر رہنمائی کرتا ہے اسے بھی عمل کرنے والے کی طرح ثواب ملتا ہے، حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم سے ایسے معاملات میں تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ کارِ خیر میں ہر شریک کو کامل ثواب ملتا ہے، شرکت سے اَجرِ شرکاء میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی ، مجھے اس پر مذکورہ دلائل کی وجہ سے جزم تھا جسے تو سُن چکا، پھر میں نے دُرِّ مُختار میں دیکھا کہ کفن کا حیلہ یہ ہے کہ پہلے مال فقیر پر صدقہ کیا جائے پھر فقیر اس سے کفن بنائے تو ثواب دونوں کے لئے ہوگا علامہ شامی نے کہا کہ زکوٰۃ کا ثواب مُزکّی کے لئے اور تکفین کا ثواب فقیر کے لئے ہوگا، اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ تکفین کا ثواب مُزکّی کے لئے بھی ہے کیونکہ خیر پر رہنمائی کرنے والا فاعلِ خیر کی طرح ہی ہوتا ہے اگرچہ کمّیّت و کیفیّت کے اعتبار سے ثواب مختلف ہوگا۔ امام سُیوطی نے جامع صغیر میں نقل کیا کہ اگر صدقہ سو ہاتھ بھی گزرے تو اَجر میں بغیر کسی کمی کے ہر ایک کو اتنا ہی اَجر حاصل ہوگا جتنا پہلے کو ہے، یہ بعینہٖ وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا۔‘‘

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 106 تا 107 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

صَدرُ الشَّرِیعَہ ، بَدرُ الطَّرِیقَہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی ارشادفرماتے ہیں: ''زکوٰۃ کا روپیہ حیلۂ شَرعِیّہ سے نیک کام میں صَرف کرنا جائز ہے مثلاً فقیر کو روپیہ دے کراسے مالک کردیا پھراس فقیر نے اس کے کہنے سے یا بطورِ خود مدرسہ یا مسجد کے مصارِف کے لئے دیا، یااس کو دوسری جنس کم قیمت سے خرید کر مدرسہ میں صَرف کیا گیاتو زکوٰۃ اداہو جائے گی ، بلکہ دونوں کو ثواب ہوگا۔''

(فتاویٰ امجدیہ ، صفحہ 388 ، جلد 1 ، مکتبہ رضویہ کراچی)

﴿7﴾ زکوٰۃ کے فرض ہونے کی ایک شرط یہ بھی ہے کہ مال پرسال گزر گیا ہوتو جب مال پرسال گزرجائے تو کوئی بھی مہینہ ہواسی میں فوراً زکوٰۃ دینا فرض ہےاور تاخیر کرنا گناہ ہے۔لہٰذا جس کے مال پر جس ماہ کی جس تاریخ کو سال پورا ہوا ُسے اس دن زکوٰۃ دینا ضروری ہے چاہے وہ رَمَضان کا مہینہ ہو یا کوئی اور۔اسی طرح تقسیم کرنے میں بھی رَمَضانُ المبارک کا انتظار نہ کیا جائے گا بلکہ فوراً تقسیم کرنا ہوگی۔

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّمُخْتَار میں ہے: ''شرط افتراض ادائها حولان الحول وهو فی ملكه'' یعنی ادائیگیٔ زکوٰۃ کے فرض ہونے کے لئے یہ شرط ہے کہ مال کی مِلکیّت پرسال گزرے۔

(تنویرالابصار مع الدرالمختار ، صفحہ 221 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بیروت)

سیِّدی اعلیٰ حضرت ،مُجَدِّدِ دِین ومِلّت شاہ امام احمد رضاخان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشادفرماتے ہیں: اوراگر سال گزر گیااورزکوٰۃ واجِبُ الْاَدا ہوچکی تواب تفریق وتدریج ممنوع ہوگی بلکہ فوراً تمام وکمال زرِواجِبُ الْاَدا ادا کرے کہ مذہبِ صحیح ومُعْتَمَدْ ومُفْتٰی بِہٖ پرادائے زکوٰۃ کاوُجوب فوری ہے جس میں تاخیر باعثِ گناہ۔ہمارے ائمۂ ثلٰثہ رَضِیَ اللہُ تعَالٰی عَنْھُمْ سےاس کی تصریح ثابت۔　(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 76 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ

عَبدُہُ المُذْنِب فُضَیل رضَا العَطَّارِی عَفَاعَنہُ البَارِی

11 رمضان المبارک 1431ھ 22 اگست 2010ء

زکوٰۃ کی رقم سے مفت دواخانہ کیسے چلایا جائے؟

فتویٰ 342

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کسی مُستحق کو دینے کے بجائے اُنہی پیسوں سے مفت دواخانہ (Free Dispensary) کھول سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے زکوٰۃ کی رقم یا اس کے بدلے کسی اور چیز کا مُستحق کو مالک بنا دینا ضروری ہے لہٰذا زکوٰۃ کی رقم سے دواخانہ کھول لیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ البتہ یہ ہوسکتا ہے کہ کسی اور رقم سے دواخانہ کھول لیا جائے اور اس میں زکوٰۃ کی رقم سے اَدوِیات خرید کر مُستحق کو زکوٰۃ کی نیت سے مالک بنا کر دے دی جائیں اور اس صورت میں اَدوِیات کی جو قیمت بازار کے بھاؤ سے ہوگی وہی زکوٰۃ میں سے مِنہا ہوگی لیکن اس میں بھی مُستحق ہی کو دینا ضروری ہے غیرِ مُستحق کو دَوا دی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی اور کسی اور کی زکوٰۃ تھی جو غیرِ مُستحق کو دی گئی تو تاوان بھی دینا ہوگا تاکہ وہ اپنی زکوٰۃ دُرُست طریقے سے مُستحقِ زکوٰۃ کو مالک بنا کر دے۔

چنانچہ فقہائے کرام فرماتے ہیں: "هي تمليك جزء مال عينه الشارع من مسلم فقير غير هاشمي ولا مولاه مع قطع المنفعة عن الملك من كل وجه لله تعالیٰ" یعنی زکوٰۃ شریعت میں اللہ تعالیٰ کے لئے مال کے ایک حصہ کا جو شرع نے مقرر کیا ہے مسلمان فقیر کو مالک کر دینا ہے اور وہ فقیر نہ ہاشمی ہو نہ ہاشمی کا آزاد کردہ غلام اور اپنا نفع اُس سے بالکل جدا کر لے۔"

(تنویرالابصار، صفحہ 203 تا 206، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں، "زکوٰۃ میں روپے وغیرہ کے عوض بازار کے بھاؤ سے اُس قیمت کا غلّہ مکّا وغیرہ محتاج کو دے کر بہ نیتِ زکوٰۃ مالک کر دینا جائز وکافی ہے، زکوٰۃ ادا ہو

جائے گی، مگر جس قدر چیز محتاج کی مِلک میں گئی بازار کے بھاؤ سے جو قیمت اس کی ہے وہی مُجرا ہوگی بالائی خرچ محسُوب نہ ہوں گے۔" مزید فرماتے ہیں: "عوض زرِ زکوٰۃ کے محتاجوں کو کپڑے بنا دینا، انہیں کھانا دے دینا جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہو جائیگی خاص روپیہ ہی دینا واجب نہیں مگر ادائے زکوٰۃ کے معنی یہ ہیں کہ اُس قدر مال کا محتاجوں کو مالک کر دیا جائے۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 69 تا 70، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

29 شوال المکرم 1428ھ 11 نومبر 2007ء

فلاحی تنظیم کا زکوٰۃ صرف کرنے کا دُرست طریقہ

فتویٰ 343
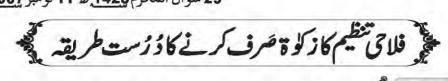
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری قوم کچھی مسلم سومرہ جماعت جو کہ لگ بھگ 2000 ممبران پر مشتمل ہے ہماری قوم میں قربانی کی کھالوں کا سسٹم کچھ یوں ہے کہ ہماری قوم میں 18 گھرانے ایسے ہیں جو زکوٰۃ کے مستحق ہیں جن کو ہماری جماعت ماہوار 1000 روپے ادا کرتی ہے اس کے علاوہ قوم میں کسی کا حادثہ، بیماری یا شادی وغیرہ میں بھی ہماری جماعت قوم کی قربانی کی کھالوں کے پیسوں سے مدد کرتی ہے۔ ہماری جماعت نے اس سال پہلی مرتبہ زکوٰۃ کی بھی وصول کی ہے ایک پروگرام کے تحت پوری قوم کو جمع کیا گیا اور ان 18 گھرانوں کو خودکفیل کرنے کے لئے جماعت سے زکوٰۃ فطرہ وصدقات کا تقاضہ کیا گیا جس کے تحت قوم نے 3,03590 روپے زکوٰۃ کی مد میں جماعت کو دیئے۔ بھری جماعت میں جماعت کے عہدہ داروں نے یہ وعدہ کیا کہ ان 18 گھرانوں کو خودکفیل کر دیں گے تاکہ وہ زکوٰۃ دینے والے بن جائیں۔

ہماری رہنمائی فرمائیں کہ زکوٰۃ اور قربانی کی کھالوں کے پیسوں کا شرعی طریقہ استعمال کیا ہے؟ نیز یہ زکوٰۃ جو ہم نے قوم سے 18 گھرانوں کے نام پر سے وصول کی ہے کیا اس رقم کا استعمال ان لوگوں کے علاوہ کسی اور فرد پر کر سکتے ہیں؟

سائل: ابوبکر سومرو (لیاری، کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

ہمارے عرف میں فلاحی تنظیمیں جوزکوٰۃ کی وصولی کا کام کرتی ہیں وہ زکوٰۃ دینے والوں کی وکیل ہوتی ہیں لہٰذا درست طریقے سے ادائیگی کرنا ان کے ذمہ لازم ہے ادائیگی زکوٰۃ کے سلسلے میں چند باتوں کو مدنظر رکھا جائے۔

پہلی یہ کہ جن افراد کوزکوٰۃ دی جائے ان کا مستحق ہونا ضروری ہے یعنی وہ مالی حیثیت سے اتنے کمزور ہوں کہ شرعی فقیر قرار پائیں، اور مستحق زکوٰۃ کے لئے جو مالی معیار شریعت نے مقرر فرمایا ہے وہ یہ ہے کہ اس کے پاس کم از کم یا ساڑھے باون تولہ چاندی، یا ساڑھے باون تولہ چاندی کی مالیت کے برابر روپے پیسے، مالِ تجارت یا کسی بھی قسم کا سامان حاجتِ اصلیہ کے علاوہ نہ ہو۔

دوسری چیز یہ پیش نظر رہے کہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرعی فقیر کواس کا مالک بنانا ضروری ہے، اگر فقیر کو مالک نہ بنایا بلکہ اپنے طور پراس پر زکوٰۃ کا پیسہ خرچ کر دیا مثلاً اس کی میڈیکل فیس یا اس کے بچوں کی اسکول فیس وغیرہ بذاتِ خود ادا کر دی تو اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔ لہٰذا جب بھی کسی فقیر کوزکوٰۃ دیں تو مال اس کی ملکیت میں دے دیں کہ وہ جہاں چاہے خرچ کرے۔

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”زکوٰۃ کا رکن تملیکِ فقیر ہے جس کام میں فقیر کی تملیک نہ ہو کیسا ہی کارِ حسن ہو جیسے تعمیر مسجد یا تکفینِ میت یا تنخواہِ مدرسانِ علمِ دین، اس سے زکوٰۃ نہیں ادا ہو سکتی۔“

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 269، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

البتہ قربانی کی کھالوں کا شرعی فقیر کو مالک بنانا ضروری نہیں بلکہ یہ ہر نیک کام میں استعمال کی جاسکتی ہیں۔

حدیث پاک میں قربانی کے گوشت اور کھال وغیرہ کا حکم یہ ارشاد ہوا: ”کلوا و ادخروا و اتجروا“ ترجمہ: کھاؤ، ذخیرہ کرو اور نیکی کا کام کرو۔

(ابو داود، صفحہ ۱۳۲، جلد ۳، حدیث ۲۸۱۳، داراحیاء التراث العربی بیروت)

اعلیٰ حضرت امام اہلسنت مولانا شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فرماتے ہیں: ”قربانی کا چمڑا کچھ خاص

حقِ فقراء نہیں ہر کارِ ثواب میں صرف ہوسکتا ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 505، جلد 20، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

لہٰذا قربانی کی کھالوں کو جماعت کے تحت کئے جانے والے دیگر نیک کام مثلاً غریبوں کی امداد و علاج، مسجد یا اسپتال کی تعمیر وغیرہ کاموں میں خرچ کیا جاسکتا ہے۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

26 ذو الحجۃ الحرام 1432ھ 23 نومبر 2011ء

فلاحی اِداروں میں زکوٰۃ دینا کب جائز ہے؟
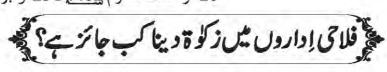
فتویٰ 344

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا کسی ایسے فلاحی اِدارے یا کسی انجمن میں اپنے اَموال کی زکوٰۃ و صدقات وغیرہ دے سکتے ہیں جو غریب لوگوں کی مدد کے لئے بنائی گئی ہو، ٹینٹ وغیرہ کا سامان غریب بچیوں کی شادیوں، محافل اور کسی کے انتقال پر انہیں مفت دیا جائے اور لوگوں کی مالی مدد کی جائے اور اس کے علاوہ بھی نیک کام ان اَموال کے ذریعے سے کئے جاتے ہوں جبکہ یہ سب کام بھی وہ شرعی حیلہ کے تحت کرتے ہوں؟ اور اگر نہیں دے سکتے تو پھر اس کا جائز طریقہ کیا ہوسکتا ہے؟

سائل: محمد زمان علی عطاری قادری (فیصل آباد)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ اور صدقاتِ واجبہ وغیرہ کسی بھی جگہ حیلہ کرکے خرچ کرنے کے لئے ایک بنیادی حکم یہ ہے کہ حیلہ کرنا فقط ضرورت کے وقت جائز ہوتا ہے اور بلاضرورت ناجائز ہے، لہٰذا فی زمانہ فلاحی اِداروں یا کسی انجمن کو زکوٰۃ

وصدقاتِ واجبہ وغیرہ دینے کی اجازت بھی فقط اسی صورت میں ہوگی جب یہ انہیں ضرورت کی جگہوں پر خرچ کرتے ہوں لیکن فی زمانہ جس طرح بعض فلاحی اِدارے بلاضرورت بھی کثیر اَخراجات کرتے رہتے ہیں جیسے کسی کی شادی میں بلاضرورت لاکھوں روپیہ خرچ کردینا، محض دنیوی تعلیم کے حصول کے لئے کثیر خرچہ جات کرکے بیرون ملک کافروں کے ہاں کسی کو پڑھنے کے لئے بھیج دینا وغیرہ وغیرہ، ایسے کاموں کے لئے حیلہ کرنا جائز نہیں لہٰذا صرف اہم ضروریات میں خرچ کرنے کے لئے حیلہ کیا جاسکتا ہے ورنہ نہیں۔

اور صدقاتِ نافلہ وغیرہ جو اللہ کی راہ میں دیئے جاتے ہیں وہ بغیر کسی حیلہ کے کسی بھی فلاحی اِدارے کو دے سکتے ہیں، کیونکہ ان میں تَملِیک شرط نہیں ہوتی لیکن ان میں بھی یہ ضروری ہے کہ دینے والے نے جس طرح کے کام میں خرچ کرنے کا کہہ دیا ہو اسی طرح کے کام میں خرچ کئے جائیں اور اس کے علاوہ میں انہیں استعمال نہ کیا جائے کہ یہ جائز نہیں۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابو الفیضان عرفان احمد مدنی

26 شعبان المعظم **1433**ھ **17** جولائی **2012**ء

الجواب صحیح

ابو الصالح محمد قاسم القادری

اعلیٰ حضرت۔۔۔امامِ علم وحکمت

اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحمَۃُ رَبِّ الْعِزَّۃ نماز کے بعد دہلی (ہند) کی ایک مسجد میں مشغولِ وظیفہ تھے۔ایک صاحب آئے اور آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قریب ہی نماز پڑھنے لگے۔جب تک قیام میں رہے مسجد کی دیوار کو دیکھتے رہے، رُکوع میں بھی سر اوپر اٹھا کر سامنے دیوار ہی کی طرف نظر رکھی۔جب وہ نماز سے فارغ ہوئے تو اس وقت تک اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحمَۃُ رَبِّ الْعِزَّۃ بھی اپنا وظیفہ مکمل کرچکے تھے۔آپ رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے انہیں اپنے پاس بلا کر شرعی مسئلہ سمجھایا کہ ''نماز میں کس کس حالت میں کہاں کہاں نگاہ ہونی چاہئے۔''

پھر فرمایا: ''بحالتِ رُکوع نگاہ پاؤں پر ہونی چاہئے۔'' یہ سنتے ہی وہ صاحب قابو سے باہر ہوگئے اور کہنے لگے: ''واہ صاحب! بڑے مولانا بنتے ہو،نماز میں قبلہ کی طرف منہ ہونا ضروری ہے اور تم میرا منہ قبلہ سے پھیرنا چاہتے ہو!'' یہ سن کر اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحمَۃُ رَبِّ الْعِزَّۃ نے ان کی سمجھ کے مطابق کلام کرتے ہوئے فرمایا: ''پھر تو سجدہ میں بھی پیشانی کے بجائے ٹھوڑی زمین پر لگایئے!'' یہ حکمت بھرا جملہ سن کر وہ بالکل خاموش ہوگئے اور ان کی سمجھ میں یہ بات آگئی کہ ''قبلہ رُو ہونے کا مطلب یہ نہیں کہ اوّل تا آخر قبلہ کی طرف منہ کرکے دیوار کو دیکھا جائے، بلکہ صحیح مسئلہ وہی ہے جو اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحمَۃُ رَبِّ الْعِزَّۃ نے بیان فرمایا۔

(ماخوذ از حیاتِ اعلیٰ حضرت، ج ۱، ص ۳۰۳)

باب خامس: زکوٰۃ کی وصولی اور استعمال

فصل/عنوان 21

مدارس اور مسائلِ زکوٰۃ

مدرسے میں زکوٰۃ استعمال کرنے کا ایک غلط طریقہ

فتویٰ 345

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مدرسہ میں بچوں کو حفظ وناظرہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔ 50 روپے ماہانہ اس کی فیس بھی ہے جس سے مدرسہ کے اخراجات وغیرہ پورے کئے جاتے ہیں اور جو کمی ہو وہ زکوٰۃ وفطرہ کی رقم لے کر پوری کی جاتی ہے لیکن دارُ العلوم کیلئے لی جانے والی زکوٰۃ وفطرہ کی رقم بغیر حیلۂ شرعیہ کے خرچ کی جاتی ہے جبکہ اس میں نہ مسافر طلبہ ہیں نہ ہی مساکین طلبہ، اور نہ ہی یہ مدرسہ رہائشی ہے۔ کیا اس طرح زکوٰۃ کی رقم اس پر خرچ کرنا درست ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو پھر کوئی دُرست راہ بھی ارشاد فرمادیں۔ نیز اب تک بغیر حیلۂ شرعیہ کے استعمال کی جانے والی زکوٰۃ کی رقم کے متعلق کیا حکم ہے؟

سائل: محمد کلیم صدیقی عطاری (اورنگی ٹاؤن، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے مصارفِ زکوٰۃ میں سے کسی کو مالِ زکوٰۃ کا مالک بنانا شرط ہے، اگر بغیر تملیک کے زکوٰۃ مدرسہ کے کام میں صرف کردی تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّ مُخْتَار میں ہے: ''یشترط ان یکون الصرف تملیکا لا اباحۃ''یعنی زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرط یہ ہے کہ یہ زکوٰۃ دینا مالک بنانے کے طور پر ہو، نہ کہ فقط مباح کرنے کے طور پر۔
(تنویر الابصار مع الدرالمختار، صفحہ 341، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

لہٰذا مستحقِ زکوٰۃ کو مالک بنائے بغیر براہِ راست مدرسہ کے کاموں میں صَرف نہیں کر سکتے اور نہ اس طرح زکوٰۃ ادا ہوگی اور غلط استعمال کرنے کے سبب ذِمّہ دار پر تاوان آئے گا۔

صَدرُالشَّرِیْعَہ، بَدرُالطَّرِیْقَہ مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُاللّٰہِ الْقَوِی ارشاد فرماتے ہیں: ''بہت سے لوگ اسلامی مدارِس میں مالِ زکوٰۃ بھیج دیتے ہیں ان کو چاہیے کہ متولیٔ مدرسہ کو اطلاع دیں کہ یہ مالِ زکوٰۃ ہے تاکہ متولی اس مال کو جدا رکھے اور دوسرے مال میں نہ ملائے اور غریب طلبہ پر صَرف کرے کسی کام کی اُجرت نہ دے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔''
(بہارِ شریعت، صفحہ 926، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

واضح رہے کہ وہ مدارس جن میں صرف محلے کے بچے پڑھتے ہیں اس کی ذِمّہ داری محلے والوں پر ہے کہ نفلی عطیات و چندے سے اس کے اَخراجات پورے کریں اگر اہلِ محلّہ کی زکوٰۃ اس طرح کے مدارس پر خرچ ہوگی تو یہ زکوٰۃ اپنے ہی اوپر خرچ کرنے کے مترادف ہے لہٰذا یہاں حیلہ کے باوجود زکوٰۃ استعمال نہ کی جائے۔

البتہ غریب علاقوں کے محلوں کے مدارِس کہ جہاں زکوٰۃ دیے بغیر کفایت نہ ہوتی ہو وہاں حیلۂ شَرْعِیَّہ کے بعد زکوٰۃ صرف کی جاسکتی ہے یوں ہی غیر رہائشی بڑے مدارِس جہاں کثیر طلبہ اور متعدد اساتذہ ہوں اور زکوٰۃ کے بغیر ضروری اَخراجات پورے نہ ہوتے ہوں وہاں بھی حیلۂ شَرْعِیَّہ کے بعد زکوٰۃ استعمال ہو سکتی ہے۔

مدرسہ کے کاموں میں صَرف کرنے کیلئے حیلۂ شَرْعِیَّہ یہ ہے کہ مدرسہ کی زکوٰۃ وصولی کرنے والے زکوٰۃ، فطرہ یا دیگر صدقاتِ واجبہ کو کسی ایسے شخص کو دے کر جو نہ مالکِ نصاب ہو اور نہ سیّد ہو مالک بنا دیں وہ اس مال پر قبضہ کرلے پھر وہ شخص اپنی خوشی سے مدرسہ اَخراجات کیلئے رقم وقف کردے۔

دُرِّ مُخْتَار میں ہے: ''ان الحیلۃ ان یتصدق علی الفقیر ثم یامرہ بفعل ھذہ الاشیاء'' یعنی اس کا حیلہ یہ ہے کہ کوئی شخص مال کو فقیر پر صدقہ کرے پھر وہ فقیر کو ان چیزوں کے کرنے کا حکم دے۔
(درمختار، صفحہ 343، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

اس طرح زکوٰۃ بھی ادا ہو جائیگی اور فریقین کو ثواب بھی ملے گا (اِنْ شَآءَ اللّٰہ عَزَّوَجَلَّ) کما فی الرد المحتار تحت العبارۃ المذکورۃ۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِمِ القَادِرِی

24 شعبان المعظم 1427ھ 18 ستمبر 2006ء

مالِ زکوٰۃ وفطرہ سے مدرسے کی تعمیرات کرنا کیسا؟

فتویٰ 346

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ گزشتہ سال ہمارے محلے کی مسجد کے امام صاحب نے یہ اعلان کیا تھا کہ زکوٰۃ، فطرہ اور قربانی کے جانور کی کھالیں وہاں دی جائیں جہاں مدرسے کے طلبا مقیم ہوں اور وہاں ان کے لئے کھانا وغیرہ بنانے کی جگہ موجود ہو۔ ہمارے محلے کی مسجد کے مدرسے میں 150 سے زائد بچے زیرِ تعلیم ہیں ہم مدرسے کی مزید تعمیرات کرنا چاہتے ہیں لیکن تعمیر کے لئے ہمارے پاس فنڈ کی کمی ہے۔ زکوٰۃ فطرہ، قربانی کے جانور کی کھالوں سے مدرسے کی تعمیر کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

سائل: کامران عطاری (گولیمار، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

امام صاحب کا مطلقاً یہ کہنا بے اصل اور غلط ہے کہ زکوٰۃ فطرہ اسی مدرسہ پر خرچ ہو سکتا ہے۔

تفصیل اس مسئلہ میں یہ ہے کہ وہ مدارس جن میں صرف محلے کے بچے پڑھتے ہیں ان کی ذِمّہ داری محلے والوں پر ہے کہ نفلی عطیات وچندے سے ان کے اخراجات پورے کریں اگر اہلِ محلّہ کی زکوٰۃ اس طرح کے مدارس پر

خرچ ہوگی تو یہ زکوٰۃ اپنے ہی اوپر خرچ کرنے کے مترادف ہے لہٰذا یہاں حیلہ کے باوجود زکوٰۃ استعمال نہ کی جائے۔

البتہ غریب علاقوں کے محلوں کے مدارِس کہ جہاں زکوٰۃ دیے بغیر کفایت نہ ہوتی ہو وہاں حیلۂ شَرْعِیَّہ کے بعد زکوٰۃ صرف کی جاسکتی ہے یوں ہی غیر رہائشی بڑے مدارِس جہاں کثیر طلبہ اور متعدد اساتذہ ہوں اور زکوٰۃ کے بغیر ضروری اَخراجات پورے نہ ہوتے ہوں وہاں بھی حیلۂ شَرْعِیَّہ کے بعد زکوٰۃ استعمال ہوسکتی ہے۔

مدرسہ رہائشی ہو یا غیر رہائشی، مدرسے کی تمام ضرورتوں میں خرچ کرنے کے لئے رقم درکار ہو تو علمائے کرام نے اس کے لئے حیلۂ شرعی کی اجازت دی ہے کہ اوّلاً مستحقِ زکوٰۃ کو مالک بنا کر دے دیا جائے پھر وہ اپنی جانب سے مدرسہ کے لئے چندہ دے دے یوں تمام کاموں میں وہ رقم استعمال کرنا دُرُست ہوجائے گی، اس صورت میں بھی رہائشی وغیر رہائشی کا فرق نہیں اور قربانی کی کھالوں میں تملیکِ فقیر بھی ضروری نہیں، مسجد مدرسہ یا کسی بھی نیک وجائز کام میں دی جاسکتی ہے غیر رہائشی مدرسہ کی تعمیر وغیرہ کے لئے بطورِ چندہ بھی دی جاسکتی ہے۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــه

المتخصص فی الفقه الاسلامی

محمد طارق رضا العطاری المدنی

الجواب صحیح

عبدہٗ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

28 شعبان المعظم 1430ھ 20 اگست 2009ء

مدارِس کا گورنمنٹ سے زکوٰۃ فنڈ لینا کیسا؟

فتویٰ 347

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حکومتِ پاکستان کی زکوٰۃ کمیٹی کی طرف سے ماہانہ تعلیمی وظیفہ برائے طلبہ جو مدارِس لینا چاہتے ہیں ان کو دیا جاتا ہے مثلاً ہر ایک طالب علم کا فارم پُر کیا جاتا ہے اس فارم پر اس کے والد کا پیشہ، تنخواہ، اور گھر کے افراد کی تعداد لکھی جاتی ہے اور اس طالب علم کو غریب لکھا جاتا ہے۔ درسِ نظامی پڑھنے والے ہر طالب علم کو ماہانہ تقریباً 350 روپے کے حساب سے اور شعبۂ حفظ میں پڑھنے والے طالب علم کو ماہانہ تقریباً 175 روپے کے حساب سے وظیفہ دیا جاتا ہے اور کچھ رقم کھانے وغیرہ کی اشیاء کے لئے علیحدہ

دی جاتی ہے، مدارس کی کمیٹی والے اس ساری رقم کو طلبہ کی خوراک، بجلی کے بل، مدرسین کی تنخواہ وغیرہ میں خرچ کرتے ہیں، معلوم یہ کرنا ہے کہ کیا حکومتِ پاکستان کی طرف سے یہ رقم لینا جائز ہے؟ اور اگر جائز ہے تو اس رقم کو خرچ کرنے کا جائز طریقہ کیا ہے وہ بھی ارشاد فرمائیں؟　　　سائل: محمد جاوید اقبال عطاری و بخاری (خانیوال)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

دارُالافتاء اہلسنّت بھیجے گئے وظیفہ فارم کے مطابق طلبہ کو ملنے والا وظیفہ اگر زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ سے ہے تو اس کے بارے میں درج ذیل حکم ہے۔

﴿1﴾ طالب علم اگر غنی کا نابالغ بچہ ہو تو اسے نہیں دے سکتے۔

جیسا کہ فَتَاوٰی عَالَمْگِیْرِی میں ہے: ”ولا یجوز دفعها الی ولد الغنی الصغیر کذا فی التبیین“ ترجمہ: غنی کے چھوٹے یعنی نابالغ بچے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں جیسا کہ تبیین میں ہے۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 189، جلد 1، دارالفکر بیروت)

صَدرُ الشَّرِیْعَه مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ”غنی مرد کے نابالغ بچّے کو بھی نہیں دے سکتے۔“

(بہارِ شریعت، صفحہ 929، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

﴿2﴾ اور غنی کے بالغ فقیر بچے کو دے سکتے ہیں۔

جیسا کہ فَتَاوٰی عَالَمْگِیْرِی میں ہے: ”ولو کان کبیرا فقیرا جاز“ ترجمہ: اور اگر اولاد بڑی یعنی بالغ فقیر ہو تو اس کا زکوٰۃ لینا جائز ہے۔　(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 189، جلد 1، دارالفکر بیروت)

صَدرُ الشَّرِیْعَه مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ”اور غنی کی بالغ اولاد کو دے سکتے ہیں جب کہ فقیر ہوں۔“

(بہارِ شریعت، صفحہ 929، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

﴿3﴾ اور طالب علم اگر بالغ غنی ہو اگرچہ اس کا باپ فقیر ہو تو اسے بھی نہیں دے سکتے۔

فَتَاوٰی عَالَمْگِیْرِی میں ہے: ”ولا یجوز دفع الزکاة الی من یملك نصاباً......فاضلاً عن

حاجته فی جمیع السنة ھکذا فی الزاھدی ''(ملتقطاً)

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 189 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

صَدرُ الشَّرِیْعَہ مفتی محمد امجد علی اعظمی صاحب رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: ''جو شخص مالکِ نصاب ہو......ایسے کو زکوٰۃ دینا جائز نہیں۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 928 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

﴿4﴾ اور طالب علم اگر بالغ فقیر ہو تو اسے دے سکتے ہیں لیکن اگر وہ کسی وقت غنی ہو گیا تو اب اس کا لینا بھی جائز نہیں ہو گا۔

جیسا کہ فَتَاوٰی عَالَمْگِیْرِی میں ہے: ''ویجوز دفعھا الی من یملك اقل من النصاب و ان کان صحیحاً مکتسباً کذا فی الزاھدی'' (فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 189 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

اُوپر بیان کی گئی تفصیل کے مطابق جہاں طلبا کا زکوٰۃ لینا جائز ہے وہ صورت پائی گئی تو وہ زکوٰۃ کے حق دار ہیں اور ایسی صورت میں چونکہ فارم ان کے لئے بھرا گیا ہے اور زکوٰۃ دینے والوں نے ان کو دی ہے تو مدرسہ انتظامیہ کو جائز نہیں کہ وہ اس رقم کو مدرسہ کے مصارِف میں خرچ کرے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــه

المتخصص فی الفقه الاسلامی

ابو الفیضان عرفان احمد مدنی

21 شعبان المعظم 1429ھ 23 اگست 2007ء

الجواب صحیح

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلقَادِرِی

مالِ زکوٰۃ سے کرایہ یا فیس ادا کرنا کیسا؟

فتویٰ 348

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین ان مسائل کے بارے میں کہ

﴿1﴾ کیا زکوٰۃ کی رقم سے مدرسہ کی بلڈنگ کا کرایہ دیا جا سکتا ہے؟

﴿2﴾ کیا مستحق بچے کی فیس کو انتظامیہ بلاواسطہ لے سکتی ہے؟ یعنی زکوٰۃ و فطرہ کی رقم ہے اس میں سے بچے کی فیس

نکال لے۔

سائل: محمد اصغر (مرکز الاولیاء لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ زکوٰۃ، فطرہ اور کفارہ وغیرہ جو صدقاتِ واجبہ ہوتے ہیں اس میں فقیر کو مالک بنانا شرط ہے۔

چنانچہ بَدائِعُ الصَّنائِع میں ہے: ”فركن الزكاة: هو إخراج جزء من النصاب إلى الله تعالى، وتسليم ذلك إليه يقطع المالك يده عنه بتمليكه من الفقير وتسليمه إليه، أو إلى يد من هو نائب عنه وهو المصدق، والملك للفقير يثبت من الله تعالى وصاحب المال نائب عن الله تعالى فى التمليك والتسليم إلى الفقير، والدليل على ذلك قوله تعالى ﴿اَلَمْ یَعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ هُوَ یَقْبَلُ التَّوْبَةَ عَنْ عِبَادِهٖ وَ یَاْخُذُ الصَّدَقٰتِ﴾ وقول النبى صلى الله عليه وسلم: ”الصدقة تقع فى يد الرحمن قبل أن تقع فى كف الفقير“ وقد أمر الله تعالى الملاك بإيتاء الزكاة لقوله عزوجل ﴿وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ﴾ والإيتاء هو التمليك“ ترجمہ: زکوٰۃ کا رکن اسے نصاب میں سے نکال کر اللہ کی راہ میں دینا ہے اور فقیر یا اس کے نائب کو دے کر اس کا مالک کر دینے سے دینے والے کی مِلکیّت ختم ہو جاتی ہے اور فقیر ان پیسوں کا مالک بن جاتا ہے۔ فقیر کی مِلکیّت اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے ثابت ہو جاتی ہے اور صاحبِ مال زکوٰۃ فقیر کے قبضہ میں دینے اور مالک بنانے میں اللہ عَزَّوَجَلَّ کی طرف سے نائب ہوتا ہے۔ اس پر دلیل اللہ عَزَّوَجَلَّ کا یہ ارشاد ہے: ”کیا انہیں خبر نہیں کہ اللہ ہی اپنے بندوں کی توبہ قبول کرتا اور صدقے خود اپنے دستِ قدرت میں لیتا ہے۔“ اور رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کا فرمان ہے: ”صدقہ فقیر کے ہاتھ میں آنے سے پہلے اللہ عَزَّوَجَلَّ کے دستِ قدرت میں ہوتا ہے۔“ اللہ عَزَّوَجَلَّ نے مالکوں کو زکوٰۃ دینے کا حکم ارشاد فرمایا: ”اور زکوٰۃ دو“ اور دینے سے مراد فقیر کو مالک بنانا ہے۔

(بدائع الصنائع، صفحہ 142، جلد 2، داراحیاء التراث العربی بیروت)

لٰہذا اگر فقیر کو مالک نہ بنایا جائے تو صدقاتِ واجبہ ادا نہ ہوں گے۔ مدرسے والوں کو چاہئے کہ نفلی صدقات اور صدقاتِ واجبہ کو الگ الگ جمع کریں بعد میں صدقات واجبہ کو کسی غیر ہاشمی بالغ فقیر کی مِلکیّت کر دیں پھر وہ فقیر بخوشی مدرسہ کو واپس کر دے تو اب مدرسہ والے اس رقم سے بلڈنگ کا کرایہ اور مدرسین کی تنخواہ، کھانے پینے وغیرہ میں استعمال کر سکتے ہیں۔ بغیر حیلۂ شرعی کے صدقاتِ واجبہ ادا نہ ہوں گے اور جن لوگوں نے صدقاتِ واجبہ دیئے ہیں مدرسے والوں پر ان کا تاوان آئے گا۔

صَدرُ الشَّرِیعَہ مفتی امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تعالٰی عَلَیْہ فَتَاویٰ اَمجَدِیَہ میں لکھتے ہیں: ''زکوٰۃ میں تملیک ضرور ہے کَنزُ الدَّقَائِق میں ہے: ''ھی تملیک المال من فقیر مسلم ...... الخ'' لٰہذا بنائے مسجد و تکفین میں مالِ زکوٰۃ صَرف نہیں کیا جا سکتا۔ کَنز میں ہے: ''لا الی بناء مسجد و تکفین میت'' ...... ہاں اگر ان میں زکوٰۃ صَرف کرنا چاہے تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مالِ زکوٰۃ فقیر کو دے کر مالک کر دے پھر وہ فقیر ان اُمور میں وہ مال صَرف کرے اِنْ شَآءَ اللّٰہ تعالٰی ثواب دونوں کو ہوگا۔'' (فتاویٰ امجدیہ، صفحہ 370، جلد 1، مکتبہ رضویہ کراچی)

﴿2﴾ صدقاتِ واجبہ سے فیس نہیں نکال سکتے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ
المتخصص فی الفقہ الاسلامی
ابو احمد محمد انس رضا عطاری
20 شعبان المعظم 1430ھ 12 اگست 2009ء

الجواب صحیح
اَبُوالصَّالِح محمد قاسم القادری

مدارِس میں زکوٰۃ استعمال کرنے کا طریقہ

فتویٰ 349

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ، فطرہ مسجد سے ملحق غیر رہائشی مدرسے میں لگ سکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں لگ سکتا تو کیا کوئی ایسی صورت موجود ہے کہ جس سے مدرسۂ ہٰذا

میں زکوٰۃ، فطرہ کو استعمال کیا جاسکے؟ سائل: کامران عطاری (کورنگی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

وہ مدارس جن میں صرف محلے کے بچے پڑھتے ہیں ان کی ذِمّہ داری محلے والوں پر ہے کہ نفلی عطیات وچندے سے ان کے اُخراجات پورے کریں اگر اہل محلّہ کی زکوٰۃ اس طرح کے مدارس پر خرچ ہوگی تو یہ زکوٰۃ اپنے ہی اوپر خرچ کرنے کے مترادف ہے لہٰذا یہاں حیلہ کے باوجود زکوٰۃ استعمال نہ کی جائے۔

البتہ غریب علاقوں کے محلوں کے مدارِس کہ جہاں زکوٰۃ دیے بغیر کفایت نہ ہوتی ہو وہاں حیلۂ شَرعِیّہ کے بعد زکوٰۃ صرف کی جاسکتی ہے یوں ہی غیر رہائشی بڑے مدارِس جہاں کثیر طلبہ اور متعدد اساتذہ ہوں اور زکوٰۃ کے بغیر ضروری اُخراجات پورے نہ ہوتے ہوں وہاں بھی حیلۂ شَرعِیّہ کے بعد زکوٰۃ استعمال ہوسکتی ہے۔

مدرسہ خواہ رہائشی ہو یا غیر رہائشی، ماقبل بیان کی گئی تفصیل کے مطابق اگر ضرورت ثابت ہو تو حیلۂ شَرعِیّہ کے بعد زکوٰۃ صَرف کی جاسکتی ہے۔ البتہ اس کی تعمیر و مرمت یا مدرسین کی تنخواہوں میں زکوٰۃ وفطرے کی رقم براہِ راست نہیں لگ سکتی کیونکہ زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرعی فقیر کو مالک بنانا ضروری ہے، اس کے بغیر زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ ان کاموں میں استعمال کرنے کی صورت یہ ہے کہ زکوٰۃ وفطرے کی رقم کا شرعی فقیر کو مالک بنادیا جائے اور وہ اپنی طرف سے مدرسے کو دے دے تو پھر اس رقم کو مدرسہ کے تمام مصارِف میں استعمال کرسکتے ہیں۔

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ”مدرسہ اسلامیہ اگر صحیح اسلامیہ خاص اہلسنّت کا ہو...... تو اس میں مالِ زکوٰۃ اس شرط پر دیا جاسکتا ہے کہ مہتمم اس مال کو جُدا رکھے اور خاص تملیکِ فقیر کے مصارِف میں صَرف کرے، مدرسین یا دیگر ملازمین کی تنخواہ اس سے نہیں دی جاسکتی۔ نہ مدرسہ کی تعمیر یا مرمت یا فرش وغیرہ میں صَرف ہوسکتی ہے، نہ یہ ہوسکتا ہے کہ جن طلبہ کو مدرسہ سے کھانا دیا جاتا ہے اُس روپے سے کھانا پکا کر اُن کو کھلایا جائے کہ یہ صورتِ اباحت ہے اور زکوٰۃ میں تملیک لازم...... ہاں اگر روپیہ بہ نیتِ زکوٰۃ کسی مصرفِ زکوٰۃ کو دے کر مالک کردیں وہ اپنی طرف سے مدرسہ کو دے دے تو تنخواہِ مدرسین وملازمین وغیرہ جملہ مصارِفِ مدرسہ میں

صَرف ہوسکتا ہے۔" (ملتقطاً) (فتاوی رضویه ، صفحه 254 تا 255 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

صَدرُالشَّرِیْعَہ، بَدرُالطَّرِیقہ مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "بہت سے لوگ مالِ زکوٰۃ اسلامی مدارس میں بھیج دیتے ہیں ان کو چاہیے کہ متولّی مدرسہ کو اطلاع دیں کہ یہ مالِ زکوٰۃ ہے تاکہ متولّی اس مال کو جُدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور غریب طلباء پر صَرف کرے، کسی کام کی اُجرت میں نہ دے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔"
(بہارِ شریعت ، صفحه 926 ، جلد 1 ، مکتبة المدینه)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــہ
المتخصص فی الفقه الاسلامی
محمد سعید العطاری المدنی
17 رمضان المبارك 1430ھ 08 ستمبر 2009ء

الجواب صحیح
عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا الْعَطَّارِی عَفَا عَنْہُ الْبَارِی

مالِ زکوٰۃ سے قاعدے خرید کر بچوں کو دینا کیسا؟

فتوٰی 350

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کی رقم سے قاعدے خرید کر مدرسہ کے نابالغ طلبا کو دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی یا نہیں؟ سائل: محمد حسین (گارڈن، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

نابالغ طلبا اگر خود شرعی فقیر ہوں اور ان کے والد بھی شرعی فقیر ہوں تو ان کو قاعدے خرید کر دینے سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی جبکہ زکوٰۃ دینے والے کی اجازت سے یہ قاعدے خریدے جائیں یا دینے والا خود ہی خرید کر دے، ورنہ زکوٰۃ جمع کی تو جمع کرنے والا اگر خریدے گا تو مالِ زکوٰۃ ہلاک ہوجائے گا اسے تاوان دینا ہوگا اور اس طرح خریدے گئے قاعدے مستحقِ زکوٰۃ بچوں کو مالک بنا کر دینے سے بھی زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ البتہ اگر یہ بچے شرعی فقیر نہ ہوں یا شرعی فقیر تو ہیں لیکن ان کے والد غنی یعنی مالکِ نصاب ہوں تو ان دونوں صورتوں میں ان بچوں کو قاعدے خرید کر دینے سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

جیسا کہ دُرِّ مُختار میں ہے:"لا یصرف الی غنی ...... ولا الی طفله بخلاف ولده الکبیر" (ملتقطاً)　　(درمختار ،صفحہ 346 تا 349 ، جلد 3 ، دارالمعرفۃ بیروت)

بَدَائِعُ الصَّنَائِع میں ہے:"واما الغنا الذی یحرم به اخذ الصدقة وقبولها: فهو الذی تجب به الصدقة الفطر والاضحية "یعنی بہرحال وہ غنا جس سے صدقہ لینا اور قبول کرنا حرام ہوجاتا ہے وہ ہے جس میں صدقہ فطر دینا اور قربانی کرنا واجب ہوتا ہے۔ (بدائع الصنائع ، صفحہ 158 ، جلد 2 ، دار احیاء التراث العربی)

مزید اسی میں ہے:"لو دفع زکاة ماله الی صبی فقیر أو مجنون فقیر وقبض له ولیه أبوه أو جده أو وصیهما جاز لأن الولی یملك قبض الصدقة عنه "یعنی اگر کسی نے اپنے مال کی زکوٰۃ نابالغ فقیر یا پاگل فقیر کو دی اور ان کے ولی خواہ وہ باپ ہو یا دادا یا ان کا وصی نے اس پر قبضہ کرلیا تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اس لئے کہ ولی صدقہ پر قبضہ کرنے میں بچے کی طرف سے اختیار رکھتا ہے۔

(بدائع الصنائع ، صفحہ 143 ، جلد 2 ، دار احیاء التراث العربی)

بہارِ شریعت میں ہے:"غنی مرد کے نابالغ بچّے کو بھی (زکوٰۃ) نہیں دے سکتے اور غنی کی بالغ اولاد کو دے سکتے ہیں جب کہ فقیر ہوں یونہی غنی کے باپ کو دے سکتے ہیں جب کہ فقیر ہے۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 929 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

کتبــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
جمیل احمد غوری العطاری المدنی
03 ذو القعدہ 1431ھ 10 اکتوبر 2010ء

مدارس میں زکوٰۃ وعطیات کا استعمال

فتویٰ 351

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ مدرسے میں کچھ روپے آئے جن کو حیلہ کئے بغیر مدرسے کے مصارف میں خرچ کر دیا گیا۔ مدرسے کے فنڈ میں عطیات کی مد میں بھی کچھ روپے

موجود ہیں کیا ایسا ہوسکتا ہے کہ ان روپوں کو شرعی فقیر کو زکوٰۃ کی مد میں دے دیا جائے اور وہ مدرسے کو یہ رقم واپس کردے۔ تاکہ جس نے زکوٰۃ کے لئے پیسے دیئے تھے اس کی طرف سے زکوٰۃ ادا ہو جائے۔

سائل: عبدالقدیر یوسف (ہارون روڈ، کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ کی ادائیگی کے لئے شرعی فقیر کو مالک بنانا شرط ہے۔

جیسا کہ بہارِ شریعت میں ہے: ''بہت سے لوگ مالِ زکوٰۃ اسلامی مدارِس میں بھیج دیتے ہیں ان کو چاہیے کہ متولیٔ مدرسہ کو اطلاع دیں کہ یہ مالِ زکوٰۃ ہے تاکہ متولی اس مال کو جُدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور غریب طلبہ پر صَرف کرے، کسی کام کی اُجرت میں نہ دے ورنہ زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔

(بہارِ شریعت، صفحہ 926، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

لہٰذا جس شخص کو زکوٰۃ کے پیسے دیئے گئے اور اس نے شرعی حیلہ کئے بغیر اس رقم کو مدرسے کے مصارِف میں خرچ کر دیا تو یہ شخص اپنی جیب سے اس کا تاوان ادا کرے گا۔ اسی طریقے سے مدرسہ فنڈ میں جو رقم عطیات کی مد میں موجود ہے وہ لوگوں کی امانت ہے جس کو مدرسے کے مصارِف کو پورا کرنے کے لئے دیا یا لیا گیا ہے۔ اس رقم کو زکوٰۃ کی مد میں دینے کا ہرگز اختیار نہیں کیونکہ چندہ جس کام کے لئے جمع کیا گیا اسی میں خرچ کرنا لازم ہے۔

جیسا کہ فَتَاوٰی اَمْجَدِیَه میں ہے: ''عموماً یہ چندے صدقۂ نافلہ ہوتے ہیں...... یہ چندے جس خاص غرض سے لئے گئے ہیں اس کے غیر میں صَرف نہیں کئے جاسکتے، اگر وہ غرض پوری ہوچکی ہو تو جس نے دیئے ہیں اس کو واپس کئے جائیں۔ یا اس کی اجازت سے دوسرے کام میں خرچ کریں۔ بغیر اجازت خرچ کرنا ناجائز ہے۔''

(فتاویٰ امجدیہ، صفحہ 39، جلد 3، مکتبہ رضویہ کراچی)

واضح رہے کہ ایسے شخص کو مالی معاملات کی وہ بھی صدقاتِ واجبہ و نافلہ کی دُرست ادائیگی و حفاظت کی ذِمّہ داری نہیں دی جاسکتی، تاوان کے ساتھ ساتھ فوراً اس سے یہ ذِمّہ داری واپس لے لی جائے اور کسی ایسے شخص کو مقرر کیا

جائے جواس بارے میں ضروری مسائل جانتا ہے اوران پر دیانت داری سے عمل بھی کرتا ہو۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ
اَبُومُحَمَّد علی اصغر العطّاری المدنی
15 ذیقعدہ 1425ھ 29 دسمبر 2004ء

الجواب صحیح
محمد فاروق العطاری المدنی

سیّد کا مدرسے کی تعمیر کیلئے زکوٰۃ لینا کیسا؟

فتویٰ 352

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا سیّد صاحب لوگوں سے دینی مدرسہ کی تعمیر کیلئے زکوٰۃ لے سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

زکوٰۃ کا مال بغیر حیلۂ شرعی کے مدرسہ کی تعمیر میں لگانا جائز نہیں اس طرح سے زکوٰۃ ادا نہیں ہوتی، البتہ اس میں لگانے کیلئے پہلے شرعی فقیر کو زکوٰۃ کی رقم کا مالک بنادیں اب وہ اپنی خوشی سے مدرسہ تعمیر کیلئے وہ رقم دے دے اس طرح سے زکوٰۃ کی رقم مدرسہ میں شرعی حیلہ کرنے کے بعد لگانا جائز ہے۔

چنانچہ پوچھی گئی صورت میں مدرسہ کی تعمیر کی غرض سے سیّد صاحب بھی زکوٰۃ فطرے کی رقم جمع کرسکتے ہیں کہ اصل تو یہ ہے کہ سیّد زادے کو خود زکوٰۃ لینا جائز نہیں اور اسے دینے سے زکوٰۃ ادا بھی نہیں ہوتی لیکن مدرسہ وغیرہ کے لئے جمع کرنا اسے دینا نہیں جبکہ وہ صرف وکیل کے طور پر لے۔ وکیل سیّد وغیر سیّد دونوں بن سکتے ہیں۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ
عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا العطّاری عَفَا عَنْہُ الْبَارِی
11 شوال المکرم 1429ھ

مدارس کیلئے زکوٰۃ لینا کیسا؟

فتویٰ 353

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک مدرسہ جو کہ مسجد میں لگتا ہے اس مدرسے کی جگہ نہیں تھی مگر اب ہمیں کسی نے ایک زمین دی ہے جس کی تعمیر کے لئے ہم زکوٰۃ، فطرہ وغیرہ وصول کرنا چاہتے ہیں کیونکہ ہمارے پاس وسائل نہیں ہیں آیا یہ ہمارا زکوٰۃ، فطرہ لینا جائز ہے یا نہیں؟ جبکہ مدرسہ میں بچوں سے فیس بھی لی جاتی ہے مگر یہ فیس بھی مدرسہ کے اخراجات میں بہت مشکل سے پوری ہو پاتی ہے۔

سائل: مدرسۃ العلمیہ نور القرآن (اورنگی ٹاؤن، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

صورتِ مسئولہ میں اہلِ محلّہ ہی کی ذِمّہ داری ہے کہ وہ اپنے نفلی عطیات اور چندے سے مدرسہ کے اَخراجات پورے کریں اگر ایسا کچھ نہیں ہو پاتا اور مدرسہ کے اَخراجات کی کفایت نہیں ہوتی تو آپ اس مدرسہ کے لئے زکوٰۃ، فطرہ لے سکتے ہیں مگر اس زکوٰۃ وفطرہ کے پیسوں کو حیلۂ شرعی کے ذریعہ مدرسہ کے استعمال میں لانا ہوگا۔

حیلۂ شرعی کی تعریف: ''والحيلة له أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يأمر بعد ذلك بالصرف الى هذه الوجوه فيكون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب بناء المسجد والقنطرة'' **یعنی** حیلہ یہ ہے کہ زکوٰۃ کی مقدار فقیر پر صدقہ کرے اور اس کے بعد اسے ان کاموں میں خرچ کرنے کا کہے تو زکوٰۃ دینے والے کو زکوٰۃ کا ثواب اور فقیر کو مسجد یا پُل وغیرہ بنانے کا ثواب ملے گا۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 392، جلد 6، دار الفکر بیروت)

سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن مدارِس میں زکوٰۃ کے حیلہ کا طریقہ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ کا رکن تَملیکِ فقیر ہے جس کام میں فقیر کی تَملیک نہ ہو کیسا ہی کارِ

حسن ہو جیسے تعمیر مسجد یا تکفین میّت یا تنخواہِ مدرّسانِ علمِ دین، اس سے زکوٰۃ ادا نہیں ہو سکتی۔ مدرسۂ علم دین میں دینا چاہیں تو اس کے تین حیلے ہیں: ایک یہ کہ متولیٔ مدرسہ کو مال زکوٰۃ دے اور اسے مطّلع کردے کہ یہ مال زکوٰۃ کا ہے اسے خاص مصارفِ زکوٰۃ میں صَرف کرنا، متولی اس مال کو جُدا رکھے اور مال میں نہ ملائے اور اس سے غریب طلبہ کے کپڑے بنائے، کتابیں خرید کردے یا ان کے وظیفہ میں دے جو محض بنظرِ امداد ہو، نہ کسی کام کی اُجرت۔ دوسرے یہ کہ زکوٰۃ دینے والا کسی فقیر مصرفِ زکوٰۃ کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے اور وہ فقیر اپنی طرف سے کل یا بعض مدرسہ کی نذر کردے۔ تیسرے یہ کہ مثلاً سو روپے زکوٰۃ کے دینے ہیں اور چاہتا ہے کہ مدرسہ علم دین کی ان سے مدد کرے تو مثلاً دس سیر گیہوں کسی محتاج مصرفِ زکوٰۃ کے ہاتھ سو روپے کو بیچے اور اسے مطّلع کردے کہ یہ قیمت ادا کرنے کو تمہیں ہم ہی دیں گے تم پر اس کا بار نہ پڑے گا، وہ قبول کرلے اس کے بعد سو روپیہ بہ نیتِ زکوٰۃ اس کو دے کر قابض کردے اس کے بعد اپنے گیہوں کی قیمت میں وہ روپے اس سے لے لے اگر وہ نہ دینا چاہے تو یہ خود اس سے لے سکتا ہے کہ یہ اس کا عین حق ہے، اب یہ روپے مدرسہ میں دے دے۔ ان پچھلی دونوں صورتوں میں یہ روپیہ تنخواہِ مدرسین وغیرہ ہر کارِ مدرسہ میں صَرف ہو سکتا ہے۔ (فتاویٰ رضویہ، صفحہ 259 تا 270، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِمُ الْقَادِرِی

12 شعبان المعظم 1428ھ 26 اگست 2007ء

مالِ زکوٰۃ اور فطرے سے مسجد کی تعمیرات کرنا کیسا؟

فتویٰ 354

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہماری مسجد زلزلے کی وجہ سے شہید ہو گئی تھی اور فنڈز نہ ہونے کی وجہ سے اس کی اب تک دوبارہ تعمیر نہیں کی جاسکی اب ہم نے اس کی تعمیر شروع کی ہے فنڈز اور عطیات نہیں ہیں تو کیا اس صورت میں زکوٰۃ، صدقات و فطرات کی رقم شرعی حیلے کے ذریعے اس کی تعمیر

میں خرچ کر سکتے ہیں یا نہیں؟ سائل: محمد سہراب عباسی (تاج کمپلیکس، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

براہِ راست زکوٰۃ، فطرہ اور صدقاتِ واجبہ کی رقم مسجد میں خرچ نہیں کی جاسکتی کہ ان کے لئے تملیکِ فقیر ضروری ہے۔ البتہ اگر مسجد کو رقم کی ضرورت ہے تو کوئی شرعی فقیر اس رقم کا مالک بن کر قبضہ کرنے کے بعد اپنی طرف سے مسجد میں دے دے تو اس کو مسجد کے اَخراجات میں استعمال کرنا جائز ہے۔

فَتَاویٰ عَالَمگِیرِی میں ہے: ''إذا أراد أن يكفن ميتا عن زكوة ماله لايجوز والحيلة فيه أن يتصدق بها على فقيرمن أهل الميت ثم هو يكفن به الميت فيكون له ثواب الصدقة ولأهل الميت ثواب التكفين وكذلك فی جميع أبواب البر التی لايقع بها التمليك كعمارة المساجد وبناء القناطر...... والحيلة له أن يتصدق بمقدار زكاته على فقير ثم يأمر بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه فيكون للمتصدق ثواب الصدقة ولذلك الفقير ثواب بناء المسجد والقنطرة '' یعنی اگر کوئی شخص زکوٰۃ سے میّت کا کفن تیار کرنا چاہے تو جائز نہیں ہاں یہ حیلہ کرسکتا ہے کہ خاندانِ میّت کے کسی فقیر پر صدقہ کرے اور وہ میّت کا کفن تیار کردے تو ثواب مالک کے لئے صدقہ کا اور اہل میّت کے لئے تکفین کا ثواب ہوگا۔ اسی طرح کا حیلہ تمام اُمورِ خیر مثلاً تعمیر مسجد اور پلوں کے بنانے میں جائز ہے کہ مالک مقدارِ زکوٰۃ کے برابر کسی فقیر کو دے دے اور اسے کہے کہ تو ان اُمور پر خرچ کردے تو ثواب صدقہ کرنے والے کے لئے صدقہ کا اور بنائے مسجد و پل کا ثواب فقیر کو ہوگا۔ (ملتقطاً)

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 392، جلد 6، دارالفکر بیروت)

سیّدی اعلیٰ حضرت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن زکوٰۃ کی رقم مسجد میں خرچ کرنے کے بارے میں کئے گئے سوال کے جواب میں فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ دہندہ نے اگر زرِ زکوٰۃ مصرفِ زکوٰۃ کو دے کر اس کی تَملیک کردی تو اب اسے اختیار ہے جہاں چاہے صَرف کرے کہ زکوٰۃ اس کی تَملیک سے ادا ہوگئی، یوں

ہی اگر مزکی (زکوٰۃ دینے والے) نے زرِ زکوٰۃ اسے دیا اور ماذونِ مطلق کیا کہ اس سے جس طور پر چاہو میری زکوٰۃ ادا کردو اس نے خود بہ نیتِ زکوٰۃ لے لیا، اس کے بعد مسجد میں لگا دیا تو یہ بھی صحیح و جائز ہے، یونہی اگر مزکی نے زرِ زکوٰۃ نکال کر رکھا تو فقیر نے بے اس کی اجازت کے لے لیا اور مالک نے بعدِ اطلاع اس کا لینا جائز کر دیا اور اس کے بعد فقیر نے مسجد میں صَرف کیا تو یہ بھی صحیح ہے۔"

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 267، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

صَدرُ الشَّرِیعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی فرماتے ہیں: "زکوٰۃ میں فقیر کو مالک کرنا ضروری ہے۔ اگر تملیک نہ ہو یا فقیر کو مالک نہ کیا تو زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ لہٰذا رِفاہِ عامہ مسلمین کے لئے کتب خانہ مالِ زکوٰۃ سے جائز نہیں۔ نہ ملازمین مدرسہ کو مالِ زکوٰۃ سے تنخواہ دینا جائز کہ تنخواہ معاوضۂ عمل ہے اور زکوٰۃ عبادت خالصاً للہ تعالیٰ ہے تو معاوضہ میں نہیں دے سکتے، ہاں مدرسہ کے طلبہ کو دے سکتے ہیں جب کہ بطورِ تملیک ہو نہ بطورِ اِباحت۔ دُرِّمُختَار میں ہے: وھی تملیك خرج الاباحة فلو أطعم یتیما ناویا لزکاۃ لا یجزیه"

(فتاویٰ امجدیہ، صفحہ 371، جلد 1، مکتبہ رضویہ کراچی)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

عَبدُہُ المُذنِب فُضَیل رَضَا العَطَّارِی عَفَاعَنہُ البَارِی

24 رمضان المبارک 1430ھ 15 ستمبر 2009ء

زکوٰۃ کی رقم سے مسجد کا قرض اُتارنا کیسا؟

فتویٰ 355

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا زکوٰۃ، خیرات کی رقم حیلہ کر کے مسجد میں خرچ کر سکتے ہیں؟ یونہی اس سے مسجد کا قرض اُتار سکتے ہیں یا نہیں؟

سائل: صالح محمد عطاری (نیو کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

حیلۂ شرعی کرنے کے بعد زکوٰۃ کی رقم مسجد میں خرچ کرنے میں کوئی حرج نہیں اور اس سے مسجد کا قرض بھی اُتارا جاسکتا ہے۔

امامِ اہلسنّت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''جبکہ اس نے فقیر مصرفِ زکوٰۃ کو بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر مالک کردیا زکوٰۃ ادا ہوگئی اب وہ فقیر مسجد میں لگادے دونوں کے لئے اجرِ عظیم ہوگا، دُرِّ مُختَار میں ہے: وحیلة التکفین بها التصدق علی فقیر ثم هو یکفن، الثواب لهما وکذا فی تعمیر المسجد ''(ترجمہ: اور زکوٰۃ کی رقم سے مردے کوکفن دینے کیلئے حیلہ یہ ہے کہ کسی فقیر پر صدقہ کیا جائے پھر وہ فقیر اسے کفن دے تو دونوں کیلئے ثواب ہوگا اسی طرح مسجد کی تعمیر میں بھی یہی حیلہ ہوسکتا ہے۔)

(فتاوی رضویه، صفحه 256، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاهور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

كتبــــــــــه

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلقَادِرِی

13 رمضان المبارک 1426ھ 18 اکتوبر 2005ء

کونسا علم فرض ہے؟

امام اہل سنت مجدد دین وملت شاہ امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن فتاوی رضویہ میں فرماتے ہیں: ''حدیث: طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّمُسْلِمَۃٍ (ترجمہ: ہر مسلمان مرد وعورت پر علم حاصل کرنا فرض ہے۔) کہ بوجہ کثرت طرق وتعدد مخارج حدیث حسن ہے اس کا صریح مفاد ہر مسلمان مرد وعورت پر طلب علم کی فرضیت تو یہ صادق نہ آئے گا مگر اس علم پر جس کا تعلم فرض عین ہو، اور فرض عین نہیں مگر اس علوم کا سیکھنا جن کی طرف انسان بالفعل اپنے دین میں محتاج ہو ان کا اعم واشمل واعلی واکمل واہم واجل علم اصول وعقائد ہے، جن کے اعتقاد سے آدمی مسلمان سنی المذہب ہوتا ہے اور انکار ومخالفت سے کافر یا بدعتی، والعیاذ باللّٰہ تعالٰی۔ سب میں پہلا فرض آدمی پر اسی کا علم ہے اور اس کی طرف احتیاج میں سب یکساں، پھر علم مسائل نماز یعنی اس کے فرائض وشرائط ومفسدات جن کے جاننے سے نماز صحیح طور پر ادا کرسکے، پھر جب رمضان آئے تو مسائل صوم، مالک نصاب نامی ہو تو مسائل زکوٰۃ، صاحب استطاعت ہو تو مسائل حج، نکاح کیا چاہے تو اس کے متعلق ضروری مسئلے، تاجر ہو تو مسائل بیع وشراء، مزارع پر مسائل زراعت، موجر ومستاجر پر مسائل اجارہ، وعلی ھذا القیاس ہر اس شخص پر اس کی حالت موجودہ کے مسئلے سیکھنا فرض عین ہے۔ اور انھیں میں سے ہیں مسائل حلال وحرام کہ ہر فرد بشر ان کا محتاج ہے اور مسائل علم قلب یعنی فرائض قلبیہ مثل تواضع واخلاص وتوکل وغیر ہا اور ان کے طرق تحصیل اور محرمات باطنیہ تکبر وریاء وعجب وحسد وغیر ہا اور ان کے معالجات کہ ان کا علم بھی ہر مسلمان پر اہم فرائض سے ہے۔ جس طرح بے نماز فاسق وفاجر ومرتکب کبائر ہے یونہی بعینہ ریاء سے نماز پڑھنے والا انھیں مصیبتوں میں گرفتار ہے، نسئل اللّٰہ العفو والعافیۃ (ہم اللّٰہ تعالٰی سے عفو وعافیت کا سوال کرتے ہیں۔) تو صرف یہی علوم حدیث میں مراد ہیں وبس۔ (فتاوی رضویہ، جلد 23، صفحہ 624، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

باب خامس: زکوٰۃ کی وصولی اور استعمال

فصل/عنوان 22

حیلۂ زکوٰۃ کے مسائل

حیلہ کی شرعی حیثیت

فتویٰ 356

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ حیلہ کی شرعی حیثیت کیا ہے؟ کیا یہ قرآن وحدیث سے ثابت ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

مسلمان کا کام اللہ تعالیٰ اوراس کے رسول صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے اَحکام پر عمل پیرا ہونا ہے جس طرح حکم شریعتِ مُطَہَّرہ نے دیا ہے اس کے مطابق اس کام کو کیا جائے، شریعتِ مُطَہَّرہ نے حیلہ کی جہاں اور جس حدتک اجازت مرحمت فرمائی ہے اس پر عمل کرنا جائز ہے۔ یہاں دو باتیں ملحوظِ خاطر رہنا ضروری ہیں، اوّل: حیلہ کا جواز، دوم: حیلہ کا ضرورت کے وقت ہونا، ہم یہاں دونوں باتوں کو ذکر کرتے ہیں۔ اوّلاً حیلۂ شَرْعِیَّہ کے جواز پر جو دلائل قرآن وحدیث اور اقوالِ فقہا سے ہیں ان کو نقل کرتے ہیں پھر دوسری بات کو ذکر کریں گے کہ کب حیلۂ شَرْعِیَّہ کی اجازت ہوگی اور کب نہیں۔

حضرت سیِّدُنا ایوب عَلٰی نَبِیِّنَا وَعَلَیْہِ الصَّلٰوۃُ وَالسَّلَام نے اس بات کی قسم کھائی کہ اپنی اہلیہ کو سو لکڑیاں ماریں گے،

پھر جب آپ صحت یاب ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں جھاڑو لے کر مارو اور قسم نہ توڑو۔

اللہ عزّوجلّ قرآنِ پاک میں ارشاد فرماتا ہے:

وَخُذْ بِيَدِكَ ضِغْثًا فَاضْرِبْ بِّهٖ وَلَا تَحْنَثْ ؕ اِنَّا وَجَدْنٰهُ صَابِرًا ؕ نِعْمَ الْعَبْدُ ؕ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ ﴿۴۴﴾
(پارہ 23، ص: 44)

ترجمۂ کنز الایمان: اور فرمایا کہ اپنے ہاتھ میں ایک جھاڑو لے کر اس سے ماردے اور قسم نہ توڑ بے شک ہم نے اسے صابر پایا کیا اچھا بندہ بے شک وہ بہت رجوع لانے والا ہے۔

اسی طرح کا معاملہ حضرت سارہ اور حضرت ہاجرہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا کے درمیان پیش آیا جیسا کہ جاء الحق میں ہے: ''حضرت سارہ نے قسم کھائی تھی کہ میں قابو پاؤں گی تو حضرت ہاجرہ کا کوئی عضو قطع کروں گی، حضرت ابراہیم عَلَیْہِ السَّلَام پر وحی آئی کہ ان کی آپس میں صُلح کرادو، حضرت سارہ نے فرمایا میری قسم کیسے پوری ہو، تو ان کو تعلیم دی گئی کہ حضرت ہاجرہ کے کان چھید دیں۔'' (جاء الحق، صفحہ 308، قادری پبلشرز لاھور)

تیسری دلیل بخاری و مسلم شریف کی حدیثِ مبارکہ ہے: ''عَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِی رَضِیَ اللّٰہ تَعَالٰی عَنْہ قَالَ جَاءَ بِلَالٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم بِتَمْرٍ بَرْنِیٍّ فَقَالَ لَہُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم مِنْ اَیْنَ ھٰذَا قَالَ بِلَالٌ کَانَ عِنْدَنَا تَمْرٌ رَدِیٌّ فَبِعْتُ مِنْہُ صَاعَیْنِ بِصَاعٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عِنْدَ ذٰلِکَ اَوَّہ اَوَّہ عَیْنُ الرِّبَا عَیْنُ الرِّبَا لَا تَفْعَلْ ذٰلِکَ وَلٰکِنْ اِذَا اَرَدْتَ اَنْ تَشْتَرِیَ فَبِعِ التَّمْرَ بِبَیْعٍ آخَرَ ثُمَّ اشْتَرِ بِہٖ'' **ترجمہ:** حضرت ابوسعید خُدری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم کے پاس خُرمائے برنی لائے نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ان سے فرمایا کہ یہ تم نے کہاں سے لئے؟ بلال رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ نے عرض کی: ہمارے پاس خراب چھوہارے تھے ہم نے اس کے دو صاع کے بدلے ان کا ایک صاع خریدا۔ نبی صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: اُف اُف خاص رِبا ہے خاص رِبا ہے ایسا نہ کرو مگر جب ان کو خریدنا چاہو تو اپنے چھوہاروں کو کسی اور چیز سے بیچ کر اس شے کے بدلے ان کو خریدو۔ (صحیح بخاری، صفحہ۸۳، جلد۲، حدیث ۲۳۱۲، دار الکتب العلمیہ بیروت)

چوتھی دلیل بخاری شریف کی حدیثِ مبارکہ میں ہے کہ حضرت سیّدتُنا اُمِّ عَطِیّہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا فرماتی ہیں:

"بُعِثَ اِلٰى نُسَيْبَةَ الْاَنْصَارِيَّةِ بِشَاةٍ فَاَرْسَلَتْ اِلٰى عَائِشَةَ مِنْهَا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَكُمْ شَيْءٌ فَقَالَتْ لَا اِلَّا مَا اَرْسَلَتْ بِهٖ نُسَيْبَةُ مِنْ ذٰلِكَ الشَّاةِ فَقَالَ هَاتِ فَقَدْ بَلَغَتْ مَحِلَّهَا" ترجمہ: نُسَیْبَہ انصاریہ کو ایک بکری بھیجی گئی تو انہوں نے اس میں سے کچھ حضرت عائشہ کے پاس بھیجا، نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے حضرت عائشہ سے استفسار فرمایا کہ آپ کے پاس (کھانے کی) کوئی چیز ہے تو انہوں نے عرض کی کہ نہیں سوائے اس کے جو نُسَیْبَہ نے بکری میں سے بھیجا تھا، تو فرمایا کہ لے آؤ کیونکہ صدقہ اپنے محل کو پہنچ گیا۔ (صحیح بخاری، صفحہ ٤٨٦، جلد ١، حدیث ١٤٤٦، دارالکتب العلمیہ بیروت)

اس کی شرح عنقریب مفتی شریف الحق امجدی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ کے حوالے سے آرہی ہے کہ یہ حدیث بھی حیلۂ شَرْعِیَّہ کی اصل ہے۔

پانچویں دلیل حضرت بَرِیرہ کی حدیثِ مبارکہ ہے جسے امام بخاری رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ نے روایت کیا کہ حضرت عائشہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہَا فرماتی ہیں: "اِشْتَرَيْتُ بَرِيرَةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِشْتَرِيْهَا، فَاِنَّ الْوَلَاءَ لِمَنْ اَعْتَقَ وَاُهْدِيَ لَهَا شَاةٌ فَقَالَ: هُوَلَهَا صَدَقَةٌ، وَلَنَا هَدِيَّةٌ" یعنی میں نے بریرہ کو خریدنے کا ارادہ کیا، تو نبی کریم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ اس کو خرید لو کیونکہ ولاء اس کے لئے ہے جو آزاد کرے، مزید فرمایا کہ حضرت بریرہ کو بکری صدقہ کی گئی تو حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے ارشاد فرمایا کہ یہ ان کے لئے صدقہ ہے اور ہمارے لئے ہدیہ ہے۔ (صحیح بخاری، صفحہ ٣٢٢، جلد ٤، حدیث ٦٧٥١، دارالکتب العلمیہ بیروت)

دوسری بات جس کا ہم نے ابتدا میں ذکر کیا تھا کہ حیلۂ شَرْعِیَّہ ضرورت کے وقت کروایا جائے، آج کل ایک بہت بڑی تعداد ایسے کاموں کے لئے حیلہ کرواتی ہے جہاں حیلہ کروانا انتہائی معیوب ہے، مثلاً بہت سے لوگ دنیاوی کاموں کے لئے بھی حیلہ کرواتے ہیں بہت سے لوگ حیلہ کروا کر اپنی ہی ذات پر خرچ کرنا شروع کر دیتے ہیں (جیسا کہ عنقریب آتا ہے) ایسے کاموں کے لئے زکوٰۃ وصدقاتِ واجبہ کا حیلہ کروانے کی اجازت نہیں، لہٰذا جس کام کے لئے حیلہ کروانا ہو اُس کے لئے دَارُالافتاء اہلسنّت سے پہلے رہنمائی لے لی جائے۔

حکیم الامّت حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں: "شرعی ضرورت پوری کرنے کے

لئے شرعی حیلے جائز ہیں۔" (جاء الحق، صفحہ 307، قادری پبلشرز لاہور)

اُوپر جوامِ عطیہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھَا کی حدیث گزری اس کی شرح کرتے ہوئے نائب مفتیٔ اعظم ہند، فقیہِ اعظم ہند مفتی شریف الحق امجدی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہِ فرماتے ہیں: "حیلۂ شَرعیّہ کی یہ حدیث بھی اصل ہے۔ ضرورتِ شَرعیّہ کے وقت اس قسم کا حیلہ کرنے کی اجازت ہے .... بلاضرورتِ شَرعیّہ زکوٰۃ وفطرے کی رقم مُستحقین کے علاوہ میں صَرف کرنا سخت مذموم ہے خصوصاً غیر دینی کاموں میں۔ خصوصاً جب خود اپنے ہی اوپر یا مال داروں پر خرچ ہو۔ دین کی بقا دینی مدارِس سے ہے اور دینی مدارِس کی بقا زکوٰۃ اور فطرے پر ہے۔ میرے ابتدائی ایامِ تعلیم میں دینی مدارِس کا حال بہت ابتر تھا۔ اعلیٰ سے اعلیٰ مُدَرِّسین کی تنخواہ بیس پچیس روپے تھی مگر مدارِس وہ بھی نہیں دے پاتے تھے، سال دوسال کی تنخواہیں چڑھ جاتی تھیں۔ دینی مدارِس کا چلانا جُوئے شِیر لانے کے مرادف تھا، تو علما نے بدرجہ مجبوری حیلۂ شَرعیّہ کر کے زکوٰۃ اور فطرے کی رقم مدارِس میں صَرف کرنے کی اجازت دی، اور آج اسی کی بدولت سب سے آسان کام مدرسہ قائم کرنا اور چلانا ہو گیا ہے، لیکن کچھ دنوں سے عوام میں یہ رُجحان ہو چلا ہے کہ دنیوی مدارِس اور سوسائٹیاں چلانے کے لئے زکوٰۃ اور فطرے کی رقم وصول کرنے لگے ہیں، اس کی اجازت کسی طرح شریعت نہیں دے سکتی، یہ شرعی ضرورت نہیں بلکہ دنیوی مدارِس میں تو زکوٰۃ خود زکوٰۃ دینے والوں کے بچوں پر صَرف ہوتی ہے۔ یہ کوئی پسندیدہ بات نہیں بلکہ بہت سے ناخداترس حیلہ کر کے زکوٰۃ کی رقم خود رکھ لیتے ہیں۔ کیا زکوٰۃ اسی لئے مشروع ہوئی تھی؟ کیا زکوٰۃ کا منشاء یہی ہے؟ کیا یہ زکوٰۃ کی ادائیگی سے فرار نہیں؟ کیا یہ اصحابِ سَبت کے فعل سے مشابہ نہیں؟ انہوں نے یہی تو کیا تھا۔

(نزھۃ القاری شرح صحیح البخاری، صفحہ 921 تا 922، جلد 2، فرید بک اسٹال لاہور)

وَاللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح

عَبْدُہُ الْمُذْنِب فُضَیل رَضَا العطاری عَفَا عَنْہُ الْبَارِی

کتبہ

محمد حسان العطاری المدنی

28 رجب المرجب 1433ھ 19 جون 2012ء

حیلۂ شرعی کی وضاحت

فتویٰ 357

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید نے تقریباً 4 لاکھ روپے زکوٰۃ لوگوں کی جمع کی اور ایک شرعی فقیر سے اس کا حیلہ کروایا۔ پوچھنا یہ ہے کہ

﴿1﴾ زکوٰۃ کا اصل مَصرَف کیا ہے یعنی کس کس جگہ خرچ کر سکتے ہیں؟

﴿2﴾ جو لوگ مسجد یا مدرسہ میں زکوٰۃ کی رقم استعمال کرنے کے لئے حیلہ کراتے ہیں اس کا کیا مقصد ہوتا ہے کیا زکوٰۃ کی رقم مسجد مدرسہ میں لگ جاتی ہے؟ **سائل: بمعرفت سیّد لیاقت**

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ باجماعِ صحابہ زکوٰۃ کے مَصارِف سات ہیں یعنی: فقیر، مسکین، عامِل، رِقاب، غارِم، فی سبیل اللہ، ابن سبیل اور ان ہی سات قسم کے اشخاص میں سے کسی ایک کو بھی زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا ہو جائیگی جبکہ کوئی مانعِ شرعی نہ پایا جائے اور ان کے علاوہ کسی کو زکوٰۃ دی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

قرآن مجید میں ارشادِ ربانی ہے۔

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَ الْمَسٰكِیْنِ وَ الْعٰمِلِیْنَ عَلَیْهَا وَ الْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَ فِی الرِّقَابِ وَ الْغٰرِمِیْنَ وَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ ابْنِ السَّبِیْلِؕ (پارہ 10، التوبۃ: 60)

ترجمۂ کنز الایمان: زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے الفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو۔

صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا سیّد محمد نعیم الدین مراد آبادی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ مذکورہ آیتِ مبارکہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ”زکوٰۃ کے مُستحق آٹھ قسم کے لوگ قرار دیئے گئے ہیں ان میں سے مُؤَلَّفَۃُ الْقُلُوب باجماعِ صحابہ

ساقط ہو گئے کیونکہ جب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسلام کو غلبہ دیا تو اب اس کی حاجت نہ رہی یہ اجماع زمانہ صدیق میں منعقد ہوا۔ (تفسیر خزائن العرفان ، صفحہ 369 ، مکتبۃ المدینہ)

بہارِ شریعت میں ہے: ”زکوۃ کے مصارف سات ہیں (1) فقیر (2) مسکین (3) عامِل (4) رِقاب (5) غارِم (6) فی سبیل اللہ (7) ابنِ سبیل۔“ (بہارِ شریعت ، صفحہ 923 تا 924 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

﴿2﴾ ہمارے ہاں بہت ساری جگہوں پر مسجد و مدرسہ کی تعمیر میں رکاوٹ ہوتی ہے محض چندے سے پورا کام مکمل ہونا دشوار ہوتا ہے اس بنا پر جو لوگ مدرسہ یا مسجد کے استعمال کے لئے حیلہ کراتے ہیں ان کا مقصد یہی ہوتا ہے کہ زکوۃ کی ادائیگی کے لئے مالک بنانا شرط ہے اور مسجد و مدرسہ کو براہِ راست زکوۃ دی جائے تو مالک بنانا نہیں پایا جاتا اس لئے پہلے شرعی فقیر کو دے کر مالک بنا دیا جاتا ہے پھر وہ بخوشی مسجد یا مدرسہ کے لئے وہ رقم بطورِ چندہ دے دیتا ہے اب یہ رقم مسجد یا مدرسہ پر خرچ ہو سکتی ہے کیونکہ اب یہ زکوۃ نہ رہی بلکہ چندہ کی حیثیت سے لی گئی ہے۔

سیّدی اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ الرَّحْمَہ زکوۃ کی رقم حیلہ کر کے مسجد و مدرسہ کے کاموں میں لگانے کے بارے میں فرماتے ہیں: ”ذَخِیرَہ وَہِندِیَہ میں ہے: اذا أراد أن يكفن ميتا عن زكوة ماله لا يجوز والحيلة أن يتصدق بها على فقير من أهل الميت ثم هو يكفن به فيكون له ثواب الصدقة ولأهل الميت ثواب التكفين وكذلك في جميع ابواب البر كعمارة المساجد و بناء القناطير والحيلة أن يتصدق بمقدار زكوته على فقير ثم يامره بالصرف الى هذه الوجوه فيكون للمتصدق ثواب الصدقة والفقير ثواب بناء المسجد والقنطرة ملخصًا (ترجمہ: اگر کوئی شخص زکوۃ سے میّت کا کفن تیار کرنا چاہے تو جائز نہیں ہاں یہ حیلہ کر سکتا ہے کہ خاندانِ میّت کے کسی فقیر پر صدقہ کر دے اور وہ میّت کا کفن تیار کر دے تو اب مالک کے لئے صدقے کا اور اہلِ میّت کے لئے تکفین کا ثواب ہوگا اسی طرح کا حیلہ تمام اُمورِ خیر مثلاً تعمیرِ مساجد اور پلوں کے بنانے میں جائز ہے کہ مالک مقدارِ زکوۃ کے برابر کسی فقیر کو دے دے اور اسے کہے کہ تو ان اُمور پر خرچ کر دے تو اب صدقہ کرنے والے کے لئے صدقہ کا اور بنائے مسجد و پل کا ثواب فقیر کو ہوگا۔)“ (فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 106 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

بہارِ شریعت میں ہے: ”زکوۃ ادا کرنے میں یہ ضرور ہے کہ جسے دیں مالک بنا دیں ، اِباحت کافی نہیں ، لہٰذا مالِ زکوۃ مسجد میں صَرف کرنا یا اُس سے میّت کو کفن دینا یا میّت کا دَین ادا کرنا یا غلام آزاد کرنا ، پُل ، سرا ، سقایہ ، سڑک

بنوا دینا، نہر یا کنواں کھدوا دینا ان افعال میں خرچ کرنا یا کتاب وغیرہ کوئی چیز خرید کر وقف کر دینا نا کافی ہے۔"
(بہارِ شریعت ، صفحہ 927 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبہ
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی
6 ذی الحجۃ الحرام 1427ھ 28 دسمبر 2006ء

حیلہ شرعی کا طریقہ

فتویٰ 358

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میں ایک رفاہی ادارے میں کیشیر ہوں ہمارا ادارہ زکوٰۃ جمع کرتا ہے اس کا حیلہ کر کے کلرکوں کو مشاہرہ بھی دیا جاتا ہے سوال یہ ہے کہ میں بھی شرعی فقیر ہوں کیا میں جمع ہونے والی زکوٰۃ کا حیلہ اپنے ساتھ کر سکتا ہوں؟ جب کہ ادارے کے سربراہان نے بھی اجازت دی ہے کہ زکوٰۃ کا حیلہ کر لے پھر استعمال کریں جواب جلد عطا فرمائیں۔

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

حیلہ شرعی کے لئے ضروری ہے کہ کسی شرعی فقیر کی مِلک کر دیا جائے اور وہ اپنی مرضی سے کارِ خیر کے لئے دے دے تو اس طرح شرعی فقیر بھی ثواب کا مستحق قرار پائے گا لہٰذا آپ اگر واقعی شرعی فقیر ہیں تو آپ بھی شرعی حیلہ کر سکتے ہیں اس میں کوئی حرج نہیں۔ لیکن یہ اس صورت میں کہ آپ زکوٰۃ دینے والوں کی طرف سے وکیل نہ ہوں۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ
ابو الصالح محمد قاسم القادری
2 جمادی الاولی 1427ھ 30 مئی 2006ء

زکوٰۃ کے کپڑوں کا حیلہ

فتویٰ 359

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کے کپڑوں کا حیلہ ہوسکتا ہے یا نہیں؟

سائلہ: بنتِ محمد حسین

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

ہوسکتا ہے کیونکہ مستحقِ زکوٰۃ کو خاص رقم دینا ہی ضروری نہیں، کپڑے وغیرہ بھی دے سکتے ہیں۔

چنانچہ سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں، ''عوض زرِ زکوٰۃ کے محتاجوں کو کپڑے بنا دینا، انھیں کھانا دے دینا جائز ہے اور اس سے زکوٰۃ ادا ہوجائیگی خاص روپیہ ہی دینا واجب نہیں مگر ادائے زکوٰۃ کے معنی یہ ہیں کہ اُس قدر مال کا محتاجوں کو مالک کردیا جائے۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 70، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

بہارِ شریعت میں ہے: ''روپے کے عوض کھانا غلّہ کپڑا وغیرہ فقیر کو دے کر مالک کردیا تو زکوٰۃ ادا ہوجائے گی، مگر اس چیز کی قیمت جو بازار بھاؤ سے ہوگی وہ زکوٰۃ میں سمجھی جائے۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 909، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

17 جمادی الثانی 1428ھ 3 جولائی 2007ء

سیّد کو زکوٰۃ کا مال دینا کیسا؟

فتویٰ 360

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا کسی سیّدہ کو زکوٰۃ کی رقم دی جاسکتی ہے؟ اور اگر حیلۂ شرعی کی صورت میں ان کی زکوٰۃ کی رقم سے مدد کی جائے تو کیسا ہے؟ اور حیلہ کرنے والا گنہگار ہوگا یا نہیں؟

سائل: محمد عادل (موسیٰ کالونی، کراچی)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

کسی سیّدہ صاحبہ کو زکوٰۃ کی رقم ہرگز نہیں دے سکتے کہ زکوٰۃ لوگوں کے اَموال کا مَیل ہے اور اس مَیل سے ساداتِ کرام وسائرِ بنی ہاشم کو دُور رکھا گیا ہے اور اگر انہیں زکوٰۃ دی بھی تو زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی۔

جیسا کہ امامِ اہلسنّت، مُجدِّدِ دِین وملّت، اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''زکوٰۃ ساداتِ کرام وسائرِ بنی ہاشم پر حرامِ قطعی ہے جس کی حرمت پر ہمارے ائمۂ ثلٰثہ بلکہ ائمۂ مذاہبِ اربعہ رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُمْ اَجْمَعِیْن کا اجماع قائم۔ امام شعرانی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ میزان میں فرماتے ہیں ''اتفق الأئمة الأربعة على تحريم الصدقة المفروضة على بني هاشم۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 99، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

اس کی حرمت پر سیر حاصل گفتگو فرمانے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: ''بالجملہ اصلاً محلِ شک وارتیاب نہیں کہ ساداتِ کرام وبنی ہاشم پر زکوٰۃ یقیناً حرام، نہ انھیں لینا جائز، نہ دینا جائز، نہ ان کے دیئے زکوٰۃ ادا ہو، اس میں گناہ کے سوا کچھ حاصل نہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 104، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

البتہ اگر ان میں سے کوئی واقعی محتاج ہو تو دوسرے صاف مال سے ثواب کی اُمید پر ان کی مدد کی جائے اگر کوئی اس طرح مدد کرنے والا بھی نہ ہو تو ان کے لئے شرعی حیلہ کیا جاسکتا ہے۔

جیسا کہ اس حیلہ کا بیان کرتے ہوئے امام اہلسنّت، مُجدِّدِ دین و ملّت، اعلیٰ حضرت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''اور مُتوسّط حال والے اگر مصارفِ مُستحبّہ کی وُسعت نہیں دیکھتے تو بِحَمْدِ اللہ وہ تدبیر ممکن ہے کہ زکوٰۃ کی زکوٰۃ ادا ہو اور خدمتِ سادات بھی بجا ہو یعنی کسی مسلمان مصرفِ زکوٰۃ مُعْتَمَدٌ عَلَیْہ (قابلِ اعتماد) کو کہ اس کی بات سے نہ پھرے، مالِ زکوٰۃ سے کچھ روپے بہ نیتِ زکوٰۃ دے کر مالک کر دے، پھر اس سے کہے تم اپنی طرف سے فلاں سیّد کی نَذر کر دو، اس میں دونوں مقصود حاصل ہو جائیں گے کہ زکوٰۃ تو اس فقیر کو گئی اور یہ جو سیّد نے پایا نذرانہ تھا، اس کا فرض ادا ہو گیا، اور خدمتِ سیّد کا کامل ثواب اسے اور فقیر دونوں کو ملا۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 106، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

04 ذو القعدة 1428ھ 15 نومبر 2007ء

زکوٰۃ کا اپنے لئے حیلہ کرنا جائز نہیں

فتویٰ 361

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ میں حیلہ کا طریقہ اختیار کرے اور اپنی ہی زکوٰۃ کو حیلہ کروا کر خود استعمال کرے تو کیا حکم ہے؟

سائل: بمعرفت سیّد لیاقت

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

کوئی شخص اپنی ہی زکوٰۃ کو حیلہ کر کے اپنے کام میں لائے اس کی ہرگز اجازت نہیں بلکہ ایسا کرنا حرام ہے کہ ایسا کرنا مقاصدِ شرع کے خلاف ہے۔

سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن زکوٰۃ کی رقم حیلہ کر کے اپنے کام میں لانے والوں کے بارے میں فرماتے ہیں: ''ہزاروں روپے فضول خواہش یا دنیوی آسائش یا ظاہری آرائش میں اٹھانے والے مَصارِفِ خیر میں ان حیلوں کی آڑ نہ لیں۔ مُتَوَسِّطُ الحال بھی ایسی ہی ضرورتوں کی غرض سے خالص خدا ہی کے کام میں صَرف کرنے کیلئے ان طریقوں پر اقدام کریں نہ یہ کہ معاذ اللہ ان کے ذریعے سے ادائے زکوٰۃ کا نام کر کے روپیہ اپنے خُردبُرد میں لائیں کہ یہ امر مقاصدِ شرع کے بالکل خلاف اور اس میں ایجابِ زکوٰۃ کی حکمتوں کا یکسر ابطال ہے تو گویا اس کا برتنا اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کو فریب دینا ہے۔ والعیاذ باللّٰہ رب العالمین

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 109، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

06 ذی الحجۃ الحرام 1427ھ 28 دسمبر 2006ء

بذریعہ چیک زکوٰۃ کا حیلہ کروانا کیسا؟

فتویٰ 362

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر زکوٰۃ کا حیلہ بجائے رقم کے چیک کے ذریعے کرالیا جائے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی یا نہیں؟

سائل: عبداللہ قادری

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مذکورہ میں زکوٰۃ ادا نہیں ہوگی بلکہ نقدی (رقم) کی صورت ہی میں زکوٰۃ ادا ہوگی۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

محمد فاروق العطاری المدنی

06 ذو الحجہ 1421ھ 02 مارچ 2001ء

ادائیگیٔ زکوٰۃ سے بچنے کیلئے مال تقسیم کرنا کیسا؟

فتویٰ 363

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کسی شخص کی بیوی کے پاس زیور ہو وہ زیور آدھا آدھا آپس میں تقسیم کرلیں تاکہ زکوٰۃ فرض نہ ہو تو ایسا کرنا درست ہے یا نہیں؟ سائل: محمد آصف عطاری

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

ایسا حیلہ کرنا ممنوع ومکروہ وناجائز ہے اور یہی مذہب ہمارے ائمہ کے نزدیک مختار ہے۔

چنانچہ اعلیٰ حضرت، امامِ اہلسنّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ”امام الائمہ، سراج الاُمّہ حضرت سیّدنا امامِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا مذہب بھی یہی مذہبِ امام محمد ہے کہ ایسا فعل ممنوع وبد ہے۔ غَمزُ العُیُون میں تَاتَارْخَانِیَہ سے ہے: ”کان ذلك مکروھا عند الا مام و محمد“ یعنی یہ حیلہ امامِ اعظم، اور امام محمد رَحِمَہُمَا اللّٰہُ تَعَالٰی دونوں کے نزدیک مکروہ ہے۔“

مزید فرماتے ہیں: ”خِزَانَۃُ الْمُفْتِین میں فَتَاوٰی کُبْرٰی سے ہے ”الحیلة فی ابطال الشفعة بعد ثبوتها یکره لانه ابطال لحق واجب واما قبل الثبوت فلا باس به وهوالمختار والحیلة فی منع وجوب الزکوة تکره بالاجماع (ترجمہ: ثبوت کے بعد ابطالِ شفعہ کے لئے حیلہ کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ حقِ واجب کو باطل کرنا ہے لیکن ثبوت سے پہلے حیلہ میں کوئی حرج نہیں اور یہی مختار ہے اور وُجوبِ زکوٰۃ میں رکاوٹ کے لئے حیلہ کرنا بالاجماع مکروہ ہے۔) یہاں سے ثابت کہ ہمارے تمام ائمہ کا اس کے عدمِ جواز پر اجماع ہے، حضرت امام ابویوسف بھی مکروہ رکھتے ہیں ممنوع وناجائز جانتے ہیں کہ مطلق کراہت کراہتِ تحریم کے لئے ہے خصوصاً نقل اجماع کہ یہاں ہمارے سب ائمہ کا مذہب متحد بتا رہی ہے اور شک نہیں کہ مذہبِ امامِ اعظم وامام محمد اس حیلہ کا ناجائز ہونا ہے۔“

مزید اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحْمَۃُ رَبِّ الْعِزَّت لکھتے ہیں: ”فقیر نے بچشم خود امام ابو یوسف رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کی متواتر

کتاب مُستطاب الخراج میں یہ عبارت شریفہ مطالعہ کی:قال ابویوسف رحمہ اللہ لا یحل لرجل یؤمن باللہ والیوم الا خر منع الصدقۃ و لااخراجھامن ملکہ الی ملک جماعۃ غیرہ لیفرقھا بذلک فتبطل الصدقۃ عنھا بان یصیر لکل واحد منھم من الا بل و البقر و الغنم مالا یجب فیہ الصدقۃ ولا یحتال فی ابطال الصدقۃ بوجہ ولا سبب یعنی امام ابویوسف فرماتے ہیں کسی شخص کو جواللہ وقیامت پرایمان رکھتا ہو یہ حلال نہیں کہ زکوٰۃ نہ دے یا اپنی مِلک سے دوسروں کی مِلک میں دے دے جس سے مِلک متفرق ہوجائے اور زکوٰۃ لازم نہ آئے کہ اب ہرایک کے پاس نصاب سے کم ہےاور کسی طرح کسی صورت ابطالِ زکوٰۃ کا حیلہ نہ کرے۔"

(فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 190 تا 191 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــــــــــــہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

14 محرم الحرام 1428ھ 03 فروری 2007ء

ادائیگی زکوٰۃ سے بچنے کا ایک ناجائز حیلہ

فتویٰ 364

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میری بیوی کے پاس سونا اور چاندی موجود ہے یعنی میری بیوی صاحبِ نصاب ہے مگراس کے پاس اتنی رقم نہیں ہے کہ وہ ان کی زکوٰۃ ادا کرسکے اب وہ چاہتی ہے کہ وہ اس سونے اور چاندی کا اپنی بیٹیوں کو مالک بنادے تاکہ زکوٰۃ ادانہ کرنی پڑے کیااس کو یہ حیلہ کرنے کی اجازت ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صورتِ مسئولہ کی دوصورتیں ہیں ﴿1﴾ آپ کی بیوی کے پاس جونصاب ہےاس پرمکمل سال گزر چکا ہے

﴿2﴾ آپ کی بیوی کے پاس جو نصاب ہے اس پر ابھی مکمل سال نہیں گزرا۔

صورتِ اوّل میں حیلہ کرنے کی اجازت نہیں اور اس صورت میں حیلہ کرنا حرامِ قطعی ہے کیونکہ جب نصاب پر سال گزر چکا تو اس کی زکوٰۃ واجب ہو چکی اور واجب ہونے کے بعد حیلہ کرنے کی اجازت نہیں ہے اب اس پر لازم ہے کہ زکوٰۃ ادا کرے اگر رقم نہیں ہے تو اسی سونے یا چاندی میں سے زکوٰۃ کی مقدار ادا کرے، دوسری صورت میں حیلہ کرنا مکروہ وناپسندیدہ ہے۔

چنانچہ شَیْخُ الْاِسْلَام وَالْمُسْلِمِیْن، امامِ اہلسنّت، مُجَدِّدِ دِین ومِلّت شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن ارشاد فرماتے ہیں: ''بعدِ وُجوب منع کا حیلہ بالاجماع حرامِ قطعی ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 196، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

اور فرماتے ہیں: ''(وُجوب سے قبل) اس حیلہ کے مکروہ وناپسندیدہ ہونے پر ہمارے ائمہ کا اجماع ہے، خلاف اس میں ہے کہ امام ابو یوسف مکروہ تنزیہی فرماتے ہیں اور امامِ اعظم وامام محمد مکروہ تحریمی۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 191، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

محمد ماجد رضا العطاری المدنی

12 شوال المکرم **1428**ھ **25** اکتوبر **2007**ء

الجواب صحیح

ابوالصالح محمد قاسم القادری

زکوٰۃ سے بچنے کیلئے ایک اور ناجائز حیلہ

فتویٰ 365

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کوئی شخص بلاوجہ سال پورا ہونے سے پہلے اپنے مال کو کچھ دیر کے لئے کسی اور کی مِلکیّت میں اس لئے دے دے کہ اُس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوا ایسا

کرنا کیسا ہے؟　　　　　　　　　　　　　　　　　　　　سائل: فرخ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

دریافت کیا گیا عمل غیر شرعی ہے۔

سیّدی اعلیٰ حضرت عَلَیْہِ رَحْمَۃُ رَبِّ الْعِزَّت فرماتے ہیں: ''ہمارے کُتُبِ مذہب نے اس مسئلہ میں امام ابو یوسف اور امام محمد رَحِمَهُمَا اللّٰهُ تعالیٰ کا اختلاف نقل کیا اور صاف لکھ دیا کہ فتویٰ امام محمد کے قول پر ہے کہ ایسا فعل جائز نہیں۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 189، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید اسی میں ہے: ''امام الائمہ، سراج الاُمّہ حضرت سیّدنا امامِ اعظم رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ کا مذہب بھی یہی مذہب امام محمد ہے کہ ایسا فعل ممنوع و بد ہے۔ غَمْزُ الْعُیُوْن میں تَاتَارْخَانِیَہ سے ہے: کان ذلك مكروها عند الإمام ومحمد (ترجمہ: یہ حیلہ امامِ اعظم اور امام محمد دونوں کے نزدیک مکروہ ہے۔)''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 190، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

مزید آپ عَلَیْہِ الرَّحْمَہ خَزَانَۃُ الْمُفْتِیْن کے حوالے سے نقل کرتے ہیں: ''والحيلة في منع وجوب الزكوة تكره بالإجماع (ترجمہ: اور وُجوبِ زکوۃ میں رکاوٹ کے لئے حیلہ کرنا بالاجماع مکروہ ہے۔) یہاں سے ثابت کہ ہمارے تمام ائمہ کا اس کے عدمِ جواز پر اجماع ہے، حضرت امام ابو یوسف بھی مکروہ رکھتے ہیں ممنوع و ناجائز جانتے ہیں کہ مطلق کراہت کراہتِ تحریم کے لئے ہے خصوصاً نقل اجماع کہ یہاں ہمارے سب ائمہ کا مذہب متحد بتا رہی ہے اور شک نہیں کہ مذہبِ امامِ اعظم و امام محمد اس حیلہ کا ناجائز ہونا ہے، غمز العیون کے لفظ سُن چکے کہ صاف عدمِ جواز کی تصریح ہے۔''

(فتاویٰ رضویہ، صفحہ 191، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَ اٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

29 شعبان المعظم 1428ھ 12 ستمبر 2007ء

راشن اسکیم کے لئے زکوٰۃ کا حیلہ کرنا کیسا؟

فتویٰ 366

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم ایک خدمتی ادارے میں کام کرتے ہیں جس کا مقصد ضرورت مندوں کی خدمت اور ان کی کفالت کرنا ہے۔ ہم لوگ ایک راشن اسکیم شروع کرنا چاہتے ہیں جس میں ہم سفید پوش افراد کو ماہانہ راشن رعایتی قیمت میں 50% تک کم کر کے دینا چاہتے ہیں تاکہ جن افراد کی آمدنی 6 سے 8 ہزار روپے ہے اور 4 بچے ہیں اور وہ ان کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے تو ان کو رعایتی قیمت یعنی آدھی قیمت پر راشن دیں تاکہ ان کی ضروریات پوری ہو سکیں۔

مسئلہ یہ ہے کہ ہم نے ایک فنڈ قائم کیا ہے جو اس راشن کی مد میں ہونے والے 50% نقصان کو پورا کرے اس فنڈ میں ہمیں جو رقم مل رہی ہے وہ زکوٰۃ کی مد میں ہے کیا ہم اس زکوٰۃ کا حیلہ کر کے اسے راشن اسکیم میں شامل کر سکتے ہیں؟　　سائل: محمد سلیم میمن ولد محمد قاسم میمن (ادارہ ہالاری میمن جماعت خانہ، پکا قلعہ، حیدرآباد)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

صورتِ مَسْئُولہ میں زکوٰۃ کا حیلہ کرنے کی اجازت نہیں کہ زکوٰۃ کا حیلہ کسی ایسے دینی وشرعی مقصد کو پورا کرنے کے لئے ہوتا ہے جسے زکوٰۃ کے بغیر دیگر جائز ذرائع سے پورا کرنا دشوار ہو جبکہ یہاں پر سرے سے ہی کسی دینی وشرعی مقصد کو پورا نہیں کیا جا رہا بلکہ تصدق سے اغنیا کو پہنچنے والا نقصان پورا کیا جا رہا ہے اور ان کے نقصان کو پورا کرنا یہ کوئی شرعی ضرورت ومقصد نہیں ہے۔

چنانچہ سیّدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ”ہزاروں روپے فضول خواہش یا دنیوی آسائش یا ظاہری آرائش میں اٹھانے والے مصارفِ خیر میں ان حیلوں کی آڑ نہ لیں۔ متوسط الحال بھی ایسی ہی

ضرورتوں کی غرض سے خالص خدا ہی کے کام میں صرف کرنے کے لئے ان طریقوں پر اقدام کریں نہ یہ کہ معاذ اللہ ان کے ذریعہ سے ادائے زکوٰۃ کا نام کر کے روپیہ اپنے خرد برد میں لائیں کہ یہ امر مقاصد شرع کے بالکل خلاف اور اس میں ایجاب زکوٰۃ کی حکمتوں کا یکسر ابطال ہے تو گویا اس کا برتنا اپنے رب عَزَّوَجَلَّ کو فریب دینا ہے۔''

(فتاوٰی رضویہ، صفحہ 109، جلد 10، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم اَلْقَادِرِی

کتبـــــــــہ

محمد نوید رضا العطاری المدنی

19 ربیع الآخر 1433ھ 13 مارچ 2012ء

روح کی غذا کیا ہے؟

سیدی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خاں علیہ رحمۃ الرحمٰن ''فتاوٰی رضویہ'' میں فرماتے ہیں: ''مسلمانو! زبان اختیار میں ہے شعریات باطلہ میں العسل مرۃ والخمر یاقوتیۃ (شہد کڑوا ہے اور شراب یاقوتی ہے، یعنی یوں کہنا حقیقت ثابتہ کے سراسر خلاف ہے۔) کہہ دینے سے ہر شخص کو اختیار ہے شرابی شراب کو بھی غذائے روح و جانفزا و جان پرور کہا کرتے ہیں کہنے سے کیا ہوتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ والہ وسلم نے جو فرق بتایا ہے ذرا انصاف و ایمان کے ساتھ اسے سنیئے تو خود کھل جائے گا۔

کہ با کہ باختۂ عشق در شب دیجور

(اندھیری رات میں تو نے کس کے ساتھ عشق لڑایا)

ہاں سُنئے اور گوشِ ایمان سے سُنئے کہ ارشادِ اقدس رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے کیا ثابت ہے، غذائے روح وہ ہے جس کی طرف شریعتِ محمدیہ علیٰ صاحبہا وآلہ افضل الصلوٰۃ والتحیۃ بلاتی ہے اور جس کی طرف شریعتِ مطہرہ بلاتی ہے اس پر وعدۂ جنت ہے اور جنت اُن چیزوں پر موعود ہے جو نفس کو مکروہ ہیں، اور غذائے نفس وہ ہے جس سے شریعتِ محمدیہ صلوات اللہ تعالیٰ و سلامہ علیہ وعلیٰ آلہ منع فرماتی ہے اور جس سے شریعتِ کریمہ منع فرماتی ہے اس پر وعید نار ہے اور نار کی وعید اُن چیزوں پر ہے جو نفس کو مرغوب ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں: حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشھوات۔ رواہ البخاری فی کتاب الرقاق بلفظ حجبت و تقدیم الجملۃ الاخیرۃ ومسلم باللفظ عن ابی ھریرۃ واحمد ومسلم والترمذی عن انس رضی اللہ تعالیٰ عنھما فی صحیحہ۔

ترجمہ: جنت اُن چیزوں سے گھیر دی گئی ہے جو نفس کو ناگوار ہیں اور دوزخ ان چیزوں سے ڈھانپ دی گئی ہے جو نفس کو پسند ہیں (امام بخاری نے کتاب الرقاق میں ساتھ لفظ حجبت کے اس کو روایت کیا ہے اور آخری جملہ کی تقدیم سے اس کو ذکر فرمایا اور مسلم نے حضرت ابو ہریرہ کے الفاظ سے۔ اور احمد، مسلم اور جامع ترمذی نے حضرت انس سے (اللہ تعالیٰ ان دونوں سے راضی ہو) اپنی صحیح میں ذکر فرمایا۔)

(فتاوٰی رضویہ، صفحہ 130، جلد 24، رضا فاؤنڈیشن لاہور)

باب سادس

جانوروں پر زکوٰۃ

فصل: 23 جانوروں پر زکوٰۃ

باب سادس: جانوروں پر زکوٰۃ

فصل/عنوان 23

جانوروں پر زکوٰۃ

جانوروں پر زکوٰۃ کب لازم ہوتی ہے؟

فتوی 367

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین ان مسائل کے بارے میں کہ

﴿1﴾ زکوٰۃ کن جانوروں پر لازم آتی ہے؟

﴿2﴾ جانوروں کی زکوٰۃ میں جانور ہی دینا ضروری ہوتا ہے یا رقم بھی دی جاسکتی ہے؟

سائل: سلیم احمد (بڈیانہ تحصیل پسرور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

﴿1﴾ قوانینِ شرعیہ کی روشنی میں دودھ، نسل یا فربہ کرنے کے لئے جو جانور رکھے جائیں صرف ان ہی پر زکوٰۃ لازم ہوتی ہے لیکن اس وقت جب یہ سال کا اکثر حصہ مُباح چراگاہ میں چَر کر گزارتے ہوں ایسے جانوروں کو سائمہ کہا جاتا ہے، جبکہ وہ جانور جو کہ ذاتی خرچ سے پالے جائیں ان پر زکوٰۃ لازم نہیں ہوتی۔

تَنوِیرُ الاَبصار میں ہے: ”ھی المکتفیة بالرّعی المباح فی أکثر العام لقصد الدّرّ والنّسل والزّیادة والسمن فلو علفھا نصفه لاتکون سائمة “ترجمہ: سائمہ وہ جانور ہے جو سال

کا اکثر حصہ مُباح چراگاہ میں چر کر گزارہ کرے اور اس سے مقصود دودھ، نسل کی زیادتی اور فربہ کرنا ہو، لہٰذا اگر آدھا سال بھی اس کو خود چارہ وغیرہ ڈالا ہو تو اس صورت میں وہ جانور سائمہ نہیں کہلائے گا۔

(تنویرالابصار ، صفحہ 232 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بیروت)

فَتَاویٰ عَالَمگِیرِی میں سائمہ کی تعریف ان الفاظ میں کی گئی ہے: ”والسّائمة هی التی تسام فی البراری لقصد الدرّ والنسل والزّیادة فی السّمن “ترجمہ: سائمہ وہ جانور ہے جو جنگل و بیابان میں چَر کر پلے اور اس سے مقصود دودھ اور بچے لینا یا فربہ کرنا ہو۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 176 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

صَدرُالشَّرِیعَه، بَدرُالطَّرِیقَه علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ القَوِی بہارِ شریعت میں فرماتے ہیں: ”سائمہ وہ جانور ہے جو سال کا اکثر حصہ چَر کر گزر کرتا ہے اور اس سے مقصود صرف دودھ اور بچے لینا یا فربہ کرنا ہے۔ اگر گھر میں گھاس لا کر کھلاتے ہوں یا مقصود بوجھ لادنا یا ہَل وغیرہ کسی کام میں لانا یا سواری لینا ہے تو اگرچہ چَر کر گزر کرتا ہو وہ سائمہ نہیں اور اس کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ یونہی اگر گوشت کھانے کے لئے ہے تو سائمہ نہیں اگرچہ جنگل میں چَرتا ہو اور اگر تجارت کا جانور چَرائی پر ہے تو یہ بھی سائمہ نہیں بلکہ اس کی زکوٰۃ قیمت لگا کر ادا کردی جائے گی۔“

(بہارِشریعت ، صفحہ 892 ، جلد 1 ، مکتبة المدینه)

﴿2﴾ جانوروں کی زکوٰۃ میں جانور ہی دینا ضروری نہیں، بلکہ واجب شُدہ جانور کی قیمت بھی دی جاسکتی ہے کیونکہ زکوٰۃ سے مقصود فقیر کی اِعانت ہے اور یہ قیمت دینے سے بھی حاصل ہو جاتی ہے۔

دُرِّمُختَار میں ہے: ”وجاز دفع القیمة فی زکاة وعشر وخراج وفطرة ونذر و کفّارة غیر الإعتاق وقالا یوم الأداء وفی السّوائم یوم الأداء إجماعًا، وهو الأصح “ترجمہ: زکوٰۃ فطرہ عشر خراج نذر کفّارہ جبکہ غلام آزاد کرنے کے علاوہ ہو میں قیمت دینا بھی جائز ہے اور ان چیزوں میں وُجُوب کے دن کی قیمت کا اعتبار ہے صاحِبَین عَلَیْہِمَا الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: یومِ ادا کی قیمت کا اعتبار ہے اور سائمہ جانوروں کی زکوٰۃ میں بِالاِجماع ادائیگی کے دن کی قیمت کا اعتبار ہے۔

(درمختار ، صفحہ 250 ، جلد 3 ، دارالمعرفة بیروت)

فَتَاویٰ شَامِی میں ہے: ”لأنّ المقصود إغناء الفقیر وبه تحصل القربة وهو یحصل

بالقیمۃ "ترجمہ: کیونکہ زکوٰۃ سے مقصود فقیر کو غنی کرنا ہے اور اس کے سبب ثواب حاصل ہوتا ہے اور ثواب کا حصول قیمت دینے کے ذریعے بھی ممکن ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، صفحہ 250، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

وَ اللہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

9 رمضان المبارک 1429ھ 10 ستمبر 2008ء

باڑے کے جانوروں پر زکوٰۃ کا حکم

فتویٰ 368

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کے پاس بہت سارے جانور ہیں ان میں چالیس گائے اور ایک سو بیس بھینسیں ہیں ان کی زکوٰۃ کیسے نکالی جائے گی؟

سائل: محمد یوسف (نیو کراچی)

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

ہر جانور پر زکوٰۃ نہیں صرف ان جانوروں پر زکوٰۃ ہوتی ہے جو سال کا بیشتر حصہ چَر کر گزارہ کرتے ہوں اور اِن جانوروں سے مقصود دودھ لینا، بچے حاصل کرنا یا جانوروں کو فربہ کرنا ہو چاہے وہ گھر میں رکھے جائیں یا باڑے میں یا کہیں اور۔ اور اگر خود لا کر چارا کھلانا پڑے یا مذکورہ مقاصد کیلئے جانور نہ ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ اگر زکوٰۃ کی شرائط پر یہ جانور پورے اترتے ہوں تو پھر درج ذیل طریقے سے ان کی زکوٰۃ نکالی جائے گی۔

زکوٰۃ کے حوالے سے گائے اور بھینس دونوں کا ایک ہی حکم ہے لہٰذا دونوں کو ملا کر زکوٰۃ کا حساب لگایا جائے گا۔

جیسا کہ علامہ شامی قُدِّسَ سِرُّہُ السَّامِی لکھتے ہیں: ''والجاموس ھو نوع من البقر کما فی المغرب، فھو مثل البقر فی الزکاۃ والاضحیۃ والربا ''ترجمہ: بھینس گائے ہی کی ایک قسم ہے جیسا کہ ''مُغرب'' میں ہے، تو زکوٰۃ، قربانی اور سود کے معاملے میں وہ گائے ہی کی طرح ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، صفحہ 241، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

صَدرُالشَّرِیعَہ، بَدرُالطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: ''بھینس گائے کے حکم میں ہے اور اگر گائے بھینس دونوں ہوں تو زکوٰۃ میں ملا دی جائیں گی، مثلاً بیس گائے اور دس بھینسیں تو زکوٰۃ واجب ہوگئی اور زکوٰۃ میں اس کا بچہ لیا جائے جو زیادہ ہو یعنی گائے زیادہ ہوں تو گائے کا بچہ اور بھینسیں زیادہ ہوں تو بھینس کا اور اگر کوئی زیادہ نہ ہو تو زکوٰۃ میں وہ لیں جو اعلیٰ سے کم ہو اور ادنیٰ سے اچھا۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 896، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

پوچھی گئی صورت میں گائے اور بھینس دونوں کو ملانے سے تعداد ایک سو ساٹھ بنتی ہے اور ہر چالیس میں ایک مُسِنّہ (دو سال کا بچھڑا یا بچھیا) لازم آتا ہے۔ لہٰذا چالیس گائے اور ایک سو بیس بھینسوں میں چار مُسِنّہ لازم آئیں گے اور یہ چار مُسِنّہ بھینسوں میں سے ادا کئے جائیں گے، کیونکہ جب گائے اور بھینس دونوں ہوں تو زکوٰۃ اس میں سے ادا کی جائے گی جس کی تعداد زیادہ ہے، جیسا کہ اوپر بہارِ شریعت کے حوالے سے گزرا۔

فَتَاوٰی عَالَمگِیری میں ہے: ''لیس فی اقل من ثلاثین من البقر صدقۃ فاذا کانت ثلاثین سائمۃ ففیھا تبیع او تبیعۃ و ھی التی طعنت فی الثانیۃ کذا فی الھدایۃ......وفی أربعین مسن أومسنۃ وھی التی طعنت فی الثالثۃ''

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 177، جلد 1، دارالفکر بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم القَادِرِی

22 رمضان المبارک 1426ھ 27 اکتوبر 2005ء

کون سے جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے؟

فتویٰ 369

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کن جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

تین قسم کے جانوروں پر زکوٰۃ واجب ہے جبکہ وہ سائمہ ہوں۔ ﴿1﴾ اُونٹ ﴿2﴾ گائے، بھینس ﴿3﴾ بکری۔ سائمہ اس جانور کو کہتے ہیں جو سال کا اکثر حصہ مُباح چراگاہ میں چَرتا ہو اور اس سے مقصود صرف دودھ اور بچے لینا اور فربہ کرنا ہو۔

چنانچہ حضرت علامہ شیخ شمسُ الدّین تُمرتاشی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْہَادِی لکھتے ہیں: "ھی المکتفیة بالرعی المباح فی أکثر العام لقصد الدر والنسل والزیادة والسمن فلو علفها نصفه لاتکون سائمة" ترجمہ: سائمہ جانور وہ ہے جو سال کا اکثر حصہ چَر کر گزارہ کرتا ہو اور اس سے مقصود دودھ اور بچے حاصل کرنا اور فربہ کرنا ہو۔

(تنویر الابصار، صفحہ 232، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

اگر یہ دونوں باتیں جمع ہوں تو وہ سائمہ ہے، اگر ایک بھی کم ہو تو سائمہ نہیں اور اس پر زکوٰۃ بھی واجب نہیں۔

جیسا کہ صَدرُ الشَّرِیعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: "اگر گھر میں گھاس کھلاتے ہیں یا مقصود بوجھ لادنا یا ہل وغیرہ کسی کام میں لانا یا سواری لینا ہے تو اگرچہ چَر کر گزر کرتا ہو وہ سائمہ نہیں اور اس کی زکوٰۃ واجب نہیں۔ یونہی اگر گوشت کھانے کے لئے ہے تو سائمہ نہیں اگرچہ جنگل میں چَرتا ہو۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 892، جلد 1، مکتبة المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغر العَطّارِی المَدَنی

25 ربیع الثانی 1433ھ 19 مارچ 2012ء

بھینسوں پر زکوٰۃ کا حکم

فتویٰ 370

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا بھینسوں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جی ہاں! اگر بھینسوں میں وُجُوبِ زکوٰۃ کی شرائط پائی جائیں تو ان پر بھی زکوٰۃ واجب ہے۔ اور ان کی زکوٰۃ کا حساب لگانے کا وہی طریقہ ہے جو گائے کی زکوٰۃ کا ہے کیونکہ یہ بھی گائے کے حکم میں ہیں بلکہ اگر گائے اور بھینس دونوں ہوں تو دونوں کو ملا کر زکوٰۃ کا حساب لگایا جائے اور جس قسم کی تعداد زیادہ ہو اسی کے جانور کا بچہ زکوٰۃ میں ادا کیا جائے۔

چنانچہ حضرت علامہ ابنِ نُجَیم مصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: ”والجاموس کالبقر لأن اسم البقر یتناولهما اذ هو نوع منه فیکمل نصاب البقر به و تجب فیه زکاتها“ ترجمہ: بھینس بھی گائے کے حکم میں ہے کیونکہ بقر کا لفظ گائے اور بھینس دونوں کو شامل ہے اس حیثیت سے کہ وہ اس کی قسم سے ہے لہٰذا گائے کا نصاب بھینس کے ذریعے مکمل کیا جائے گا اور اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہوگی۔

(بحرالرائق، صفحہ 377، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

فَتَاوٰی عَالَمگِیری میں ہے: ”والجاموس کالبقر و عند الاختلاط یجب ضم بعضها الی بعض لتکمیل النصاب ثم تؤخذ الزکاة من أغلبها ان کان بعضها أکثر من بعض و ان لم یکن یؤخذ أعلی الأدنی و أدنی الاعلی“ ترجمہ: بھینس بھی گائے کے حکم میں ہے جب بھینس اور گائے دونوں ہوں تو نصاب پورا کرنے کے لئے ان کو ملانا واجب ہے پھر ان میں بعض بعض سے زیادہ ہیں تو زکوٰۃ

میں وہ لی جائے گی جو زیادہ ہے اور اگر کوئی زیادہ نہ ہو تو وہ لیں گے جو اعلیٰ سے کم اور ادنیٰ سے اچھا ہو۔
(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 178 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

صَدرُالشَّرِیعَہ، بَدرُالطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی لکھتے ہیں:
"بھینس گائے کے حکم میں ہے اور اگر گائے بھینس دونوں ہوں تو زکوٰۃ میں ملادی جائیں گی، مثلاً بیس گائے ہیں اور دس بھینسیں تو زکوٰۃ واجب ہوگئی اور زکوٰۃ میں اس کا بچہ لیا جائے جو زیادہ ہو یعنی گائیں زیادہ ہوں تو گائے کا بچہ اور بھینسیں زیادہ ہوں تو بھینس کا بچہ اور اگر کوئی زیادہ نہ ہو تو زکوٰۃ میں وہ لیں جو اعلیٰ سے کم ہو اور ادنیٰ سے اچھا۔"
(بہارِ شریعت ، صفحہ 896 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــہ
اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغر العَطَّارِی المَدَنِی
21 ربیع الثانی 1433ھ 15 مارچ 2012ء

معذور جانوروں پر زکوٰۃ کا حکم

فتویٰ 371

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس جانور کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں کیا اس پر بھی زکوٰۃ واجب ہے؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جی نہیں! جس جانور کے ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے ہوں اس پر زکوٰۃ نہیں اسی طرح اندھے جانور پر بھی زکوٰۃ نہیں، ہاں اگر اندھا جانور چرائی پر ہے تو اس پر زکوٰۃ واجب ہوگی۔ نیز اگر نصاب میں کمی ہو اور اندھے جانور کو ملانے سے وہ کمی پوری ہو جاتی ہو تو اسے ملا کر زکوٰۃ دی جائے گی۔

چنانچہ حضرت علامہ علاءُالدِّین حَصْکَفِی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: "ولا فی المواشی العمی، و لا

مقطوعة القوائم، لأنها ليست سائمة" ترجمہ: نہ اندھے جانور پر زکوٰۃ ہے اور نہ ہی ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے جانور پر، کیونکہ یہ سائمہ نہیں۔ (درمختار، صفحہ 236، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: ''اندھے یا ہاتھ پاؤں کٹے ہوئے جانور کی زکوٰۃ نہیں، البتہ اندھا اگر چرائی پر رہتا ہے تو واجب ہے۔ یونہی اگر نصاب میں کمی ہے اور اس کے پاس اندھا جانور ہے کہ اس کے ملانے سے نصاب پوری ہو جاتی ہے تو زکوٰۃ واجب ہے۔''
(بہارِ شریعت، صفحہ 893، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــہ

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغَر العَطَّارِی المَدَنِی

26 ربیع الثانی 1433ھ 20 مارچ 2012ء

کیا تجارتی جانوروں پر زکوٰۃ ہے؟

فتویٰ 372
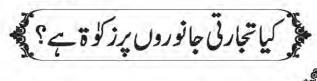
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر اُونٹ، گائے یا بکری وغیرہ جانور بیچنے کے لئے خریدے ہوں اور وہ جنگل میں چرتے ہوں تو کیا ان پر بھی زکوٰۃ ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جی ہاں! ان جانوروں پر بھی زکوٰۃ واجب ہے لیکن چونکہ یہ جانور سائمہ نہیں بلکہ مالِ تجارت ہیں لہٰذا ان جانوروں کی قیمت لگا کر اس قیمت کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ میں دیا جائے گا۔

چنانچہ حضرت علامہ علاؤالدین حصکفی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: "ولو للتجارة ففيها زكاة التجارة" ترجمہ: اگر جانور تجارت کے لئے ہو تو اس میں مالِ تجارت کی زکوٰۃ واجب ہے۔
(درمختار، صفحہ 234، جلد 1، دارالمعرفۃ بیروت)

جیسا کہ صَدرُالشَّرِیعَہ، بَدرُالطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: ''اگر تجارت کا جانور چرائی پر ہے تو یہ بھی سائمہ نہیں، بلکہ اس کی زکوۃ قیمت لگا کر ادا کی جائے گی۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 892 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

25 ربیع الثانی 1433ھ 19 مارچ 2012ء

کتنے اُونٹ ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے؟

فتویٰ 373

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کتنے اُونٹوں پر زکوٰۃ لازم ہوتی ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

سائمہ اُونٹوں پر زکوٰۃ اس وقت لازم ہوتی ہے جب ان کی تعداد پانچ یا پانچ سے زیادہ ہو، اگر پانچ سے کم اُونٹ ہیں تو ان پر زکوٰۃ واجب نہیں۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے: ''عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِي عَنِ النَّبِيِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم قَالَ لَيْسَ فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوْسَقٍ صَدَقَةٌ وَ لَا فِيمَا دُونَ خَمْسِ ذَوْدٍ صَدَقَةٌ وَ لَا فِيمَا دُونَ خَمْسَةِ أَوَاقٍ صَدَقَة'' ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہُ سے روایت ہے کہ رسولِ اکرم صلَّی اللّٰہ تعالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم نے فرمایا: پانچ وسق سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں اور پانچ اونٹوں سے کم میں زکوٰۃ نہیں اور پانچ اُوقیہ چاندی سے کم میں زکوٰۃ نہیں۔

(صحیح مسلم، صفحہ ٤٨٧، حدیث ٩٧٩، دار ابن حزم بیروت)

حضرت علامہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: "لیس فی أقل من خمس من الابل زکاۃ"، ترجمہ: پانچ سے کم اُونٹوں پر زکوٰۃ نہیں۔

(مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، صفحہ 292، جلد1، دارالکتب العلمیہ بیروت)

صدرُالشریعہ، بدرُالطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: "پانچ اُونٹ سے کم میں زکوٰۃ واجب نہیں۔" (بہارِ شریعت، صفحہ 893، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

14 ربیع الثانی 1433ھ 08 مارچ 2012ء

کتنی گائے ہوں تو زکوٰۃ واجب ہے؟

فتویٰ 374

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کتنی گائے ہوں تو زکوٰۃ لازم ہوتی ہے؟ اگر کسی کے پاس دس گائے ہوں تو کیا ان پر زکوٰۃ لازم ہے؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

گائے پر زکوٰۃ اس وقت لازم ہوتی ہے جب ان کی تعداد تیس یا تیس سے زیادہ ہو، اگر تیس سے کم ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

چنانچہ حدیث پاک میں ہے: "عَنْ مُعَاذٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم لَمَّا وَجَّهَهُ إِلَى الْيَمَنِ اَمَرَهُ أَنْ يَأْخُذَ مِنَ الْبَقَرِ مِنْ كُلِّ ثَلَاثِيْنَ تَبِيْعًا أَوْ تَبِيْعَةً وَ مِنْ كُلِّ أَرْبَعِيْنَ مُسِنَّةً" ترجمہ: حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ واٰلہٖ وسلم

نے ان کو یمن کا حاکم بنا کر بھیجا تو فرمایا کہ ہر تیس گائے سے ایک تبیع یا تبیعہ لیں اور ہر چالیس میں سے ایک مُسِنّہ۔

(ابو داود، صفحہ ١٤٥، جلد ٢، حدیث ١٥٧٦، دار احیاء التراث العربی بیروت)

حضرت علامہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: "لیس فی أقل من ثلاثین من البقر زکاۃ" ترجمہ: تیس سے کم گایوں پر زکوٰۃ نہیں۔

(مجمع الانہر فی شرح ملتقی الابحر، صفحہ 294، جلد 1، دارالکتب العلمیہ بیروت)

صدرُ الشریعہ، بدرُ الطریقہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: "تیس سے کم گائے ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔" (بہارِ شریعت، صفحہ 895، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

17 ربیع الثانی 1433ھ 11 مارچ 2012ء

کتنی بکریوں پر زکوٰۃ واجب ہے؟

فتویٰ 375

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کے حوالے سے بکری کا نصاب کیا ہے یعنی بکریاں کتنی تعداد میں ہوں تو ان پر زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

سائمہ بکریوں پر زکوٰۃ اس وقت لازم ہوتی ہے جب ان کی تعداد چالیس یا اس سے زیادہ ہو، لہٰذا اگر بکریاں چالیس سے کم ہیں تو زکوٰۃ واجب نہیں۔

چنانچہ حضرت علامہ ابراہیم بن محمد بن ابراہیم حلبی علیہ رحمۃ اللہ القوی لکھتے ہیں: "لیس فی أقل من

أربعين من الغنم زكاة'' ترجمہ: چالیس سے کم بکریوں میں زکوٰۃ واجب نہیں۔

(مجمع الانھر فی شرح ملتقی الابحر، صفحہ 292، جلد 1، دارالکتب العلمیہ بیروت)

صَدرُالشَّرِیْعَہ، بَدرُالطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں:

''چالیس سے کم بکریاں ہوتو زکوٰۃ واجب نہیں۔'' (بہارِ شریعت، صفحہ 896، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

اَبُومُحَمَّدعلی اصغر العطّاری المدنی

20 ربیع الثانی 1433ھ 14 مارچ 2012ء

اُونٹوں کی زکوٰۃ کا حساب

فتویٰ 376

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کتنے اُونٹوں پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

صَدرُالشَّرِیْعَہ، بَدرُالطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی اُونٹوں کی زکوٰۃ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''جب پانچ یا پانچ سے زیادہ ہوں مگر پچیس سے کم ہوں تو ہر پانچ میں ایک بکری واجب ہے یعنی پانچ ہوں تو ایک بکری، دس ہوں تو دو، وعلیٰ ھذا القیاس۔''

اور لکھتے ہیں: ''پچیس اُونٹ ہوں تو ایک بنتِ مخاض یعنی اُونٹ کا بچہ مادہ جو ایک سال کا ہو چکا دوسری برس میں ہو، پینتیس تک یہی حکم ہے یعنی وہی بنتِ مخاض دیں گے۔ چھتیس سے پینتالیس تک ایک بنتِ لبون یعنی اُونٹ کا

مادہ بچہ جو دو سال کا ہو چکا اور تیسری برس میں ہے۔ چھیالیس سے ساٹھ تک میں حِقّہ یعنی اونٹنی جو تین برس کی ہو چکی، چوتھی میں ہو۔ اِکسٹھ سے پچھتر تک جذعہ یعنی چار سال کی اُونٹنی جو پانچویں میں ہو۔ چھہتر سے نوے تک میں دو بنتِ لبون۔ اکانوے سے ایک سو بیس تک میں دو حِقّہ۔ اس کے بعد ایک سو پینتالیس تک دو حِقّہ اور ہر پانچ میں ایک بکری مثلاً ایک سو پچیس میں دو حِقّہ ایک بکری اور ایک سو تیس میں دو حِقّہ دو بکریاں، وعلیٰ ھٰذا القیاس۔ پھر ایک سو پچاس میں تین حِقّہ اگر اس سے زیادہ ہوں تو ان میں ویسا ہی کریں جیسا شروع میں کیا تھا یعنی ہر پانچ میں ایک بکری اور پچیس میں بنتِ مخاض، چھتیس میں بنتِ لبون، یہ ایک سو چھیاسی بلکہ ایک سو پچانوے تک کا حکم ہو گیا یعنی اتنے میں تین حِقّہ اور ایک بنتِ لبون۔ پھر ایک سو چھیانوے سے دو سو تک چار حِقّہ اور یہ بھی اختیار ہے کہ پانچ بنتِ لبون دے دیں۔ پھر دو سو کے بعد وہی طریقہ برتیں جو ایک سو پچاس کے بعد ہے یعنی ہر پانچ میں ایک بکری، پچیس میں بنت مخاض، چھتیس میں بنتِ لبون۔ پھر دو سو چھیالیس سے دو سو پچاس تک پانچ حِقّہ وعلیٰ ھٰذا القیاس۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 894، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

یاد رہے یہاں جو بکری دینے کا کہا گیا ہے اس میں بکرا اور بکری دونوں شامل ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ اس کی عمر ایک سال سے کم نہ ہو۔ اور جہاں اُونٹنی دینے کا کہا گیا تو اس سے مراد اُونٹنی ہی ہے اُونٹ اس میں شامل نہیں، لہٰذا اگر اُونٹنی کی بجائے اُونٹ دیا تو یہ ضروری ہے کہ وہ اُونٹنی کی قیمت کا ہو ورنہ نہیں لیا جائے گا۔

چنانچہ صَدرُالشَّرِیعَہ، بَدرُالطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: ''زکوٰۃ میں جو بکری دی جائے وہ سال بھر سے کم کی نہ ہو بکری دیں یا بکرا، اس کا اختیار ہے۔'' اور لکھتے ہیں: ''اُونٹ کی زکوٰۃ میں جس موقع پر ایک یا دو یا تین یا چار سال کا اُونٹ کا بچہ دیا جاتا ہے تو ضرور ہے کہ وہ مادہ ہو، نر دیں تو مادہ کی قیمت کا ہو ورنہ نہیں لیا جائے گا۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 894 تا 895، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

اَبُو مُحَمَّد عَلی اَصغَر العَطَّارِیُّ المَدَنِی

14 ربیع الثانی 1433ھ 08 مارچ 2012ء

گائے کی زکوٰۃ کا حساب

فتویٰ 377

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کتنی گایوں پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوگی؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

تیس گایوں میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھیا دینا واجب ہے اور چالیس گایوں میں دو سال کا بچھڑا یا بچھیا۔ یعنی تیس سے اُنتالیس گایوں تک ایک سال کا بچھڑا یا بچھیا، چالیس سے اُنسٹھ گایوں تک دو سال کا بچھڑا یا بچھیا، ساٹھ سے اُنہتّر تک ایک ایک سال کے دو بچھڑے یا بچھیاں، ستّر سے اُناسی تک ایک سال کا ایک بچھڑا اور دو سال کا ایک بچھڑا، اسّی سے نواسی تک دو دو سال کے دو بچھڑے۔

اور جہاں تیس اور چالیس دونوں جمع ہو سکتے ہوں وہاں اس بات کا اختیار ہے کہ زکوٰۃ میں ایک سال کا بچھڑا یا بچھیا دے یا دو سال کا، مثلاً ایک سو بیس گائے ہیں تو ایک سال کے چار بچھڑے یا بچھیا بھی دے سکتا ہے اور دو سال کے تین بچھڑے یا بچھیا بھی دے سکتا ہے۔

چنانچہ صَدرُ الشَّرِیعَه، بَدرُ الطَّرِیقَه حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْهِ رَحْمَةُ اللّٰهِ الْقَوِی لکھتے ہیں: ”تیس سے کم گائیں ہوں تو زکوٰۃ واجب نہیں، جب تیس پوری ہوں تو ان کی زکوٰۃ ایک تَبِیع یعنی سال بھر کا بچھڑا یا تَبِیعہ یعنی سال بھر کی بچھیا ہے اور چالیس ہوں تو ایک مُسِن یعنی دو سال کا بچھڑا یا مُسِنّہ یعنی دو سال کی بچھیا، اُنسٹھ تک یہی حکم ہے پھر ساٹھ میں دو تَبِیع یا تَبِیعہ پھر ہر تیس میں ایک تَبِیع یا تَبِیعہ اور ہر چالیس میں ایک مُسِن یا مُسِنّہ، مثلاً ستّر میں ایک تَبِیع اور ایک مُسِن اور اسّی میں دو مُسِن، وعلی ھٰذا القیاس۔ اور جس جگہ تیس اور چالیس دونوں ہو سکتے ہوں وہاں اختیار

ہے کہ تبیع زکوٰۃ میں دیں یا مُسن، مثلاً ایک سو بیس میں اختیار ہے کہ چار تبیع دیں یا تین مُسن۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 896 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــہ

اَبُو مُحَمَّد علی اصغر العطاری المدنی

17 ربیع الثانی 1433ھ 11 مارچ 2012ء

بکریوں کی زکوٰۃ کا حساب

فتویٰ 378

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کتنی بکریوں پر کتنی زکوٰۃ واجب ہوتی ہے؟

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جب بکریوں کی تعداد چالیس سے ایک سو بیس تک ہو تو زکوٰۃ میں ایک بکری دینا واجب ہے، ایک سو اِکیس سے دو سو تک دو بکریاں، دو سو ایک سے تین سو ننانوے تک تین بکریاں اور جب چار سو ہو جائیں تو چار بکریاں واجب ہیں۔اس کے بعد ہر سو بکریوں پر ایک بکری دینا واجب ہے۔

جیسا کہ فَتاوىٰ عالَمگیری میں ہے:"فاذا كانت أربعين سائمة و حال عليها الحول ففيها شاة الى مائة و عشرين فاذا زادت واحدة ففيها شاتان الى مائتين فاذا زادت ففيها ثلاث شياه فاذا بلغت أربعمائة ففيها أربع شياه ثم فى كل مائة شاة" ترجمہ: جب سائمہ بکریاں چالیس ہوں اور ان پر سال گزر جائے تو ایک سو بیس بکریوں تک ایک بکری زکوٰۃ میں دینا واجب ہے، جب ایک سو بیس سے زیادہ ہوں تو دو سو تک دو بکریاں، جب دو سو سے زیادہ ہوں تو تین بکریاں اور جب چار سو تک پہنچ

جائیں تو چار بکریاں، پھر ہر سو بکریوں پر ایک بکری۔

(فتاویٰ عالمگیری ، صفحہ 178 ، جلد 1 ، دارالفکر بیروت)

صَدرُالشَّرِیعَه، بَدرُالطَّرِیقَه حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں:

"چالیس ہوں تو ایک بکری اور یہی حکم ایک سو بیس تک ہے یعنی ان میں وہی ایک بکری ہے اور ایک سو اکیس میں دو اور دو سو ایک میں تین اور چار سو میں چار پھر ہر سو پر ایک اور جو دو نصابوں کے درمیان میں ہے معاف ہے۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 897 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

یاد رہے کہ یہاں بکری میں دُنبہ اور بھیڑ بھی شامل ہیں۔

چنانچہ بہارِ شریعت میں ہے: "بھیڑ دُنبہ بکری میں داخل ہیں، کہ ایک سے نصاب پوری نہ ہوتی ہو تو دوسری کو ملا کر پوری کریں اور زکوۃ میں بھی ان کو دے سکتے ہیں مگر سال سے کم کے نہ ہوں۔"

(بہارِ شریعت ، صفحہ 897 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

21 ربیع الثانی 1433ھ 15 مارچ 2012ء

اسّی بکریوں پر کتنی بکریاں واجب ہیں؟

فتویٰ 379

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر کسی کے پاس اسّی بکریاں ہوں تو چالیس چالیس بکریوں کے حساب سے دو بکریاں واجب ہوں گی یا ایک بکری؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اس پر صرف ایک بکری دینا واجب ہوگی کیونکہ چالیس بکریوں سے ایک سو بیس بکریوں تک صرف ایک بکری

زکوٰۃ میں دینا واجب ہے، یہاں یہ نہیں ہوسکتا کہ چالیس چالیس بکریوں کے دو گروہ بنا کر دو بکریاں زکوٰۃ میں دی جائیں کیونکہ یہ اسّی بکریاں ایک ہی شخص کی مِلکِیَّت ہیں۔ ہاں اگر اسّی بکریاں دو شخصوں کی ہوں یعنی چالیس ایک شخص کی اور چالیس دوسرے شخص کی تو اب ان دونوں پر ایک ایک بکری دینا واجب ہوگی، یہاں یہ نہیں ہوسکتا کہ دونوں کی بکریوں کو ملا کر ایک گروہ کر دیں اور صرف ایک بکری واجب ہو کیونکہ یہ دونوں الگ الگ اشخاص کی مِلکِیَّت ہیں اور ہر شخص کی مِلکِیَّت کا حساب علیحدہ ہے۔

جیسا کہ فَتَاوٰی عَالَمگِیری میں ہے:"لا یفرق بین مجتمع و لا یجمع بین متفرق فاذا کان لرجل ثمانون شاہ تجب فیھا شاۃ و لا یفرق کأنھا لرجلین فیؤخذ شاتان و ان کان لرجلین وجبت شاتان و لا یجمع کأنھا لرجل واحد فیؤخذ شاۃ واحدۃ" ترجمہ: نہ تو مُجتَمَع کو مُتفَرِّق کیا جائے گا اور نہ ہی مُتفَرِّق کو مُجتَمَع، لہٰذا اگر ایک شخص کی اسّی بکریاں ہوں تو اس پر ایک ہی بکری واجب ہوگی ان میں تفریق نہیں کی جائے گی جیسے دو شخصوں کی اسّی بکریاں ہوں تو دو بکریاں لی جائیں گی اور اگر دو شخصوں کی اسّی بکریاں ہوں تو اب دو بکریاں واجب ہوں گی اور یہاں دونوں کو مُجتَمَع نہیں کیا جائے گا جیسے ایک شخص کے پاس ہوں تو ایک بکری واجب ہوتی ہے۔　　(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 181، جلد 1، دار الفکر بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

27 ربیع الثانی 1433ھ 21 مارچ 2012ء

گائے کی زکوٰۃ میں بچھڑا دینا افضل ہے یا بچھیا؟

فتویٰ 380

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ گائے کی زکوٰۃ میں بچھڑا یا بچھیا دینے کا کہا گیا ہے تو ان دونوں میں سے کیا چیز زکوٰۃ میں دینا افضل ہے؟

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

بچھڑا اور بچھیا دونوں کا اختیار ہے، مگر افضل یہ ہے کہ گائیں زیادہ ہوں تو بچھیا زکوٰۃ میں دی جائے اور بیل زیادہ ہوں تو بچھڑا دیا جائے۔

چنانچہ فَتَاوٰی عَالَمگِیری میں ہے: "الأفضل فی البقر أن یؤدّی من الذکر التبیع و من الانثی التبیعة" ترجمہ: گائے کی زکوٰۃ میں افضل یہ ہے کہ اگر نر ہوں تو بچھڑا دیا جائے اور اگر مادہ ہوں تو بچھیا دی جائے۔

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 178، جلد 1، دارالفکر بیروت)

بہارِ شریعت میں ہے: "گائے بھینس کی زکوٰۃ میں اختیار ہے کہ نر لیا جائے یا مادہ، مگر افضل یہ ہے کہ گائیں زیادہ ہوں تو بچھیا اور نر زیادہ ہوں تو بچھڑا۔" (بہارِ شریعت، صفحہ 896، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

26 ربیع الثانی 1433ھ 20 مارچ 2012ء

فتویٰ 381

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ شہد کی مکھیوں کو شہد کی تجارت کے لئے پالا جاتا ہے کیا ان پر زکوٰۃ ہے؟ سائل: محمد عارف نوری (کھارادر، باب المدینہ کراچی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

پوچھی گئی صورت میں شہد کی مکھیوں کو بیچنے کے لئے نہیں پالا جاتا بلکہ ان سے حاصل ہونے والے شہد کی

تجارت کے لئے انہیں پالا جاتا ہے لہٰذا اِن مکھیوں پر زکوٰۃ نہیں۔

ہاں اگر یہ شہد عُشری زمین میں ہو یا ایسی زمین میں ہو جو نہ عُشری ہے نہ خراجی جیسے پہاڑ یا جنگل وغیرہ تو اس شہد پر عُشر واجب ہوگا۔

جیسا کہ **تَنوِیرُ الاَبصار و دُرِّمُختار** میں ہے: ''یجب العشر فی عسل و ان قل أرض غیر الخراج و لو غیر عشریة کجبل و مفازة، بخلاف الخراجیة لئلا یجتمع العشر والخراج'' **ترجمہ:** شہد میں عُشر واجب ہے اگرچہ تھوڑا ہی کیوں نہ ہو جبکہ وہ غیرِ خراجی زمین میں ہو چاہے وہ زمین غیرِ عُشری ہی کیوں نہ ہو جیسے پہاڑ اور جنگل۔ البتہ خراجی زمین کے شہد پر عُشر نہیں کیونکہ عُشر اور خراج ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے۔

(تنویر الابصار مع الدرالمختار، صفحہ 311 تا 312، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

صَدرُ الشَّرِیعَه، بَدرُ الطَّرِیقَه حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: ''عُشری زمین یا پہاڑ یا جنگل میں شہد ہوا، اس پر عُشر واجب ہے۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 918، جلد 1، مکتبة المدینہ)

شیخ الاسلام ابوبکر بن علی بن محمد یمنی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی عُشری زمین میں موجود شہد پر عُشر واجب ہونے کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''ان النحل تأکل من انوار الشجر و من ثمارھا کما قال اللہ تعالیٰ ﴿ ثُمَّ كُلِي مِن كُلِّ الثَّمَرَاتِ ﴾ والعسل متولد من الثمار وفی الثمار اذا کانت فی الارض العشریة العشر فکذا ما یتولد منھا و اما اذا کانت الارض خراجیة لم یجب فیھا شیء لان ثمارھا لم یجب فیھا عشر وبھذا فارق دود القز فانه یأکل الورق دون الثمار ولیس فی الاوراق شیء فکذا ما یتولد منھا والذی یتولد من دود القز ھوالابریسم ولا عشر فیه لما ذکرنا'' **ترجمہ:** بے شک شہد کی مکھی درختوں کے پھول اور پھل کھاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''پھر ہر قسم کے پھل میں سے کھا'' اور شہد ان پھلوں سے ہی بنتا ہے پھل جب عُشری زمین میں ہوں تو ان پر عُشر واجب ہوتا ہے لہٰذا جو چیز ان پھلوں سے بنے گی اس میں بھی عُشر واجب ہوگا۔ اور شہد اگر خراجی زمین میں ہو تو اس میں کچھ واجب نہیں کیونکہ خراجی زمین کے پھلوں میں بھی عُشر واجب نہیں ہوتا۔ اور یہی فرق ریشم کے کیڑے کے بارے میں ہے کہ وہ

درختوں کے پتے کھاتا ہے پھل نہیں کھاتا اور پتوں میں کچھ واجب نہیں تو جو چیز پتوں سے بنے گی اس میں بھی کچھ واجب نہیں ہوگا اور ریشم کے کیڑے سے جو چیز بنتی ہے وہ ریشم ہے اور ریشم میں عُشر واجب نہیں۔

(الجوھرۃ النیرہ، صفحہ 153، جلد 1، مطبوعہ کراچی)

اور علامہ ابنِ نُجَیم مصری عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: "العسل اذا کان فی أرض الخراج فلا شیء فیه لما ذکر أن وجوب العشر فیه لکونه بمنزلة الثمر ولا شیء فی ثمار أرض الخراج لامتناع وجوب العشر والخراج فی أرض واحدۃ" ترجمہ: شہد جب خراجی زمین میں ہو تو اس میں عُشر واجب نہیں جیسا کہ ذکر ہوا کہ شہد میں پھلوں کی وجہ سے عُشر واجب ہوتا ہے اور خراجی زمین کے پھلوں پر بھی عُشر نہیں لہٰذا شہد پر بھی نہیں کیونکہ ایک ہی زمین میں عُشر اور خراج دونوں کا وُجُوب مُمْتَنِع ہے۔

(بحرالرائق، صفحہ 414، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

یہاں عُشری زمین سے مراد غیرِ خراجی زمین ہے چاہے وہ عُشری ہو یا غیرِ عُشری جیسے جنگل اور پہاڑ، کیونکہ جنگل اور پہاڑ کے پھلوں میں بھی عُشر واجب ہے۔ جیسا کہ بہارِ شریعت میں ہے: "پہاڑ اور جنگل کے پھلوں میں بھی عُشر واجب ہے۔"

(بہارِ شریعت، صفحہ 918، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

اور علامہ شامی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: "قوله (أرض غیر الخراج) أشار الی أن المانع من وجوبه کون الأرض خراجیة، لأنه لا یجتمع العشر والخراج فشمل العشریة و ما لیست بعشرة ولا خراجیة کالجبل والمفازۃ" ترجمہ: مُصَنِّف کے اس قول "ارض غیر الخراج" میں اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ خراجی زمین میں عُشر واجب نہیں ہوتا کیونکہ عُشر اور خراج ایک ساتھ جمع نہیں ہوتے، لہٰذا یہ قول عُشری زمین اور وہ زمین جو نہ عُشری ہو نہ خراجی جیسے پہاڑ اور جنگل دونوں کو شامل ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، صفحہ 312، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

15 رمضان المبارک 1433ھ 04 اگست 2012ء
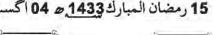
پولٹری فارم کی مرغیوں اور چوزوں پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

فتویٰ 382

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ

﴿1﴾ زید مرغی فارم کے لئے مرغیاں خرید کر لاتا ہے ارادہ یہ ہوتا ہے کہ ان سے انڈے حاصل ہونگے، کچھ انڈے فروخت ہونگے اور کچھ کے چوزے نکلوا کر بڑا کر کے بیچا جائے گا۔ جب یہ مرغیاں بوڑھی ہو جائیں گی تو ان کو بھی بیچ دیا جائے گا۔ پوچھی گئی صورت میں مرغیوں، ان کے انڈوں اور انڈوں سے حاصل چوزوں پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟

﴿2﴾ زید اپنے فارم پر چوزے لے کر آتا ہے اور خریداری کے وقت نیت یہ ہوتی ہے کہ ان کو بڑا کر کے فروخت کرے گا۔ ان چوزوں پر زکوٰۃ ہوگی یا نہیں؟ سائل: محمد عارف نوری (کھارادر، باب المدینہ کراچی)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

﴿1﴾ پوچھی گئی صورت میں فارمنگ کے لئے خریدی گئی مرغیاں، ان سے حاصل ہونے والے انڈے اور چوزے مالِ تجارت نہیں، لہٰذا ان پر زکوٰۃ نہیں۔ کیونکہ کسی بھی چیز کے مالِ تجارت ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اسے تجارت کی نیت سے خریدا گیا ہو۔

چنانچہ حضرت علامہ علاؤالدین حصکفی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: "والأصل أن ما عدا الحجرين والسوائم انما يزكى بنية التجارة بشرط عدم المانع المؤدى الى الثنى، وشرط مقارنتها لعقد التجارة" ترجمہ: اور قاعدہ یہ ہے کہ سونے چاندی اور چَرائی کے جانوروں کے علاوہ چیزوں میں نیتِ تجارت سے ہی زکوٰۃ ہوگی بشرطیکہ عُشر یا خراج مانع نہ ہو اور نیتِ تجارت وہی معتبر ہے جو عقد کے ساتھ مُتَّصِل ہو۔

(درمختار، صفحہ 230، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

جبکہ مذکورہ مرغیوں کو تجارت کی غرض سے نہیں خریدا گیا بلکہ ان سے مَنْفَعَت مقصود ہے۔ اسی طرح ان مرغیوں

کے انڈوں اور چوزوں میں بھی مالِ تجارت کی مذکورہ شرط نہیں پائی جا رہی لہٰذا ان پر زکوٰۃ نہیں۔

مفتی شریف الحق امجدی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللّٰہِ الْقَوِی لکھتے ہیں: ''اس وقت ہمارے سامنے ایسے مسائل ہیں جو لَایَنْحَل پڑے ہیں اور اب حضرت مفتی اعظم ہند قُدِّسَ سِرُّہٗ جیسا مُعتمَد و مُستنَد مرجع نہیں۔ جو لوگ نظر آ رہے ہیں ان پر غفلت اور کسل طاری ہے مطالعہ کی وُسعت کماحقہ، غور و فکر کی عادت مفقود ہے جس کے نتیجے میں مفتیانِ کرام کے مابین اختلافِ رائے ہو جاتا ہے مثلاً مجھ سے سوال ہوا کہ ڈیری فارم یعنی جو لوگ مرغیوں کو اس لئے پالتے ہیں کہ ان مرغیوں کو بھی بیچیں اور ان سے انڈے اور بچے بھی حاصل کریں اس پر زکوٰۃ ہے یا نہیں؟ میں نے فتویٰ دیا کہ اس پر زکوٰۃ نہیں اس لئے کہ یہ مالِ نامی نہیں۔ لیکن ایک دوسرے مفتی صاحب نے فتویٰ دیا کہ اس پر زکوٰۃ ہے سائل نے پریشان ہو کر پھر مجھے خط لکھا میں نے اس کی تھوڑی سی تفصیل و تنقیح کر کے اس کو بھیج دیا۔ اس ماحول میں ضروری ہے کہ مفتیانِ کرام اکٹھا بیٹھ کر نئے مسائل میں بحث و تمحیص کے بعد متفقہ فتویٰ دیں۔''

(صحیفہ فقہ اسلامی، صفحہ 14، فرید بک اسٹال لاہور)

﴿2﴾ پوچھی گئی صورت میں چونکہ خریدے گئے چوزے مالِ تجارت ہیں لہٰذا ان پر زکوٰۃ لازم ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــــہ

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

15 رمضان المبارک 1433ھ 04 اگست 2012ء

رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی جانوروں سے شفقت

شیخ عبدالحق محدث دہلوی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ ''مدارج النبوۃ'' میں فرماتے ہیں: ''اسی باب سے حدیث غزالہ ہے جسے آئمہ حدیث متعدد طریقوں اور سندوں سے روایت کر کے ایک کو دوسرے سے قوی بناتے ہیں، قاضی عیاض نے الشفاء میں اور ابونعیم نے دلائل میں ام سلیم رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمَا سے روایت کیا ہے کہ حضورِ اکرم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم صحرا میں گشت فرما رہے تھے کہ اچانک تین مرتبہ ''یَارَسُوْلَ اللّٰہ'' کی آواز سماعت فرمائی۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم اس آواز کی طرف متوجہ ہوئے دیکھا ہرنی بندھی ہوئی پڑی ہے اور ایک بدوی چادر اوڑھے لیٹا ہے۔ آپ نے ہرنی سے دریافت فرمایا: ''بتا کیا حاجت ہے؟ ہرنی نے کہا: مجھے اس بدوی نے شکار کر کے باندھ رکھا ہے۔ میرے دو بچے اس پہاڑ کی کھوہ میں ہیں اگر آپ مجھے آزاد کر دیں تو میں اپنے بچوں کو دودھ پلا کر آ جاؤں گی۔ حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے فرمایا: کیا تو ایسا کرے گی اور لوٹ آئے گی؟ ہرنی نے کہا: اگر میں لوٹ کر نہ آؤں تو خدا مجھے وہ عذاب دے جو محصول لینے والوں پر عذاب کرتا ہے۔ اس پر حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے رہا کر دیا اور وہ چلی گئی۔ تھوڑی دیر بعد وہ لوٹ آئی اور حضور صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم نے اسے باندھ دیا۔ جب بدوی بیدار ہوا تو کہنے لگا: یَارَسُوْلَ اللّٰہ! کوئی خواہش ہے؟ فرمایا: خواہش یہ ہے کہ تو اس ہرنی کو رہا کر دے تو اس بدوی نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ خوش خوش جنگل میں دوڑتی اور چوکڑیاں بھرتی چلی گئی وہ کہتی جاتی تھی: ''اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہ۔''

(مدارج النبوت، صفحہ 261، مطبوعہ ضیاء القرآن)

باب سابع

عُشر

فصل: 24 عشر کے مسائل 585

باب سابع: عُشر

فصل/عنوان 24

عُشر کے مسائل

عُشر میں قرض منہا نہیں ہوتا

فتویٰ 383

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ بعض کاشتکار زمین کی تیاری سے لے کر بیج، کھاد، زرعی اَدویات اور پانی وغیرہ کے اَخراجات فصل کی کٹائی کے بعد دیتے ہیں اس صورت میں عشر یا نصف عشر کل پیداوار پر ہوگا یا جو فصل کیلئے قرض لیا گیا تھا اس کی ادائیگی کے بعد جو پیداوار بچے گی اس میں سے عشر یا نصف عشر دیا جائے گا یعنی اس میں قرض کا اعتبار ہوگا یا نہیں؟ سائل: فیض الحبیب (پاکپتن شریف)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

عشر میں قرض کا اعتبار نہیں جیسے کہ زکوۃ میں ہوتا ہے لہذا جس پر قرض ہو اس کو بھی عشر یا نصف عشر دینا ہوگا۔

جیسا کہ دُرِّ مُختَار میں ہے: "و یجب مع الدین" ترجمہ: قرض کی صورت میں بھی عشر واجب ہوگا۔

(درمختار، صفحہ 314، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

اسی طرح بیج، کھاد، زرعی اَدویات اور پانی وغیرہ کے اَخراجات بھی اس میں سے مِنہا نہیں کیے جائیں گے۔

جیسا کہ تَنوِیرُ الاَبصَار و دُرِّ مُختَار میں ہے: "یجب نصفه...... بلا رفع مؤن أی: کلف الزرع

و بلا اخراج البذر لتصريحهم بالعشر فی کل الخارج" عبارت کا مفہوم اوپر گزرا۔
(تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 316 تا 317، جلد 3، دار المعرفة بیروت)

وَاللّٰهُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــہ
ابو الصالح محمد قاسم القادری
14 ربیع الثانی 1427ھ 13 مئی 2006ء

کس مقدار پر عشر نکالنا ضروری ہے؟

فتوی 384

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین ان مسائل کے بارے میں کہ

﴿1﴾ ایک شخص کی اپنی زمین ہے اور وہ خود اس میں کاشت بھی کرتا ہے تو عشر کا نکالنا اس پر کب واجب ہوگا؟ یعنی کتنی مقدار میں پیداوار حاصل ہو تو اس میں عشر ہوگا؟

﴿2﴾ ایک شخص دوسرے کی زمین بٹائی (نصف، ثُلُث یا رُبع وغیرہ) پر لے کر اس میں کاشت کرتا ہے اور جب پیداوار حاصل ہوتی ہے تو مالک کو اس کا مقررہ حصہ دے دیتا ہے اس صورت میں عشر کی کیا صورت ہوگی؟

سائل: محمد شفیق الرحمٰن (شجاع آباد)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

عشری زمین سے ایسی چیز پیدا ہو جس کی زراعت سے مقصود زمین سے منافع حاصل کرنا ہے تو اس پیداوار کی زکوٰۃ فرض ہے اور اس زکوٰۃ کا نام عشر ہے۔ جو کھیت بارش یا نہر نالے کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں دسواں حصہ واجب ہے البتہ اگر پانی خرید کر آبپاشی کی تو بیسواں حصہ ہے اسی طرح جس کی آبپاشی چرسے یا ڈول وغیرہ سے ہو اس میں بھی بیسواں حصہ واجب ہے۔

صَحِیح بُخَارِی شریف میں حضرتِ ابن عمر رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْھُمَا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ''فِیْمَا سَقَتِ السَّمَاءُ وَالْعُیُوْنُ أَوْ کَانَ عَثَرِیًّا الْعُشْرُ وَمَا سُقِیَ بِالنَّضْحِ نِصْفُ الْعُشْرِ'' ترجمہ: جس زمین کو آسمان یا چشموں نے سیراب کیا یا عشری ہو یعنی نہر کے پانی سے اسے سیراب کرتے ہوں اس میں عشر ہے اور جس زمین کے سیراب کرنے کے لئے جانور پر پانی لاد کر لاتے ہوں اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ ہے۔ (صحیح بخاری، صفحہ ۵۰۱، جلد ۱، حدیث ۱۴۸۳، دارالکتب العلمیہ بیروت)

﴿1﴾ عشر پیداوار حاصل ہونے پر واجب ہو جاتا ہے۔ اس میں نصاب کی شرط نہیں اگر ایک صاع بھی پیداوار ہو تو عشر واجب ہے۔ اس میں سال کا گزرنا بھی شرط نہیں لہٰذا جب بھی پیداوار حاصل ہو اس پر عشر واجب ہوگا اگرچہ سال میں کئی مرتبہ حاصل ہو اگرچہ ہر مرتبہ مختلف قسم کی پیداوار ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے: ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ ترجمۂ کنزالایمان: اور اس کا حق دو جس دن کٹے۔ (پارہ 8، الانعام: 141)

مفسر قرآن مفتی احمد یار خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''یہ آیت امام صاحب کی قوی دلیل ہے کہ ہر پیداوار میں زکوٰۃ ہے کم ہو یا زیادہ۔ اس کے پھل سال تک رہیں یا نہ رہیں کیونکہ رب نے بغیر قید سب پر ﴿وَاٰتُوْا حَقَّهٗ یَوْمَ حَصَادِهٖ﴾ فرما کر بتایا کہ سونے چاندی کی طرح پیداوار کی زکوٰۃ میں سال بھر تک مالک کے پاس رہنا ضروری نہیں۔ کاٹتے ہی زکوٰۃ دینا واجب ہے خیال رہے کہ کھیت کے دانے سال بھر تک ٹھہر جاتے ہیں مگر باغوں کے پھل نہیں ٹھہرتے لیکن ان سب کے متعلق فرمایا کہ ان کی پیداوار کی زکوٰۃ دو۔''
(تفسیر نورالعرفان، صفحہ 232، پیربھائی کمپنی لاھور)

ابنِ نجار حضرتِ انس رَضِیَ اللّٰہُ تَعَالٰی عَنْہ سے راوی کہ حضور صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم فرماتے ہیں: ''فِیْ کُلِّ شَیْءٍ اَخْرَجَتِ الْاَرْضُ الْعُشْرُ أَوْ نِصْفُ الْعُشْرِ'' ترجمہ: ہر اس شے میں جسے زمین نے نکالا عشر یا نصف عشر ہے۔ (کنز العمال، صفحہ ۱۴۰، جزء ۶، جلد ۳، حدیث ۱۵۸۷۳، دارالکتب العلمیہ بیروت)

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّ مُخْتَار میں ہے: ''تجب فی مسقی سماء أی: مطر وسیح کنھر بلا

شرط نصاب...... وبلا شرط بقاء وحولان حول، لأن فيه معنى المؤنة "یعنی عشر(دسواں حصہ) بارش کے پانی اور نہر و نالے کے پانی سے سیراب ہونے والی زمین کی پیداوار میں واجب ہے اس میں نصاب کی، سال بھر باقی رہنے کی اور پورا سال گزرنے کی شرط نہیں۔ کیونکہ اس میں مؤنۃ کا معنی موجود ہے۔(ملتقطاً)

"بلا شرط نصاب" کے تحت علامہ شامی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: "فيجب فيما دون النصاب بشرط أن يبلغ صاعا "ترجمہ: تو جو نصاب سے کم ہو اس میں بھی عشر واجب ہوگا شرط یہ ہے کہ ایک صاع کی مقدار کو پہنچ جائے۔

اور "حولان حول" کے تحت فرماتے ہیں: "حتى لو أخرجت الأرض مرارا وجب في كل مرة لاطلاق النصوص عن قيد الحول، ولأن العشر في الخارج حقيقة فيتكرر بتكرره "ترجمہ: یہاں تک کہ اگر زمین نے کئی بار پیداوار نکالی تو ہر مرتبہ عشر واجب ہوگا کیونکہ نصوص سال کی قید سے مطلق ہیں یعنی ان میں سال کی قید نہیں ہے۔ اور اس لئے کہ عشر حقیقتاً زمین جو کچھ نکالے اس میں ہے تو زمین کی پیداوار کے تکرار کے ساتھ یہ بھی متکرّر ہو جائے گا۔

(ردالمحتار على الدرالمختار، صفحه 313، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّمُختَار میں ہے: "ويجب نصفه في مسقى غرب أي دلو كبير ودالية أي دولاب لكثرة المؤنة "ترجمہ: اور بڑے ڈول اور چرسے سے جس زمین کی آبپاشی کی گئی اس کی پیداوار میں سے کثرتِ مؤنۃ کی وجہ سے عشر کا نصف (یعنی بیسواں حصہ) واجب ہوتا ہے۔

(تنوير الابصار مع الدرالمختار، صفحه 316، جلد 3، دارالمعرفة بيروت)

﴿2﴾ دوسرے کی زمین میں بٹائی پر کاشت کرنے کی صورت میں جو پیداوار حاصل ہوگی اس میں سے جتنا حصہ مالک کا ہے اس کا عشر مالک دے گا اور جتنا حصہ کاشتکار کا ہے اس میں سے کاشتکار دے گا۔ اس میں بھی وہی تفصیل ہے جو اُوپر مذکور ہوئی کہ عشر پیداوار حاصل ہونے پر واجب ہوگا۔ اس میں نصاب کی شرط نہیں اگر ایک صاع بھی پیداوار ہو تو عشر واجب ہوگا۔ اس میں سال کا گزرنا بھی شرط نہیں لہٰذا جب بھی پیداوار حاصل ہو اس پر عشر واجب ہوگا اگرچہ سال میں کئی مرتبہ حاصل ہو اگرچہ ہر مرتبہ مختلف قسم کی پیداوار ہو۔

سیّدی اعلیٰ حضرت، عظیم المرتبت، مُجدِّدِ دِین ومِلّت امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''زمین اگر بٹائی پر دی جائے یعنی مزارِع سے پیداوار کا حصہ مثلاً نصف یا ثلث غلّہ قرار دیا جائے تو مالکِ زمین پر صرف بقدرِ حصہ کا عشر آئے گا مثلاً مزارعت بالمناصفہ کی صورت میں سو مَن غلّہ پیدا ہوا تو زمیندار پانچ مَن عشر میں دے۔ (فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 216 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

صَدرُ الشَّریعَہ، بَدرُ الطَّریقَہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ رَحْمَۃُ اللہِ الْوَالِی فرماتے ہیں: ''عشری زمین بٹائی پر دی تو عشر دونوں پر ہے۔'' (بہارِ شریعت ، صفحہ 921 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

01 ربیع الاول 1428ھ 21 مارچ 2007ء

کیا بارانی اور نہری پانی سے عشر میں فرق آئے گا؟

فتویٰ 385

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ عُشر بارانی زمین سے دسواں حصہ اور نہری سے 20واں حصہ نکالنا چاہیے۔ کتابوں میں لکھا ہے کہ خرچ نکال کر عشر نہیں دیا جائے گا بلکہ کل پیداوار سے ہی نکالا جائے گا فی زمانہ لوگ عشر ادا کرتے نظر نہیں آتے اگر انہیں کہا جائے تو وہ اسی طرح کے سوالات کرتے ہیں کہ پہلے زمانہ میں فصل کاشت کرنے میں اتنا خرچہ نہیں آتا تھا زیادہ سے زیادہ بیج یا پھر اگر کرایہ پر زمین لی تو اس کا ٹھیکہ۔ مگر اب بہت سارے خرچ دینے پڑتے ہیں اور وہ کئی صورتیں بتاتے ہیں جو مندرجہ ذیل عرض کر رہا ہوں اگر جواب دینا مناسب سمجھیں تو سوال کو بھی خود اچھی طرح ترتیب دے کر تمام صورتوں کو واضح کریں تا کہ پھر ہم اس فتویٰ کو لوگوں میں عام کر سکیں خاص کر پنجاب میں۔

﴿1﴾ ایک شخص کی اپنی زمین ہے اپنا ٹریکٹر ہل چلانے کیلئے ہے اپنا ٹیوب ویل پانی دینے کے لئے ہے اور ساتھ نہری پانی بھی ہے اور اسپرے کیڑے مار دوائی بھی وہ نقد اٹھاتا ہے اور بیج اور مزدوروں کی مزدوری بھی وہ نقد ادا کرتا ہے ایسا شخص جب فصل کاٹے گا تو عشر کی مقدار کیا ہوگی؟ جبکہ اس کے اوپر کوئی قرضہ بھی نہیں ہے۔

﴿2﴾ ایسا شخص جس کی زمین اپنی نہیں بلکہ وہ 6,000 روپے فی ایکڑ ٹھیکہ پر سال کے لئے زمین لیتا ہے اور باقی تمام چیزیں اس کی اپنی ہیں اور کوئی قرضہ بھی نہیں ہے۔

﴿3﴾ ایسا شخص جو زمین بھی ٹھیکہ پر لے 6,000 روپے، ٹریکٹر کا خرچہ 1,000 روپے فی ایکڑ، ٹیوب ویل کا پانی خریدے 1,000 روپے، مزدوری دے 1,000 روپے، اور اسپرے کا خرچہ کرے 2,000 روپے۔ اور تمام چیزیں وہ اس شرط پر کرے کہ فصل کے بعد آپ کو ادا کروں گا ایسا شخص عشر کس طرح ادا کرے گا؟

﴿4﴾ ایسا شخص جو نمبر 3 والی تمام چیزیں بھی اُدھار کرے اور بچوں کے خرچ یا شادیوں کی یا مکان کی وجہ سے بھی قرض دار ہے اور وہ کاشتکار بھی ہے وہ عشر کس طرح ادا کرے؟

﴿5﴾ ایسا شخص کہ خود کاشتکاری کرے اور اس کا بیٹا ملازمت کرے اور ماہانہ تنخواہ والدہ کو گھر کے خرچ کے لئے دے مگر والدہ اس سے لے کر فصل میں استعمال کرے اور اُن کے گھر کا خرچ پھر اُدھار آتا ہو اور فصل آنے پر دکان دار کو رقم ادا کی گئی ہو۔ وہ کس طرح عشر ادا کرے گا کہ وہ ابھی تک قرض دار ہے؟　　　سائل: مقصود احمد کامران قادری

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جو زمین عشری ہو اس کی پیداوار پر عشر فرض ہونے کی مختلف شرائط ہیں، اور اس میں سال گزرنا بھی شرط نہیں بلکہ سال میں چند بار ایک کھیت میں زراعت ہوئی تو ہر بار عشر واجب ہے، نیز اس میں نصاب بھی شرط نہیں ایک صاع بھی پیداوار ہو تو عشر واجب ہے اور یہ شرط بھی نہیں کہ وہ چیز باقی رہنے والی ہو اور یہ شرط بھی نہیں کہ کاشتکار زمین کا مالک ہو، لہٰذا مذکورہ مسائل میں

﴿1﴾ پہلی صورت میں شخص مذکور اگر اپنے ٹیوب ویل کے پانی سے زیادہ آبپاشی کرتا ہے تو فصل آنے پر نصف عشر

یعنی بیسواں حصہ زکوٰۃ دینا واجب ہے اور اگر اکثر نہر کے پانی سے کام لیتا ہے تو اس صورت میں عشر واجب ہے۔

تنویر الابصار و دُرِّ مختار میں ہے: "و تجب فی مسقی سماء أی مطر و سیح کنهر...... و یجب نصفه فی مسقی غرب أی دلو کبیر و دالیة أی دولاب لکثرة المؤنة...... و لو سقی سیحا و بآلة اعتبر الغالب " یعنی جو کھیت بارش یا نہر کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر واجب ہے اور جس کی سیرابی چرسے یا ڈول سے ہو اس میں نصف عشر واجب ہے اور اگر نہر اور ڈول چرسے دونوں سے سیراب کیا گیا تو غالب کا اعتبار ہوگا یعنی اکثر اگر نہر کا پانی استعمال ہوا تو عشر واجب ہوگا اور اگر اکثر ڈول چرسے کا پانی استعمال ہوا تو نصف عشر واجب ہوگا۔ اور اگر نہر اور ٹیوب ویل سے پانی خریدا جاتا ہے تو نصف عشر واجب ہے۔(ملتقطاً) (تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 313 تا 316 ، جلد 3 ، دار المعرفة بیروت)

﴿2﴾ اس کا بھی وہی حکم ہے جو پہلی صورت کا ہے کہ کاشتکار کا زمین کا مالک ہونا شرط نہیں۔

خاتم المحققین علامہ ابنِ عابدین شامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "ان ملك الأرض لیس بشرط لوجوب العشر " یعنی وجوب عشر میں کاشتکار کا مالک زمین ہونا شرط نہیں۔

(ردالمحتار علی الدر المختار، صفحہ 314 ، جلد 3 ، دار المعرفة بیروت)

﴿3﴾ اس صورت میں نصف عشر واجب ہے۔

علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "أو سقاه بماء اشتراه " یعنی اگر پانی خرید کر آب پاشی کی تو نصف عشر واجب ہے۔ (درمختار ، صفحہ 316 ، جلد 3 ، دار المعرفة بیروت)

صدر الشریعہ، بدر الطریقہ مولانا امجد علی اعظمی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "اور پانی خرید کر آبپاشی ہو یعنی وہ پانی کسی کی مِلک ہے اس سے خرید کر آبپاشی کی جب بھی نصف عشر واجب ہے۔

(بہارِ شریعت، صفحہ 917 ، جلد 1، مکتبة المدینه)

﴿4,5﴾ ان دونوں صورتوں میں حکم وہی رہے گا۔

جیسا کہ علامہ علاؤالدین حصکفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "و یجب مع الدین " یعنی قرضہ ہونے کے

باوجود بھی عشر (یا نصف عشر) واجب ہے۔ (درمختار، صفحہ 314، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــــــــــــــــــــــہ
محمد فاروق العطاری المدنی
7 ذیقعدہ 1422ھ 22 جنوری 2002ء

جانوروں کے اگائے گئے چارے پر عشر ہوگا یا نہیں؟

فتویٰ 386

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک شخص اپنے کھیت میں جانوروں کا چارہ بیچنے کی غرض سے کاشت کرتا ہے بعدِ فصل کچھ تو بیچ دیتا ہے اور کچھ اپنے جانوروں کے لئے روک لیتا ہے کیا اس چارہ پر بھی عشر دینا لازم ہوگا؟ سائل: عمر دراز عطاری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر جانوروں کا چارہ باقاعدہ کاشت کیا تو اس میں بھی عشر ہوگا چاہے اسے بیچے یا نہ بیچے۔ اس لئے کہ ایسی چیز جس سے زمین کے منافع مقصود ہوں اور وہ بالقصد کاشت کی جائے تو اس میں عشر واجب ہوتا ہے۔

چنانچہ تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّ مُخْتَار میں ہے: ”الا فیما لا یقصد به استغلال الارض نحو حطب وقصب...... و حشیش...... حتی لو أشغل ارضه بها یجب العشر“ ترجمہ: ان چیزوں میں عشر نہیں جن سے زمین کے منافع مقصود نہیں ہوتے جیسا کہ ایندھن، نرکل، گھاس لیکن اگر بالقصد انہیں زمین میں کاشت کیا تو ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔ (ملتقطاً)

(تنویرالابصار مع الدرالمختار، صفحہ 315 تا 316، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

اسی کے تحت شامی میں ہے: ”وان المدار علی القصد حتی لو قصد بذلك وجب

العشر ''ترجمہ: بے شک مدار قصد پر ہے اگر گھاس وغیرہ کو اُگانے کا قصد کیا تو ان میں بھی عشر واجب ہوگا۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، صفحہ 315، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

اور جو بعض کتابوں میں یہ قید ذکر کی ہے کہ عشر ان چیزوں میں ہوگا جن کو کاشت کرنے کے بعد بیچا بھی ہو تو وہ قید اتفاقی ہے ضروری نہیں۔

چنانچہ علامہ شامی علیہ الرحمہ ''حتی لو اشغل ارضه بها یجب العشر '' کی شرح میں ارشاد فرماتے ہیں: ''وبیع ما یقطعه لیس بقید ولذا أطلقه قاضیخان ''ترجمہ: اور جو کاٹا جائے اسے بیچنے کی قید ضروری نہیں اسی لئے امام قاضی خان نے اسے مطلقاً (بغیر قید کے) ذکر کیا ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، صفحہ 316، جلد 3، دارالمعرفۃ بیروت)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

17 رمضان المبارک 1426ھ 22 اکتوبر 2005ء

عشر نہ نکالی پیداوار کا کھانا جائز ہے یا نہیں؟

فتوی 387

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر فصل کا عشر نہ نکالا جائے تو گھر کے دوسرے افراد کے لئے کھانا ٹھیک ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

عشری زمین کی فصل کا عشر نکالنا واجب ہے اگر پہلے نہیں ادا کیا تو اب بھی ادا کرنا ضروری ہے اور گھر کے افراد کے لئے وہ فصل کھانا جائز ہے اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں کیونکہ عشر نہ نکالنے کا گناہ صاحبِ فصل پر ہے نہ کہ

سب افراد پر۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

14 جمادی الاولی 1427ھ 11 جون 2006ء

مستحق بہن بھائی کو عشر دینا کیسا؟

فتویٰ 388

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ اگر بندہ خود فقیر ہو یا گھر میں ایک یا چند افراد فقیر ہوں تو عشر گھر میں استعمال کر سکتے ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اپنے بہن یا بھائی کو جو شرعی فقیر ہوں عشر دے سکتے ہیں۔ والدین، بیوی اور بچوں کو نہیں دے سکتے۔ اسی طرح خود بھی عشر نہیں رکھ سکتے اگرچہ شرعی فقیر ہوں کیونکہ عشر واجب ہونے کا سبب زمین نامی یعنی قابل کاشت زمین سے حقیقتاً پیداوار کا ہونا ہے، اس میں مالک کے غنی یا فقیر ہونے کا کوئی اعتبار نہیں۔

(ماخوذ من العنایہ والکفایۃ، صفحہ 188، جلد 2، مطبوعہ کوئٹہ)

فقیہ النفس امام قاضی خان رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ لکھتے ہیں: "یصرف العشر الی من یصرف الیہ الزکاۃ"، یعنی عشر ہر اس شخص کو دیا جا سکتا ہے جس کو زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

(فتاویٰ قاضی خان علی ہامش الھندیہ، صفحہ 277، جلد 1، دارالفکر بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

5 جمادی الثانی 1427ھ 2 جولائی 2006ء

گھر میں عشر کون نکالے؟

فتویٰ 389

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زکوٰۃ کس آدمی پر فرض ہے اور صاحبِ نصاب کون کہلاتا ہے؟ میرا سوال یہ ہے کہ ایک گھر میں چار بھائی رہتے ہیں سب کے نام پر زمین ہے لیکن ان میں سے سب سے بڑے بھائی ہی زمین کی دیکھ بھال کرتے ہیں باقی سب چھوٹے ہیں تو کیا زکوٰۃ سب پر فرض ہوگی جبکہ زمین ہی کمائی کا واحد ذریعہ ہے؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

زکوٰۃ صاحبِ نصاب پر فرض ہے اور صاحبِ نصاب سے مراد ایسا شخص ہے کہ جس کے پاس ساڑھے سات تولہ سونا یا ساڑھے باون تولہ چاندی یا اس کے برابر رقم حاجتِ اَصلیہ کے علاوہ ہو، سونے چاندی میں حاجتِ اَصلیہ کا اعتبار نہیں مطلقاً ان پر زکوٰۃ فرض ہے اور زکوٰۃ تین قسم کے مال پر ہے: ﴿1﴾ ثمن یعنی سونا چاندی ﴿2﴾ مالِ تجارت ﴿3﴾ سائمہ یعنی چَرائی پر چھوٹے جانور۔

سوال سے ظاہر یہی ہوتا ہے کہ ایک زرعی زمین چار بھائیوں کے نام ہے اور اس کی زکوٰۃ کیسے ادا کی جائے گی تو اس کا جواب یہ ہے کہ زرعی زمین پر کوئی زکوٰۃ نہیں بلکہ اس زمین سے نفع حاصل کرنے کی غرض سے اُگائی جانے والی شے کی پیداوار پر زکوٰۃ ہے اور اسے عشر کہتے ہیں۔ عشر چونکہ زمین کی پیداوار پر ادا کیا جاتا ہے لہٰذا جو بھی اس پیداوار کا مالک ہوگا وہ عشر ادا کرے گا خواہ صاحبِ نصاب ہو یا شرعی فقیر ہو، مجنون ہو یا نابالغ ہی کیوں نہ ہو، ان سب پر عشر دینا واجب ہے۔ اب زمین کی سیرابی کے مختلف طریقے ہوتے ہیں بعض لوگ بارش اور نہر وغیرہ سے زمین کو سیراب کرتے ہیں اور بعض لوگ ٹیوب ویل یا ٹیوب ویل سے خرید کر پانی استعمال کرتے ہیں۔ زمین کی پیداوار پر عشر (زمین کی پیداوار کا دسواں حصہ) یا نصف عشر (زمین کی پیداوار کا بیسواں حصہ) واجب ہونا زمین کی سیرابی کے طریقے پر

ہے اور آپ کی زمین کی سیرابی کا طریقہ معلوم نہیں لہٰذا یہ متعین نہیں کیا جاسکتا کہ آپ کی زمین کی پیداوار پر عشر واجب ہے یا نصف عشر۔

عشر کے احکام جاننے کے لئے آپ تفصیل روانہ فرمائیے یا پھر عشر کے احکام نامی رسالہ کا مطالعہ فرمائیں جو دعوتِ اسلامی کے اشاعتی اِدارے مکتبۃ المدینہ پر دستیاب ہے یہ رسالہ خاص کر کاشتکاروں ہی کی رہنمائی کے لئے تحریر کیا گیا ہے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــــــــہ

ابُوالصّالح محمد قاسم القادری

4 شعبان المعظم 1428ھ 30 اگست 2006ء

عشر کے مصارِف کیا ہیں؟

فتویٰ 390

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین ان مسائل کے بارے میں کہ

﴿1﴾ عشر کے کیا مصارِف ہیں؟

﴿2﴾ کیا عشر کا مال بغیر حیلہ کے رفاہِ عامہ مثلاً قبرستان میں پانی، جنازہ گاہ کی وُسعت وغیرہ میں خرچ کیا جاسکتا ہے؟

سائل: محمد ایوب (مرکز الاولیاء لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

﴿1﴾ عشر کے وہی مصارف ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں۔

جیسا کہ تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار میں علامہ تمرتاشی نے کتاب الزکوٰۃ میں جہاں زکوٰۃ کے مصارِف بیان کئے وہاں

فرماتے ہیں:''باب المصرف ''**یعنی** زکوٰۃ کے مصارِف۔

(تنویر الابصار، صفحہ 333، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

اس کے تحت علامہ علاؤ الدین حصکفی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں:''ای مصرف الزکاۃ والعشر ''**یعنی** یہ باب زکوٰۃ اور عشر دونوں کے مصارِف کے بارے میں ہے۔ (درمختار، صفحہ 333، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

اور مصارِفِ زکوٰۃ درج ذیل ہیں: (1) فقیر، وہ ہے جس کے پاس حاجاتِ اَصلیہ کے علاوہ نصاب سے کم مال ہو۔ (2) مسکین، وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ (3) عامل، اس کو اس کے عمل کی مقدار زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا۔ (4) مکاتب غلام۔ (5) ایسا مقروض کہ قرض نکالنے کے بعد اس کے پاس نصاب باقی نہ رہے۔ (6) فی سبیل اللہ یعنی محتاج مجاہد۔ (7) مسافر جس کی مِلک میں مال ہو مگر پاس نہ ہو۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۶۰﴾ (پارہ 10، التوبۃ: 60)

ترجمۂ کنز الایمان: زکوٰۃ تو انہیں لوگوں کے لئے ہے محتاج اور نرے نادار اور جو اسے تحصیل کر کے لائیں اور جن کے دلوں کو اسلام سے اُلفت دی جائے اور گردنیں چھڑانے میں اور قرض داروں کو اور اللہ کی راہ میں اور مسافر کو یہ ٹھہرایا ہوا فرض ہے اللہ کا اور اللہ علم و حکمت والا ہے۔

علامہ شمس الدین تمرتاشی علیہ الرحمہ مصارِفِ زکوٰۃ بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:''هو فقير وهو من له أدنى شيء ومسكين من لا شيء له وعامل فيعطى بقدر عمله ومكاتب ومديون لا يملك نصابا فاضلا عن دينه وفي سبيل الله وهو منقطع الغزاة وابن السبيل وهو من له مال لا معه ''**یعنی** مصارِفِ زکوٰۃ درج ذیل ہیں: (1) فقیر، اور فقیر وہ ہے جس کے پاس ادنیٰ چیز (نصاب سے کم) ہو۔ (2) مسکین، اور مسکین وہ ہے جس کے پاس کچھ نہ ہو۔ (3) عامل، اس کو اس کے عمل کی مقدار زکوٰۃ میں سے دیا جائے گا۔ (4) مکاتب غلام۔ (5) ایسا مدیون ہے کہ دَین نکالنے کے بعد اس کے پاس نصاب باقی نہ رہے۔

(6) فی سبیل اللہ، اور یہ وہ شخص ہے جو مال نہ ہونے کی وجہ سے غازیوں سے جُدا ہو گیا ہو۔ (7) مسافر جس کی مِلک میں مال ہو مگر پاس نہ ہو۔　(تنویر الابصار، صفحہ 333 تا 340، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

﴿2﴾　عشر کا مال ان کاموں کے لئے استعمال نہیں کر سکتے کیونکہ عشر کے وہی مصارِف ہیں جو زکوٰۃ کے ہیں اور جس طرح زکوٰۃ میں کسی شخص کو مالک بنانا ضروری ہے اسی طرح عشر میں بھی ضروری ہے۔

تَنْوِیْرُ الْاَبْصَار و دُرِّ مُخْتَار میں ہے: ''یشترط ان یکون الصرف تملیکا...... لا یصرف الی بناء مسجد ولا الی کفنِ میت'' ترجمہ: زکوٰۃ و عشر کی ادائیگی میں یہ شرط ہے کہ خرچ بطورِ تملیک ہو لہٰذا مسجد بنانے اور کفنِ میّت میں خرچ نہیں کر سکتے۔'' (ملتقطاً)

(تنویر الابصار مع الدر المختار، صفحہ 341 تا 342، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

اور اگر ان کاموں میں ضرورتاً استعمال کرنا چاہیں تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے کسی فقیر شرعی کی مِلک کریں اور پھر وہ ان کاموں میں خرچ کر دے۔

دُرِّ مُخْتَار میں ہے: ''أن الحیلۃ أن یتصدق علی الفقیر ثم یامرہ بفعل ھذہ الاشیاء'' ترجمہ: زکوٰۃ و عشر کی رقم کو ان کاموں میں خرچ کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے فقیر پر تصدق کرے پھر اسے ان افعال میں خرچ کرنے کا کہے۔　(درمختار، صفحہ 343، جلد 3، دار المعرفۃ بیروت)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــہ
محمد ہاشم خان العطاری المدنی
01 ربیع الاول 1431ھ

مشترک زمین کا عشر نکالنے کا طریقہ

فتویٰ 391

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہم پانچ بھائی ہیں اور ہمارا رہن

سہن، زمین وغیرہ سب اکٹھا ہے مگر زکوٰۃ وعشر ادا نہیں کیا جاتا۔ ہم دو بھائیوں نے دوسروں سے کہا ہے کہ زکوٰۃ وعشر ادا کریں، نہیں تو ہم علیحدہ ہو جائیں گے۔ اس بات پر امی ناراض ہوگئی ہیں ہم کیا کریں، جدا ہو کر اپنا عشر و زکوٰۃ ادا کریں یا امی کی بات مانیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

آپ کی والدہ اگر زکوٰۃ وعشر ادا کرنے کی بات پر ناراض ہوئی ہیں تو ان کا ناراض ہونا بے جا ہے اور اس میں ان کی بات ہرگز نہیں مانی جائے گی۔

حدیث شریف میں ہے: ”لَا طَاعَةَ لِأَحَدٍ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰه تَعَالٰى“ یعنی جس کام سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوتی ہو اس میں کسی کی اطاعت جائز نہیں۔ (کنز العمال، صفحہ 27، جلد 6، مطبوعہ ملتان)

لیکن ظاہر یہ ہے کہ وہ جدا ہونے کی بات پر خفا ہوئیں۔ اس صورت میں آپ ان کی بات پر عمل کرتے ہوئے دیگر بھائیوں سے جدا نہ ہوں، اور آپ کے دیگر بھائی اگر عشر و زکوٰۃ ادا نہیں کرتے تو آپ دونوں بھائی اپنے حصے کا عشر اور جو زکوٰۃ بنتی ہو تو وہ بھی ادا کر دیں۔ اس طرح ان شاء اللہ تعالیٰ آپ دونوں بری الذمہ ہو جائیں گے۔ مگر ساتھ ہی دیگر بھائیوں کو بھی حسن تدبیر سے نیکی کی دعوت دیتے ہوئے اپنے اپنے حصے کا عشر اور جس جس پر زکوٰۃ بنتی ہو وہ ادا کرنے کا مدنی ذہن دیتے رہیں۔ انہیں زکوٰۃ وعشر ادا نہ کرنے کی وعیدیں اور ادا کرنے پر بشارتیں سنائیں اور اپنے ساتھ ساتھ انہیں بھی قبر و جہنّم کے عذابات سے نجات دلانے کی کوشش فرماتے رہیں۔ اس کے لئے ان کی دعوتِ اسلامی کے اجتماعات میں شرکت اور مدنی قافلوں میں سفر کی ترکیب بنائیں اور امیر اہلسنّت حضرتِ علامہ مولانا محمد الیاس عطار قادری دَامَتْ بَرَکَاتُھُمُ الْعَالِیَہ اور دیگر مبلّغینِ دعوتِ اسلامی کے بیانات سنائیں۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

کتبــــــــــــــه
المتخصص فی الفقه الاسلامی
نور المصطفی العطاری المدنی
23 محرم الحرام 1430ھ

گندم پر زکوٰۃ کا حکم؟

فتویٰ 392

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا گندم پر بھی زکوٰۃ فرض ہوتی ہے؟

سائلہ: بنتِ اکرم (فیصل آباد)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

اگر گندم کو بیچنے کے لئے خریدا ہے تو سال گزرنے پر زکوٰۃ فرض ہے جبکہ وہ مقدار خود یا دوسرے مالِ زکوٰۃ کے ساتھ مل کر نصاب کی مقدار میں ہو مثلاً ایک سال کے گزرنے پر بقدرِ نصاب گندم دکان میں موجود تھی تو اس کی زکوٰۃ دی جائے گی۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کسی نے گندم اپنے کھانے کے لئے گھر میں رکھی ہو چونکہ یہ اب مال نامی نہ رہی اس لئے اس پر زکوٰۃ فرض نہ ہوگی۔ زکوٰۃ فرض ہونے کے لئے مال کا نامی ہونا شرط ہے۔

چنانچہ فَتَاوٰی عَالَمْگِیْری میں ہے: ''منها كون النصاب ناميا''

(فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 174، جلد 1، دارالفکر بیروت)

تیسری صورت یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس ایسی زمین ہو جس کو بارش، نہر یا نالے کے پانی سے سیراب کیا جاتا ہو اور اس زمین سے اگر گندم نکلے گی تو اس کا عشر یعنی دسواں حصہ اللہ کی راہ میں دینا لازم ہوگا۔

چنانچہ فَتَاوٰی عَالَمْگِیْری میں ہے: ''يجب العشر عند ابی حنيفة فی كل ما تخرجه الارض من الحنطة والشعير'' ترجمہ: امام اعظم کے نزدیک عشر ہر اس چیز پر واجب ہے جو زمین سے نکلے خواہ

وہ گندم ہو یا جو۔ (فتاویٰ عالمگیری، صفحہ 186، جلد 1، دارالفکر بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح
محمد فاروق العطاری المدنی

کتبــــــــہ
ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی
27 ذیقعدہ 1425ھ 9 جنوری 2004ء

دفینے کے اَحکام

فتویٰ 393

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ہمارے گھر میں ہندوؤں کے زمانہ کا دفینہ دفن ہے ہم اس کو نکالنا چاہتے ہیں تو ہمارا اسے نکالنا شرعاً کیسا ہے؟ اس کو کون نکالے اور کیسے نکالے؟ کچھ عاملین حضرات سے پتہ کیا وہ کہتے ہیں دفینہ پر کوئی جن بیٹھا ہے اور وہ پہلوٹھی یعنی سب سے بڑا بیٹا مانگ رہا ہے یعنی وہ اس کی زندگی کی قربانی مانگ رہا ہے شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے؟ اگر ہم وہ دفینہ نکالیں تو شرعاً خراج وزکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟ کیا اس معاملہ کے لئے امیر اہلسنّت کے تعویذ ہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

آپ کو کیا خزانہ چھپانے والے ہندو نے خود بتایا ہے کہ میں آپ کے گھر چھپا کر گیا تھا اور ایک جن بھی اس پر مقرر کر چکا ہوں ایسا ہرگز نہ ہوگا محض وہمی بن کر اور جاہل پیسہ بٹورنے والے عامل وجادوگروں کی بات پر اعتبار کرنا وہ بھی ایسے وثوق کے ساتھ مسائل پوچھنے سے ایسا لگ رہا ہے کہ خزانہ دیگ کے اندر ہے اور ڈھکن اٹھانے کی دیر ہے اس طرح کے اوہامِ باطلہ کی پیروی میں وقت ضائع نہ کریں اگر تسلی کرنی ہے تو کھود کر دیکھ لیں جب کچھ نکال لیں تو دفینہ کا حکم پھر معلوم کر لیجئے گا اور بڑے بیٹے کو قتل کرنے کا جو وہ عامل مشورہ دے رہا ہے حیرت ہے آپ اس کے بارے میں بھی سوال کر رہے ہیں! مسلمان کی جان لینا اشد گناہِ کبیرہ ہے مسلمان کا بچہ بچہ اس سے واقف ہے مال کی محبت

میں اس طرح اندھا باولا ہو جانا کہ خلافِ شرع واضح اَحکام بھی یاد نہ رہیں پوچھنے کی نوبت آئے افسوس کی بات ہے۔

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہُ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــہ

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

11 جمادی الاولی 1429ھ 17 مئی 2008ء

خراجی زمین سے کیا مراد ہے؟

فتوی 394

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ خراجی زمین سے کیا مراد ہے؟

بِسْمِ اللہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّاب اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

خراجی زمین سے مراد وہ زمین ہے جو شہر کے فتح ہونے کے بعد مجاہدین پر تقسیم نہ کی گئی ہو بلکہ وہی لوگ برقرار رہے ہوں یا وہاں کفار بس گئے ہوں۔

جیسا کہ صدرُ الشّریعہ فرماتے ہیں: ''جو شہر بطورِ صلح فتح ہو یا جو لڑ کر فتح کیا گیا مگر مجاہدین پر تقسیم نہ ہوا بلکہ وہاں کے لوگ برقرار رکھے گئے یا دوسری جگہ کے کافر وہاں بسا دیئے گئے، یہ سب خراجی ہیں۔''

(بہارِ شریعت، صفحہ 446، جلد 2، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہُ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــــــــــہ

ابو الصالح محمد قاسم القادری

03 جمادی الثانی 1428ھ 19 جون 2007ء

عشر ٹھیکیدار اور کاشتکار دونوں دیں گے یا صرف کاشتکار دے گا؟

فتویٰ 395

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ جس شخص نے زمین ٹھیکے پر لی ہوئی ہو کیا وہ عشر ادا کرے گا اگر کرے گا تو ٹھیکہ نکال کر عشر ادا کرے گا یا ٹھیکہ نکالنے سے پہلے ادا کرے گا اور اگر پہلے ادا کرنے کا حکم ہے تو جس کی زمین اپنی نہیں ہے اس کو نفع کم ہوگا حالانکہ محنت دونوں کی ایک طرح کی ہوتی ہے مثلاً زید کی اپنی زرعی زمین ہے وہ اس کا عشر ادا کرتا ہے اور بکر نے زمین ٹھیکے پر لی ہے وہ بھی عشر ادا کرتا ہے مگر دونوں کے نفع میں بہت فرق آجاتا ہے یعنی زید اگر عشر کی ادائیگی کے بعد اَخراجات بھی نکال لے تو اس کو اچھا خاصا نفع حاصل ہوجاتا ہے جبکہ بکر کو عشر کی ادائیگی اور اَخراجات نکالنے کے بعد ٹھیکے کی رقم بھی نکالنی ہوتی ہے اس لئے اس کو نفع کم ملتا ہے۔
اب مجھے معلوم یہ کرنا ہے کہ کام دونوں کا ایک طرح کا ہے اور نفع ایک کو کم اور دوسرے کو زیادہ مل رہا ہے تو کیا ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ جس نے زمین ٹھیکے پر لی ہوئی ہے یہ ٹھیکے کی رقم نکال کر بقیہ میں سے عشر ادا کرے؟

سائل: محمد ندیم عطاری ولد مختار احمد آرائیں (چک نمبر L-12/113 تحصیل چیچہ وطنی، ضلع ساہیوال)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

جس شخص نے زمین ٹھیکہ پر لی ہوئی ہو اس سے حاصل ہونے والی فصل کا عشر اسی پر لازم ہوتا ہے زمین کے مالک پر لازم نہیں ہوتا۔

چنانچہ دُرِّ مُختار میں ہے: ”والعشر على المؤجر وقالا على المستأجر وفی الحاوی وبقولهما نأخذ“ یعنی امامِ اعظم کے نزدیک عشر مالک زمین پر ہے اور صاحبین کے نزدیک اس پر ہے جس نے

زمین ٹھیکہ پرلی ہےاور حاوی قدسی میں ہے کہ ہم صاحبین کے قول کو لیتے ہیں۔

(درمختار ، صفحہ 325 ، جلد 3 ، دارالمعرفۃ بیروت)

صدرُ الشَّرِیعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ''زمین جو زراعت کے لئے نقدی پر دی جاتی ہے امام صاحب کے نزدیک اُس کا عشر زمیندار پر ہے اور صاحبین کے نزدیک کاشتکار پر اور علامہ شامی نے یہ تحقیق فرمائی کہ زمانہ کے اعتبار سے اب قولِ صاحبین پر عمل ہے۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 921 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

چنانچہ شَیْخُ الْاِسْلَامِ وَ الْمُسْلِمِیْن شاہ امام احمد رضا خان عَلَیْہِ رَحْمَۃُ الرَّحْمٰن فرماتے ہیں: ''صاحبین کا مذہب یہ ہے کہ عشر صرف کاشتکار پر ہے اس پر فتویٰ دینے میں کوئی حرج نہیں بلکہ ان ملکوں میں جہاں اُجرت میں نقدی ٹھہری ہوتی ہے وہاں اسی پر فتویٰ ہونا چاہئے۔'' (فتاویٰ رضویہ ، صفحہ 203 ، جلد 10 ، رضا فاؤنڈیشن لاھور)

اور مسئلۂ شرعیہ کسی کی عقلی توجیہ سے نہیں بدلتا زمین کا ٹھیکہ نکالنے سے پہلے حاصل ہونے والی مکمل فصل میں سے عشر کی ادائیگی لازم ہے کیونکہ ٹھیکہ اس پر قرض ہے اور عشر کی ادائیگی میں قرض وغیرہ کا اعتبار نہیں ہوتا۔

صَدرُ الشَّرِیعَہ، بَدرُ الطَّرِیقَہ حضرت علامہ مولانا مفتی محمد امجد علی اعظمی عَلَیْہِ الرَّحْمَہ فرماتے ہیں: ''جس چیز میں عشر یا نصف عشر واجب ہو اس میں کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر لیا جائے گا یہ نہیں ہوسکتا کہ مصارفِ زراعت ہل، بیل، حفاظت کرنے والے اور کام کرنے والوں کی اُجرت یا بیج وغیرہ نکال کر باقی کا عشر یا نصف عشر دیا جائے۔''

(بہارِ شریعت ، صفحہ 918 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

دُرِّمُختَار میں ہے: ''یجب مع الدین ''یعنی اگر چہ کسی پر دین ہو اس پر بھی عشر واجب ہے۔

(درمختار ، صفحہ 314 ، جلد 3 ، دارالمعرفۃ بیروت)

اور جہاں تک آپ کا اعتراض ہے تو ایسا اعتراض تو ہر کم کمانے والا اپنے سے زیادہ مالدار کے بارے میں اور اس کے آسانی کے ساتھ مال کمانے پر کرسکتا ہے کیا اس طرح شریعت کا حکم بدل جائے گا ہر گز نہیں قربانی واجب ہونے کے لئے کم سے کم ساڑھے باون تولے چاندی کے مساوی رقم حاجتِ اَصلیہ سے زائد یا اتنی مالیت کا سامان

حاجتِ اَصلیہ سے زائد جس کے پاس ہو تو واجب ہوتی ہے جس کی مالیت آجکل ساٹھ ہزار کے قریب بنتی ہے تو اسے بھی قربانی کرنی واجب اور جو اربوں پتی ہو اس پر بھی وہی ایک قربانی کرنی واجب تو کیا کوئی کم آمدنی والا یہ کہہ سکتا ہے کہ امیر پر اس کے پیسوں کے مطابق زیادہ قربانیاں واجب ہونی چاہیے تھیں، ہرگز نہیں۔

یونہی جس کا اپنا مکان ہو وہ مکان کرائے پر دے کر کرایہ وصول کرے اور جس کا مکان نہ ہو وہ کرایا دے تو کیا کرائے دار یہ کہہ سکتا ہے کہ مالک مکان سے مکان چھین لیا جائے یا مجھے بھی مکان دلایا جائے وہ تو بڑے آرام سے ذاتی مکان دے کر پیسہ کما رہا ہے اور مجھے دوسرے ذرائع سے محنت کر کے کمانے کے بعد کرائے کی مد میں پیسے دینے پڑ رہے ہیں یہ عجیب و غریب فکری غلطی بھلا شکوہ و شکایت کے علاوہ اور کیا ہے؟ مسلمان کا کام اعتراض و شکوہ شکایت کرنا نہیں ماننا اور عمل کرنا ہے پیسہ آنے جانے والی چیز ہے اور رب تعالیٰ کی دَین ہے جسے چاہے جتنا چاہے وہ دے جسے ملے وہ شکر کرے اور جسے نہ ملے یا تنگی میں ہو تو صبر کرے یہ مسلمان پر لازم ہے اگر اس طرح مسائلِ شرعیہ کے مقابلے میں عقل کے اُلٹے گھوڑے دوڑانے شروع کئے تو شیطان لعین کے فریب میں مبتلا ہو کر گمراہی کے گڑھے میں بھی گر سکتے ہیں مسلمان کا کام ماننا ہے حکمت جاننا اگر اس لئے ہے کہ دل بہت مطمئن ہو جائے تو اچھی بات ہے مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ جس کی حکمت سمجھ نہ آئے اس مسئلہ ہی کی تبدیلی چاہی جائے حکمت ہمارے علم میں ہو یا نہ ہو جو ضروری بات کو مانے وہ سیدھی راہ پر ہے اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

وَ اللّٰہُ اَعْلَمُ عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــــه

المتخصص فی الفقه الاسلامی

محمد ماجد رضا عطاری المدنی

20 شوال المکرم 1432ھ 19 ستمبر 2011ء

الجواب صحیح

عبدہ المذنب فضیل رضا العطاری عفا عنہ الباری

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”ما عبد اللہ بشیء أفضل من فقه فی دین“ ترجمہ: اللہ تعالیٰ کی عبادت کسی بھی ایسی چیز کے ساتھ نہیں کی جاسکتی جو فقہ سے افضل ہو۔ (یعنی دین میں غور و فکر کرنا سب سے افضل عبادت ہے) (شعب الایمان، فصل فضل العلم الخ، حدیث 1671)

کیا کھیتی کٹنے سے پہلے عشر دیا جا سکتا ہے؟

فتویٰ 396

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا کھیتی کٹنے سے پہلے عشر دیا جاسکتا ہے؟

سائل: محمد ساجد

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

جب کھیتی اور پھل نفع کے قابل ہو جائے اگر چہ ابھی کٹنے کے قابل نہ ہو تو اس کا عشر ادا کر سکتے ہیں۔

حضرت علامہ علاؤالدین حصکفی عَلَيْهِ الرَّحْمَه دُرِّمُختَار میں نقل کرتے ہیں: ''ویوخذ العشر عند الامام وعند ظهور الثمرة وبدو صلاحها'' امام اعظم عَلَيْهِ الرَّحْمَه کے نزدیک پھل ظاہر ہونے اور اس کا نفع ظاہر ہونے کے وقت اس کا عشر لیا جائے گا۔ (درمختار، صفحہ 321، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

اس کے تحت علامہ محمد ابنِ عابدین عَلَيْهِ الرَّحْمَه رَدُّالْمُحتَار میں لکھتے ہیں: ''واختلفوفی وقت العشر فی الثمار والزرع فقال ابوحنيفة وزفريجب عند ظهور الثمرة والا من عليها من الفساد وان لم يستحق الحصاد اذا بلغت حدا ينتفع بها'' یعنی پھل اور کھیتی میں عشر کے وقت کے بارے میں اختلاف ہے امام الائمہ امام اعظم ابوحنیفہ اور امام زفر عَلَيْهِمَا الرَّحْمَه کے نزدیک جب پھل ظاہر ہو جائیں اور ان کے فساد کا اندیشہ نہ ہو تو اس وقت عشر واجب ہو جائے گا جبکہ نفع کے قابل ہو جائیں اگر چہ ابھی کٹنے کے قابل نہ ہوں۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار، صفحہ 321، جلد 3، دارالمعرفة بیروت)

صَدرُالشَّرِیعَه، بَدرُالطَّرِیقَه حضرت علامہ مولانا محمد امجد علی اعظمی عَلَيْهِ الرَّحْمَه بہارِ شریعت میں لکھتے ہیں: ''عشر اس وقت لیا جائے جب پھل نکل آئیں اور کام کے قابل ہو جائیں اور فساد کا اندیشہ جاتا رہے، اگر چہ ابھی

توڑنے کے لائق نہ ہوئے ہوں۔" (بہارِ شریعت، صفحہ 919، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّی اللهُ تَعَالٰی عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبـــــــــه

ابو محمد علی اصغر العطاری المدنی

4 رجب المرجب 1433ھ 26 مئی 2012ء

باغ ٹیوب ویل سے سیراب ہو تو کتنا عشر دیا جائے گا؟

فتویٰ 397

کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ میرا سیب کا ایک باغ ہے جس کو ٹیوب ویل سے سیراب کیا جاتا ہے جس کا ہر ماہ کا بل 4000 دیا جاتا ہے اس کے علاوہ اور بھی اُخراجات ہیں مثلاً کسان کی مزدوری، دلال کا کمیشن، ٹریکٹر کا کرایہ وغیرہ تو عشر ان تمام خرچوں کو باغ کی قیمت سے نکال کر دیا جائے گا یا باغ کی قیمت میں شامل کر کے دیا جائے گا؟

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَایَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

عشر یا نصف عشر باغ کی قیمت پر نہیں ہوتا بلکہ باغ کی کل پیداوار پر ہوتا ہے اور پیداوار سے زراعت، مزدوری، دلال کا کمیشن وغیرہ نہیں نکالا جائے گا بلکہ کل پیداوار پر جس میں اُخراجات بھی شامل ہوں عشر یا نصف عشر ہوگا اور صورتِ مسئولہ میں کل پیداوار کا بیسواں حصہ واجب ہے۔

صَدرُ الشَّرِیْعَه، بَدرُ الطَّرِیْقَه علامہ مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَةُ اللّٰهِ تَعَالٰی عَلَیْه ارشاد فرماتے ہیں: جو کھیت بارش یا نہر نالے کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے اور جس کی آبپاشی چرسے یا ڈول سے ہو اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے اور پانی خرید کر آبپاشی ہو یعنی وہ پانی کسی کی مِلک ہے اُس

سے خرید کر آبپاشی کی جب بھی نصف عشر واجب ہے۔

جس چیز میں عشر یا نصف عُشر واجب ہوا اس میں کل پیداوار کا عشر یا نصف عشر لیا جائے گا یہ نہیں ہو سکتا کہ مصارفِ زراعت ہل، بیل، حفاظت کرنے والے اور کام کرنے والوں کی اُجرت یا بیج وغیرہ نکال کر باقی کا عشر یا نصف عشر دیا جائے۔ (بہارِشریعت ، صفحہ 918 ، جلد 1 ، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

ابوالصالح محمد قاسم القادری

12 رجب المرجب 1428ھ 28 جولائی 2007ء

کیا پھل کی کاشتکاری میں اَخراجات مِنہا ہوں گے؟

فتویٰ 398

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ زید کاشتکار ہے اس کے پھلوں کے درخت ہیں جس سے اس کے گھر کا گزر اوقات ہوتا ہے جب یہ پھل درختوں پر تیار ہو جاتا ہے تو زید اس کو بیچنے کیلئے بازار سے گھاس، پیپر اور پیٹیاں وغیرہ اُدھار لاتا ہے تو کیا زید کو ان اشیاء کی رقم ان پھلوں کی قیمت میں سے نکال کر بقیہ پر عشر دینا ہوگا یا پھلوں کی ٹوٹل قیمت میں سے عشر دینا ہوگا؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

پھلوں کی ٹوٹل قیمت میں سے عشر دینا ہوگا اور یہ یاد رہے کہ ہر فصل پر عشر یعنی فصل کا دسواں حصہ دینا لازم نہیں ہوتا بلکہ اگر ایسی زمین ہے جس کو بارش، نہر یا نالے وغیرہ (بغیر اجرت ادا کئے) کے پانی سے سیراب کیا جائے اس میں عشر یعنی دسواں حصہ واجب ہے اور جس فصل کو ڈول وغیرہ کے ذریعے پانی دیا گیا یا اپنے ٹیوب ویل سے پانی دیا

گیا اس میں نصف عشر یعنی بیسواں حصہ واجب ہے اور اگر دونوں طرح سے آبپاشی کی تو جس سے زیادہ آبپاشی کی اس کا اعتبار ہوگا۔

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

كتبـــــــــه

المتخصص فی الفقه الاسلامی

محمد ماجد رضا العطاری المدنی

9 شعبان المعظم 1428ھ 23 اگست 2007ء

الجواب صحیح

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِم القَادِرِی

کیا گندم سے حاصل ہونے والے بھوسے پر عشر ہوگا؟

فتویٰ 399

کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ گندم سے حاصل ہونے والے بھوسے پر عشر ہے یا نہیں؟

سائل: محمد ساجد عطاری (بادامی باغ، مرکز الاولیاء، لاہور)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ اَللّٰهُمَّ هِدَايَةَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

گندم کی فصل میں چونکہ دانے مقصود ہوتے ہیں بھوسہ مقصود نہیں ہوتا اس لئے صرف گندم کے دانوں پر عشر ہے بھوسے پر نہیں۔

صاحبِ ہدایہ علامہ برہان الدین رَحْمَةُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ لکھتے ہیں: ”بخلاف السعف والتبن لأن المقصود الحب والتمر دونهما“ ترجمہ: کھجور کے پتوں اور بھوسے پر عشر نہیں ہے کیونکہ مقصود کھجوریں اور دانے ہوتے ہیں نہ کہ پتے اور بھوسہ۔ (هدایه اوّلین، صفحه 218، مطبوعه لاهور)

یونہی بَحرُ الرَّائِق وتَبیینُ الْحَقَائِق میں ہے: ”کل ما لا یقصد به استغلال الأرض لایجب فیه

العشر وذلک مثل السعف والتبن ''ترجمہ: ہر وہ چیز جس سے زمین کا نفع حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا اس میں عشر واجب نہیں جیسا کہ کھجور کے پتے اور بھوسہ۔ (تبیین الحقائق، صفحہ 292، جلد 1، مطبوعہ ملتان)

مفتی محمد امجد علی اعظمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ لکھتے ہیں: ''جو چیزیں ایسی ہوں کہ اُن کی پیداوار سے زمین کے منافع حاصل کرنا مقصود نہ ہو اُن میں عشر نہیں، جیسے ایندھن، گھاس، نرکل، سینٹھا، جھاؤ، کھجور کے پتے، خطمی، کپاس، بیگن کا درخت، خربزہ (خربوزہ)، تربز (تربوز)، کھیرا، ککڑی کے بیج۔ یوہیں ہر قسم کی ترکاریوں کے بیج کہ اُن کی کھیتی سے ترکاریاں مقصود ہوتی ہیں، بیج مقصود نہیں ہوتے۔'' (بہارِ شریعت، صفحہ 917، جلد 1، مکتبۃ المدینہ)

وَ اللہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

کتبہ

اَبُوالصَّالِح مُحَمَّد قَاسِمُ الْقَادِرِی

1 رجب المرجب 1432ھ 23 مئی 2012ء

عشر کی ادائیگی قرض نکالنے کے بعد کی جائیگی یا پہلے؟

فتوی 400
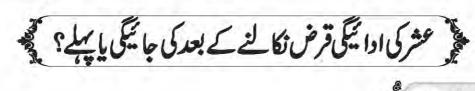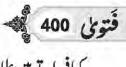
کیا فرماتے ہیں علمائے دین و مفتیانِ شرع متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ ایک بندے کے اوپر قرض ہو اور وہ جو فصل کاشت کرے اس فصل میں سے قرض نکال کر عشر دیا جائے گا یا عشر کل فصل پر ہوگا؟

سائل: محمد اجمل نورانی (ضلع ننکانہ)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

اَلْجَوَاب بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَهَّاب اَللّٰهُمَّ هِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَاب

عشر کل پیداوار پر ہوتا ہے قرض اور دیگر اخراجات نہیں نکال سکتے۔ دُرِّ مُختار میں ہے: ''ولا یمنع

الدین وجوب عشر وخراج و کفارۃ"ترجمہ:وجوبِ عشر،خراج اور کفارہ میں قرض مانع نہیں۔

(درمختار، صفحہ 212 ، جلد 3 ، دارالمعرفۃ بیروت)

وجہ بیان کرتے ہوئے علامہ شامی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ فرماتے ہیں:"لانھما مؤنۃ الارض النامیۃ حتی یجب فی الارض الموقوفۃ وأرض المکاتب "ترجمہ:خراج وعشر زمین نامی کی پیداوار ہیں یہاں تک کہ موقوفہ ومکاتب کی زمین پر بھی واجب ہے۔

(ردالمحتار علی الدرالمختار ، صفحہ 212 ، جلد 3 ،دارالمعرفۃ بیروت)

وَ اللّٰہُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُہٗ اَعْلَم صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّم

الجواب صحیح

ابوالصالح محمد قاسم القادری

کتبـــــــــــــــــــــــــــــــہ

المتخصص فی الفقہ الاسلامی

ابواحمد محمد انس رضا عطاری

23 ربیع الآخر 1431ھ 09 اپریل 2010ء

کیا عشر کا حساب لگاتے وقت قرض منہا ہوگا؟

فتوی 401
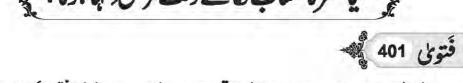
کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیانِ شرعِ متین اس مسئلہ کے بارے میں کہ کیا فقیر پر بھی عشر واجب ہے یا نہیں؟

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلْجَوَابُ بِعَوْنِ الْمَلِکِ الْوَھَّابِ اَللّٰھُمَّ ھِدَایَۃَ الْحَقِّ وَ الصَّوَابِ

عشر زمین کی پیداوار پر ہوتا ہے،اب وہ زمین کسی کی بھی ہو، چاہے کسی بچے کی ہو یا فقیر کی ہو،عشر واجب ہونے کیلئے جس طرح عاقل، بالغ ہونا شرط نہیں ہے اسی طرح غنی ہونا بھی شرط نہیں ہے۔

جیسا کہ عِنَایَہ شَرحِ ھِدَایَہ میں ہے:"أن الغنی صفۃ المالک والمالک فی باب العشر غیر

معتبر حتى يجب في أراضي المكاتب والصبي والمجنون والأراضي الموقوفة على المساجد فكيف بصفته وهو الغني ''ترجمہ: غنی ہونا زمین کے مالک کی صفت ہے اور عشر میں تو مالک ہونے کا بھی اعتبار نہیں ہے (یعنی عشر واجب ہونے کیلئے ضروری نہیں ہے کہ زمین کا مالک ہو)، حتی کہ مُکاتَب اور بچہ اور پاگل کی زمین میں اور جو زمینیں مساجد پر وقف کی گئی ہوں اُن پر بھی عشر واجب ہوتا ہے، تو مالک کی صفت یعنی غنی ہونے کا اعتبار کیسے کیا جائے گا۔ (عنایه شرح هدایه علی هامش الفتح القدیر، صفحه 188، جلد 2، مطبوعه کوئٹه)

وَ اللّٰهُ اَعْلَم عَزَّوَجَلَّ وَ رَسُوْلُهٗ اَعْلَم صَلَّى اللّٰهُ تَعَالٰى عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم

کتبــــــــــه

ابُو محمّد علی اصغر العطّاری المدنی

13 جمادی الثانی 1432ھ 17 مئی 2011ء

کھیتی کا حق ادا کرو

مفتی احمد یار خان نعیمی رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ قرآن پاک کی آیت: ''وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ'' ترجمہ: ''اور ادا کرو حق اس کا اس کے کاٹنے کے دن'' کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ''سونے چاندی تجارتی مال کی زکوٰۃ میں اور پیداوار کی زکوٰۃ میں چند طرح فرق ہے۔ 1: ان زکوٰتوں میں نصاب شرط ہے۔ نصاب سے کم پر زکوٰۃ فرض نہیں مگر پیداوار کی زکوٰۃ میں نصاب نہیں ہر تھوڑے بہت پر زکوٰۃ ہے۔ 2: زکوٰتوں میں سال گزرنا شرط ہے۔ پیداوار کی زکوٰۃ میں یہ شرط نہیں پھل ٹوٹتے ہی کھیتی کٹتے ہی یہ زکوٰۃ فرض ہے۔ 1: وہ زکوٰتیں صرف عاقل بالغ پر فرض ہیں مگر پیداوار کی زکوٰۃ نابالغ بچے، دیوانہ، پاگل پر بھی فرض ہے۔ 4: ان زکوٰتوں میں قرض کاٹ دیا جاتا ہے، پیداوار کی زکوٰۃ میں قرض نہیں کاٹا جاتا، مقروض پر بھی دینا فرض ہے۔ 5: ان کی زکوٰتوں میں حاجت اصلیہ کو علیحدہ کر دیا جاتا ہے جو حاجت اصلیہ سے بچے اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ 6: وہ زکوٰتیں سال میں صرف ایک بار واجب ہوتی ہیں مگر پیداوار کی زکوٰۃ میں یہ رعایت بھی نہیں اگر سال میں چار فصلیں لی جاویں تو ہر فصل کی زکوٰۃ دینا پڑے گی یہ تمام فرق ایک لفظ ''يَوْمَ حَصَادِهٖ'' سے معلوم ہوئے۔ 7: ان زکوٰتوں کی مقدار چالیسواں حصہ ہے مگر پیداوار کی زکوٰۃ دسواں حصہ یا بیسواں یعنی ان زکوٰتوں سے چوگنا یا دوگنا۔ وجہ ظاہر ہے کہ وہ زکوٰتیں محض عبادات ہیں مگر پیداوار کی زکوٰۃ عبادت بھی ہے اور ایک طرف کا ٹیکس بھی۔ ٹیکس میں وہ رعایتیں نہیں ہوتیں جو محض عبادات میں ہوتی ہیں۔ (تفسیر نعیمی، پارہ 8، صفحہ 160، مطبوعہ مکتبہ اسلامیہ)

باب ثامن

تحقیقی مقالات

(آئندہ ایڈیشن میں ان شآء اللہ)

عام فرد، ریٹیلر، ہول سیلر وغیرہ مال زکوۃ کی قیمت کا تعین کیسے کریں؟ تحقیقی مقالہ

از: مفتی فضیل رضا العطاری مُدَّظِلُّہُ العَالی

شرعی فقیر کو برادری یا سماجی سطح پر قائم خیراتی فنڈ سے زکوۃ کا سوال کرنے کی تنقیح

از: مفتی علی اصغر العطاری المدنی مُدَّظِلُّہُ العَالی

طویل المیعاد قرضوں کا منہا ہونا اور اس کے دلائل

از: مفتی ہاشم خان العطاری المدنی مُدَّظِلُّہُ العَالی

گھر کے سربراہ کی بغیر اجازت فطرہ، قربانی اور زکوۃ کی ادائیگی پر تنقیح

از: مولانا سجاد العطاری المدنی زِیْدَ مَجْدُہٗ

صدقاتِ واجبہ کو باہم اور نافلہ کے ساتھ خلط کرنے کے مسائل رخصت اور ممانعت کے تناظر میں

از: مولانا حسان رضا العطاری المدنی زِیْدَ مَجْدُہٗ

شیئرز پر زکوۃ کی تحقیق

از: مولانا نوید رضا العطاری المدنی زِیْدَ مَجْدُہٗ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰه عَزَّوَجَلَّ تبلیغِ قرآن وسنّت کی عالمگیر غیر سیاسی تحریک دعوتِ اسلامی کے مہکے مہکے مَدَنی ماحول میں بکثرت سنّتیں سیکھی اور سکھائی جاتی ہیں، ہر جمعرات مغرب کی نماز کے بعد آپ کے شہر میں ہونے والے دعوتِ اسلامی کے ہفتہ وار سنّتوں بھرے اجتماع میں رضائے الٰہی کیلئے اچھی اچھی نیّتوں کے ساتھ ساری رات گزارنے کی مَدَنی التجا ہے۔ عاشقانِ رسول کے مَدَنی قافلوں میں بہ نیتِ ثواب سنّتوں کی تربیت کیلئے سفر اور روزانہ فکرِ مدینہ کے ذریعے مَدَنی انعامات کا رسالہ پُر کر کے ہر مَدَنی ماہ کے ابتدائی دس دن کے اندر اندر اپنے یہاں کے ذمّے دار کو جمع کروانے کا معمول بنالیجئے، اِنْ شَآءَ اللّٰه عَزَّوَجَلَّ اس کی بَرَکت سے پابندِ سنّت بننے، گناہوں سے نفرت کرنے اور ایمان کی حفاظت کیلئے کُڑھنے کا ذہن بنے گا۔

ہر اسلامی بھائی اپنا یہ ذہن بنائے کہ "**مجھے اپنی اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کرنی ہے۔**" اِنْ شَآءَ اللّٰه عَزَّوَجَلَّ اپنی اصلاح کی کوشش کے لیے "**مَدَنی انعامات**" پر عمل اور ساری دنیا کے لوگوں کی اصلاح کی کوشش کے لیے "**مَدَنی قافلوں**" میں سفر کرنا ہے۔ اِنْ شَآءَ اللّٰه عَزَّوَجَلَّ

مکتبۃ المدینہ کی شاخیں

- کراچی: شہید مسجد، کھارادر۔ فون: 021-32203311
- لاہور: داتا دربار، مارکیٹ، گنج بخش روڈ۔ فون: 042-37311679
- سردار آباد: (فیصل آباد) امین پور بازار۔ فون: 041-2632625
- کشمیر: چوک شہیداں، میر پور۔ فون: 058274-37212
- حیدرآباد: فیضانِ مدینہ، آفندی ٹاؤن۔ فون: 022-2620122
- ملتان: نزد پیپل والی مسجد، اندرون بوہڑ گیٹ۔ فون: 061-4511192
- اوکاڑہ: کالج روڈ بالمقابل غوثیہ مسجد، نزد تحصیل کونسل ہال۔ فون: 044-2550767
- راولپنڈی: فضل داد پلازہ، کمیٹی چوک، اقبال روڈ۔ فون: 051-5553765
- پشاور: فیضانِ مدینہ، گلبرگ نمبر 1، النور اسٹریٹ، صدر۔
- خان پور: دُرانی چوک، نہر کنارہ۔ فون: 068-5571686
- نواب شاہ: چکرا بازار، نزد MCB۔ فون: 0244-362145
- سکھر: فیضانِ مدینہ، بیراج روڈ۔ فون: 071-5619195
- گوجرانوالہ: فیضانِ مدینہ، شیخوپورہ موڑ، گوجرانوالہ۔ فون: 055-4225653
- گلزارِ طیبہ (سرگودھا) فیضانِ مدینہ، کالج روڈ، نزد جامع مسجد۔ 048 6007128

فیضانِ مدینہ، محلّہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی، بابُ المدینہ (کراچی)

فون: 021-34921389-93 Ext: 2634

Email: ilmia@dawateislami.net

Web: www.dawateislami.net